العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ
فتاوی رضویۃ
۲۶
امام اہلسنت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت
امام احمد رضا خان قادری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ
رضا فاؤنڈیشن
لاہور، پاکستان

وارث علوم اعلیٰ حضرت، نبیرۂ حجۃ الاسلام، جانشین مفتی اعظم ہند، جگر گوشۂ مفسر اعظم، شیخ الاسلام والمسلمین، قاضی القضاۃ، تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی الشاہ **محمد اختر رضا خان قادری ازہری**

اور خانوادۂ اعلیٰ حضرت کے دیگر علمائے کرام کی تصنیفات اور حیات و خدمات کے مطالعہ کے لئے وزٹ کریں

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

Contents

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عرَبی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۶

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۶

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ۶۱۶

اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ / مارچ ۲۰۰۴ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰

* مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ **انتہائی کامیابی اور** برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں :

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً چودہ سال کے مختصر عرصہ میں چھبیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی پچیس جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطھارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطھارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطھارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطھارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰______اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰______ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰______فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱______جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر______۱۴۲۲___مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل____۱۴۲۳____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری____۱۴۲۳___اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ____۱۴۲۳_____فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ____۱۴۲۳_____فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب____۱۴۲۴___ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشارہ و استفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے

بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہٰذا اکیسویں[۲۱] جلد سے مسائل حظر واباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۲، ۲۱، ۲۴، ۲۳ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ و دیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوائے اعلیٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم و دوازدہم میں غیر مبوّب و غیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیٰحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف و کرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط و منضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم و دوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیٰحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں و مناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

چھبیسویں ۲۶ جلد

یہ جلد ۳۲۵ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولھویں، سترہویں، اٹھارہویں، انیسویں، بیسویں، اور پچیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الفرائض اور کتاب الشتی (حصہ اول) کے چند ابواب یعنی تاریخ وتذکرہ، فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن، محافل ومجالس، تصوف وطریقت اور اَوراد ووظائف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے۔

تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں لہٰذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً درج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ ابواب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت وابہام پیدا نہ ہو۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل آٹھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع (۱۳۱۵ھ)

عصبہ بنفسہٖ کی قسم چہارم یعنی فروع جد میت کے بارے میں آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء کا مفصل ومدلل جواب۔

(۲) طیب الامعان فی تعدد الجھات والابدان (۱۳۱۷ھ)

وراثت میں تعدّد جہات وابدان کے معتبر ہونے کا روشن بیان۔

(۳) تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم (۱۳۲۱ھ)

بعض مسائل فرائض میں کچھ علماء معاصرین کی غلط فہمیوں کا ازالہ

(۴) نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال (۱۳۱۷ھ)

حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور وصال اقدس کی صحیح تاریخ باعتبار قمری ماہ وسال۔

(۵) جمع القرأن وبم عزّوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ)

جمع قرآن کی تاریخ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اس کو منسوب کرنے کا سبب۔

(۶) الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ)

علوم ارحام سے متعلق آیات کریمہ کی تفسیر اور ڈاکٹروں کے ادعاء اور پادریوں کا رَدّ۔

(۷) اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تھامۃ (۱۲۹۸ھ)

محفل میلاد میں بوقت ذکر ولادت طیبہ قیام تعظیمی کا ثبوت اور اس کے منکرین کا رَدِّ بلیغ

(۸) کشف حقائق واسرارِ دقائق (۱۳۰۸ھ)

تصوف سے متعلق چند اشعار کی توضیح وتشریح۔

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ و عصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہو رہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
۲/مارچ ۲۰۰۴ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

شرعاً صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں، اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے۔	۲۸۹	جس مکان کو متعلق خانقاہ مہمان خانہ یا لنگر خانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس کے مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکر الٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعاً قابل تقسیم ہے یا نہیں۔	۲۹۱
شرعاً عرس سالانہ مورث ونذر ونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہوسکتے ہیں یا نہیں۔	۲۸۹	اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعاً اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۱
شرعاً خانقاہ کس کو کہتے ہیں۔	۲۸۹	قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔	۲۹۱
جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکر الٰہی کیا کرتے ہوں یا تعلیم ذکر الٰہی ہوتی ہو یا عرس یا جلسہ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پائخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکہ مورث ہے یا نہیں اور قابل تقسیم ہے یا نہیں۔	۲۹۰	ورثاء کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے۔	۲۹۱
جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح ومرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلا شرکت غیرے اپنا قبضہ خالص اپنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں، اور ایسا مکان وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۰	کیا عورت بوجہ ناقابلیت کے فطرتی کسی ترکہ مورث سے محروم رہ سکتی ہے۔	۲۹۲
فرش وشیشہ آلات ودیگر اسباب منقولہ جو عرس میں اہل اللہ کے کارآمد ہوتا ہے قابل تبلیغ وراثت ہے یا نہیں۔	۲۹۰		

فہرست ضمنی مسائل

کتاب الفرائض

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱: یکم ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک عورت قوم طوائف سے تھی جس نے عمرو سے نکاح کیا، ہندہ کی نائکہ کے اور بھی چند رنڈیاں مختلف البطن تھیں جو اپنا پیشہ کسب اب تک کرتی ہیں ہندہ نے جس کا کوئی وارث نہ تھا شوہر کے بھتیجے کو متبنّٰی کیا اور اپنی حیات میں اپنے کل متروکہ کی بابت جو اسے ترکہ شوہر ہی سے پہنچا تھا زید کے لئے وصیت کی کہ میرے بعد کل ترکہ کا مالک زید ہو، اب بعد انتقال ہندہ اس کی نائکہ کی دوسری رنڈیاں لیلٰی بدعوی خواہری ترکہ چاہتی ہے اس صورت میں شرعًا حق لیلٰی کا ہے یا زید کا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

شوہر کا بھتیجا یہ اپنا متبنّی شرعًا وارث نہیں، پس اگر گواہان عادل سے جنہیں شرع قبول کرلے وصیت ثابت ہوجائے تو شک نہیں کہ زید ہر طرح موصی لہ ہوگیا خواہ لیلٰی ہندہ کی بہن ہو یا نہ ہو فرق یہ ہوگا کہ لیلٰی وہندہ ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں تو وہ اخیافی بہن ٹھہر کر چھٹے حصے کی فرضًا اور نصف کی ردًا مستحق ہوگی **فان الرد مقدم عندنا علی الموصی لہ لجمیع المال** (کیونکہ ہمارے نزدیک رَد اس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے۔ت)

صرف ایک ثلث باقی بعد ادائے دَین میں وصیت نافذ ہوگی دو ثلث باقیماندہ لیلٰی کو ملیں گے۔فرضًا و ردًّا اور اگر ثابت ہوگا کہ لیلٰی ہندہ کی بہن نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے انہیں بہنیں کہاجاتا کہ دونوں ایک ڈیرے کی رنڈیاں تھیں تو وصیت کل مال میں جاری ہوگی اور بعد ادائے دَین اگر ذمہ ہندہ ہو کل متروکہ زید کو ملے گا مگر اس امر کالحاظ واجب ہے کہ نسب کے ثبوت میں صرف شہرت کافی ہے کما فی الخلاصۃ والخانیۃ والھدایۃ والھندیۃ والدر وغیرھا (جیساکہ خلاصہ، خانیہ، ہدایہ، ہندیہ اور در وغیرہ میں ہے۔ت) پس اگر مشہور ہو کہ یہ دونوں عورتیں ایک ماں کے پیٹ سے ہیں اگرچہ اولادِ زنا ہی ہوں تو بیشک وہ بہنیں ٹھہریں گی اور لیلٰی وارثہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ (جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: ۲۲جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے مرتے وقت زیور اپنے بھائی کے سپرد کیا اور یہ کہا یہ زیور میری بہو متوفی کا ہے، اس تفصیل سے کہ کچھ اس کے والدین کا دیا ہوا ہے اور کچھ میرا دیا ہوا ہے اور اول بہو کا انتقال ہوا تو اس کی تجہیز و تکفین میں نے کی اور بعد کو اس کے خاوند کا انتقال ہوا تو اس کی بھی تجہیز و تکفین میں نے کی اور دونوں لاولد مرے ہیں اور بالعوض اس کے مال دونوں کے مرنے میں اس مال کی تعداد سے زیادہ روپیہ خرچ ہوگیا ہے اور اس مال میں کسی کا دعوٰی نہیں ہے تم بعد میرے کل مال کے میرے خیرات کردینا، اب بہو کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کا مال ہے ہم وارث ہیں اور خاوند کے وارکہتے ہیں کہ ہمارے بھائی اور بھاوج کا مال ہے ہم وارث ہیں، عورت کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کا مہر بھی چاہئے، خاوند کے وارث کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی نے کہا کہ مہر مجھ کو میری زوجہ نے بخش دیا ہے۔اب بموجب شرع شریف کے وہ مال خیرات کیاجائے یا وارثان کو دیا جائے اور کس کس وارث کو کس تعداد سے دیا جائے؟

الجواب:

اگر عورت نے اپنی بہو کی تجہیز و تکفین اپنے پاس سے بطور خود کی تو اس کا معاوضہ پانے کی اصلًا مستحق نہیں،

فی العقود الدریۃ عن التتارخانیۃ عن العیون اذا کفن الوارث المیّت	عقود الدریہ میں تاتارخانیہ سے بحوالہ عیون منقول ہے کہ جب اپنے مال سے میت کو کفن پہنائے

من مال نفسه یرجع والا جنبی لایرجع[1] اھ وفیہا عن نہج النجاۃ لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیر امرالوارث فلیس له الرجوع اشھد علی الوارث اولم یشھد[2]۔	تو وہ ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کرسکتا اھ اور اسی میں نہج النجاۃ سے منقول ہے اگر غیر وارث اپنے مال سے وارث کی اجازت کے بغیر اس نیت سے میت کو کفن پہنائے کہ وہ میت کے ترکہ میں رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں چاہے وارث کی موجودگی میں ایسا کرے یا غیر موجودگی میں۔(ت)

اس تقدیر پر نصف زیور خاص بہو کے ماں باپ کا ہے جس کی نسبت عورت کی وصیت محض مہمل، اور اگر شوہر متوفاۃ یعنی اپنے پسر خواہ بہو کے مادر یا پدر غرض اس کے کسی وارث کے اذن سے تجہیز وتکفین کی تو جس قدر صرف کفن دفن میں صَرف ہوا بشرطیکہ اس میں قدر سنت یعنی پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو اس قدر کی قیمت بہو کے ترکہ سے لے سکتی ہے۔

فی العقود اما الاجنبی فلارجوع له مطلقا الا فی اذن له الوارث[3]۔	عقود میں ہے لیکن اجنبی کو مطلقاً رجوع کا حق نہیں سوائے اس کے کہ وارث نے اس کی اجازت دی ہو۔(ت)

باقی کا نصف اس کے ماں باپ کا حق ہے، رہا دونوں صورتوں پر باقیماندہ آدھا نصیبہ شوہر تھا، اب تجہیز وتکفین پسر میں بھی نظر کریں گے اگر قدر سنت یا کفن مثل سے زیادت کی ہے مثلاً تین کپڑوں کی جگہ چار کپڑے دیئے یا جیسے کپڑے وہ عید کو پہنتا تھا ان سے بہتر کفن دیا تو یہاں بھی ترکہ پسری سے اس کا مطالبہ نہ کرسکیں گے بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا جو اس نے بطور خود کیا،

فی العقود عن الانقروی عن مجمع الفتاوٰی، ان کفنه باکثر من کفن المثل لایرجع لان احد الورثة لا یملکه وھل له ان یرجع فی الترکة بقدر کفن المثل	عقود میں انقروی سے بحوالہ مجمع الفتاوٰی منقول ہے اگر وارث نے میت کو کفن مثلی سے زائد پہنایا تو رجوع نہیں کرے گا کیونکہ کوئی ایک وارث ایسا نہیں کرسکتا، کیا صورت مذکورہ میں اس کو ترکہ میں کفن مثلی کی حد تک رجوع کا

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

قالوا لا یرجع لان اختیارہ ذٰلك دلیل التبرع[1] اھ قلت مثلہ فی الخانیۃ مقتصرا معللا وبہ حکم فی الخلاصۃ والبزازیۃ والملتقط وان قالوا فیما بعد انہ ان قیل یرجع بقدر الکفن المثل فلہ وجہ کما ھو لفظ الاولین اولا یبعد کما ھو لفظ الاخیر فان ذٰلك لیس بروایۃ ولا فیہ دلالۃ علی الحکم بہ اوالاختیار کما لا یخفٰی۔	حق ہے؟ مشائخ نے کہا کہ اسے حق نہیں کیونکہ کفن مثلی سے زائد کو اختیار کرنا تبرع کی دلیل ہے اھ میں کہتا ہوں اسی کی مثل خانیہ میں ہے اقتصار کرتے ہوئے اور علت بیان کرتے ہوئے، اسی کے ساتھ حکم لگایا گیا ہے خلاصہ، بزازیہ اور ملتقط میں اگرچہ اس کے بعد مشائخ نے فرمایا کہ اگر مثلی کفن کے برابر رجوع کرنے کا قول کیا جائے تو اس کی بھی وجہ ہے جیسا کہ پہلی دونوں کتابوں کی عبارت ہے یا یہ کہ ایسا کرنا بعید نہیں جیسا کہ آخری کتاب کی عبارت ہے کیونکہ یہ کوئی روایت نہیں اور نہ ہی اس میں مذکور کے ساتھ حکم لگانے یا اسے اختیار کرنے پر دلالت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اسی طرح کفن دفن کے علاوہ سوئم، چہلم، فاتحہ، درود وغیرہا کے مصارف کہیں مجرا نہیں ملتے،

فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار التجھیز لا یدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمۃ فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[2]۔	درمختار پر حاشیہ طحطاویہ میں ہے کہ میت کی تجہیز میں دعا و درود، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام کرنا داخل نہیں کیونکہ یہ لازمی امور میں سے نہیں ہیں لہٰذا ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں شمار کیا جائے گا اور وہ متبرع ہوگا۔ اور یہی حکم ہوگا اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو۔ (ت)

ہاں اگر تجہیز و تکفین پسر مطابق سنت کی اور اس میں کفن مثل پر زیادت نہ کی تو بیشک ترکہ پسری

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴ /۳۶۷

میں اس قدر کا استحقاق سب وارثان سے پیشتر رکھتی ہے لانہ دین والدین مقدم علی الارث (کیونکہ وہ قرض ہے اور قرض میراث پر مقدم ہے۔ت) اور یہاں کسی وارث پسر کا اذن بھی درکار نہیں کہ عورت خود اپنے پسر کی وارث تھی۔

فی العقود عن حاوی الزاھدی احد الورثۃ انفق فی تجھیز المیت من الترکۃ بغیر اذن الباقین یحسب من مال المیت ولایکون متبرعا[1]۔	عقود میں حاوی الزاہدی سے منقول ہے اگر کسی ایک وارث نے باقی وارثوں کی اجازت کے بغیر میت کے ترکہ میں سے اس کی تجہیز پر خرچ کیا تو وہ میت کے ترکہ سے شمار کیا جائے گا اور وہ خرچ کرنے والا متبرع نہیں ہوگا۔(ت)

مگر صرف اس کا کہنا کہ میں اپنے پاس سے پسر کا کفن دفن کیا حجت نہیں دیگر ورثہ بھی مانیں یا گواہان شرعی سے ثبوت ہو تو اس وقت یہ ٹھہرے گا کہ پسر پر اس قدر اس کی ماں کا دَین ہے۔یونہی وارثان مرد کا یہ کہنا کہ ہمارے بھائی نے کہا تھا زوجہ نے مجھے مہر بخش دیا محض نامسموع ہے اگر وہ سچ بھی کہتے ہیں تو مدیون کا اپنی زبان سے دعوی عفو کیونکر حجت ہوسکتا ہے بلکہ گواہ درکار ہیں کہ زوجہ نے مہر بخش دیا تھا اگر بخشش ثابت ہوجائے تو اس نصف سے جو نصیبہ مرد قرار پایا تھا پہلے اس کی ماں کا دَین جو بشرائط مذکورہ (یعنی ثبوت باقرار ورثہ یا شہادت گواہان وعدم تجاوز بر قدر مسنون وکفن مثل) قابل ادا ہو ادا کرکے باقی وارثان مرد پر (جن میں اس کی ماں بھی داخل ہے) حسب فرائض منقسم ہوجائے اور اگر معافی ثابت نہ ہو تو یہ دیکھنا ہے کہ زوجہ کا نصف مہر جس کا مطالبہ شوہر پر باقی رہا اور ماں کا دَین بابت تجہیز و تکفین جو بشرط مذکور قابل ادا ثابت ہو (اور اسی طرح اور قرض بھی اگر ذمہ مرد ہوں) سب مل کر مقدار کل ترکہ مرد سے (خواہ یہ نصف حصہ زیور ہو جو اسے ترکہ زوجہ سے ملا یا اپنا مال ہو اس مجموع سے) زیادہ ہے یا برابر یا کم اگر برابر یا زائد ہو تو ماں یا بھائی کوئی وارث بحیثیت وراثت کچھ نہ پائے گا بلکہ اس حصہ زیور اور دیگر ترکہ مرد سے سب دائنوں کا حق حصہ رسد ادا کیا جائے گا اور اگر مجموعہ دیون مجموعہ ترکہ پسر سے کم ہے تو بعد ادائے دیون (وانفاذ وصایا پسر اگر کی ہوں) جو بچے گا وہ وارثان رمرد پر مع اس کی ماں کے تقسیم ہوجائے گا۔اب ان صورتوں میں جو کچھ اس

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۷

عورت وصیت کنندہ کے حصہ میں آکر پڑے گا خواہ بہو کے ترکہ سے بذریعہ دَین تجہیز و تکفین (جس حالت میں کہ وہ واجب الادا ہو) یا پسر کے حصہ سے خواہ بذریعہ مطالبہ تجہیز و تکفین شرط مذکور یا بطور وراثت یا دونوں وجہوں سے ان سب کو جمع کرکے مع اس کے باقی مال کے (اگر رکھتی ہو) اس مجموع کی تہائی میں اس کی وصیت خیرات بے اجازت اس کے وارثوں کے نافذ ہوگی،

فان الدین ایضا یدخل فی الوصیة بالمال علی مارجحه فی الوهبانیة لانه مال حکمی واذا خرج صار مالاحقیقة وثبوت حق الموصی له بعد الخروج ممکن کالموصی له فی القصاص واذا انقلب مالایثبت فیه حقه لانه مال المیت اما قولهم من حلف لامال له وله دین لایحنث فذٰلك لان بناء الایمان علی العرف افاده فی معراج الدرایة قلت ومن الدلیل علی ماقلت جواز البیع بالدین وانما هو مبادلة مال بمال فافهم۔	میت نے جو قرض لینا ہے وہ بھی مال کی وصیت میں داخل ہوگا جیسا کہ وھبانیہ میں اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ حکمی طور پر مال ہے اور جب وہ وصول ہو جائے تو حقیقۃً مال ہوگا اور موصٰی لہ، کے حق کا ثبوت وصولی کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ قصاص میں موصٰی لہ، اور جب وہ قرض مال بن گیا تو اس میں موصٰی لہ، کا حق ثابت ہوجائے گا کیونکہ وہ میت کا مال ہے۔ لیکن مشائخ کا قول کہ "جس شخص نے قسم کھائی کہ اس کا کوئی مال نہیں حالانکہ اس کا قرض کسی پر ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے معراج الدرایہ میں اس کا فائدہ دیا ہے، میں کہتا ہوں میرے قول پر ایک دلیل قرض کے بدلے بیع کا جائز ہوتا ہے کیونکہ بیع نام ہے مال کا مال کے ساتھ تبادلے کرنے کا۔ پس سمجھ۔ (ت) باقی جو رہے گا خاص اس کے وارثوں کا ہے۔ واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ اولٰی جس نے نصف مہر اپنا اپنی حیات میں زید کو ہبہ کردیا تھا ایک بیٹا اسی شوہر سے اور ایک ماں اور شوہر چھوڑ کر انتقال کر گئی اس کے بعد وہ لڑکا بھی باپ اور نانی کے سامنے مر گیا، زید نے دوسری

شادی کی، زوجہ ثانیہ نے کل مہر اپنا زید کو معاف کر دیا، اب زید نے یہ زوجہ اور دو برادر حقیقی ورثہ اپنے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا؟ اور بابت مہر باقیماندہ زوجہ اولٰی کے ترکہ سے کس قدر کسے دیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات ترکہ زید سے پہلے پہلے بقیہ مہر زوجہ اولٰی جو ذمہ زید واجب الاداء ہے یعنی نصف مہر باقیماندہ کے بہتّر ۷۲ حصوں سے انیس ۱۹ حصے زوجہ اولٰی کی ماں کو دیئے جائیں **کما یظھر بالتخریج** (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہوگا۔ت) اسی طرح اگر اور دیون ووصایائے زید ہو تو وہ بھی ادا ونافذ کئے جائیں۔ اس کے بعد جس قدر باقی بچے آٹھ سہم پر منقسم ہو دو سہم زوجہ ثانیہ اور تین تین ہر بھائی کو پہنچیں۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم** (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور اس کا حکم مستحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص تین پسر اور ایک دختر بطن زوجہ منکوحہ ذی مہر سے چھوڑ کر فوت ہوا اور تین پسر اور تین دختر بطن دو عورتوں غیر منکوحہ سے چھوڑے بعدہ، زوجہ منکوحہ بھی وہی اولاد مذکور چھوڑ کر فوت ہوئی، اس صورت میں ترکہ متوفیہ کا کس طرح منقسم ہوگا اور بحالت زندہ رہنے اور عورات غیر منکوحہ اور ان کی اولاد کے کون کون مستحق وراثت کا ہے اور ادائے دین مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جن دو ۲ عورتوں کو سائل غیر منکوحہ ظاہر کرتا ہے اگر فی الواقع ان سے نکاح ہونا ثابت نہیں، نہ وہ کنیزان شرعی، نہ ایک مدت تک اس شخص کے پاس مثل ازواج رہیں، اور باہم ان میں معاملات مانند زن وشوہر جاری نہ تھے تو وہ دونوں اور ان کی اولاد سب ترکہ سے محروم ہیں۔ اس صورت میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدیون واجراء الوصایا ترکہ شخص متوفی کا سات سہم پر منقسم ہو کر دو ۲ دو ۲ سہم تینوں پسر زوجہ منکوحہ اور ایک اس کی دختر کو ملے گا اور ادائے دین مہر مثل سائر دیون ووصایا تقسیم ترکہ پر بلاریب مقدم ہے **ھو مصرح بہ فی کتب الفقہ** (کتب فقہ میں اس کی تصریح

کردی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر عددین متوافقین کا مخرج جزء وفق بارہ ۱۲ ہو توان میں نسبت توافق بجزء من اثنی عشر (بارہ میں سے ایک جز کے ساتھ۔ت) کہنا جائز ہے یانہیں؟ اور اگر قبل تقسیم ترکہ ایک یا دو یا زائد ورثہ انتقال کریں اور ان کے وارث باعیانہم وہی ورثہ میت اول ہوں اور ان کی موت سے تقسیم متغیر نہ ہو توان ورثہ اموات کو بین سے خارج اور **کأن لم یکن** (گویا کہ وہ تھا ہی نہیں۔ت) کردینااولٰی ہے یا ان بطون کی اقامت اور ہر ایک کی علیحدہ تصحیح۔**بیّنوا توجروا** (بیان کرواجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

واللہ الموفق والصواب (اللہ تعالٰی ہی سچائی اور درستگی کی توفیق دینے والا ہے۔ت) صورت مستفسرہ میں جیسے کہ تعبیر بکسر منطق اور ان عددین کو متوافقین بنصف السدس یابسدس النصف کہناجائز ویسے ہی تعبیر بالجزء اورانہیں متوافقین بجز من اثنی عشر کہنا بھی روا،اور فرائضیوں میں شائع وذائع۔

فی السراجیه ففی الاثنین بالنصف وفی الثلاثة بالثلث وفی الاربعة بالربع هکذا الی العشرة وفی ما وراء العشرة یتوافقان بجزء منه اعنی فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی خمسة عشر بجز من خمسة عشر[1]۔وفی شرحها الشریفیة وبالجملة یمکن فیما وراء العشرة باسرها ان یعبر فی التوافق بالاجزاء المضافة الی المخرج کجزء من احد عشر وجزء من اثنی عشر	سراجیہ میں ہے کہ دو میں آدھے کاتوافق، تین میں تہائی کااور چار میں چوتھائی کا،اور یونہی دس تک یعنی دس میں دسویں کا توافق ہوگا۔اور دس سے اوپر جو عدد ہے اس میں توافق اس کی ایک جزء کا ہوگا مثلاً گیارہ میں گیارہ کی ایک جز کااور پندرہ میں پندرہ کی ایک جز کا۔اس کی شرح شریفیہ میں ہے خلاصہ یہ کہ دس سے اوپر والے تمام عددوں کے توافق میں تعبیر ان اجزاء کے ساتھ ہوگی جو مخرج کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے گیارہ میں سے

[1] السراجی فی المیراث فصل فی معرفۃ التماثل والتداخل الخ مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۳و۳۴

وجزء من ثلثة عشر ویمکن فی بعضها ان یعبر بالکسور المنطقة المرکبة وللتنبیه علی ذٰلك خلط الشیخ المنطق بالاصم حیث ذکر احد عشر وخمسة معا[1]۔وفی حاشیتها للقاضی عبدالنبی الاحمد نگری رحمه الله تعالٰی فان قیل لم قال المص وفیما وراء العشرة یتوافقان بجزء مع انه یمکن التعبیر فی البعض بغیر لفظ الجزء قلت غرض المص رحمه الله تعالٰی ا ان توافق العددین فیما وراء العشرة بجزء حکم کلی دون التعبیر بلفظ اخرفافهم[2]۔وفی رد المحتار(تنبیه)اذا توافقا فی عدد مرکب وهو مایتألف من ضرب عدد فی عدد کخمسة عشر مع خمسة و اربعین فان شئت قلت هما متوافقان بجزء

ایک جزء بارہ میں سے ایک جزء اور تیرہ میں سے ایک جزء اور ان میں سے بعض میں کسور منطقہ مرکبہ کے ساتھ تعبیر ممکن ہے۔اسی پر تنبیہ کرنے کے لئے شیخ (صاحب سراجیہ) نے منطق (جس کسر کو لفظ جزئیت وغیر جزئیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہو) اور اصم (جس کسر کو فقط لفظ جزئیت کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہو) کو ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ اس نے گیارہ اور پندرہ کو اکٹھا ذکر کیا۔اس پر قاضی عبدالنبی احمد نگری علیہ الرحمہ کے حاشیہ میں ہے۔اگر کہا جائے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے یہ کیوں کہا کہ دس سے اوپر والے اعداد میں توافق ان کی ایک جزء کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے تعبیر ممکن ہے تو میں کہوں گا کہ مصنف علیہ الرحمہ کی غرض یہ ہے کہ دس سے اوپر والے اعداد میں جزء کے ساتھ توافق ایک حکم کلی ہے بخلاف کسی دوسرے لفظ کے ساتھ تعبیر کے۔پس سمجھو۔رد المحتار میں ہے (تنبیہ) جب دو عدد کسی عدد مرکب میں باہم متفق ہو جائیں جو کہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مؤلف ہوتا ہے جیسے پندرہ پینتالیس کے ساتھ۔پس اگر تو چاہے تو یوں کہے کہ ان دونوں میں توافق پندرہ کی ایک

---

[1] الشریفیة شرح السراجیه فصل فی معرفة التماثل والتداخل الخ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶۱

[2] حاشیة شرح الشریفیة

من خمسة عشر وان شئت نسبت الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الأخر فتقول بينهما موافقة ثلث خمس او خمس ثلث فيعبر عنه بالجزء و بالكسور المنطقة المضافة بخلاف غير المركب فانه لايعبر عنه الا بالجزء [1]۔وفى الفتاوى العالمگيرية ان كان الجزء المفنى للعددين اكثر من عشرة فانظر فان كان المفنى فردا او لا وهو الذى ليس له جزء صحيح اى لايتركب من ضرب عدد فى عدد كأحد عشر فقل الموافقة بينهما بجزء من احد عشر لانه لايمكن التعبير عنه صحيحا بشيئ اٰخر وان كان العدد المفنى زوجا كالثمانية عشرا وفردا مركبا و هو الذى له جزء ان صحيحان او اكثر كخمسة عشر، فان شئت ان تقول كما قلت فى الفرد الاول

ایک جزء کے ساتھ ہے اور اگر تو چاہے تو واحد کی پندرہ کی طرف ایسی دوکسروں کے ساتھ نسبت کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے، اور تو یوں کہے ان دونوں کے درمیان موافقت پانچویں کے تہائی کے ساتھ ہے یا تہائی کے پانچویں کے ساتھ۔ چنانچہ اس کو جزء کے ساتھ اور کسور منطقہ جو کہ ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہیں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف غیر مرکب کے کہ اس کو سوائے جزء کے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: اگر دوعددوں کو فنا کرنے والا عدد دس سے زائد ہو تو پھر نظر کر اگر وہ عدد فرد مفرد ہو، اور فرد مفرد وہ ہے جس کی کوئی جزء صحیح نہ ہو یعنی وہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مرکب نہ ہو جیسے گیارہ تو اب کہہ کہ ان دونوں میں موافقت گیارہویں جزء کی ہے اس لئے کہ کسی دوسری شیئ کے ساتھ اس کی صحیح تعبیر ممکن نہیں، اور اگر دوعددوں کو فنا کرنے والا عدد زوج ہو جیسے اٹھارہ یا فرد مرکب ہو، ارفرد مرکب وہ ہوتا ہے جس کی دو یا دو سے زائد جزئیں صحیح ہوں جیسے پندرہ، تو اس صورت میں اگر تو چاہے تو ایسے ہی کہے جیسا کہ تو نے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب المخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۱۶

هو موافق بجزء من خمسة عشر وبجزء من ثمانية عشروان شئت ان تنسب الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الأخر فتقول فی خمسة عشر بينهما موافقه بثلث الخمس وفی ثمانية عشر بثلث السدس وقس عليه نظائره[1] وفی مختصر الفرائض فان اتفقا فی الاثنين فهما متوافقان بالنصف وفی الثلث بالثلث وهكذا فی العشرة بالعشرون توافقا فی احد عشر اواكثر منه يعبر بالجزء مثلا فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی اثنی عشر بجزء من اثنی عشر وهكذا[2] الخ۔وفی زبدة الفرائض مولانا عمادالدين البكنی رحمة الله تعالٰی عليه واگر در دوازده متفق شوند توافق بجزء من اثنی عشر، گويند يعنی توافق بحصہ دوازدہم چنانچہ بست وچهار ۲۴ وسی وشش ۳۶

فرد مفرد میں کہاکہ اس میں توافق پندرہویں جزء کا ہے یا اٹھارہویں جزء کا۔اگر چاہے تو واحد کو اس کی طرف ایسی دو کسروں سے منسوب کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے، چنانچہ توپندرہ میں یوں کہے کہ یہ پانچویں کے تہائی میں موافق ہے اور اٹھارہ ۱۸ میں یوں کہے کہ یہ چھٹے کے تہائی میں موافق ہے اور اسی پر دیگر نظائر کو قیاس کرلے۔ مختصر الفرائض میں ہے کہ اگر دو ۲ عدد، دو ۲ میں متفق ہوجائیں توان میں آدھے کاتوافق ہے اور تین میں متفق ہوں توتہائی کاتوافق ہے یونہی دس ۱۰ تک کہ اس میں دسویں کاتوافق ہے اور اگر وہ دونوں گیارہ یااس سے زائد میں متفق ہوں تواس کو لفظ جزء کے ساتھ تعبیر کیاجائے گا مثلاً گیارہ میں گیارہویں جزء اور بارہ ۱۲ میں بارہویں جزء،اور اسی طرح آخر تک۔اور مولانا عمادالدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تصنیف زبدۃ الفرائض میں ہے کہ اگر دو عدد بارہ ۱۲ میں متفق ہوں تو کہیں گے کہ ان میں توافق بارہ کی ایک جز میں ہے یعنی توافق بارہویں حصہ میں ہے چنانچہ چوبیس ۲۴ اور

[1] الفتاوی الهندية كتاب الفرائض الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۶۷

[2] مختصر الفرائض

وعلٰی ھٰذا القیاس درجمیع مراتب[1] وفی زبدۃ الفرائض مولاناعبدالباسط القنوجی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ درمافوق العشرۃ بجزء وے کہ مضاف بسوئے عاد باشد تعبیر کنند پس دراحد عشر بجزوے ازاحد عشر واثنی عشر بجزوے ازاثنی عشر وھکذا تا غیر نہایت[2]۔	چھتیس کی صورت میں توافق چوبیسویں اور چھتیسویں حصہ میں ہوگا، اوراسی پر قیاس ہوگا تمام مراتب میں۔ اور مولانا عبدالباسط قنوجی رحمہ اللہ تعالٰی کی تصنیف زبدۃ الفرائض میں ہے کہ دس سے زائد عددوں میں اس عدد کی ایسی جزء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جو جزء عددمفنی کی طرف مضاف ہوتی ہے چنانچہ گیارہ میں اس کی گیارہویں جزء اور بارہ میں اس کی بارہویں جزء، اسی تک غیر نہایت تک۔(ت)

اور جب انتقال بعض ورثہ قبل از تقسیم کیفیت مذکورہ سے ہو تو انہیں خارج من البین وکان لم یکن کرنا ھی اولٰی ہے نہ اقامت بطون وافراز تصحیحات۔

فی الفرائض الشریفیۃ(لوصار بعض الانصباء میراثا قبل القسمۃ)فنقول ان کانت ورثۃ المیت الثانی من عداہ من ورثۃ المیت الاول ولم یقع فی القسمۃ تغییر فانہ یقسم المال حینئذ قسمۃ واحدۃ اذلافائدۃ فی تکرارھاکما اذاترك بنین وبنات من امرأۃ واحدۃ ثم مات احدی البنات ولاوارث لھا سوی تلك الاخوۃ والاخوات لاب وام فانہ یقسم مجموع الترکۃ بین الباقین للذکر مثل حظ الانثیین قسمۃ واحدۃ واحدۃ کماکانت تقسم بین الجمیع	فرائض شریفیہ میں ہے (اگر بعض حصے تقسیم سے پہلے میراث ہوجائیں) تو ہم کہتے ہیں کہ اگر میت ثانی کے ورثاء سوائے میت ثانی کے وہی ہیں جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو اس صورت میں مال کو ایک تقسیم کے ساتھ بانٹ دیاجائے گا کیونکہ تقسیم کی تکرار کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے کسی شخص نے ایک ہی بیوی سے کچھ بیٹے اور کچھ بیٹیاں چھوڑی ہوں پھر ایک بیٹی مرگئی جس کا ان حقیقی بہن بھائیوں کے سوا کوئی وارث نہیں تو اس صورت میں تمام ترکہ باقی بیٹوں اور بیٹیوں میں ایک ہی تقسیم کے ساتھ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق اسی طرح تقسیم کریں گے جیسا کہ ان تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتا تھا

[1] زبدۃ الفرائض
[2] زبدۃ الفرائض

كذلك فكانّ الميّت الثانی لم یكن فی البین [1]، وفی الدر المختار (مات بعض الورثة قبل القسمة للتركة صحت المسئلة الاولٰی) واعطیت سهام كل وارث (ثم الثانية الا اذا اتحد كأن مات عن عشرة بنین ثم مات احدهم عنهم [2]، وفی الفتاوی الهندیة ان كانت ورثة المیت الثانی هم ورثة المیت الاول ولا تغیر فی القسمة تقسم قسمة واحدة لانه لافائدة فی تكرار القسمة [3]، فی مستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق (ان مات البعض قبل القسمة فصحح مسئلة المیت الاول و اعطی سهام كل وارث ثم صحح مسئلة المیت الثانی) هذا اذا كانت ورثة یرثون خلاف مایرثون من المیت الاول اما اذا كانوا یرثونه بعینهم فلاحاجة الی التصحیحین كمالو مات عن عشرہ ابناء ثم مات احد البنین ولم یترك وارثاً سواهم كذا فی الزاهدی

گویا کہ میت ثانی درمیان میں تھا ہی نہیں، درمختار میں ہے ترکہ کی تقسیم سے پہلے وارثوں میں سے کوئی مرگیا تو پہلے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہر وارث کے حصے دیئے جائیں گے پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی سوائے اس کے کہ دونوں مسئلے متحد ہوں، جیسے کوئی شخص دس۱۰ بیٹے چھوڑ کر مرگیا پھر ان میں سے ایک باقی نو بھائی چھوڑ کر مرگیا۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے اگر میت ثانی کے ورثاء وہی ہوں جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو ایک ہی تقسیم کی جائے گی کیونکہ تقسیم کی تکرار میں کوئی فائدہ نہیں۔ مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے اگر وارثوں میں سے کوئی ترکہ کی تقسیم سے پہلے مرگیا تو پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہر وارث کو حصے دئے جائیں گے پھر مسئلہ ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی، یہ اس وقت ہوگا جب میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء سے مختلف ہوں۔ لیکن اگر میت ثانی کے ورثاء بعینہٖ میت اول کے ورثاء ہوں تو پھر دو تصحیحوں کی کوئی ضرورت نہیں جیسے کوئی شخص دس بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا پھر بیٹوں میں سے ایک مرگیا اور اس نے سوائے اپنے مذکورہ نو بھائیوں کے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ یونہی زاہدی اور زبدہ باسطیہ

---

[1] الشریفیہ شرح السراجیہ باب المناسخة مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۹۱

[2] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی المناسخة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۶

[3] الفتاوی الهندیة کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۷۰

وفی الزبدۃ الباسطیۃ[1] بدانکہ اگرورثہ میت ثانی عین ورثہ میت اول باشند ونیز قسمت تغیر نباید بجہت آنکہ ازیک جنس بودند پس بنابراختصار میت ثانی راکالعدم شمار کردہ بر تصحیح واحد اکتفا نمایند۔ وفی مختصر الفرائض اعلم ان ورثۃ المیت الثانی ان کانوا ھم الوارثین للمیت الاول سوی المیت الثانی ولایتغیر التقسیم بموتہ تقسم الترکۃ علی الورثۃ الباقیۃ تقسیما واحدا ویجعل المیت الثانی کأن لم یکن فی البین مثلًا ترک واربعۃ ابناء و ثلاث بنات کلھم من زوجۃ واحدۃ ثم مات ابن واحد قبل القسمۃ وترك ثلثۃ اخوۃ وثلث اخوات لاب وام ثم ماتت اخت وترکت ثلثۃ اخوۃ واختین کانت المسئلۃ من الثمانیۃ لکل من الابناء الثلثۃ اثنان ولکل من البنتین واحد ویجعل الابن والبنت کأن لم یکونا فی البین[2] انتھت معھذا مطمح نظر علمائے

میں ہے: توجان لے کہ اگر میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء کا عین ہوں اور تقسیم میں بھی کوئی تبدیلی نہ آتی ہو اس لحاظ سے کہ وہ ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں تو اختصار کی بنیاد پر میت ثانی کو کالعدم شمار کرتے ہوئے ایک ہی تصحیح پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مختصر الفرائض میں ہے: توجان لے کہ میت ثانی کے ورثاء اگر وہی ہوں جو میت اول کے وارث بنتے ہیں سوائے میت ثانی کے۔ اور میت ثانی کی موت کی وجہ سے تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو اس صورت میں ترکہ کو ایک ہی تقسیم کے ساتھ باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور میت ثانی کو درمیان سے کالعدم قرار دے دیا جائے گا مثلًا کوئی شخص چار بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر مرگیا جو کہ تمام ایک ہی بیوی سے ہیں پھر تقسیم سے پہلے ایک بیٹا مرگیا جس نے تین حقیقی بھائی اور دو بہنیں چھوڑی ہیں تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا تین بیٹوں میں سے ہر ایک کو دو ۲ دو ۲ حصے ملیں گے اور دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور مرجانے والے بیٹے اور بیٹی کو ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ وہ درمیان میں تھے ہی نہیں انتہت، اس کے باوجود ہمیشہ علماء فرائض کا مطمح نظر سہام کو کم کرنا اور حساب کو

[1] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق
[2] مختصر الفرائض

فرائض دواما تقلیل سھام وتسھیل حساب کما لیس بخاف علی من له ادنٰی مرور فی زقاق ھذا الفن۔	آسان کرنا ہوتا ہے جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس کا اس فن کی گلیوں میں تھوڑا سا گزر ہوا ہے۔(ت)

وللہذا در صورت تعدد عادا کثر الاعداد کا اعتبار فرماتے ہیں تاجزء وفق اقل ہو اور حساب اہون و اسہل اور اصول ثلثہ تصحیح سے کہ بین السہام والرؤس مقرر ہیں نسبت تداخل کو محض روماً للاختصار خارج اور اگر سہام رؤس پر تقسیم ہو جائیں تو تماثل ورنہ توافق کی طرف راجع کرتے ہیں ونظائر ذٰلك كثيرة وفی اسفار الفن مسطورة (اس کی نظیریں بہت ہیں جو اس فن کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ت) اور پر ظاہر کہ ورثہ مذکورین کو کأن لم یکن (گویا کہ وہ نہیں تھا۔ت) کرنے میں اختصار قسمت اور خفت مؤنث اور حساب کی ہے اور اسی مقصود فن سے کمال مناسبت، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

مسئلہ ۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرا اور وارثوں میں اپنی دو زوجہ اور زوجہ اولٰی کا مہر سوا لاکھ روپیہ کا اور ایک دختر بھی ہے اور زوجہ ثانی لاولد اور مہر اس کا دس ہزار روپیہ تک ہے، اور ایک بھائی، کتنے سہام پر جائداد تقسیم ہوگی؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

سائل مظہر کہ جائداد بقدر عہ/ کے ہے اور حکم شرع میں ادائے مہر ودیگر دیون تقسیم ترکہ پر مقدم اس صورت میں کہ مقدار دونوں مہروں کی حیثیت جائداد سے زائد ہے، کسی وارث کو جائداد میں استحقاق مالکانہ نہیں، للہذا کل جائداد متروکہ سے جو بعد تجہیز وتکفین کے باقی رہا دونوں زوجہ کے مہر اور ان کے سوا اگر کوئی اور دین ہو تو ان کے ساتھ وہ بھی سب بطور حصہ رسد ادا کردیئے جائیں اور کسی وارث کو کچھ نہ ملے گا مگر یہ کہ مہر معاف ہو جائے یا کوئی وارث جائداد کے خالص کر لینے کو اپنے پاس سے ادا کردے تو بعد ادائے دین واجراء وصیت جو بچے گا سولہ ۱۶ سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور چھ برادر

کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷: ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد کے مالک زید و عمرو و بکر سہ برادران حقیقی تھے، اول زید فوت ہوا، خالد و عمدہ والدین چھوڑے۔ پھر عمدہ نے عمرو بکر پسر ہندہ سعیدہ دختر خالد شوہر چھوڑے پھر خالد نے وارثان مذکور سے انتقال کیا پھر عمرو نے زوجہ خدیجہ چھوڑ کر لاولد وفات پائی پھر ہندہ شوہر عبداللہ پسر حامد محمود دختر فاطمہ چھوڑ کر مر گئی، ترکہ کیونکر منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم مایقدم کالمہر والدین والوصیۃ ایک ثلث جائداد کہ حصہ زید ہے نو سو ساٹھ ۹۶۰ سہام پر منقسم ہو کر ورثہ احیاء پر جس حساب سے بٹ جائے۔

الـمبـلـغ ۹۶۰

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۴۴۰	۲۲۰	۸۰	۵۵	۶۶	۶۶	۳۳

وذٰلك لان التصحيح يبلغ الفين وثمان مائة و ثمانين ۲۸۸۰ وکأن ينقسم هٰكذا۔	اور یہ اس لئے ہے کہ تصحیح دو ہزار آٹھ سو اسی ۲۸۸۰ تک پہنچتی ہے گویا اس طرح تقسیم ہوتی ہے۔ (ت)

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۱۳۲۰	۶۶۰	۲۴۰	۱۶۵	۱۹۸	۱۹۸	۹۹

کما یظهر بالتخریج فوجدنا فی السهام کلها موافقه بالثلث فرددنا المسئلة للاختصار الی ماترٰی۔	جیسا کہ تخریج سے ظاہر ہوتا ہے، پس ہم نے تمام حصوں میں تہائی کا توافق پایا تو ہم نے مسئلہ کو اختصار کے لئے تہائی کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ (ت)

اور ثلث دوم کہ حصہ عمرو ہے تین سو برس سہام پر انقسام پا کریوں ہر وارث کو ملے۔

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۸۰	۱۲۰	۶۰	۱۵	۱۸	۱۸	۹

(البـــــــــ ۳۲۰ ـــــــــلغ)

کمایظھر بالمناسخۃ (جیسا کہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ت)

اور ثلث سوم خاص بکر کا ہے اور اگر ساری جائداد ملا کر دفعۃً تقسیم کرلینا چاہیں تو بہت اختصار ہوجائے گا کل جائداد کے ایک سو چوالیس حصے کرکے اس طرح تقسیم کریں ہر ایک اپنے تمام حقوق کو پہنچ جائے گا:

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
	۲۰	۱۶	۵	۶	۶	۳

(البـــــــــ ۱۴۴ ـــــــــلغ)

یہ اختصار قابل امتحان طلبہ ہے کہ کیونکر ان سہام میں بکر کا ثلث الگ ہوکر دونوں ترکے پورے پورے تقسیم ہوگئے **من دون ان یمکن فرض باطل کجعل المورث الاعلی واحدا اولیستعان بقاعدۃ فوق التقسیم المفرد علٰی ضوابطھا المقررۃ عند الحساب** (بغیر اس کے کہ کسی باطل کو فرض کیاجائے مثلاً صورت اعلٰی کو ایک قرار دیا جائے یا تقسیم مفرد کے اوپر والے قاعدے سے ان ضوابط کے مطابق مدد لی جائے جو حساب میں طے شدہ ہیں۔ت) مگر یہ جبھی ممکن کہ وقت تقسیم تینوں بھائی جائداد میں بحصہ مساوی شریک ہوں عام ازیں کہ اول ہی سے برابر تھے اور زید وعمرو کے ترکہ پر دین وصیت کچھ نہ تھا یا تھا اور اس جائداد کے غیر سے ادا کردیا گیا یا اول سے مختلف تھے اور دیون ووصایائے زید وعمرو اس ترکہ سے ادا ہوکر اب تینوں حصے برابر آگئے اور اگر وقت تقسیم کمی بیشی ہے خواہ ابتداء سے تھی یا اب بوجہ ادائے دین ووصیت ہوگئی تو تقسیم کی وہی پہلی صورت رہے گی کہ ہر ایک کا جدا بٹے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید لڑکا بعمر ڈھائی برس اور زوجہ اور والدہ اپنی اور برادر حقیقی چھوڑ کر فوت ہوگیا بعدہ، بلااجازت زوجہ زید کے چچا زید متوفی نے مال متروکہ زید ونیز مال جہیزی زوجہ زید کا پسر زید کے نام کرکے تابلوغ پسر مذکور سپرد برادر حقیقی زید کے کردیا وقت سپردگی مال مذکور کے نانا لڑکے اور نیز اہل برادری نے سپردگی مال میں رضامندی ظاہر کی

پس اس صورت میں جو رضامندی اور اجازت زوجہ زید سے نہیں لی گئی مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر حقیقی زید کے سپرد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مال زید کے سہام پر تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

مال جہیز تو خاص ملک زوجہ زید ہے نہ وہ زید کا ترکہ نہ زید کے کسی وارث کا اس میں کوئی حق۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة لاحق لاحد فیه[1]۔	ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔(ت)

اور متروکہ زید بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون و تنفیذ وصایا، چوبیس سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوجہ اور چار والدہ اور سترہ پسر کو ملیں گے تو متروکہ زید میں بھی چوبیس سہام سے سترہ کا استحقاق پسر کو تھا کل ترکہ زید بنام پسر زید کردینا ظلم وجہالت ہے اور اس کے ساتھ زوجہ زید کا جہیز بھی ملادینا اور ظلم بر ظلم اور نانا یا اہل برادری کی رضامندی کوئی چیز نہیں کہ وہ غیر مالک ہیں۔

قال الله تعالٰی " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ(ت)

پس کل مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر زید کی سپردگی میں دینا سب بیہودہ و باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹: ماہ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مذہب اہل تسنن پر فوت ہوا اور اس نے ایک دختر سنی زوجہ اولٰی متوفیہ کے بطن سے اور ایک زوجہ مدخولہ نو مسلم شیعہ اور ایک برادر خالہ زاد کہ زید کا بہنوئی ہے اور دو بھانجی حقیقی مذہب سنی اور ایک بھائی چچا زاد شیعہ اور ایک نواسہ شیعہ اور داماد شیعہ یعنی باپ اس نواسہ کا کہ جس کی ماں حیات میں زید متوفی کی مرگئی تھی وارث چھوڑے جائداد مقبوضہ مملوکہ زید متوفی جمیع ورثہ پر از روئے فرائض کس طرح

[1] ردالمحتار باب النفقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۵۳

[2] القرآن الکریم ۴ /۲۹

تقسیم ہونا چاہئے اور کون کون ذی حق جائداد مذکور میں ہوسکتا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

تحریرات مجتہد لکھنؤ و تجربہ خواص و عوام شیعہ سے ثابت کہ اس زمانے کے شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں تو ہر گز نہ ان سے مناکحت جائز، نہ وہ نکاح شرعًا نکاح، نہ وہ اہلسنت کا ترکہ پاسکیں، نہ اہل سنت کو ان کا مورث کہہ سکیں۔ عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعة الاموات الی الدنیا وبقولھم فی خروج امام باطن (الٰی من قال) وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریة[1]۔	رافضیوں کو کافر قرار دینا واجب ہے ان کے اس قول کی وجہ سے کہ مردے دنیا کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ امام باطن کا ظہور ہونا ہے (یہاں تک کہ کہا) اور یہ قوم ملت اسلام سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدوں جیسے ہیں۔ یونہی ظہیریہ میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

اختلاف الدین ایضا یمنع الارث[2]۔	دین کا اختلاف بھی میراث سے مانع ہے (ت)

پس کل ترکہ زید بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و عدم وارث اُخر و تقدیم یا یقدم کالدین والوصیة، صرف اس کی دختر سنیہ کو ملے گا۔ اور یہ مدخولہ اور چچازاد بھائی کہ شیعہ ہیں کچھ نہ پائیں گے نہ خالہ زاد بھائی بھانجوں نواسے داماد کا کوئی حق ہے ہاں اگر یہ مدخولہ یا چچازاد بھائی دونوں کسی ضروری دین کا انکار نہ کرتے ہوں تو بشرائط مذکورہ ترکہ آٹھ سہم پر منقسم ہوگا ایک زوجہ اور چار دختر اور تین ابن العم کو ملیں گے اور صرف ابن العم منکر نہ ہو تو دو حصہ ہو کر دختر و ابن العم کو نصفا نصف پہنچے گا زوجہ کچھ نہ پائے گی، اور صرف زوجہ منکر نہ ہو تو آٹھ پر تقسیم ہو کر ایک سہم زوجہ اور سات دختر کو پہنچیں گے ابن العم محروم رہے گا۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

---

[1] الفتاوی الہندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[2] الفتاوی الہندیة کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

مسئلہ ۱۰: ازاوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۲۰ صفر ۱۳۰۸ھ

چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید بابرادر خرد حقیقی شریک حال بودہ مکان وزیور ونقدوظروف واشیائے خانہ داری تعدادی تخمینا پانزدہ صد روپیہ ہردوبشرکت بزور بازوئے خودفراہم کردند ودر خوردونوش معیشت ہیچ امتیازے نداشتند وعلاوہ اموال مذکورہ صد بیگھہ زمین ازسرکار خاص بنام زید معاف شد الادرستی وآبادی زمین مزبورہ وتیاری چاہ بزر مشترک شد وآمدنی سالیانہ بشرکت صرف می نورحالا زید زوجہ ثانیہ لاولد وزوجہ ثالثہ ویک پسروسہ دختراز بطن زوجہ اولٰی کہ پیش از زید مردہ بود وشادی اینہا زید بحیات خودش کرد وسہ پسراز بطن زوجہ ثالثہ کہ ہرسہ بحیات زید ناکتخدا ماندند وہمیں یک برادر وارث گزاشتہ وفات یافت پس ترکہ زید چسان انقسام یابد وزمینے کہ تنہا بنام زید معاف ست دراں برادر دیگر را ہم حصہ است یاخیر ودر اولاد زوجہ اولٰی و ثالثہ بوجہ کتخدا زدن بحیات زیدازرف زیدوناکتخدا ماندن فرقے در ارث خواہد بود یانے۔ بیّنوا توجروا۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اپنے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ تھااور دونوں نے شراکت میں اپنے زور بازو سے مکان، زیور، نقدی، برتن اور خانہ داری کی دیگر اشیاء جن کی مالیت تقریبًا پندرہ سو روپے ہے جمع کیں اور کھانے پینے میں وہ دونوں آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتے، احوال مذکورہ کے علاوہ سو بیگھہ زمین حکومت نے خاص زید کے نام الاٹ کی مگر مذکورہ زمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری مشترکہ طور پر صَرف ہوتی رہی، اب زید مرگیا اور اس نے اپنی دوسری بیوی بے اولاد چھوڑی اور پہلی بیوی جو زید سے پہلے مرگئی سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں چھوڑیں جن کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کردی، اور تیسری بیوی چھوڑی جس سے زید کے تین بیٹے ہیں جو زید کی زندگی میں کنوارے رہے اور ایک یہ بھائی چھوڑا ہے، تواب زید کاترکہ کیسے تقسیم ہوگااور جو زمین تنہا زید کے نام پر الاٹ ہوئی اس میں دوسرے بھائی کا بھی حصہ ہے یانہیں؟ اور اس کی پہلی اور تیسری بیویوں کی اولاد میں اس وجہ سے کوئی فرق ہوگا یانہیں کہ پہلی بیوی کی اولاد زید کی زندگی میں زید کے خرچ سے شادی شدہ ہوئی جبکہ تیسری بیوی کی اولاد کنواری رہی۔ بیان کرو اجر دیئے جاؤگے (ت)

الجواب:

زمینے کہ تنہا بنام زید معاف شد خاص ملک اوست برادر دیگر را دران استحقاقے نیست فان الاقطاع انما یکون لمن اقطع لہ کما ان الموھوب لایملکہ الا من وھب لہ ودرآبادی وتیاری چاہ صرف زر مشترک مستلزم ملک برادر در عین زمین نیست کما لایخفٰی اما آنچہ بحالت اتحاد ویکجائی بزور بازوئے خود پیدا کردند اگر ہر دو بکسب واحد بروجہ شرکت اشتغال میداشتند گو یکے عمل بیش می کرد ودیگرے کم یا آنچہ بہ مکاسب جداگانہ خود ہامی اند وختند خلط می کردند ویک جا صرف می نمودند کہ در ملک ہر دو تفاوت معلوم نیست پس ہمہ آنچہ بہم حاصل کردہ اند نصفًا نصف علی السویہ ملک ہر دو برادر باشد فی الفتاوی الخیریۃ سئل فی اخوین سعیھما واحد وعائلتھما واحدۃ حصلا بسعیھما اموالا من مواش وغیرھا فھل جمیع ماحصلاہ بسعیھما و کسبھما مشترك بینھما تجب	جو زمین اور زید کے نام الاٹ ہوئی وہ خاص اسی کی ملکیت ہے۔ دوسرے بھائی کا اس میں کوئی حق نہیں، اس لئے کہ زمین کے قطعات اس کے لئے ہوتے ہیں جس کے لئے الاٹ کئے جائیں۔ جیسا کہ موہوب کامالک سوائے اس کے کوئی نہیں ہوتا جس کے لئے ہبہ کیا گیا اور زمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری میں مشترکہ مال کاخرچ ہونا عین زمین میں بھائی کی ملکیت کا مقتضی نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، لیکن جو کچھ انہوں نے اتحاد واتفاق کی حالت میں اپنے زور بازو کے ساتھ کمایا اگر دونوں ایک ہی کسب میں بطور شرکت مشغولیت رکھتے تھے اگرچہ ایک کام زیادہ کرتا ہو اور دوسرا کم یا وہ الگ الگ کسب کرکے جو کچھ جمع کرتے اس کو اکٹھا کرلیتے اور اکٹھا خرچ کرلیتے اس طور پر کہ دونوں کی ملکیت میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا پس جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے وہ ان دونوں بھائیوں میں مساوی طور پر نصف نصف ہوگا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے دو بھائیوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کا کاروبار ایک ہے اور ان دونوں کا کنبہ بھی ایک ہے ان دونوں نے اپنی محنت سے مویشی وغیرہ کی صورت میں کچھ مال جمع کیا، تو کیا جو کچھ انہوں نے اپنی محنت اور کسب سے

قسمته بینهما مناصفة ام لااجاب نعم[1] اھ ملخصا۔فی ردالمحتار یؤخذ من هذا ماافتی به فی الخیریة،فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة واخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما ولایعلم التفاوت ولاالتساوی و لاالتمییز فاجاب بانه بینهما سویة وکذلك لواجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولواختلفوا فی العمل والرای[2]اھ ونا کتخدا ماندن بعض اولاد بحیات مورث موجب زیادت حصه ایشاں بر کتخد ایان نیست فان الارث انمایکون بعد الموت اوعنده علی اختلاف العلماء لاقبله بالاجماع فما وصل الی بعضهم من قبل علی جهة تبرع

حاصل کیا وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہے اس کی تقسیم ان دونوں کے درمیان نصف نصف واجب ہوگی یا نہیں؟ جواب دیا کہ ہاں اھ تلخیص۔ردالمحتار میں ہے اس سے اخذ کیا جائے گا وہ جو خیریہ میں ایک عورت کے شوہر اور ان کے بیٹے کے بارے میں فتوٰی دیا ہے جو دونوں ایک گھر میں اکٹھے رہتے ہیں ہر ایک ان میں سے الگ کمائی کرتا ہے پھر وہ دونوں اپنی کمائی یکجا کرلیتے ہیں اور اس میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں برابری اور کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے تو جواب دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان برابر ہوگا۔اسی طرح کچھ بھائی اکٹھے ہو کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کرتے ہیں اور مال بڑھ جاتا ہے تو وہ ان کے درمیان برابر برابر ہوگا اگرچہ وہ عمل اور رائے میں مختلف ہوں،اور بعض اولاد کا باپ کی زندگی میں کنوارہ رہ جانا اس بات کا سبب نہیں بنتا کہ ان کا حصہ شادی شدگان پر زیادہ ہوجائے کیونکہ میراث موت کے بعد یا موت کے وقت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ علماء کے مختلف قول ہیں۔موت سے پہلے میراث بالاجماع ثابت نہیں ہوتی۔اور جو کچھ بعض اولاد کو مورث کی طرف سے موت سے قبل بطور تبرع موصول ہوا

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الشرکة دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۹

من المورث لایمکن ان یحسب من الارث وسببه هی الوصلة المعلومة وهم فیها سواء پس دریں صورت کل زمین معافی ونیمہ ایں اموال کہ درآنہا شرکت ہر دو برادر ست بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل اداء مہر ہر سہ زوجہ ودیگر دیون وانفاذ وصایا بریک صد وہفتاد وشش سہام انقسام یافتہ یازدہ سہم بہر زن موجودہ وبست وہشت بہر پسر و چاردہ بہر دختر رسد وبرادر را در ترکہ زید حظے نیست واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔	اس کو میراث میں سے شمار کرنا ممکن نہیں اور اس کا سبب وہی ملاپ اور تعلق ہے جو معلوم ہے اور وہ سارے اس میں برابر ہیں، چنانچہ اس صورت میں الاٹ شدہ تمام زمین اور دونوں بھائیوں کے درمیان مشترکہ اموال میں سے نصف اس تقدیر پر کہ میراث کے موانع میں سے کوئی موجود نہ ہو اور زید کے ورثاء صرف یہی مذکورہ افراد ہوں اور جن امور کو میراث سے مقدم کرنا لازم ہے مثلاً تینوں بیویوں کا مہر، دیگر قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے نفاذ کے بعد جو مال بچے اس کے ایک سو چھہتر حصے کرکے گیارہ گیارہ حصے ہر موجودہ بیوی کو اٹھائیس ۲۸ حصے ہر بیٹے کو اور چودہ حصے ہر بیٹی کو پہنچیں گے بھائی کے لئے زید کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ سبحانہ، وتعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱: ۸ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مہر مسماۃ ریاست النساء مرحومہ کا ذمہ احمد شاہ خاں شوہر کے واجب الادا ہے اور ترکہ مسماۃ سے نصف حصہ اس کے شوہر کا ہے مہر بتعداد پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ ہے اور ترکہ بمقدار قلیل مسماۃ کی والدہ اور بھائی دعویدار مہر ہیں۔ اس صورت میں ترکہ اس کے شوہر کو ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

بیشک ملے گا،

فأن الدین المحیط علی المیت تمنع تقسیم الترکة بین الورثة لادین	اس لئے کہ ترکہ کا احاطہ کرنے والا قرض اگر میت پر ہو تو وہ ورثاء میں ترکہ کی تقسیم سے مانع ہوتا اور اگر میت کا قرض دوسروں پر ہو

المیت۔	تو وہ مانع نہیں ہوتا۔ (ت)

وہ ترکہ سے اپنا حصہ لے اور باقی وارث اس سے نصف مہرلیں اگرنہ دے دعوی کرلیں فان الدین قد حل بالموت (کیونکہ موت کے سبب سے قرض کی ادائےگی کا وقت آپہنچا ہے۔ت) یہ خیال کہ اس پر مہر کثیر اور جائداد قلیل اگر ترکہ سے حصہ دے دیا جائے گا شاید کسی کے نام منتقل کردے اور مہر مارا جائے ہرگز اسے ترکہ ملنے سے مانع نہ ہوگا نہ یہ روکنا کچھ مفید کہ وہ بلا تقسیم بھی بیع کرسکتا ہے جو قطعًا نافذ ہوگی کہ یہ حجر بالدین امام کے نزدیک مطلقًا اور بے حکم قاضی اجماعًا جائز نہیں۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

ثم لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لا یثبت الابقضاء القاضی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر صاحبین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرض کی وجہ سے پابندی قضاء قاضی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۲: ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مرد مذہب اہلسنت وجماعت نے عورت مذہب شیعہ تبرائی سے حسب طریقہ رفاض صیغہ پڑھایا اور اپنی زوجیت میں لایا وہ عورت زوجہ شرعی ہوسکتی ہے یا نہیں اور ترکہ اس مرد کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

وہ ہرگز زوجہ شرعیہ نہیں، نہ اصلًا ترکہ کی مستحق۔ رافضی تبرّائی ہمارے فقہاء کرام اصحاب فتاوٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک مطلقًا کافر ہے، عامہ کتب فتاوٰی میں اس مسئلہ کی جابجا تصریح ہے اور فقہائے مدوحین کے نزدیک ان کا کفر بوجوہ کثیرہ ثابت:

اوّلًا: خود یہی تبرائے ملعون والعیاذ باللہ تعالٰی فقہاء کرام فرماتے ہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شان میں ان کلمات ملعون کا بکنے والا کافر ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی خلاصہ سے ہے:

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الحجر الباب الثانی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۵

الرافضی اذاکان لیسب الشیخین و یلعنھما والعیاذ باللہ فھو کافر [1]۔	رافضی جب شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دے اور ان پر لعنت بھیجے العیاذ باللہ تو وہ کافر ہوگا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے: امام ابوزید دبوسی وامام ابواللیث سمرقندی وامام ابوعبداللہ حاکم شہید وغیرہم ائمہ کبار نے رافضی تبرائی کے مطلقاً کافر ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اشباہ والنظائر وتنویر الابصار ومنح الغفار ودرمختار وغیرہا کتب معتمدہ میں جزم کیا۔ درمختار میں ہے:

فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید من سب الشیخین اوطعن فیھما کفرولاتقبل توبۃ وبہ اخذ الدبوسی وابواللیث، وھو المختار للفتوی انتھی و جزم بہ فی الاشباہ واقرہ المصنف [2] الخ۔	بحر میں بحوالہ جوہرہ شہید کی طرف منسوب ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دی یا ان پر طعن کیا تو وہ کافر ہوگیا ور اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اسی سے دبوسی اور ابو اللیث نے اخذ کیا اور وہی فتوی کے لئے مختار ہے انتہی۔اشباہ میں اسی پر جزم کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مسلم رکھا ہے الخ (ت)

ثانیاً: حضرت افضل الاولیاء المحدبین امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت برحق سے انکار کرنا، فقہاء کرام فرماتے ہیں: صحیح مذہب پر اس کا منکر کافر ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

من انکر امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ای خلافتہ بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الامۃ فھو کافر فی القول الصحیح لاجماع الامۃ علٰی ذٰلک من غیر خلاف احد یعتدبہ [3]۔	جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد امت پر آپ کی خلافت کا انکار کیا تو صحیح قول میں وہ کافر ہے، کیونکہ اس پر اجماع امت ہے اور کسی قابل اعتبار شخص نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔(ت)

---

[1] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی الفصل الاول نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۲۱

اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں ہے: **الصحیح انہ کافر**[1] (صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ت)

ثالثًا: حضرت امیر المومنین امام العادلین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت برحق سے منکر ہونا، فقہاء کرام فرماتے ہیں: اصح مذہب پر یہ بھی کفر ہے۔ ظہیریہ وعالمگیریہ وسیرت احمدیہ وغیرہا میں ہے:

كذٰلك من انكر خلافة عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی اصح الاقوال[2]۔	اسی طرح جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا منکر ہے اصح قول میں وہ کافر ہے۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

ان انکر خلافة الصدیق اوعمر فهو کافر[3]۔	اگر کسی نے صدیق اکبر یا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا انکار کیا تو وہ کافر ہے۔ (ت)

اور کتب فقہ کا تتبع کیجئے تو ان کے سوا اور وجوہ کفر بھی روافض تبرائی میں پیدا ہوں گی اور حق یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے یہ رافضی قطعًا یقینا بالاجماع کافر مرتد ہیں کہ ان کا منکر ضروریات دین ہونا تحریرات مطبوعہ مجتہد لکھنؤ وغیرہ سے ثابت۔

وقد فصّلنا ذٰلك فی بعض فتاوٰنا ولن تجد احدا منهم الا وهو یقول بنقصان القراٰن العظیم الموجود بایدی المسلمین الیوم عن القدر المنزل علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وقد افصح بذٰلك كبارهم وصغارهم وعلماؤهم وجهالهم تحریرا	ہم نے اپنے بعض فتووں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے۔ ان میں سے ہرگز تجھے کوئی ایسا نہ ملے گا کہ جو اس بات کا قائل نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو موجودہ قرآن مجید ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن مجید سے کم ہے۔ اس بات کی تصریح ان کے بڑوں، چھوٹوں، عالموں اور جاہلوں نے تحریر وتقریر میں کی ہے۔ اسی

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[3] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

وتقریرا وکذٰلك بتفضیل سیدنا علی ن المرتضٰی وسائر الائمۃ الاطہار کرم اللہ تعالٰی وجوھھم علٰی جمیع الانبیاء السابقین صلواۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین فلایجوز لمسلم ان یرتاب فی کفرھٰؤلاء الانجاس الارجاس و العیاذ باللہ تعالٰی من شر کل وسواس خناس۔	طرح وہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور باقی ائمہ اطہار کی تمام سابقہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر افضیلت کے قائل ہیں لہذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پلید وغلیظ لوگوں کے کفر میں شک کرے، ہر چھپ کر پھسلانے والے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔(ت)

پس بلاشبہہ رافضیہ ہر گز اہلسنت کی زوجہ شرعیہ نہیں ہوسکتی اور ان سے مناکحت محض باطل اور اولاد اولاد زنا اور وہ ہر گز ترکہ اہلسنت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ عالمگیری میں ہے:

اختلاف الدین یمنع الارث [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳: ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید حسین علی نے نوکری سے روپیہ پیدا کیا اور اپنے مکان پر جمع کرکے بھیجا اس کی زوجہ معصومہ نے بعد انتقال میر حسین علی کے اس روپے سے اپنے نابالغ بیٹے میر فضل علی کے نام جائداد خریدی میر علی حسین نے یہی زوجہ وپسر اور دو دختر مستین، بسم اللہ وارث چھوڑے پھر فضل علی نے یہی وارث اور حیدر علی چچا پھر بسم اللہ نے شوہر علی جان اور یہی ورثہ پھر معصومہ نے دختر مستین وارث چھوڑ کر انتقال کی اس صورت میں وہ جائداد میر حسین علی کی قرار پائے گی یا فضل علی کی؟ اور ہر وارث کو کس قدر پہنچے گا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مالک جائداد فضل علی ہے۔ عقود الدریۃ میں ہے:

ذکر فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر	ذخیرہ اور تجنیس میں ہے ایک عورت نے اپنے مال سے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے جائداد خریدی

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولد وتكون الضيعة للولد لان الام تصير واهبة و الام تملك ذٰلك ويقع قبضا عنه احكام الصغار من البيوع[1]۔	توخریداری ماں کی طرف سے واقع ہوگی کیونکہ وہ نابالغ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور اس کی وہ مالک ہے اور ماں کا مبیع پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا(احکام الصغار، کتاب البیوع) (ت)۔

پس جائداد مذکورہ بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، چوبیس سہام پر منقسم ہوکر اس حساب سے ورثہ فضل علی کی دی جائے گی۔

مستین	حیدر علی	علی جان
۱۷	۴	۳

البتہ جبکہ وہ روپیہ جس کے عوض یہ جائداد خریدی گئی ملک میر حسین علی تھااور اس میں تمام وارثانِ میر حسین علی کا حق تھا جسے معصومہ نے بے اجازت دیگر ورثہ خرچ کر ڈالا تو باقی وارثوں کے حصص کا تاوان معصومہ پر آیا کہ وہ اس کے متروکہ سے (خواہ اسی جائداد فضل علی کا حصہ ہو یا اس کے سوا اور کوئی چیز ہو) وصول کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ما اشتراه احدهم لنفسه يكون له ويضمن حصة شركائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك[2]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	شرکاء میں سے ایک نے جو کچھ اپنی ذات کے لئے خریدا وہ اسی کا ہوگا اور اس کے ثمن میں دیگر شرکاء کے حصہ کا تاوان دے گا اگر اس نے مشترکہ مال سے ثمن ادا کیا ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سید مظہر حسن صاحب خادم جبہ مقدسہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین خاں لاولد مرا اور اس نے نکاح

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

بھی نہ کیا تھا اس کا وارث سوا خیراتی خان، اس کے پھوپھی زاد بھائی کے اور کوئی نہ تھا مگر خیراتی خاں اس کے سامنے مر گیا۔ خیراتی خاں نے اپنی زوجہ سے کہ اس کے سامنے مر چکی تھی ایک دختر چھجی اور زوجہ ثانیہ سے کہ زندہ ہے دو پسر بندہ حسن ومجب حسین چھوڑے، اس صورت میں یہ وارثان خیراتی خاں غلام حسین خاں کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اگر ہوں گے تو کس کس کو کتنا کتنا پہنچے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، ک ترکہ غلام حسین خاں کا پانچ سہام پر منقسم ہو کر دو۲ دو۲ سہم بندہ حسن ومجب حسین اور ایک سہم چھجی کو ملے گا اور زوجہ خیراتی خاں کچھ نہ پائے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:

ان اجتمعوا وکان حیز قرابتھم متحدا فالاقوی اولی، ثم ولد الوارث اولی، وان استوت قرابتھم فللذکر مثل حظ الانثیین، فان ترك ابن عمۃ وابنۃ عمۃ فالمال بینھما للذکر مثل حظ الانثیین، والکلام فی اولاد ھؤلاء بمنزلۃ الکلام فی اٰبائھم عند انعدام الاصول[1] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ذوی الارحام کی صنف رابع کے چند رشتہ دار جمع ہوں اور ان کی قرابت متحد ہو تو ان میں سے جو اقوی ہوگا وہ اولٰی ہوگا۔ پھر وارث کی اولاد اولٰی ہوگی، اور اگر ان کی قرابت برابر ہے تو مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا۔ اگر ایک پھوپھی کا بیٹا اور ایک پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر مر گیا تو ترکہ کا مال ان کے درمیان یوں تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دگنا ملے گا، ان کی اولاد میں کلام ایسے ہی ہے جیسا ان کے آباء میں ہے جبکہ اصول معدوم ہوں اھ التقاط۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۵: از ٹونک دروازہ کلاں مرسلہ احمد حسن خاں محرر تھانہ جھندوا پرگنہ سرونج ریاست ٹونک ۱۰ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بوہار خاں نے ایک عورت مسلمان کی تھی

[1] الفتاوی الهندیۃ کتاب الفرائض الباب العاشر الصنف الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۶۲ تا ۴۶۴

اس سے تین لڑکے بوہار خاں کے پیدا ہوئے مگر نکاح نہ کیا تھا اب بوہار خاں کے ترکہ میں یہ لڑکے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر فی الواقع ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ بوہار خاں اس عورت کو بے نکاح تصرف میں لایا اور یہ لڑکے معاذاللہ محض زنا سے پیدا ہوئے غرض حالت وہ ہو کہ شرع ان کا نسب بوہار خاں سے اصلاً نہ ثابت کرے تو بیشک ترکہ بوہار خاں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجھۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زنا اور لعان کی صورت اولاد فقط ماں کی طرف سے وارث ہوگی جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶: ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید پیدا ہوا اس کی خالہ نے اپنی بہن سے اسے لے کر اپنا بیٹا کرکے پالا اور بعد انتقال ہمشیرہ یہ عورت پدرِ زید کے نکاح میں آئی اس صورت میں کچھ ترکہ اسے ملے گا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مراد سائل کی یہ ہے کہ اس صورت میں زید کو اپنی اس خالہ کے ترکہ سے بوجہ متبنی یا سوتیلے بیٹے ہونے کے کچھ پہنچے گا یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ کچھ نہیں کہ متبنی یا سوتیلا بیٹا ہونا شرعاً ترکہ میں کوئی استحقاق نہیں پیدا کرتا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اس صورت میں زید اپنی حقیقی والدہ یا والد کے ترکہ سے حصہ پائے گا یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ بیشک پائے گا کسی کا اسے اپنا بیٹا بنالینا اپنے حقیقی والدین کے بیٹے ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷: ازمارہرہ شریفہ باغ پختہ مرسلہ مولوی نبی بخش صاحب ۲۰ شوال المکرم ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے فرزند سے

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

جو کہ عورت منکوحہ سے ہے بسبب اس کے اعمال زبون (یعنی فرزند اپنے باپ کی عزت کاخواہاں نہ ہے اور سخن نازیبا باپ کو کہتاہے اور قصد کرتاہے کہ اگر موقع ہو تو باپ کو مارڈالوں) کے سخت ناخوش ہے اور چاہتاہے کہ اس کو عاق کردے اور اپنی جائداد کو دواور لڑکوں کو جو عورت غیر منکوحہ سے ہیں دے دے تو اس شخص کا اپنے فرزند کے ان افعال پر عاق کرنا اور اپنی جائداد کو غیر منکوحہ کے لڑکوں کو دینا کیساہے اور عاق ہونے کے واسطے کون سے الفاظ کئے جاتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کاعلاقہ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہےاور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کاعلاقہ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استعمال کریں تو اولاد عاق ہو کر ترکہ سے محروم ہو جائے۔ مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہیں جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقہ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہوسکے، مگر معاذاللہ بحالت ارتداد والعیاذ باللہ تعالٰی۔ شرع میں عقوق ناحق نافرمانی والدین کو کہتے ہیں کہ یہ کار اولاد ہے، جو شخص اپنے ماں باپ کا حکم بے عذر شرعی نہ مانے گا یامعاذاللہ انہیں آزار پہنچائے گا وہی عاق ہے اگرچہ والدین اسے عاق نہ کریں بلکہ اپنی فرط محبت سے دل میں ناراض بھی نہ ہوں مگر کوئی شخص عاق ہونے کے سبب ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتا اور جو فرمانبرداری والدین میں مصروف رہے اور وہ بے وجہ اس سے ناراض رہیں یا بحکم **لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی**[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ت) کسی مخالف شرع بات میں ان کا کہانہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں۔ اور اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرمانبردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کردیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کرسکتاہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہوسکے۔ یہ شخص اگر اپنی جائداد اپنے بی۔ٹے کو محروم کرنے کے لئے ان بے نکاحی عورت کے لڑکوں کو دے دے گا تو دنیا میں یہ کاروائی اس کی اگرچہ چل جائے مگر عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] کنزالعمال برمزق۔د۔ن عن علی حدیث ۱۴۸۷۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷

وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة۔ رواہ ابن ماجه [1] عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔ والله تعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی اس کی میراث جنت سے قطع کردے (اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از صاحب گنج گیا مکان سید محمد ابوصالح خان بہادر رئیس کڑہ مرسلہ شیخ وزارت حسین خاں ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیا اور دوماموں ایک بھتیجا یعنی پھوپھی زادہ بھائی کالڑکا جس کا باپ اس عورت کے سامنے مرچکا تھا اور ایک پھوپھی زادہ بہن کو چھوڑا، اس صورت میں ترکہ اس کا کس کس کو کس کس قدر ملے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مایقدم کالدین والوصیۃ، کل ترکہ دونوں ماموں نصفًا نصف پائیں گے۔ پھپھی کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ علامہ ابوعبداللہ محمد غزی تنویر میں ذوی الارحام کے احکام عامہ میں فرماتے ہیں:

یحجب اقربھم الابعد [2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	ان میں سے جو اقرب ہے وہ دور والے کے لئے حاجب (رکاوٹ) بن جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹: از بدایوں مولانا مولوی عبدالرسول محب احمد سلمہ اللہ تعالٰی ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

مولانا المجد زاد مجدکم بادائے مایجب مستسعد بودہ شرف انداز معروضات ام	ہمارے مولانا بزرگوار آپ کی بزرگی میں اضافہ ہو آداب واجبہ کی ادائے گی کے ساتھ سعاد تمندی

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۳

استفتاء بدست حامل ابلاغ والاخدمت ست۔	حاصل کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں عرض پیش کرنے سے مشرف ہو رہاہوں کہ حامل ہذا کے ہاتھ خدمت اقدس میں استفتاء ارسال ہے جس کی صورت اس طرح ہے:

اصل المسئلة زید

صورت ھــــــــــــــــکذا

مادر	خواہر	ابن ابن ابن عم جد الاب
۲	۳	۱

قال فی الدرثم العصبات بانفسهم اربعة اصناف جزء المیت ثم اصله ثم جزء ابیه ثم جزء جده[1] الخ۔قال العلامة الشامی قوله ثم جزء جده اراد بالجد مایشمل اب الاب ومن فوقه[2] الٰی اٰخرھا،واللہ اعلم الساطرالوارد محب احمد عبدالرسول عفی عنہ فریق مخالف رادریں مسئلہ مخالفتے است میگوید کہ مراد از جزء جدہ فقط عم اب وعم جد است نہ آنہا کہ فوق اینہا اند ونزد شامی علیہ الرحمۃ از من فوقہ صرف ہمیں دواہل قرابت مراد اند	در میں کہا پھر عصبہ بنفسہ کی چار قسمیں ہیں: میت کی جزء، پھر میت کی اصل، پھر میت کے باپ کی جزء، پھر میت کے دادا کی جزء الخ۔علامہ شامی نے کہا کہ مصنف کے قول" پھر میت کے دادا کی جزء "میں دادا سے مراد وہ ہے جو باپ کے باپ اور اس سے اوپر والے کو شامل ہو الخ۔اللہ تعالٰی خوب جانتاہے، راقم السطور محب احمد عبدالرسول اس کی مغفرت ہوجائے۔ مخالف فریق اس مسئلہ کی مخالفت رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ دادا کی جزء سے مراد فقط باپ کا چچا اور دادا کا چچاہے نہ کہ اس سے اوپر والے۔اور شامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اوپر والوں سے مراد یہی دو اہل قرابت ہیں

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۶
[2] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی العصبات داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۹۳

چنانکہ از مثال پر ظاہر ست بواپسی حامل جواب مطلوب والسلام یکے از خدم افقر البرایا عبدالرسول محب احمد عفی عنہ۔	جیسا کہ مثال سے خوب ظاہر ہے حامل ہذا کے ہاتھ جواب مطلوب ہے۔آپ کا مخلص خادم مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج عبدالرسول محب احمد،اس کی مغفرت ہوجائے۔(ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرمکم الاکرام السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ جواب جناب حق وصواب ست فی الواقع درصورت مستفسرہ بکر عصبہ زید و مستحق باقی ودر قول درجزء جدہ داخل است کہ در فرائض بلکہ ہمہ ابواب فقہ از جد ہمیں پدر پدر یا جد قریب پدر مراد نباشد بلکہ از نسب پدر جملہ ذکور کہ در نسبت بایشان زن نیاید بذلك عرفوہ قاطبۃ وھو المراد حیث اطلق سراجیہ در ہمیں بیان تقسیم عصبات فرمود ثم الجد ای اب الاب وان علا [1] خود در ہمیں عبارت درمختار است ثم الجد الصحیح و ھو اب الاب وان علا [2]۔در شریفیہ است ھو الذی لا تدخل فی نسبتہ الی المیت ام	مولانا مکرم رب کریم آپ کو اکرام بخشے،السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔جناب کاجواب حق اوردرست ہے۔فی الواقع صورت مسئولہ میں بکرزید کا عصبہ اوربچے ہوئے مال کا مستحق ہے اور درکے قول "میت کے دادا کی جزء"میں داخل ہے کیونکہ فرائض بلکہ فقہ کے تمام ابواب میں دادا سے فقط باپ کا باپ کاجد قریب ہی مراد نہیں ہوتابلکہ باپ کے نسب کے تمامذکر جن کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت واسطہ نہ آتی ہو۔تمام نے دادا کی یہی تعریف کی ہے اور جب اس کا اطلاق کیاجائے تویہی مراد ہوتاہے۔صاحب سراجیہ نے تقسیم عبارت کے اسی بیان میں فرمایا پھرجد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپرتک ہو۔خود درمختار کی اسی عبارت میں ہے پھر جد صحیح اور وہ باپ کا باپ ہے اگرچہ اوپرتک ہو۔شریفیہ میں جد صحیح وہ ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں ماں داخل نہ ہو جیسے

---

[1] السراجی فی المیراث باب العصبات مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۲۲

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔زبدۃ الفرائض میں ہے یعنی باپ کا باپ جہاں تک اوپر چلا جائے۔مسئلہ واضح ہے اس میں کسی علم والے کی طرف سے شک کاتصور نہیں ہوسکتا تاہم خاص جزئیہ کی نص سماعت فرمائیں،زبدہ میں ہے عصبہ بنفسہٖ چار قسم پر ہے(اس کے اس قول تک)چوتھی قسم میت کے دادا کی جزء ہے جیسے اعیانی اور علاتی چچے جہاں تک اوپر چلے جائیں اور ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں،اسی قسم میں داخل ہیں۔اس کے بعد میت کے باپ کے دادا کی جزء یعنی باپ کے چچے اس کے بعد ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں،اس کے بعد میت کے دادا کے چچے پھر ان کے بیٹے جہاں تک اوپر یا نیچے چلے جائیں غیر نہایت تک۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)	کاب الاب وان علا [1] درزبدۃ الفرائض ست یعنی اب الاب ہر چند بالارود،مسئلہ واضح ست وشک درآن از ہیچ ذی علم معقول نے تاہم نص جزئیہ خاصہ بشنوید در زبدہ است عصبہ بنفسہ چار قسم است (الٰی قولہ) چہارم جزء جد میت مانند عم اعیانی و علاتی وابنائے ایشاں ہرچند بالاو پایان روند ہمدرانست بعدازاں جزء جد میت یعنی اعمام او وبعد ازاں جزء جد اب میّت یعنی اعمام اب او بعد ازاں ابنائے ایشاں ہرچند پایان روند بعدازاں اعمال جد میت وابناء ایشاں ہرچند بالا وپایان روند تاغیر نہایت۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں آخر شعبان ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرعیہ ومفتیان طریقہ نبویہ اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حافظ فتح محمد صاحب کے تین فرزند حمیدالدین اور رحیم الدین اور نورالدین،ان تینوں برادران حقیقی کی اولاد سے کوئی ورثہ شرعیہ باقی نہیں،مگر زوجہ رحیم الدین فقط باقی ہے،لیکن نورالدین کی عورت مطلقہ کے نطفہ زنا سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی،اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا،لڑکی توبحین حیات نور الدین فوت ہوئی اور زوجہ مطلقہ باقی ہے،اب وہ لڑکا جو نطفہ زنا دختر سے نورالدین کے پیدا ہوا زوجہ رحیم الدین سے حصہ چاہتا ہے تو فرزند زنا زادہا از روئے شرعی حقدار حصہ ہے یا محروم؟اور زوجہ رحیم الدین مرحوم نے اپنے برادرزادہ کو اس حصہ اپنے کا ترکہ شوہری سے حسب القاعدہ شرعیہ پایا تھا مالک ومتبنی ومختار کرکے ہبہ نامہ نمودہ قاضی صاحب لکھ کر قبضہ کرواکے چندروز کے بعد منتقل سوئے جنان ہوئی تو اس جائداد وہبہ شدہ حصہ ترکہ شوہری سے بنام برادر زادہ زوجہ رحیم الدین

[1] الشریفیہ شرح السراجیہ باب معرفۃ الفروض ومستحقیھا مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۹

وزوجہ حمیدالدین موسومہ عظیم خاں خلف محبوب خانصاحب سے وہ لڑکا زنازادہ حصہ چاہتا ہے۔درست یا ممنوع اور خط تبنگی اور وہ ہبہ نامہ جوزوجہ رحیم الدین اور حمیدالدین نے جائداد منقولہ وغیر منقولہ اور مقبوضہ وغیر مقبوضہ حصہ یافتہ کیا تھا جائز ہے یا منسوخ؟اس مسئلہ میں جو حکم بالتحقیق ہو بیان فرمائیں بحوالۃ الکتاب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

شرع مطہر کو اثبات نسب میں نہایت احتیاط منظور، جہاں ادنٰی گنجائش پائی ہے نسب ثابت فرمائی ہے،اور حتی الامکان ہر گزولد الزنا نہیں ٹھہراتی۔صدہا صورتیں نکلیں گی کہ عوام اپنے بے علمی سے بچہ کو ولدالزنا سمجھیں اور شرعًا وہ ثابت النسل ہو مثلاً یہی مطلقہ کی صورت ہے اگر عورت کو طلاق رجعی دے اور اس نے ہنوز انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا تو اگرچہ طلاق سے بیس برس بعد بچہ پیدا ہو شوہر کا ہی قرار پائے گا،یونہی اگر طلاق بائن یا مغلظ تھی اور ہنوز دو برس نہ گزرے کہ بچہ ہوگیا یا دو برس کے بعد ہوا اور شوہر نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو بھی اس ہی کا ٹھہرے گا۔یوں ہی بہت صورتیں ہیں جن میں زعم جہّال مخالف شرع مطہر ہے۔درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولولعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طھرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ کمایثبت بلادعوۃ احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز	طلاق رجعی کی عدت گزارنے والی عورت کے بچے کانسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ دوسال سے زائد عرصہ میں بچہ جنے، چاہے بیس سال یا اس سے زیادہ گزر جائیں کیونکہ طہر کے دراز ہونے اور عدت کے دوران حمل ٹھہرنے کا احتمال موجود ہے جب تک عورت نے عدت کے گزر جانے کااقرار نہ کیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے گزر جانے کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ بغیر دعوٰی کے احتیاطًا بائنہ طلاق والی کے بچے کانسب ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ طلاق کے وقت سے

وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا وان لتمامھما لایثبت النسب و قیل یثبت،وزعم فی الجوھرۃ انہ الصواب الا بدعوتہ لانہ التزمہ[1] الخ ملخصًا۔	دوسال سے کم مدت میں بچہ جنے کیونکہ بوقت طلاق حمل کے موجود ہونے کا امکان ہے اور عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا اور اگر وہ پورے دوسال پر بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ ثابت ہو جائے گا، جوھرہ میں گمان کیا کہ یہی درست ہے مگر جب شوہر دعوٰی کرے تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ شوہر نے اس کا التزام اپنے اوپر کرلیا الخ ملخصًا۔(ت)

پس اگرزن مطلّقہ نورالدین کی وہ لڑکی جسے سائل نطفہ زنا سے بتاتا ہے کسی ایسی ہی صورت پر پیدا ہوئی تھی جس میں شرعًا وہ دختر نورالدین قرار پائی اگرچہ جہال دختر زنا کہیں تو بیشک اس دختر کا بچہ اگرچہ وہ اس کے بطن سے معاذاللہ بذریعہ زنا ہی پیدا ہوا ہو نورالدین کا نواسا اور اس کے ذوی الارحام سے ہے کہ اگر نورالدین کا کوئی وارث اہل فرض وعصبات سے نہ تھا تو وہ مستحق ترکہ نورالدین ہے اور اگر نورالدین اپنے کسی بھائی سے پہلے مرا تو ان بھائیوں میں جو سب سے پیچھے مرا ہو کہ نہ اس کا کوئی عصبہ ہو نہ سوائے زوجہ کے کوئی ذی فرض تو اس کا ترکہ اس لڑکے کو پہنچے گا کہ یہ اس کے بھائی کا نواسا ہے، ولدالزنا کا نسب اگرچہ باپ سے نہیں ہوتا شرعًا اس کا کوئی باپ ہی نہیں وللعاھر الحجر[2] (اور زانی کے لئے پتھر۔ت) مگر ماں سے یقینا ثابت اور اس کی طرف سے ضرور وارث ہوتا ہے اور نانا یا نانا کے بھائی کی قرابت قرابت مادری ہے تو اس ذریعہ سے اس کی وراثت میں شک نہیں۔

فی الھندیۃ ولدالزنا لا اب لہ،فترثہ قرابۃ امہ و یرثھم[3] اھ ملخصا۔	ہندیہ میں ہے کہ ولدالزنا کا کوئی باپ نہیں ہوتا چنانچہ اس کی ماں کے قرابت دار اس کے وراث نہیں بنیں گے اور وہ ان کا وارث بنے گا اھ تلخیص(ت)

ہاں اگر مطلّقہ نورالدین کی دختر کا نسب شرعًا نورالدین سے نہ ٹھہرے تو اس کا یہ بیٹا

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۱

[2] الصحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۲

نورالدین کا کوئی نہیں، اگرچہ یہ پسر ولدالحلال ہے کہ دخترزنا شرعًا درباہ میراث دختر نہیں تو وہ لڑکی خود ہی نورالدین کی بیٹی نہ تھی اس کا بیٹا نواسا کیونکر ہوسکتا ہے، پھر جس حال پر ہم اسے وارث کہہ آئے اس تقدیر پر بھی زوجہ رحیم الدین کے مال میں اس کا کوئی حق نہیں کہ نانا کی بھاوج ہونا شرعًا ذریعہ توریث نہیں خصوصًا جو مال کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہبہ شرعیہ کرکے قابض کراچکی اس سے اسے بھی کچھ تعلق نہ رہا وہ خاص اس موہوب لہ، کا مال ہوچکا اس میں اس شخص کا دعوی اور بھی بے جا ہے، اور ہبہ جس قدر اشیائے منقسمہ جداگانہ بلاشرکت وشیوع تھا اور واہبہ نے موہوب لہ، کو اس پر قبضہ کاملہ دلادیا اس قدر میں تام وکامل ہوگیا اور جن اشیائے موہوب لہ، کو قبضہ کاملہ نہ دلایا خواہ یوں کہ سرے سے قبضہ ہی نہ ہوا یا ہوا تو شیئ موہوب جدا ومنقسم ہوکر قبضہ میں نہ آئی اس قدر میں باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد سپردگی کے بعد واھب یا موہوب لہ میں سے کسی ایک کا مرجانا ہے اور سپردگی سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

اس صورت میں یہ اشیاء جن کا ہبہ ناتمام رہا بعد موت واہبہ وارثان واہبہ کو وراثۃً پہنچے گی، رہامتبنی کرنا وہ شرعًا کوئی چیز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ"[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کی مائیں نہیں مگر وہ جنھوں نے ان کو جنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد علی نے زوجہ رحموا، ابن غلام محمد وبنت بجو، منیرن اور ایک مکان خام جس میں دوسو گز زمین تھی چھوڑ کر انتقال کیا پھر بجو مادر رحمو اور شوہر وپسر ودختر چھوڑ کر فوت ہوئی پھر رحمو نے پسر غلام محمد دختر منیرن چھوڑ کر وفات پائی غلام محمد نے بعد پدر اس مکان خام کا ایک حصہ کچے گے اور ایک حصہ بیرونی پختہ اینٹ سے بصرف خویش

---

[1] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

تعمیر کیا اور تین سو ساٹھ روپے اپنے اوپر قرضہ اور صرف اسی مکان کا حصہ متروکہ اور زوجہ تیار بی بی دو پسر علی محمد، ولی محمد، دختر آبادی بیگم چھوڑ کر رحلت کی۔ علی محمد، ولی محمد نے باپ کی تجہیز و تکفین کی اور کل قرضہ ادا کیا۔ اس صورت میں حصہ غلام محمد کس قدر ہوا اور وارثان آبادی بیگم ترکہ غلام محمد سے اپنی موروثہ کا حصہ علی محمد ولی محمد سے بے ادائے قرضہ پانے کے مستحق ہیں یا اب ترکہ علی محمد کہ صرف یہی حصہ ہے اور اس کی مقدار دین مذکور سے بہت کم ہے علی محمد وولی محمد کا مدیون ہو گیا کہ جب تک یہ دین ادا نہ ہو کوئی وارث حصہ پانے کا مستحق نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم مایقدم کالمھر والوصیۃ ترکہ شیخ محمد علی سے حصہ غلام محمد ۲۸۸ / ۱۵۷ ہے کمایظھر بالتخریج وردالکسر الٰی اقل المخارج (جیسا کہ تخریج اور کسر کو اقل مخرج کی طرف لوٹانے سے ظاہر ہے۔ت) یعنی اگر اس جائداد کے دو سو اٹھاسی حصے کئے جائیں تو ان میں سے ایک سو ستاون غلام محمد کے ہوں گے باقی وارثان منیرن و شوہر واولاد بجو کے، اور جب کہ حسب بیان سائل ترکہ غلام محمد صرف یہی ہے اور وہ مقدار دین سے بہت کم، تو جب تک دین ادا نہ کرلیا جائے کوئی وارث غلام محمد بذریعہ وراثت اس سے کچھ نہیں پاسکتا۔ جائداد جیسے پہلے اور شخص کے دین میں مستغرق تھی اب علی محمد و ولی محمد کا دین اس پر محیط ہے جبکہ انہوں نے صراحۃً یہ نہ کہہ دیا ہو کہ ہم یہ قرضی محض بطور تبرع واحسان ادا کرتے ہیں ترکہ پدری سے واپس نہ لیں گے۔ اشباہ میں ہے:

والدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث، فی جامع الفصولین لو استغرقھا دین لایملکھا بارث الا اذا ابرأہ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء، اما لو اداہ من مال نفسہ مطلقا یجب لہ دین علی المیت فتصیر مشغولۃ بدین	جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملکیت سے مانع ہے۔ جامع الفصولین میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس ترکہ کا کوئی مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جب قرض خواہ میت کو بری کردے یا اس میت کا کوئی وارث وہ قرض ادا کردے اس طور پر کہ وہ ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرے۔ اور اگر اس نے اپنے مال سے قرض ادا کیا مطلقًا بغیر شرط تبرع ورجوع کے تو اس وارث

فلا یملکھا[1] اھ ملخصًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کا قرض میت پر ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ ترکہ قرض میں مشغول ہوگا لہٰذا وارث اس کا مالک نہیں بنے گا اھ ملخصا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲: ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ تاج محمد کا اس کے ورثہ احیاء پر چار لاکھ تین ہزار دو سو سہام ہو کر یوں منقسم ہوا :

ظہورن	ننھی بنت کلن	زوجہ جمو	اعجبہ	بھجو	سعد اللہ جیا	چھٹن برادر زادہ عمہ
۲۳۰۴۰	۳۰۷۲۰	۲۸۸۰۰	۵۷۶۰	۱۱۷۱۶۸	۸۰۶۴ ۱۱۷۱۶۸	۱۶۲۰۰

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجہ ننھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
۱۶۲۰۰	۱۶۲۰۰	۲۰۲۵	۱۴۱۷۵	۵۱۲۰	۲۵۶۰

پس ایک سو ساٹھ گز زمین متروکہ مورث سے ہر وارث مذکور کو کس کس قدر پہنچے گا؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

ظہورا	ننھی بنت کلن	زوجہ جمو	اعجبہ	بھجو	سعد اللہ جیا	چھٹن برادر زادہ عمہ
لعہ ز ۹	عـ ۱۲ گز	لہ ۱۱ گز	درعان	للعہ ۴۶ گز	للعہ ۴۶ گز سے گز	ے ۶ گز
۲ $\frac{2}{7}$ گرہ	۳ $\frac{1}{21}$ گرہ	۶ $\frac{6}{7}$ گرہ	۴ $\frac{4}{7}$ گرہ	۷ $\frac{97}{105}$ گرہ	۷ $\frac{97}{105}$ ، ۳ $\frac{1}{5}$ گرہ	۶ $\frac{6}{7}$ گرہ

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجہ ننھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
ے ۶ گز	ے ۶ گز	۱۲ $\frac{6}{7}$ گرہ	صہ گز	درعان	درعہ
۶ $\frac{6}{7}$ گرہ	۶ $\frac{6}{7}$ گرہ		۱۰ گرہ	$\frac{32}{63}$ گرہ	$\frac{16}{63}$ گرہ

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو لڑکے عمرو بکر ہیں جس میں سے عمر بڑا لڑکا اور بکر چھوٹا لڑکا ہے۔ زید نے دونوں لڑکوں کی شادی کرا کر

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

اپنی جائداد کو نصف نصف دونوں بہوؤں پر یعنی زوجہ بکر وزوجہ عمر پر تقسیم کرکے بیع کردی، بعد کو بکر کی زوجہ نے انتقال کیا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر مدعی اب تک وہاں موجود نہ تھا یا بوجہ نابالغی وغیرہ معذور تھا یا بکر کو اقرار ہو کہ یہ جائداد بذریعہ میراث زوجہ اس نے پائی ہے تو ان صورتوں میں دعوی مدعی قابل سماعت ہے ورنہ نہیں

کما فصله العلماء فی کتبھم مثل الفتاوی الخیریة و العقود الدریة وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علماء نے اپنی کتابوں میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریۃ وغیرہ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴: ۳۰ صفر ۱۳۱۱ھ

مسئلہ — مشرف — ترکہ خالصہ زمین ۱۱ گرہ

ابن عبدالجلیل	ابن عبدالخلیل	ابن اسمٰعیل	بنت عباسی جان	بنت زابی جان	بنت چھوٹی جان
ع درعہ	ع درعہ	ع درعہ	صہ درعہ	صہ درعہ	صہ درعہ
۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ	۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ	۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ	۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ	۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ	۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ

مسئلہ — چھوٹی جان — مف صہ درعہ ۶ $\frac{۵}{۹}$ گرہ

زوج غلام محی الدین خاں	ابن امین الدین خاں	ابن امام الدین خاں	بنت
۱ درعہ	۱ درعہ	۱ درعہ	
۵ $\frac{۲۳}{۳۶}$ گرہ	۹ $\frac{۲۹}{۳۰}$ گرہ	۹ $\frac{۲۹}{۳۰}$ گرہ	۱۲ $\frac{۵۹}{۶۰}$ گرہ

مسئلہ — اسمٰعیل — مف ع ۱۳ $\frac{۱}{۹}$ گرہ

زوجہ	ابن	بنت
۱ درعہ	ے درعہ	ے درعہ
۵ $\frac{۲۳}{۳۶}$ گرہ	۴ $\frac{۵۳}{۵۴}$ گرہ	۲ $\frac{۵۳}{۱۰۸}$

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵: علمائے دین ومفتیان شرع متین کیافرماتے ہیں اس بارے میں کہ مسمّٰی زید فوت ہوا ایک زوجہ اور چند اولاد بیٹا و بیٹی متوفی کے وارث ہیں، زوجہ چاہتی ہے کہ ترکہ متوفی کا بعوض دین مہر کے کہ ادا نہیں ہوا ہے مجھ کو ملنا چاہئے۔ دین مہر کثیر، ترکہ قلیل، دین مہر کو کافی نہیں ہوسکتا ہے۔ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ بموجب فرائض کے ترکہ میں سے وراثتًا سب کو حصہ ملنا چاہئے، اب اول ادائے دین مہر ہونا چاہئے یا ترکہ وارث کل ورثاء پر تقسیم ہوئے۔

الجواب:

ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے جب تک مہر ادا یا معاف نہ ہولے کوئی وارث کچھ نہیں پاسکتا جبکہ اس کی مقدار ترکہ سے زائد ہے۔

قال تعالٰی "مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ‌ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ اور قرض کے بعد۔ (ت)

مگر عین جائداد کا مہر میں دیا جانا ضروری نہیں ورثہ کو اختیار ہے کہ مہر اپنے پاس سے ادا کریں اور جائداد تقسیم ترکہ کے لئے بچالیں یا جائداد بیچ کر ادائے مہر میں صرف کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶: صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوصیت انتقال کیا اور چھوڑی جائداد منقولہ مکسوبہ و متفرقہ خود از قسم زر نقد و زیور طلائی وغیرہا اور اثاث البیت خانگی، ایک مکان مع حصہ اراضی موروثی، اور وارثان شرعی زید کے حسب ذیل: یک برادر حقیقی بکر حیات، یک زوجہ ہندہ جو تخمینًا یک ماہ بعد زید کے مر گئی اور اپنا مہر شرعی روبرو شاہدین شوہر زید کو معاف کردیا تھا اور خورد و نوش یکجائی ہندہ کے بعد وفات شوہر کے بہمراہی بکر مکان مذکور میں تھی چنانچہ تجہیز و تکفین و رسومات موتہ زید و نیز ہندہ کی زید کے روپے سے ہوئی۔ بعد وفات کے مسمیان خالد و محمود، حامد، احمد برادران ہندہ متوفیہ زر نقد مع زیور مذکورہ بالا جس پر کہ زید بحیات خود باختیار تصرف مثل رہن و بیع وغیرہ وقتًا فوقتًا مالکانہ متصرف تھا اس کو برادران ہندہ باخفائے ورثائے زید مکان موروثی سے لے گئے، للہذا اب تنازع بابت

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

متروکہ زید کے درمیان ورثاء زید یعنی بکروخالد وحامدو محمود واحمد کے ہے، پس صورت مذکورہ بالا تقسیم متروکہ کے کس طور پر ہونا چاہئے اور تجہیز و تکفین وسویم وغیرہا زید کی بکر نے زید کے روپے سے اور ہندہ کی تجہیز و تکفین وغیرہ برادران ہندہ نے زید کے روپے سے کی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو زیور ملک زید تھا (یعنی نہ جہیز ہندہ کا تھا نہ زید نے ہندہ کو تملیک کر دیا تھا اگرچہ پہننے کو دیا ہو) وہ متروکہ زید ہے خاص ورثاء اس کے مستحق نہیں۔ برادر زید نے تجہیز و تکفین زید بقدر سنت میں جو خرچ کیا وہ مجرا پائے گا کہ اسے نکال کر باقی ترکہ وارثان زید پر تقسیم ہوگا، اور جو کچھ صدقہ خیرات روز وفات وقت دفن وسوم وغیرہا میں اٹھایا وہ خاص برادر زید کے حصہ پر پڑے گا، باقی ورثہ کو اس سے سروکار نہیں۔ پس برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات خرچ تجہیز و تکفین زید بقدر سنت اور نیز اگر کوئی دین ذمہ زید ہو وہ ادا کرکے جو باقی بچے مع اس روپے کے جو برادر زید و برادران ہندہ نے خرچ فاتحہ وصدقہ وغیرہا میں اٹھایا سب کے سولہ سہام کریں ان میں سے چار سہم کامل خواہر زید کو دیں اور آٹھ سہم میں خرچ فاتحہ وصدقات زید شامل کرکے برادر زید کو دیں یعنی جو کچھ برادر زید نے فاتحہ میں اٹھایا وہ اسے وصول پایا ہوا تصور کریں باقی چار سہام میں کل خرچ تجہیز و تکفین ہندہ بقدر سنت وخرچ فاتحہ ہندہ کہ برادران ہندہ نے کیا سب شامل کرکے برادران ہندہ کو دیں یعنی موت ہندہ کا کل خرچ انہیں چار سہام پر ڈالیں پھر اس میں سے خرچ مسنون ترکہ ہندہ پر پڑے گا اور خرچ زائد صرف ان برادران کے حصہ پر جنہوں نے اٹھایا اور سب نے اٹھایا تو سب پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷: از شہر کہنہ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے بیٹے نے انتقال کیا پوتا اور بھتیجے موجود ہیں، بھتیجے اس پر زور ڈالتے ہیں کہ اپنا مال ہمیں لکھ دے اس لئے کہ ہم تیرے وارث ہیں پوتا محجوب الارث ہو چکا ہے، اس صورت میں پوتے کو محروم کرکے بھتیجوں کو لکھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کی درخواست قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ان کی یہ درخواست مہمل وناقابل سماعت ہے اول تو حیات مالک میں اس مال کا کوئی وارث نہیں اور بعد موت کب معلوم کون زندہ ہوگا کون مردہ، اور اگر عورت کے بعد پوتا اور بھتیجے سب باقی رہے تو پوتا ہی وارث ہوگا۔ بھتیجے اس کے ہوتے کچھ نہ پائیں گے تو محجوب الارث خود بھتیجے ہوں نہ کہ پوتا۔ پوتا اپنے دادی داداکا خود وارث ہے نہ بواسطہ پدر کہ ان کے پہلے مر جانے سے یہ محجوب الارث ہو جائے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عورت کو ہرگز جائز نہیں کہ پوتے کو محروم کرنے کے لئے اپنا مال بھتیجوں کو لکھ دے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرّ من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیٰمة، والعیاذبالله تعالٰی، رواه ابن ماجة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه [1]۔ والله سبحٰنه و تعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔ (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸: از لکھنؤ محلّہ محمود نگر مطبع مصطفائی مرسلہ مولوی ابوالخیر محمد جان صاحب ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً زید کے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکا بحیات والدین بالکل مفقود الخبر ہوگیا پچیس تیس برس سے اس کا کہیں پتا نہیں، اس درمیان میں پہلے اس کے والد نے پھر اس کی والدہ نے انتقال کیا اب زید متوفی کے لڑکے اپنے والدین متوفیین کے متروکہ کو حسب ہدایت شرع شریف تقسیم کرنا چاہتے بلکہ ماں کے متروکہ کو کیونکہ جائداد ماں کے نام ہے لیکن اس مفقود الخبر لڑکے کی زوجہ جو ہنوز زندہ ہے عذر کرتی ہے کہ میرے زوج مفقود الخبر کا بھی حصہ لگاؤ اور چونکہ وہ نہیں ہے لہذا حصہ وہ مجھے دو، پس استفسار کیا جاتا ہے کہ ابن مفقود الخبر کی زوجہ عندالشرع زوج

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

مفقود کا حصہ پاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر پاسکتی ہے تو کس قدر؟ اور لڑکیوں کا حصہ کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ لڑکا کہ حیات مادر میں مفقود الخبر ہوگیا ترکہ مادر میں مثل میت ہے۔

فی التنویر میت فی حق غیرہ فلا یرث من غیرہ[1]۔	تنویر میں ہے مفقود الخبر غیر کے حق میں مردہ ہوتا ہے لہٰذا وہ غیر کا وارث نہیں بنے گا۔ (ت)

توجب تک بعد وفات مادر اس کا زندہ رہنا شرعًا ثابت نہ ہو جائے اس کی زوجہ وغیرہ مدعیان ارث مفقود کو ترکہ مادری سے اس کے حصہ کا مطالبہ ہرگز نہیں پہنچتا کہ بے اس ثبوت کے شرعًا خود اسے ترکہ مذکورہ سے کچھ نہ ملے گا اس کے ورثہ کو بذریعہ توریث بالواسطہ پہنچنا کیا معنٰی، بلکہ وہ ترکہ بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر وتقدم مقدم کالدین والوصیۃ، چوبیس سہام پر منقسم کریں ہر پسر موجود کو چھ ہر دختر کو تین دے کر چھ موقوف رکھیں یہاں تک کہ عمر مفقود سے ستر سال کامل گزر جائیں یعنی وہ مدت منقضی ہو کہ اگر زندہ ہوتا تو ستر ۷۰ برس کا ہو جاتا مثلًا وقت فقدان بست ۲۰ سالہ تھا اور مفقود ہوئے تیس ۳۰ برس ہوئے تو بیس برس اور انتظار کریں یا پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں گما اب پچیس ۲۵ گزرے تو دس ۱۰ برس۔

ھذا احسن مایصار الیہ ویعول علیہ فانہ المؤید بالحدیث و شاھد حال الزمان للحدیث ان المرٰی ھٰھنا ھو حصول الظن لیس الا فانہ لاسبیل الی الیقین فتقدیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر من تقدیر غیرہ وقد نص العلماء کشارحی المنیۃ العلامۃ المحقق محمد بن	اور یہ بہترین قول ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس پر بھروسا کیا جائے کیونکہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حال زمانہ حدیث کا شاہد ہے کیونہ یہاں عمر کی حد مقرر کرنا محض گمان غالب کی بنیاد پر ہے کیونکہ یہاں یقین کی کوئی صورت نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اندازہ مقرر فرمانا غیر کے اندازے سے بہتر ہے۔ اور علماء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ منیہ کے دو شارحین علامہ محقق محمد بن امیر الحاج نے

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۹

امیرالحاج فی الحلیۃ والعلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ وغیرھما فی غیرھما انہ لایعدل عن درایۃ ماوافقتھا روایۃ[1] لاسیما وھو الارفق بالناس و الاوفق بالزمان فقد تقاصرت الاعمار وتعجلت المنون وحسبنااللہ ونعم الوکیل فلذا عولنا علیہ فی جمیع فتاوٰنا وباللہ التوفیق اخرج الترمذی عن ابی ھریرۃ وابویعلٰی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنھما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعمار امتی مابین الستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذٰلک[2] سندہ حسن کما نص علی الحافظ فی فتح الباری،	حِلیہ میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ اس دِرایت سے عدول نہیں کیاجائے گا جس کی موافقت روایت کرے خصوصًا جبکہ اس میں لوگوں کے لئے زیادہ نرمی اور زمانے کے ساتھ زیادہ موافقت موجود ہو۔ تحقیق عمریں کم ہو گئیں اور موتیں جلدی واقع ہونے لگیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے تمام فتاوٰی میں اس پر اعتماد کیا اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابویعلٰی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی، ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی بہت کم ان میں سے ایسے ہوں گے جو اس سے آگے بڑھیں۔ اس کی سند حسن ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

امام محقق علی الاطلاق مالک ازمۃ الترجیح والتنقیا فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

عندی الاحسن سبعون لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اعمار امتی مابین الستین الی	میرے نزدیک سب سے بہتر ستر سال والا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ میری امت کی عمریں

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فرائض الصلٰوۃ الثامن تعدیل الارکان سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵، جامع الترمذی ابواب الدعوات باب منہ امین کمپنی دہلی ۲ /۱۹۴

[2] کنزالعمال برمزت عن ابی ہریرہ حدیث ۴۲۶۹۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ /۶۷۷

السبعین فکانت المنتھی غالبًا [1]۔	ساٹھ سے ستر سال تک کے درمیان ہوں گی۔ چنانچہ غالبًا ستر پر زندگی کی انتہا ہوتی ہے۔(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: **انه احوط واقیس** [2] (بے شک وہ زیادہ احتیاط والا اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ت) اسی میں ہے: **وعلیه الفتوی** [3] (اور اسی پر فتوی ہے۔ت) اس مدت میں اگر ظاہر ہو کہ مفقود زندہ ہے یا بعد موت مادر زندہ تھا اگرچہ ایک آن بعد مر گیا تو یہ چھ سہام بحالت حیات خود اسے، ورنہ بحسب اَحکام فرائض اس کی زوجہ وغیرہ ان کے ورثہ کو کہ اس کی موت کے وقت زندہ تھے اگرچہ اب مرچکے ہوں دے دیئے جائیں اور اگر ثابت ہو کہ مفقود پیش از مادر مر گیا تھا یا مدت مذکورہ گزر جائے اور کچھ ثبوت نہ ہو یہاں تک کہ روز فقدان سے اس کی موت کا حکم کر دیا جائے تو ان سہام میں اس کے ورثہ کا کچھ حق نہیں بلکہ انہیں چار اولاد موجود کو دیئے جائیں ہر پسر کو دو ہر دختر کو ایک۔

فی التنویر یوقف قسطه فان ظهر حیا فله ذٰلك وبعده یحکم بموته فی مال غیره من حین فقد فیرد الموقوف له الی من یرث مورثه عند موته [4] اھ ملخصًا۔	تنویر میں ہے مفقود الخبر کا حصہ موقوف رکھیں گے اگر وہ زندہ ظاہر ہوگیا تو یہ حصہ اس کا ہے، اس کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد) اس کے گم ہونے کے وقت سے غیر کے مال میں اس کی موت کا حکم دیا جائے گا، چنانچہ جو کچھ اس کے لئے موقوف رکھا گیا تھا وہ ان کی طرف لوٹادیں گے جو اس کے مورث کی موت کے وقت وارث بنے تھے اھ ملخصًا (ت)

یہ چھ ۶ سہام تا انفصال احکام اس کے پاس امانۃً رہیں گے جس کے قبضہ میں متروکہ مذکورہ اس وقت یعنی بعد موت مورثہ ہے خواہ وہ کوئی پسر موجود ہو یا دختر یا زن پسر یا کوئی اجنبی

---

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۵ /۳۷۴

[2] جواہر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۰

[3] جواہر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۰

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۹

جس میں حفظ واصلاح ضروری کے سوا کسی تصرف مالکانہ کا اسے اصلاً اختیار نہ ہوگا جب تک اس سے کوئی خیانت ظاہر نہ ہو ورنہ اس کے قبضہ سے نکال کر کسی عادل ثقہ امین متقی خداترس کو سپرد کریں گے، فتح میں ہے:

رجل مات عن ابنتین وابن مفقود وابن ابن والمال فی ید اجنبی لاینزع من ید الاجنبی الا اذا ظهرت خیانته فیوخذ منه ویوضع علٰی ید عدل ولوکان فی ید البنتین لایحول المال من موضعه ولوکان فی ید ولد المفقود یوقف فی ید من کان فی یدہٖ[1] اھ ملتقطاً۔	کوئی شخص دو بیٹیاں ایک مفقود بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ کر مرگیا جبکہ اس کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اجنبی کے ہاتھ سے واپس نہیں لیاجائے گا مگر اس وقت جب اس کی خیانت ظاہر ہوجائے اس صورت میں اس سے مال لے کر کسی عادل کے قبضہ میں دے دیا جائے گا، اور اگر مال دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور اگر وہ مقصود کی اولاد کے قبضہ میں ہے تو مفقود کا حصہ اسی کے ہاتھ میں موقوف رکھاجائے گا جس کے ہاتھ میں وہ ہے اھ ملتقطاً (ت)

فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ، امین نہ کریں گے اس پر مگر جو مال غیر کو نارسوزاں جانتا ہو اور قبول نہ کرے گا اسے مگر فاسق افسق یا غافل احمق یا عادل مرفق قلیل ماھم ھیہات ھیہات کہاں علم اور کہاں عدالت، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ط واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از تھانہ کچھا علاقہ خام ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام غوث نے اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کی، پھر دوسری کے انتقال ہوجانے کے بعد تیسری شادی کی، پہلی کا حقیقی بھائی اور دوسری کی ایک لڑکی جو اس کے ساتھ آئی تھی اور تیسری مع اپنے لڑکے کے جو ہمراہ آیا تھا زندہ ہے، تینوں عورتوں کا مہر پینسٹھ پینسٹھ روپیہ کا بندھا تھا، اب شرع شریف کے نزدیک کتنا مہر کس کس وارث کو پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا۔

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ ۵/ ۷۵۔۳۷۴

الجواب:

صورت مستفسرہ میں پہلی بیوی لاولد کے بھائی یا اس کے سوا اور جو وارث ہوا نہیں ترکہ غلام غوث سے مہر کے بتیس [۳۲] روپے آٹھ آنے دیئے جائیں، اور دوسری کی بیٹی وغیرہ ورثہ کو اس کے مہر کے اڑتالیس [۴۸] روپے بارہ آنے، اور تیسری کہ زندہ ہے اسے اس کے مہر کے پورے پینسٹھ (۶۵) روپے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰: از میرٹھ چھتہ شیخاں مرسلہ حافظ محمد اکبر صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

زید مع اپنے کل خاندان کے کافر ہے، ہندہ زید کی بیٹی اور جھندہ زید کی بیوی، بعد مرنے زید کے دونوں مسلمان ہوگئیں۔ ہندہ رنڈی بن کر کسب کرانے لگی اپنی ذاتی جائداد پیدا کی اور نکاح کرلیا اب وہ مرگئی اور سوائے خاوند کے کوئی وارث نہیں، ہندہ کے ماموں زاد بھائی کی جو اس وقت تک کافر ہے دو بیٹیاں مسلمان ہوگئیں ان کا باپ یعنی ہندہ کا ماموں زاد بھائی کافر ہے، کیا یہ دونوں وارث شرعی ہندہ کے ترکہ کی ہوسکتی ہیں؟ اور ان کا باپ حاجب ہے اور مانع اختلاف دینین کا اس پر اثر ہے اور یہ دونوں ذوی الارحام ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ کی ماں اگر اس سے پہلے مرگئی بعد اس کے صرف شوہر اور یہ دو عورتیں اس کے ماموں زاد بھائی کی بیٹیاں رہیں اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان کہ درجہ وراثت میں ان کے ہمسر یا ان سے مقدم ہو، نہیں، تو متروکہ ہندہ بعد ادائے دیون ووصایا چار سہام پر منقسم ہو کر دو سہم شوہر اور ایک ایک ان دونوں عورتوں کو ملے گا اور ان کے کافر باپ کا زندہ ہونا انہیں محروم نہ کرسکے کہ کافر ترکہ مسلم میں مردہ ہے اور مردہ نہ خود وارث ہو نہ دوسرے وارث کو محروم کرسکے۔ شریفیہ میں ہے:

المحروم عن المیراث بالکلیۃ لایحجب عندنا غیرہ اصلا لاحجب حرمان ولاحجب نقصان ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم روی ان امرأۃ مسلمۃ ترکت زوجا مسلما	جو شخص کلی طور پر میراث سے محروم ہو ہمارے نزدیک وہ کسی غیر کے لئے بالکل حاجب نہیں بنتا، نہ حجب حرمان کے ساتھ اور نہ ہی حجب نقصان کے ساتھ۔ عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مروی ہے کہ ایک مسلمان عورت نے مسلمان خاوند اور

واخوین من امھا مسلمین وابنا کافرا فقضی فیھا علی وزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنھما بان للزوج النصف ولاخویھا الثلث ومابقی فھو للعصبۃ[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دو مسلمان اخیافی بھائی اور ایک کافر بیٹا چھوڑا۔ تو اس کے بارے میں حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فیصلہ دیا کہ اس کے خاوند کے لئے نصف اور دنوں بھائیوں کے لئے ایک تہائی ہے، اور جو باقی بچا وہ عصبہ کے لئے ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک عورت اور بیٹی اس کی مسلمان ہوئی اور ایک میں سے اس نے نکاح کرلیا اور اپنی بیٹی کا بھی نکاح کردیا۔ اور جس مرد نے مال لیا تھا اس کی پہلی بی بی سے اولاد ہے اور اس نو مسلم عورت اور شوہر ثانی سے کوئی اولاد نہ ہوئی بجز اس لڑکی کے اور کوئی اولاد نہیں، ماں باپ فوت ہوگئے، اب یہ عورت جو رہی اس کا خاوند مرا، موافق شرع شریف کے اس کے خاوند کا جو کچھ ترکہ تھا تقسیم ہوگیا، اب یہ عورت مری، اس کی کوئی اولاد نہیں دو بھائی اس کے ہیں ماں میں شریک نہیں ماں باپ الگ ہیں، اب اس عورت کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو؟ بیان کرو اللہ تعالٰی اجر دے گا۔

الجواب:

شوہر مادر کے بیٹے جو نہ اپنے باپ کے نطفے نہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہوں وارث نہیں، پس اگر عورت مذکورہ کا کوئی وارث شرعی مسلمان موجود نہیں نہ اس نے کسی کے لئے اپنے مال کی وصیت کردی تو اس کا کل مال بعد ادائے دَین (اگر اس کے ذمہ ہو) محتاج بیکس مسلمانوں کو دے دیا جائے یا ان دوادارو کفن میں صرف کیا جائے اگر یہ پسران شوہر مادر بیکس محتاج ہیں تو انہیں بھی دیں یا انہیں کو دے دیں، غرض یہ محتاج ہوں تو بوجہ محتاجی مستحق ہوسکتے ہیں نہ بوجہ وراثت۔ در مختار میں ہے:

ترکۃ بلاوارث مصرفھا لقیط فقیر وفقیر بلاولی	وہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں، اس کا مصرف وہ گرا پڑا بچا ہے جس کو

[1] الشریفیہ شرح السراجیۃ باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۹

اھ ملخصا۔[1]	کسی فقیر نے اٹھالیا یا ایسا فقیر ہے جس کا کوئی ولی نہیں اھ ملخصا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفقیر بلا ولی ای لیس لہ من تجب نفقتہ علیہ قال فی البحر یعطی منہ نفقتھم وادویتھم ویکفن بہ موتاھم ویعقل بہ جنایتھم[2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	مصنف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور ان کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مصنف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور ان کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۲: از کلکتہ مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب طالبعلم ساکن ڈھاکہ عشرہ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ

چہ می فرمایند علماء دین متین اندرینکہ شخصے درہنگام زوجہ وے اموال خودرا بحین حیات خود درمیان ورثہ کہ ورائے او چہار پسر ویک دختر بودند ہیچیک اعتراض نکردہ واظہار انکار بر عدم شمار او درمیان ورثہ ناںمودہ باہتمام خود حصہ یک پسر راکہ بر تقدیر عدم شمار او درمیان ورثہ دو بہرہ ازنہ سہام می شدی بہ زوجہ پسر کلاں وے درعوض کابین نوشتہ داد وباختیار خود رجسٹری نمود بعد از وفات زن بوقت اخذ پسران دیگر بہرہائے خود دراد عوی نماید ومیگوید کہ ربع از اموال متروکہ زن	کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی نے اپنی زندگی میں شوہر کے سوا دیگر ورثاء میں جو کہ چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں اپنا مال تقسیم کردیا، اور شوہر نے تقسیم کے وقت کوئی اعتراض نہیں کیا، اور وارثوں میں اسے شمار نہ کئے جانے پر انکار ظاہر نہیں کیا بلکہ ورثاء کے درمیان اس کا شمار نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک بیٹے کو نَو میں سے جو دو حصے ملتے ہیں ان کو بڑے بیٹے کی بیوی کے مہر کے عوض تحریر کرتے ہوئے اپنے

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۲

بمن میرسد پس اگر ربع ازمابقے بعد ازاخذ زوجہ پسریکہ دوبہرہ ازنہ برضائے اویافتہ گرفتہ آید حیف علی الارث پسران دیگرلازم آید کہ زن درحین حیات خودبریں راضی ناشدہ زوج را اجمالاً چیزے ازاموال خود دادہ راضی برعدم اخذ ترکہ وے نمودہ بود تاحیف علی الارث درحقوق فرزندان دیگرکہ ورائے پسر کلاں اوبودند لازم نیاید **بیّنوا توجروا**۔

اختیار سے رجسٹری کرانے کااہتمام کیا۔اب بیوی کی وفات کے بعد دوسرے بیٹوں کے اپنا حصہ لینے کے وقت خاوند دعوی کرتے ہوئے کہتاہے کہ بیوی کے متروکہ مال میں سے چوتھا حص مجھے ملتاہے۔چنانچہ خاوند کی رضامندی سے بڑے بیٹے کی بیوی کے نو۹ میں سے دو۲ حصے وصول کرنے کے بعد باقی میں سے خاوند کو اگر چوتھا حصہ دیاجائے تودوسرے بیٹوں کی میراث پر ظلم لازم آتاہے کیونکہ عورت نے اپنی زندگی میں اس صورت حال پرراضی نہ ہوتے ہوئے شوہر کواپنے مال میں سے کوئی چیز دے کرترکہ میں سے کچھ نہ لینے پراس کوراضی کیاتاکہ دوسرے بیٹوں کے حقوق میں میراث پر ظلم لازم نہ آئے جوکہ اس کے بڑے بیٹے کے علاوہ ہیں۔بیان کرو اجردیئے جاؤگے۔(ت)

الجواب:

اگرچہ مسئلہ بس غریبہ کہ ازاغرب مسائل توان گفت بعض علماء صورتے آوردہ اند تابصورت تخارج بحیات مورث کما ذکرہ فی الاشباہ عن طبقات الشیخ عبدالقادر عن خزانۃ الجرجانی عن ابی العباس الناطقی عن بعض مشائخہ وفی جامع الرموز عن الناطقی ثم اعقبہ عن الجواھر بما ھو اوفق واقرب وفی جامع الفصولین عن جامع الفتاوٰی حکی قولین کمافی ردالمحتار

اگرچہ مسئلہ بہت انوکھا ہے کہ اس کو سب سے انوکھا مسئلہ کہاجاسکتاہے بعض علماء نے اس کومورث کی زندگی میں تخارج کی صورت قراردیاہے جیساکہ اشباہ میں طبقات شیخ عبد القادر سے بحوالہ خزانۃ الجرجانی نقل کیاہے،اورجرجانی نے ابوالعباس ناطقی سے اس کے بعض مشائخ کے حوالے سے ذکر کیا،اورجامع الرموز میں ناطقی سے نقل کیا،پھر اس کے بعد جواہر کے حوالے سے ذکرکیاجوکہ اوفق واقرب ہے۔اورجامع الفصولین میں جامع الفتاوٰی کے حوالے سے منقول کہ انہوں نے دو۲قول نقل کئے جیساکہ ردالمحتار

قلت ورأیت فی جامع الفصولین قدم قبلہ عن السیر الکبیر للامام محمد ماھو الموافق للاصول والمرافق للمعقول والمنقول کما اشرنا الی کل ذٰلك فیما علقنا علٰی ردالمحتار الّا آں نیز بایں طورست کہ مورث ہریکے از ورثہ امالے دہد برآں شرط کہ پس از مرگ بہرہ از امیر شش نباشد اینجا بعد استفسار حالے ظاہر شد کہ زن شوہر خود راچیزے ندادہ است بلکہ مالے بنام پسر پنجمین او کہ از ہمخوابہ پیشین بودہ ہمراہ پسران خودش تعیین نمود وشوہر ہمبریں معنی راضی باسقاط حقش از میراث شد پس ایں نماند جز وعدہ تبرک ارث ووعدہ مجردہ جز قضا رانسزد فی الظھیریۃ والخانیۃ و الھندیۃ لایلزمہ الوفا بالمواعید[1]۔وفی الذخیرۃ و الھندیۃ ھذا وعد منہ ولایلزمہ بذٰلك شیئ[2] خاصہ در امر میراث کہ حکم باختیار وارث نیست بلکہ بناچار رسد فی الاشباہ

میں ہے، **میں کہتا ہوں** میں نے جامع الفصولین میں دیکھا کہ انھوں نے اس سے ماقبل امام محمد کی سیر کبیر سے وہ قول نقل فرمایا جو اصول کے موافق اور معقول ومنقول کے مناسب ہے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس تمام کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن وہ بھی اس طور پر ہے کہ مورث وارثوں میں سے ہر ایک کو اس شرط پر کچھ مال دے کہ اس کے مرنے کے بعد میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا جبکہ اس جگہ تفتیش کے بعد یہ حالت ظاہر ہوئی کہ عورت نے اپنے شوہر کو کوئی چیز نہیں دی بلکہ کچھ مال اپنے پانچویں بیٹے کے لئے جو کہ پہلے خاوند سے ہے اپنے دوسرے بیٹوں کے ساتھ مختص کیا۔ اور شوہر اس صورت پر میراث میں سے اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہوا، چنانچہ یہ میراث چھوڑنے کے وعدہ کے سوا کچھ نہیں اور محض وعدہ سوائے قاضی کی قضا کے کسی شیئ کے لائق نہیں۔ ظہیریہ، خانیہ اور ہندیہ میں ہے کہ وعدوں کی وفا اس پر لازم نہیں۔ ذخیرہ اور ہندیہ میں ہے یہ اس کی طرف سے وعدہ ہوا جس سے اس پر کچھ لازم نہیں آتا خصوصًا میراث کے معاملے میں جو وارث کے اختیار سے نہیں بلکہ جبری طور پر اسے پہنچتی ہے۔

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

من القول فی الملك لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا و کذا الوصیۃ فی مسألۃ الخ[1] خاصہ بحالے آں وعدہ پیش از ثبوت ارث ہم در حیات مورث صورت بست وپیداست کہ سقوط پیش از ثبوت معنی ندارد الاتری ان المرأہ لو اسقطت حقھا من القسم کان لھا الرجوع قال فی غمز العیون انما جازلھا الرجوع لان حقھا لم یکن ثابتا بعد فیکون مجرد وعد فلایلزم کالمعیر[2] الخ ولہذا اگر مورث برائے وارثے وصیتے کرد ودیگران بحیاتش رضا دادند ایں اجازت بجوے نیز زدوایشاں راپس ازمرگ مورث رجوع میرسد۔ فی الدر المختار لاتعتبر اجازتھم حال حیاتہ اصلا بل بعد وفاتہ[3] فی ردالمحتار لانھا قبل ثبوت الحق لھم لان ثبوتہ عندالموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف الاجازۃ بعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق	اشباہ کے اندر ملکیت کے قول میں ہے کہ انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق اس کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے اور اسی طرح وصیت ایک مسئلہ میں الخ خاص طور پر اس حال میں کہ وہ وعدہ بھی میراث کے ثبوت سے پہلے مورث کی زندگی میں رونما ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ثبوت سے پہلے اس کا ساقط ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عورت اگر اپنی باری کا حق ساقط کردے تو اسے رجوع کا حق ہوتا ہے۔ غمز العیون میں کہا کہ اس کو رجوع کا حق اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا حق ابھی تک ثابت نہیں ہوا تو یہ محض ایک وعدہ ہوگا جو لازم نہیں ہوتا جیسا کہ عاریت پر دینے والا الخ اور یہی وجہ ہے کہ اگر مورث نے کسی وارث کے لئے وصیت کی اور دوسروں نے اس کی زندگی میں رضامندی ظاہر کردی تو یہ اجازت وجوب کے لائق نہیں اور ان وارثوں کو مورث کے مرنے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے۔ درمختار میں ہے مورث کی زندگی میں وارثوں کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہے۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[2] غمز عیون البصائر الفن الثالث احکام النقد ومایتعین فیہ الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۲

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

وتمامہ فی المنح[1] پس دعوی شوہر بجائے خود ست آنچہ ہنگام مرگ زن درملک زن بودہ ربع اوبشرط عدم موانع ارث وتقدیم ماتقدم کالدین والوصیۃ بشوہرش می رسد وہیچ حیف درمیراث لازم نیست کہ آنچہ پسر کلاں پیش از موت مورثہ یافت اگرمابلکہ بروجہ صحیح شرعی تملیک او کردہ بودآں مقدار از ارث خودبیروں رفت کہ ارث متعلق نہ شود جزبترکہ و ترکہ نیست جزآنکہ ہنگام موت مورث درملک اوست۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	کہ وہ اجازت ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوئی ہے کیونکہ ان کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ مورث کی وفات کے بعد اس کو رَد کردیں بخلاف مورث کی موت کے بعد ہونے والی اجازت کے کیونکہ وہ حق کے ثبوت اور اس کی تمامیت کے بعد واقع ہوئی ہے(المنح)، چنانچہ شوہر کا دعوی برمحل ہے، جوکچھ بوقت موت عورت کی ملکیت میں تھا اس کا چوتھا حصہ شوہر کو ملے گا بشرطیکہ میراث سے روکنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے، اور جو چیزیں میراث سے مقدم ہیں انہیں مقدم کردیا گیا ہو جیسے قرض اور وصیت۔ اور میراث میں کوئی ظلم لازم نہیں آتا کیونکہ عورت کی موت سے پہلے جوکچھ اس کے بڑے بیٹے نے پایا اگر مابلکہ نے شرعی طریقے پر اس کو مالک بنادیا تھا تو اتنی مقدار خود میراث سے خارج ہوگئی کیونکہ میراث کا تعلق ترکہ کے ماسوا کے ساتھ نہیں ہوتا اور ترکہ سوائے اس شیئ کے نہیں جو مورث کی موت کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۳: از اٹنگہ مرسلہ حامد حسین خاں ۱۰ شوال ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ماں اور تین حقیقی چچاوارث چھوڑے اور اس کی ماں کے، انتقال ہندہ سے سال بھر بعد، ایک لڑکا پیدا ہوا، پس ترکہ ہندہ کا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

غیر میت سے جو حمل ہو وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے، یاتو وقت موت میت

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

سے ٹھیک چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے اندر پیدا ہو یا اس کی ماں موت یا طلاق کی عدت میں ہو اور اس کے پیدا ہونے تک عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرے یا باقی وارث اقرار کرتے ہوں کہ یہ بچہ وقت موت میت اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ سائل مظہر کہ یہاں یہ صورتیں نہ تھیں کہ لڑکا موت ہندہ سے سال بھر بعد پیدا ہوا اور اس کا باپ زندہ رہا اور ماں کو طلاق بھی نہ ہوئی کہ عدت میں ہوتی اور دیگر ورثہ کو تسلیم بھی نہیں کہ یہ وقت موت ہندہ اپنی ماں کے حمل میں تھا۔ پس صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا نو سہام پر منقسم ہو کر تین سہم اس کی ماں اور دو دو ہر حقیقی چچا کو ملیں گے،

فی ردالمحتار وان کان (ای الحمل) من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشھر او اقل والا فلا الا اذا کانت معتدۃ ولم تقربا نقضائھا اواقر الورثۃ بوجودہ کما یعلم من سکب الانھر مع شرح ابن کمال وحاشیۃ یعقوب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے اگر حمل میت کے غیر کا ہے تو وہ اس صورت میں وارث بنے گا اگر وہ پورے چھ ماہ کی مدت میں یا اس سے کم ترمدت میں پیدا ہو، ورنہ نہیں بنے گا سوائے اس کے کہ اس کی ماں معتدہ ہو اور اس نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو یا وارث اقرار کریں کہ یہ مورث کی موت کے وقت موجود تھا جیسا کہ سکب الانہر مع شرح ابن کمال اور حاشیہ یعقوب سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴: از پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شادی ہندہ سے کی اور بہ سبب ناچاقی طرفین کے ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور بعد کو اسی زید نے ایک شادی ایک طوائف سے کی، بعدہ، زید فوت ہوگیا، اور بعد فوت ہونے زید کے طوائف بھی فوت ہوگئی اور اس طوائف نے اپنی کچھ ملکیت چھوڑی، تو اس ملکیت کا مالک کون ہوگا جبکہ طوائف لاولد ہے آیا زید کا بھائی بہن یا ہندہ یا کون ہوگا؟

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۱۱

الجواب:

زن فاحشہ اگر ولدالزنا ہو تو اس کاترکہ اس کے مادری اقربا مثل مادر ومادر مادر وبرادر وخواہر مادری یاخالہ ماموں وغیرہم کو ملے گااور اگرولدالزنا نہ تھی تو اس کاترکہ مثل تمام لوگوں کے اقربائے پدری ومادری سب کو حسب فرائض پہنچے گااور اگراس کا کوئی وارث اصلًا نہ ہوگا توفقرائے مسلمین پر تقسیم کردیاجائے گا **کما ھو حکم سائر الضوائع** (جیسا کہ تمام لاوارث چیزوں کا حکم ہے۔ت) بہرحال زید کے بہن بھائی یاہندہ کااس میں کوئی حق نہیں مگرجب کہ ثابت ہو کہ اس کا کوئی وارث شرعی نہیں اور ترکہ فقراء کو دینا ٹھہرے تو ان میں جو فقیر ہو بحکم فقر مثل اور فقراء کے پاسکتاہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ دام ظلہم العالی ۱۳ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ حرامیوں کاکیسے تقسیم ہو، باپ کی سمت تو مفقود محض ہوگئے ماں کی سمت کو پہنچے گا یااس کو بھی نہیں، مثلًا ایک عورت کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں حرام سے، توبعد فوت ایک اخت کے دوسری اخت وارثہ ہوگی یا نہیں، اوراگرایک اخت عقد کرکے پردہ نشین ہوگئی دوسری بدستور بے پردہ اور پیشہ کسب کار کھتی ہے تو اس اخت تائبہ کاترکہ اس غیر تائبہ کو ملے گا یانہیں؟ اوراگرملتاہو اور یہ تائبہ اس خیال سے کہ میراترکہ فاحشہ کو نہ ملے کہ اس کے فسق وفجور میں مدد پہنچے گی اپنامال امورخیر میں صرف کردے تو یہ جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اولادزنا صرف مادری رشتوں سے وارث ومورث ہوتی ہے مثلًا صورت مسئولہ میں ایک بہن دوسری کاترکہ اخت مادری ہو کر پائے گی نہ اخت عینیہ، اگرچہ دونوں ایک ہی شخص کے نطفہ سے ہوں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولدالزنا واللعان بجھۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[1]۔	زِنا اور لعان کی اولاد فقط ماں کی جہت سے وارث بنتی ہے جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں ان دونوں کاکوئی باپ نہیں ہوتا (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی والحرقٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

اور جس طرح اُخت تائبہ غیر تائبہ کی وارث ہوتی ہے یونہی غیر تائبہ تائبہ کی وارث ہوگی کہ زانیہ ہونا موانع میراث سے نہیں، ہاں بخیال مذکور تائبہ کا اپنے مال کو وجوہ خیر میں صَرف کردینا اور فاحشہ کے لئے میراث نہ چھوڑنا بتصریح علماء جائز بلکہ یہی افضل وبہتر ہے۔ خلاصہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف الٰی وجوہ الخیرہ ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[1]۔	اگر کسی شخص کی اولاد فاسق ہو اور وہ شخص چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کرے اور فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے۔ تو یہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑنے سے بہتر ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنا مال نیک کام میں خرچ کرے اس حال میں کہ اس کا بیٹا فاسق ہو۔ اس بیٹے کے لئے مال چھوڑنے سے نیک کام میں خرچ کرنا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد کرنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶ و ۳۷: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۷ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مصرحہ ذیل میں:

سوال اوّل

شاہ محمد عیسٰی وشاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت ہر سہ برادران حقیقی ایک جائداد مشترک پر قابض ودخیل تھے، شاہ محمد عیسٰی نے انتقال کیا، دو لڑکے تین لڑکیاں چھوڑیں، لڑکے نے دو لڑکیوں کا نکاح مختلف جگہوں پر کردیا، وہ دونوں چندروز کے بعد مرگئیں۔ اب تقسیم ترکہ کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الہبۃ الفصل الاول الجنس الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ھامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ۔ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

وقت ترکہ میں وہ حصہ جائداد بھی شامل کیا جائے جو لڑکیوں کے باپ کی جائداد متروکہ مشترکہ میں سے ہوتا یا نہیں، اور واضح رہے کہ وہ جائداد اوّلاً شاہ محمد عیسٰی، شاہ محمد فصاحت میں مشترک تھی۔ پھر بعد انتقال شاہ محمد عیسٰی کے ان کے لڑکے اور شاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت میں مشترک رہی اور آج تک بدستور مشترک ہے صرف نام تینوں آدمیوں کا کاغذات سرکاری میں داخل ہے لیکن تحصیل وصول انتظام وغیرہ سب ایک جا بالاشتراک ہوتا ہے آپس میں بقدر حصہ کے لوگ تقسیم کرلیتے ہیں۔ لڑکیوں نے اپنی حیات میں اپنا حصہ بھی نہیں مانگا اور نہ دینے کا عرف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس جائداد میں جو مشترک در مشترک ہے (یعنی پہلا اشتراک ابن شاہ محمد عیسٰی وشاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت میں اور دوسرا اشتراک شاہ محمد عیسٰی کے لڑکے اور لڑکیوں میں) ان لڑکیوں کے شوہروں کا کچھ حق ہوتا ہے کہ نہیں؟ تفصیل سے حوالہ قلم فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ارث جبری ہے کہ موت مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا مالک ہوتا ہے مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اشتراک دراشتراک کی نوبت آئے اصلاً کوئی بات میراث ثابت کو ساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کرسکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا درکنار اگر وارث صراحۃً کہہ دے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا جب بھی اس کی مِلک زائل نہ ہوگی تو شاہ محمد عیسٰی کے ترکہ میں بشرط عدم مانع ارث و وارث آخر وتقدیم دین ووصیت، ہر دختر سات سہام سے ایک سہم کی مالک ہوئی اور ہر دختر کے متروکہ سے بشرائط مذکورہ اگر لاولد تھی شوہر نصف ورنہ ربع کا جس کے ثبوت میں دو آیہ قرآنیہ:

"یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِۚ"[1] وقولہ تعالٰی "وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ	اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت) اور اس کا فرمان ہے اور تمہاری بیبیاں جو

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ "[1]	چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر۔(ت)

اشباہ میں ہے:

لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا[2] الخ۔	انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق داخل ہوتی ہے الخ(ت)

اسی میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذا الملك لایبطل بالترک[3]۔	اگر وارث نے کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا کیونکہ مِلک چھوڑ دینے سے باطل نہیں ہوتا۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترك بالترك بل ان کان عینا فلابد من التملیك وان کان دینا فلابد من الابراء[4]۔	اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ حصہ لازم ہے جو چھوڑ دینے سے متروک نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ عین ہو تو اس کے لئے تملیک ضروری ہے، اور اگر دین ہو تو اس سے برات کرنا ضروری ہے الخ(ت)

اشباہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

الحق لایسقط بتقادم الزمان[1]۔	زیادہ زمانے کے گزرجانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ظہیریہ سے ہے:

التعامل بخلاف النص لایعتبر[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نص کے خلاف لوگوں کاتعامل معتبر نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال دوم

احمدی بی بی نے انتقال کیاماں اور شوہر اورایک بھائی اور دوبہنوں کو چھوڑا،چونکہ تقسیم ترکہ کارواج نہ تھااور نہ کسی نے اپنے حصہ کااس وقت مطالبہ کیااس وجہ سے احمدی بی بی کے زیورات اور برتن وغیرہ اسباب جہیز میں سے(جوکل شوہرکے قبضہ میں تھے)شوہر نے بہت کچھ اپنی دوسری منکوحہ کوپہنا کرسسرال سے میکے رخصت کردیااوربرتن میں سے بھی کچھ اپنے عزیز کو بوقت ضرورت دے دیااور خودیعنی وہ شوہر بھی تھوڑے دنوں کے بعدانتقال کرگیا،اب یہاں چندباتیں دریافت طلب ہیں:

ایک یہ کہ احمدی بی بی کے ترکہ میں سے شوہر کاکتنا ہوناتھا؟

دوسرے جوزیوروغیرہ کہ شوہر نے اپنی پہلی بیوی مسماۃ احمدی کے ترکہ مشترکہ میں سے بلا اجازت دیگر ورثہ کے دوسری منکوحہ کوپہنادیا وہ اس کایعنی دوسری منکوحہ کاہوایاشوہرکے مرنے کے بعد پھر شوہر کی طرف عود کرآئے گااور شوہر ہی کی ملک سمجھا جائے گا؟

تیسرے یہ کہ اب احمدی بی بی کے باقی ورثہ یعنی ماں باپ بھائی وغیرہ اپناحصہ لینے پر مستعد ہوئے ہیں تو اب ان ورثہ کاحق ان زیورات اوربرتن وغیرہ میں بھی ہوتاہے یانہیں جو شوہر متوفی نے اپنی دوسری منکوحہ کو بلا اجازت پہنادیئے تھے اورعزیز کو دے دیئے تھے اگرہوتاہے تویہ حق اب کس طرح لیاجائے،آیاان زیورات اوربرتنوں کو دوسری منکوحہ اورعزیز سے واپس لے کرہرشخص بقدرحصے کے تقسیم کرے یا ان زیورات وغیرہ دے دی ہوئی چیزوں سے دستبردار ہوکر شوہر متوفی کے علاقہ سے بقدراپنے حصہ کے نقدروپیہ وصول کریں۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

چوتھے اس کی تصریح فرمائیے کہ شوہر اپنی حین حیات میں جو زیورات اور کپڑے کہ اپنی زوجہ کو پہنادیئے یا پہننے کو دے دیئے تو وہ زوجہ کا ہو جاتا ہے یا نہیں یعنی اگر شوہر مرجائے تو وہ زیورات اور کپڑے زوجہ سے واپس لے کر شامل ترکہ کریں گے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بحالت صحت واختصاص وراثت وتقدیم دین ووصیت، ترکہ احمدی بی بی بارہ سہم پر تقسیم ہو کر دو سہم مادر، چھ شوہر، دو دو برادر، ایک ایک ہر خواہر کا ہوا۔ شوہر جو زیور اپنی عورت کو پہنائے اگر صراحۃً دلالۃً لفظاً عرفاً کسی طرح ثابت ہو کہ اس سے مقصود زوجہ کو مالک کر دینا ہے تو عورت بعد قبضہ مالک ہو جاتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال ثیاب ونفقہ کے سوا ان بھاری گرانبہا جوڑوں کا ہے جو شادی براتوں میں آنے جانے کے لئے پہنتے ہیں عورت کا صرف پہننا بر تنا دلیل ملک نہیں کہ زن وشوہر اپنے اپنے باہمی انبساط کے باعث ایک دوسرے کے مِلک سے تمتع کیا ہی کرتے ہیں۔ بحر الرائق وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشربہ ورضاہ بذٰلك دلیلا علی ان ملکھا ذٰلك کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا[1]۔	عورت کا شوہر کی خواہش اور رضامندی سے زیور وغیرہ سے نفع اٹھانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت کی ملک ہے جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھتے ہیں حالانکہ میں کئی بار یہ فتوٰی دے چکا ہوں۔(ت)

پس وہ زیور کہ شوہر احمدی بی بی نے اپنی زوجہ ثانیہ کو پہنایا اور وہ برتن کہ عزیز کو دیئے اگر ان میں دلیل ہبہ وتملیک ثابت نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ وہ زوجہ ثانیہ وعزیز مذکور سے واپس لے کر وارثان شوہر وبقیہ ورثہ احمدی بی بی پر نصفا نصف منقسم ہوں گے۔ ہر چیز کا نصف کہ حق شوہر تھا زوجہ ثانیہ ودیگر ورثہ شوہر کو حسب فرائض پہنچے گا اور نصف باقی انہیں چھ سہام مذکورہ ہر مادر وبرادر وخواہران احمدی بی بی کو اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے یہ زیور، برتن زوجہ وعزیز کو ہبہ کر دیئے تھے تاہم وہ ہبہ ہر شیئ کے نصف میں کہ مملوک بقیہ ورثہ احمدی بی بی تھا بوجہ ناراضی مالکان باطل و

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی لایکون استمتاع المرأۃ بما اشتراہ زوجھا الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۵

بے اثر ہوا وہ ہر چیز کا نصف زوجہ و عزیز سے بٹوا سکتے ہیں، باوصف بقائے عین متروکہ خواہی نخواہی اخذ قیمت پر مجبور نہ کئے جائیں گے کہ ہر عدد کا نصف ان موہوب لہما کے ہاتھ میں بطور غصب تھا اور مغصوب جب تک بعینہٖ قائم ہو حکم اس کا رد عین ہے نہ کہ ایجاب ضمان۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدی رواہ احمد والاربعۃ[1] والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ پر لازم ہے جو کچھ اس نے لیا یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کردے۔ اس کو امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ اور امام حاکم نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

ہاں نصف دیگر کہ حق شوہر تھا بوجہ ہبہ شوہر وقبضہ موہوب لہما وازانجا کہ زیور وبرتن دونوں ایسی چیز ہیں جن کا ایک ایک عدد جداگانہ قابل تبعیض نہیں۔

ولایضر الشیوع فیما یضرہ التبعیض لکونہ ممالا یحتمل القسمۃ ولذاجاز ھبۃ درھم صحیح من رجلین علی الصحیح کما فی الخانیۃ[2] وغیرھا وقال فی الحادی والثلثین من جامع الفصولین الشائع ینقسم علی قسمین شائع یحتمل القسمۃ کنصف الدار و نصف البیت الکبیر وشائع لایحتملھا کنصف قن و رحی وحمام وثوب وبیت صغیر فالفاصل بینھما	غیر منقسم ہونا اس چیز میں نقصان دہ نہیں جس میں تقسیم نقصان دہ ہے اس وجہ سے کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتیں اسی لئے دو شخصوں کو ایک درھم کا ہبہ صحیح قول کے مطابق درست ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ اور جامع الفصولین کی اکتیسویں فصل میں کہا کہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے جیسے گھر کا نصف اور بڑے مکان کا نصف (۲) وہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا جیسے غلام، چکی، حمام، کپڑے اور

[1] جامع الترمذی ۲/ ۱۵۲ و سنن ابی داؤد ۲/ ۱۴۵ و سنن ابن ماجہ ص ۱۷۵ و مسند احمد بن حنبل ۵/ ۸

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۹

حرف واحد وھو ان القاضی لو اجبر احد الشریکین علی القسمۃ بطلب الاٰخر فھو من القسم الاول ولو لم یجبرفھو من الثانی اذا الجبر آیۃ القبول [1] اھ وفی القسمۃ الھندیۃ الاوانی المتخذۃ من اصل واحد کالاجانۃ والقمقمۃ والطست المتخذۃ من صفر ملحقۃ بمختلفۃ الجنس فلا یقسمھا القاضی جبرا کذا فی العنایۃ ویقسم تبرالفضۃ والذھب وما اشبہ ذٰلك ممالیس بمصوغ [2] الخ۔	چھوٹے مکان کانصف۔ان دونوں قسموں کے درمیان فرق ایک لفظ کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ اگر قاضی نے دوشریکوں میں سے ایک کو دوسرے کے مطالبے کی وجہ سے تقسیم پر مجبور کیا تو وہ پہلی قسم سے ہے،اوراگر مجبور نہیں کیا تو وہ دوسری قسم سے کیونکہ جبر قبول کرنے کی نشانی ہے الخ ہندیہ کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ ایک ہی مادہ سے بنائے جانے والے برتن جیسے ٹب،دیگچہ اور تھال جوکہ پیتل سے بنائے گئے ہوں وہ ان چیزوں کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں جن کی جنسیں مختلف ہوں،چنانچہ قاضی ان کو جبراً تقسیم نہیں کرے گا۔عنایہ میں یونہی ہے،اور سونے چاندی کے ٹکڑوں اورجوان کے مشابہ ہے جسے پگھلایانہ گیاہو کو قاضی جبراً تقسیم کرے گا الخ(ت)

وہ برتن اورزیور زوجہ ثانیہ وعزیز مذکور کی ملک ہوگیا جن سے اب واپسی ممکن نہیں **لمکان الزوجیۃ وموت الواھب وکلاھما یمنع الرجوع** (زوجیت کی موجودگی اورواہب کی موت کے سبب سے اور وہ دونوں رجوع سے مانع ہیں۔ت)اس بیان سے تمام مراتب مسئولہ کاجواب واضح ہوگیا۔**واﷲ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک دکان اپنے نبیرہ کے نام اپنے روپے سے خرید کردی اوراسے بولایت اس کے باپ کے اس دکان پر قبضہ کرادیا،اب زید نے انتقال کیا،اس صورت میں وہ دکان حسب فرائض ورثہ زید پر منقسم ہوجائے گی یاصرف نبیرہ کو ملے؟**بیّنوا توجروا**۔

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب القسمۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۰۹

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کہ زید نے وہ دکان اس کے نام خریدی اور بولایت اس کے پدر کے اسے قابض کردیا تو وہ نبیرہ اس کا مالک ہوگیا اور وہ دکان متروکہ زید نہ قرار پائے گی کہ حسب فرائض اس کے ورثہ پر تقسیم ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑ کر انتقال کیا اور ہندہ نے اپنے پوتوں میں سے ایک پوتے کو جسے اپنا متبنٰی کیا تھا نسبت اپنی جائداد کے وصیت کیا بعد انتقال ہندہ اس کے ورثہ مذکورین اور نبیرہ موصی لہ میں پنچایت ہوئی سرپنچ و پنچان مقبولہ فریقین نے فیصلہ کردیا کہ تین بسوہ جائداد ہندہ سے بابت وصیت نافذہ فی الثلث نبیرہ موصی لہ کو دیئے اور باقی مال ورثہ پر تقسیم کردیا۔ اب پسر ہندہ نے انتقال کیا اس کے اور بیٹے اپنے بھائی پر دعوی کرتے ہیں کہ وہ تین بسوہ حسب فرائض ہم پر منقسم ہوجائیں، اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ تین بسوہ کہ نبیرہ موصی لہ نے بابت وصیت حسب فیصلہ پنچایت پائے ان کا مالک صرف یہی موصی لہ ہے۔ اس کے اور بھائیوں کا اس میں کچھ حق دعوی نہیں، نہ وہ حسب فرائض ان پر تقسیم ہوسکیں کہ یہ متروکہ ان کے باپ کا نہیں بلکہ اسے مال جدہ سے از روئے وصیت پہنچے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور ایک پسر اور سہ دختران وارث اپنے چھوڑے، ذی مہر قابض جائداد ہے ترہ مورث کا تقسیم نہیں ہونے دیتی اور کہتی ہے پانچ ہزار روپیہ دین مہر میرے کا بموجب وصیت مورث کے ادا کردو، بعد ادا کرنے دین مہر کے جائداد تقسیم کرلو۔ اس صورت میں ترکہ مورث کا بدوں ادائے دین مہر کے تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پس جب تک مہر اور دیگر دیون بھی اگر ہوں ادا نہ ہولیں

تقسیم نہ کرنا چاہئے مگر ہاں تعین مقدار پنج ہزار روپیہ میں تفصیل ہے اگر یہ مقدار سوا اقرار مورث کے دوسرے طریقہ سے بھی ثابت ہے یا مورث کا وہ مرض جس میں اس نے انتقال کیا مرض موت یعنی ایسا مرض نہ تھا جس میں غالب ہلاک ہوتا ہو یا اس کے سبب سے وہ صاحب فراش یا کارہائے بیرون خانہ سے عاجز ہوگیا ہو یا ورثہ نے بعد اقرار حیات مورث میں خواہ اس کے بعد تصدیق اس مقدار کے کئے تھے گو اب مجیز نہ ہوں یا یہ مقدار مہر مثل زوجہ سے زائد نہیں تو ان سب صورتوں میں پورے پانچ ہزار دینا لازم ہیں ورنہ بقدر مہر مثل دلایا جائے گا اور قدر زائد میں اقرار مورث کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

فی الهندیة اقرفی مرض موته بدین من مهر لامرأة یصدق الیٰ تمام مهرمثلها وتحاص غرماء الصحة کذا فی خزانة المفتین ولواقرلها بزیادة علی مهر مثلهافالزیادةباطلة کذافی المبسوط [1]۔	ہندیہ میں ہے کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے دین مہر کا اقرار کیا تو تمام مہر مثل تک اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی اور وہ بیوی صحت کے قرضخواہوں میں شامل ہو جائے گی۔ خزانۃ المفتین میں یونہی ہے اور اگر بیوی کیلئے مہر مثل سے زائد کا اقرار کیا تو زیادتی باطل ہے، مبسوط میں یونہی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ فوت ہوئی زید پسر، عائشہ دختر، خالد زوج وارث چھوڑے۔ زیور و اسباب متروکہ ہندہ، خالد اپنے تصرف میں لایا بعدہ، خالد بھی فوت ہوا۔ فاطمہ زوجہ اور زید وعائشہ پسر ودختر وارث چھوڑے۔ مہر ہندہ کا ذمہ خالد ہے، آیا زید وعائشہ کو ترکہ خالد سے مطالبہ اس زیور واسباب کا پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور مہر ہندہ تقسیم ترکہ پر مقدم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی زید وعائشہ کو مطالبہ اپنے سہام شرعیہ کا اس زیور واسباب کے متروکہ خالد سے پہنچتا ہے اور ان سہام اور نیز مہر ہندہ اور مہر فاطمہ بھی اگر ہو تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷۶

مسئلہ ۴۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حیات ایک دختر سارہ اور ایک شوہر امیر الدین وارث اپنے چھوڑ کر فوت ہوئی بعدہ شوہر کا زوجہ فتح خاتون اور مریم اور تین پسر علاء الدین بطن فتح خاتون سے اور حمید الدین، بشیر الدین بطن مریم سے اور تین دختر سارہ بطن حیات خاتون اور سکینہ وہندہ بطن مریم سے وارث اپنے چھوڑ کر مر گیا اور امیر الدین نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک حصہ اپنی جائداد کا فتح خاتون اور علاء الدین کو دے کر الگ کر دیا تھا اس صورت میں امیر الدین کو متروکہ حیات خاتون سے کیا ملے گا اور وہ ورثہ امیر الدین پر کیونکر تقسیم ہوگا اور فتح خاتون وعلاء الدین بھی ترکہ امیر الدین سے حصہ پائیں گے یا بسبب اس کے کہ وہ بقدر اپنے حصص کے حیات مورث میں لے کر جدا ہوگئے تھے اب نہ پائیں گے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی الخ متروکہ حیات خاتون سے چہارم امیر الدین کو ملے گا اور وہ مثل اس کے اور متروکات کے بشرط عدم موانع ارث ووارث اخر وتقدیم دیون ومہور زنان ووصایا ۱۴۴ سہام پر منقسم ہو کر ۹،۹ سہام فتح خاتون و مریم اور ۲۸،۲۸ علاء الدین وحمید الدین وبشیر الدین اور ۱۴،۱۴ سارہ وسکینہ وہندہ کو ملیں گے اور امیر الدین کے فتح خاتون وعلاء الدین کو ایک پارہ جائداد دے کر الگ کر دینا مانع ارث نہیں مگر ہاں اگر یہ دینا بطریق تصالح وتخارج تھا یعنی امیر الدین نے وہ جائداد ان دونوں کو اس شرط سے دی تھی کہ یہ میں تمہارے اس حصہ میں دیتاہوں جو تمہیں بعد میرے پہنچے اب تمہیں میرے بعد میری جائداد میں استحقاق میراث نہیں اور انہوں نے اس معنی کو قبول کرلیا اور اس پر راضی ہوگئے تو اب انہیں دعوی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا حصہ برضائے خود پہلے ہی لے چکے صرح بذٰلك الشیخ العلامة عبدالقادر فی الطبقات (شیخ علامہ عبدالقادر نے طبقات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور جائداد پر قبضہ چھوڑا اور دین مہر (لہ صہ) روپیہ چھوڑا کچھ جائداد وصی وارثوں نے اپنے قبضہ میں لے لی، بقیہ جائداد مسماۃ نے یعنی زوجہ متوفی نے بہ مجبوری بہ خوف کمی قیمت تصفیہ دین مہر فروخت کرکے قرضہ شوہر ادا کیا اور آپ کچھ نہ لیا، اب ورثہ دعوی کرتے ہیں پس بلاادائے مہر اور قرضہ یہ دعوی صحیح ہے یا نہیں؟ اور شرعًا ایسی بیع درست ہے یا نہیں؟ اور

دعوٰی تقسیم بلا تصفیہ مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تقریر سوال سے ظاہر کہ دین ترکہ کو محیط تھا اور درصورت احاطہ دین ورثہ کے لئے ترکہ میں ملک ثابت نہیں ہوتی نہ بے فراغ ذمہ بادا یا ابراء باہم تقسیم کرسکیں۔

فی الاشباہ والنظائر الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث قال فی جامع الفصولین من الفصل الثامن و العشرین لواستغرقھا الدین لایملکھا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه او اداہ وارثه بشرط التبرع وقت الاداء الخ[1]۔	الاشباہ والنظائر میں ہے جو قرض ترکہ کا احاطہ کرنے والا ہو وہ ملک وارث سے مانع ہے، جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرے تو بطور میراث کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو بری الذمہ قرار دے دے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس کو ادا کردے الخ (ت)

پس زوجہ زید نے کہ جائداد متروکہ بیچ کر زید کو بار دیون سے سبکدوش کیا اور ان قرضخواہوں میں ایک خود وہ تھی جس نے آپ کچھ نہ لیا اور باقی دائنوں نے جنہیں اختیار نقض بیع حاصل تھا ثمن مبیعہ سے اپنا اپنا قرض لیا اور بیع پر کچھ اعتراض نہ کیا تو اب ورثہ زید کہ بغرض تقسیم وتصرف بے جا بے قصد استخلاص ترکہ بادائے مہر و دیگر دیون دعوی کرتے ہیں یہ دعوی ان کا محض نامقبول اور شرعًا قابل سماعت سے معزول۔

فی فتاوی الفاضل العلامۃ خیرالدین الرملی رحمۃ اللہ علیه سُئل فی رجل مات وعلیه دین فباع بعض ورثته شیئا من عقارہ فی وفاء دینه ھل لبقیۃ ورثته نقضه	فاضل علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمہ کے فتاوٰی میں ہے کہ اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس پر قرض تھا اور وہ مرگیا تو اس کے بعض وارثوں نے اس کا قرض ادا کرنے کے لئے میت کی جائداد کا کچھ حصہ فروخت کردیا، کیا باقی وارثوں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰۴

ام لا اجاب ان لم تکن الترکۃ مستغرقۃ بالدین لا ینفذ بیعہ الا فی حصتہ فلبقیۃ الورثۃ نقضہ فی حصصھم و ان کانت مستغرقۃ بہ لاینفذ بیعہ فی حصتہ اذا کان بغیر اذن الغرماء اوبغیر اذن القاضی فللغرماء نقضہ والحال ھذہ واللہ اعلم[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	کو یہ بیع توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا اگر قرض نے ترکہ کا احاطہ نہیں کیا ہوا تو بیع فقط فروخت کرنے والے کے حصہ میں نافذ ہوگی باقی وارثوں کو اپنے حصوں میں بیع کے توڑنے کا حق ہوگا اور اگر قرض نے ترکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے تو خود بائع کے حصہ میں بھی بیع نافذ نہ ہوگی جبکہ وہ بیع قرضخواہوں اور قاضی کی اجازت کے بغیر ہو اور قرضخواہوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بیع کو توڑدیں۔ یہاں صورت حال ایسی ہی ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴: (مسئلہ مذکور نہیں غالبًا یوں ہونا چاہئے، کوئی شخص فوت ہوا جس کا قرض ترکہ کو محیط ہے۔ ایک بیٹا زید اور دو بیٹیاں کبرٰی اور صغرٰی اس کی وارث ہیں، قرض کی ادائیگی کے لئے زید اور صغرٰی جائداد بیچنا چاہتے ہیں جبکہ کبرٰی اس سے منع کرتی ہے، کیا وہ قرض کی ادائیگی کے لئے ترکہ کی جائداد فروخت کرسکتے ہیں، اور کیا کبرٰی کو منع کا حق ہے؟)

الجواب:

زید وصغرٰی کو بے رضائے ارباب دیون بیع ترکہ کا اختیار نہیں اور اگر بیع کریں گے تو نافذ نہ ہوگی کہ دین ترکہ کو مستغرق ہے۔

فی الاشباہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین و انما یبیعہ القاضی[2] قال الحموی قولہ ولا ینفذ بیع الوارث الخ یعنی ان بیعہ موقوف	الاشباہ میں ہے: وارث کا ایسے ترکہ کی بیع کرنا نافذ نہ ہوگا جو قرض میں گھرا ہوا ہے، فقط قاضی اس کی بیع کرسکتا ہے۔ حموی نے فرمایا کہ صاحب اشباہ کے قول "وارث کی بیع نافذ نہ ہوگی" سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیع

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۳و ۲۲۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

علٰی رضاء الغرماء قال فی البزازیة فی السابع من کتاب الوصایا لایملك الوارث بیع الترکة المستغرقة بالدین المحیط الا برضاء الغرماء[1] اھ۔	قرضخواہوں کی اجازت پر موقوف ہوگی۔بزازیہ کتاب الوصایا کی ساتویں فصل میں ہے وارث قرضخواہوں کی اجازت کے بغیر ایسے ترکہ کی بیع کا مالک نہیں جو قرض سے گھرا ہوا ہو اھ (ت)

اور کبرٰی اگر اپنے مال سے ادائے دین چاہے تو زید وصغرٰی کو اگرچہ غرماء بیع پر راضی ہوں بلکہ خود حاکم کو بیچنے سے روک سکتی ہے ورنہ مجرد منع اس کا کچھ بکار آمد نہ ہوگا کہ ورثہ کو بوجہ استغراق دین کوئی استحقاق ملکیت اس ترکہ میں نہیں۔

قال الحموی قوله وانما یبیع القاضی اقول ینبغی ان یکون البیع بحضرة الورثة لما لھم من حق امساکھا و قضاء الدین من مالھم[2] اھ ملخصا،و فی الاشباہ و الدین المستغرق للترکة یمنع ملك الوارث[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حموی نے کہا صاحب الاشباہ کا قول کہ "فقط قاضی اس کو بیچ سکتا ہے" میں کہتا ہوں کہ بیع وارثوں کی موجودگی میں ہونی چاہئے کیونکہ انہیں حق حاصل ہے کہ وہ ترکہ کے مال کو روک لیں اور میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردیں اھ تلخیص اور الاشباہ میں ہے جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملک سے مانع ہے،اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چند اولاد اور متروکہ میں جائداد چھوڑ کر انتقال کیا اس کا کفن ودفن اس کے مال سے کیا گیا اور اس کی عورت نے اس کی فاتحہ ودرود وسوم وچہلم وغیرہ میں بہت روپیہ اس کے مال سے اٹھایا اب وہ دعوی کرتی ہے کہ میں نے ان امور میں تین سو روپے اپنے مال سے اٹھائے میں ان کے پانے کی مستحق ہوں۔ اس صورت میں یہ دعوی اس کا مسموع ہے یا نہیں؟بیّنوا توجروا

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

الجواب:

دعوی اس کا باطل ہے اور امور مذکورہ اگرچہ اس نے اپنے روپے سے کئے ہوں تبرع واحسان قرار پائیں گے اور ان کا صرف اس کے ترکہ سے واپس نہ ملے گا اور مال میت سے اٹھایا تو اسی قدر اس کے حصہ سے مجرا ہو جائے گا۔

فی الطحطاوی التجھیز لایدخل فیه السبح و الصمدیة والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان کان من الوارثة یحسب علیه من نصیبه ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[1] اھ۔	طحطاوی میں ہے فاتحہ ودرود، لوگوں کا اجتماع اور ان کے لئے کھانے کا اہتمام کرنا تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور میں سے نہیں، یہ کام کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصہ میں سے بے شمار ہوگا اور وہ تبرع و احسان کرنے والا قرار پائے گا، اور یونہی اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو اھ۔ (ت)

ہاں اگر کفن ودفن بطریق سنت اس نے اپنے مال خاص سے کیا ہو تو بیشک بقدر قیمت کفن وخرچ قبر ترکہ سے واپس لے سکتی ہے۔

فی الخانیة من باب الوصی بعض الورثة اذا قضی دین المیت او کفن المیت من مال نفسه لایکون متطوعا وکان له الرجوع فی مال المیت والترکة[2] اھ ملخصا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	خانیہ کے باب الوصی میں ہے اگر کوئی وارث میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردے یا میت کو اپنے مال سے کفن پہنادے تو وہ اس میں تبرع واحسان کرنے والا قرار نہیں پائے گا بلکہ وہ مال میت اور ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا اور اس نے زوجہ ہندہ کو بالعوض دین مہر کے اپنی جائداد پر قابض کرادیا بعدہ، منجملہ وارثان ایک وارث عمرو نے کل دین مہر زوجہ اپنے پاس سے ادا کرکے جائداد کو اس کے قبضہ سے مستخلص کرایا۔ اب سب وارثان اور زوجہ اپنے اپنے حصہ شرعی کے خواستگار ہیں اس صورت میں زوجہ اور جملہ وارثان کو

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبة العربیة کوئٹہ ۴ /۳۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴ /۳۵۴

بقدر حصہ رسدی دین مہر کے عمرو کو دینا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ قبضہ زوجہ کا بذریعہ ہبہ بالعوض نہ تھا بلکہ جائداد دین مہر میں صرف مکفول تھی، پس صورت مستفسرہ میں اگر عمرو نے دین مہر زوجہ اس شرط پر ادا کیا تھا کہ یہ اپنے پاس سے بطریق تبرع دیتا ہوں اور ترکہ میت سے واپس نہ لوں گا تو ذمہ میت دین سے بری ہوا اور عمرو اس کا مطالبہ ترکہ میت خواہ ورثہ باقین سے نہیں کرسکتا اور جو یہ شرط نہ لگائی تھی تو اس قدر دین عمرو کا ذمہ میت عائد رہا تا وقتیکہ اس ترکہ مشترکہ سے ادا نہ کردیا جائے تقسیم نہ ہونے پائیگی مگر یہ باقی ورثہ دین عمرو کو حصہ رسد اپنے پاس سے اپنے مال خاص سے ادا کردیں اگرچہ یہ امر ان پر لازم نہیں کہ مدیون عمرو میت ہے "نہ ورثہ" یا دین مذکور ترکہ سے کم ہے اور اس جائداد کے سوا جس کی تقسیم مطلوب ہے اور مال بھی متوفی نے چھوڑا ہو جو ادائے دین مسطور کے لئے کفایت کرے تو اس صورت میں بھی اس قدر جائداد کی تقسیم جائز ہوگی اور دین عمرو مال باقی غیر مقسوم سے ادا کیا جائے گا۔

فی الاشباہ عن جامع الفصولین من الفصل الثامن والعشرین لواستغرقها دین لایملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه اواداہ وارثه بشرط التبرع وقت الاداء امالواداہ من مال نفسه مطلقا بشرط التبرع او الرجوع یجب له دین علی المیت فتصیر مشغولة بدین[1] الخ وفیه بعد سطور للوارث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا[2] اھ وفی العقود الدریة عن الفصول العمادیة عن قسمة	اشباہ میں جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل سے منقول ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا جبکہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری کردے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس قرض کو ادا کردے۔ لیکن جب وارث نے تبرع اور رجوع کی شرط کئے بغیر مطلقاً اپنے مال سے قرض ادا کیا تو میت پر اس وارث کا قرض واجب ہوجائے گا۔اسی طرح وہ ترکہ وارث کے قرض میں مشغول ہوجائے گا الخ اور اسی میں چند سطروں کے بعد ہے وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ قرض ادا کرکے ترکہ کو وا گزار کرالے اگرچہ وہ قرض ترکہ کو محیط ہو الخ۔ عقود الدریۃ میں فصول العمادیہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵۔۲۰۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

الهداية ان القسمة مؤخرة قضاء الدين لحق الميت الا اذا بقي من التركة مايفي بالدين فاذا قسمت جاز[1] اهملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم	سے بحوالہ قسمۃ الہدایۃ (ہدایۃ کی کتاب القسمۃ) منقول ہے کہ حق میت کی وجہ سے میراث کی تقسیم قرض کی ادائیگی سے موخر ہوگی مگر جبکہ تقسیم کے بعد ترکہ میں سے اتنامال باقی بچتاہے جو قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہے تو ایسی صورت میں اگر ترکہ تقسیم کردیا گیا تو جائز ہے اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوااور ترکہ اس کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ مکفول تھا، عمروارث نے نالش انفکاک رہن کرکے بادائے ایک سوتریسٹھ ۱۶۳ روپیہ دین مہر کے دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور کل دین مہر زوجہ ہندہ کو بلا تبرع ادا کردیا، بعدہ، ہندہ نے اپنا حصہ بدست مسماۃ حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا، اب حسینی بلاادائے دین کے ترکہ مورث تقسیم کردینا چاہتی ہے، اس صورت میں بلاادائے دین مہر رسدی کے حسینی حصہ اپنی ماں کا تقسیم کراسکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

جبکہ عمرو نے اپنے زرخاص سے دین مہر ہندہ بلا تبرع ادا کیا تو وہ ترکہ جس طرح پہلے دین ہندہ کے لئے محبوس تھا اب دین عمرو کے لئے محبوس ہوگیا،

ذکر ذٰلك فی الحموی ان الوارث لولم یشترط التبرع لم تخلص الترکۃ من الدین لانہ صار محبوسا من حق الوارث[2]۔	اس کو حموی میں ذکر کیاہے کہ اگروارث تبرع کی شرط نہ کرے تو ترکہ قرض سے واگزار نہیں ہوگا کیونکہ وہ وارث کے حق میں محبوس ہوجائے گا (ت)

حتی کہ جب تک دین عمرو متروکہ زید سے ادانہ کیاجائے یا ورثہ اپنے مال خاص سے بطریق تبرع قضانہ کردیں اس ترکہ میں کوئی تصرف ورثہ کا مثل بیع وہبہ وغیرہما کے بلااجازت عمرو مذہب راجح پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب القسمۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۹۶۔۱۹۵

[2] غمز العیون البصائر

فی الطحطاویۃ حکم الترکۃ قبل قضاء الدین کحکم المرھون بدین علی المیت فلاتنفذ تصرفات الورثۃ فیھا ھذا اذاکانت الترکۃ اقل من الدین او مساویۃ لہ واما اذاکان فیھا زیادۃ علیہ ففی نفوذ تصرفات الورثۃ وجھان احدھما النفوذ الٰی ان یبقی قدرالدین واظھر ھما عدم النفوذ علٰی قیاس المرھون [1] اھ	طحطاویہ میں ہے قرض کی ادائیگی سے پہلے ترکہ کاحکم میت پر قرض کے بدلے رہن رکھی ہوئی شے کے حکم کی مثل ہے۔ چنانچہ اگرترکہ قرض سے کم ہو یااس کے برابر ہو توترکہ میں وارثوں کے تصرفات نافذ نہیں ہوں گے۔ لیکن اگرترکہ میں قرض سے زیادتی موجود ہو تووارثوں کے تصرفات نافذ ہونے میں دو۲ وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ تصرفات نافذ ہوں گے جب تک ترکہ بقدر قرض باقی رہے اور ان میں سے زیادہ ظاہر وجہ مرہون پر قیاس کرتے ہوئے تصرفات کاعدم نفاذ ہے اھ (ت)

پس اگر عمرو نے بیع ہندہ کو اجازت نہ دی تو حسینی کواختیار ہے چاہے اس وقت صبر کرے کہ ترکہ دین سے فارغ ہوجائے یا حکم شرع کی طرف رجوع کرکے بیع فسخ کرالے کما ھو حکم المرھون المصرح بہ فی المتون (جیسا کہ مرہون کاحکم ہے جس کی تصریح متون میں کردی گئی ہے۔ت) رہی تقسیم ترکہ پس اگراس ترکہ کے سوازید متوفی کااور کوئی مال ایساہے جوادائے دین کے لئے وفا کرے یاورثہ اس جائداد سے بقدر کفایت دین جدا کردیں تو باقی ماندہ کو باہم حسب فرائض تقسیم کرسکتے ہیں ورنہ جب تک ترکہ دین سے فارغ نہ ہوجائے خواہ بایں طور کہ اسی جائداد سے دیاجائے یاورثہ اپنے پاس سے تبرعًا دیں یاعمرو دین معاف کردے، بے اس کے تقسیم ترکہ سے ممنوع رہیں گے کما فی القسمۃ الھندیۃ وغیرھا من کتب الفقہ (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب القسمۃ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں مادرزید زمین داری تھا وہ ایک پسر تین دختر چھوڑ کر فوت ہوئی، ایک دختر نے اپنا حصہ زید کو دے دیا باقی دختران کو زید نے دوحصہ بموجب شرع شریف گاؤں یں دے دیئے، اس گاؤں میں چار قطعہ باغ زید نے اپنی ماں کی حیات میں اس کے رضامندی سے غرس کئے تھے۔ اب بعد فوت مادران باغوں میں بہنوں کا بھی کچھ حق

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

ہے یا وہ فقط غارس کے لئے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر زید نے تعین کی تھی کہ یہ باغ میں اپنے واسطے لگاتا ہوں یا اس کی والدہ نے اس سے کہا تھا کہ تو اپنے لئے باغ لگالے تو درختوں کا مالک زید ہی ہے نہ دیگر ورثہ۔اور اگر نہ اس نے اپنے لئے تعین کی نہ مورثہ کے کلام میں خاص اس کے لئے اجازت تھی بلکہ صرف باغ لگانے کی رضامندی ظاہر کی تو وہ باغ بی مادر زید کی ملک ٹھہر کر اس کے سب وارثوں پر حسب فرائض منقسم ہو جائیں گے۔

فی شتی الدرالمختار عمردارزوجته بماله باذنها فالعمارة لها والنفقة دین علیها الصحه امرها ولو عمر لنفسه فالعمارة له[1] اھ ملتقطا۔قال الشامی فلو باذنها تکون عاریة[2] اھ وفی وقف الاشباہ کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہٖ فالبناء لمالکها[3] قال الحموی قیل هذا اذا طلق او عینه للمالك فلو عینه لنفسه فهو له ویکون مستعیر الارض الخ،وذیله بقوله	درمختار کے مسائل شتّٰی میں ہے مرد نے بیوی کی اجازت سے اس کا مکان اپنے مال سے تعمیر کیا تو وہ عمارت بیوی کی ہوگی اور خرچہ اس بیوی پر قرض ہوگا کیونکہ بیوی کا امر صحیح ہے،اور اگر مرد نے اپنے لئے تعمیر کرائی تو وہ عمارت مرد کی ہوگی اھ التقاط۔شامی نے کہا اگر عورت کی اجازت سے تعمیر کرائی تو وہ عاریت ہوگی اھ الاشباہ کی کتاب الوقف میں ہے جس شخص نے غیر کی زمین میں اس کے حکم کے ساتھ عمارت بنائی تو وہ عمارت زمین کے مالک کی ہوگی۔حموی نے کہا: کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عمارت بنانے والا تعیین نہ کرے یا مالک کے لئے تعیین کرے۔چنانچہ اگر اس نے اپنی ذات کے لئے تعیین کی تو عمارت اس کی ہوگی اور وہ

[1] الدرالمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] ردالمحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[3] الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲

فاغتنمه[1] اھ،وفی متفرقات غصب الندیة اذا غزلت المرأة قطن زوجها فان اذن لها بالغزل وقال اغزلیه لنفسك كان الغزل لها ولو قال اغزلیه ولم یذكر شیأ كان الغزل للزوج[2] اھ بالالتقاط۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	زمین کو عاریت پر لینے والا قرار پائے گا الخ اور اس کے آخر میں یہ قول لکھا کہ تو اس کو غنیمت جان اھ۔ہندیہ میں کتاب الغصب کے متفرقات میں ہے ایک عورت نے اپنے شوہر کی روئی سے سوت کاتا،اگر شوہر نے اس کو کاتنے کی اجازت دی اور کہا کہ تو اس کو اپنے لئے کات لے(صاحب ہندیہ نے کہا) تو وہ سوت عورت کا ہوگا،اور اگر کہا کہ تو اس کو کات لے،اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا تو سوت شوہر کا ہوگا اھ التقاط۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۴۹: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چار پسر دونا بالغ اور ایک دختر بالغہ چھوڑ کر انتقال کیا اور کچھ روپیہ زید کا لوگوں پر قرض اور کچھ نقد تھا اس میں نقد سے تین سو روپے والدہ ودو برادران بالغ کی رضامندی سے دختر کی شادی اور کچھ روپے زید کی فاتحہ ودرود میں صرف ہوئے اور دوسرے برادران بالغ نے بطور خود تجارت کی اور اس کے نفع کا قدرے روپیہ بھی فاتحہ زید میں اٹھایا۔اس صورت میں ترکہ زید مکان وقرض ونقد کیونکر تقسیم ہوگا اور صرف شادی وفاتحہ کس کس پر پڑے گا اور کل مصارف شادی یہ ورثہ اس دختر سے مجرا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور نفع تجارت کا صرف انہیں دو برادران کو استحقاق ہے یا کل وارث اس میں بھی شریک ہیں؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی قعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ، کل متروکہ زید مکان وقرض ونقد بہتر سہام پر منقسم ہو کر نو سہام اس کی زوجہ اور چودہ ہر پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور صرف فاتحہ کا خواہ ترکہ میں سے ہوا ہو یا جدا مال سے جس جس نے کیا انہیں کے ذمہ پڑے گا اور جس کی اجازت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲

[2] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۳۔۱۵۲

نہ تھی وہ اس سے بری رہے گا والمسئلۃ فی الفرائض من الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار (یہ مسئلہ در مختار پر حاشیہ طحطاویہ کے فرائض میں سے ہے۔ت) علی الخصوص دونوں نابالغ کہ ان کے ذمہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا اگرچہ انہوں نے اجازت بھی دے دی ہو وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) اور بعینہٖ یہی حال صرف شادی کا ہے جس نے صرف کیا فقط وہی اس کا متحمل ہوگا اجازت نہ دینے والوں یا نابالغوں کو اس سے کچھ تعلق نہیں وہ اپنا حصہ متروکہ پدری سے پورا پورا پائیں گے اور صَرف شادی کا مطالبہ صرف دختر سے نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ اس سے ٹھہرالیا ہو کہ ہم یہ سارا صَرف تیرے حساب میں مجرا لیں گے،

وذٰلك لان ماکانوا مضطرین فی ذٰلك وماسبیلہ ھذا ففاعلہ متبرع الا ان یشرط الرجوع کما اذا کفن الاجنبی المیت اوقضی دین غیرہ بلااذنہ والمسئلتان فی الدر المختار[1] والعقود الدریۃ۔	یہ اس لئے ہے کہ وہ اس میں مجبور نہیں تھے نہ اس کی یہ سبیل ہے لہٰذا ایسا کرنے والا متبرع قرار پائے گا سوائے اس کے کہ اس نے رجوع کی شرط کی ہو جیسا کہ کوئی اجنبی میت کو کفن پہنائے یا کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کردے۔یہ دونوں مسئلے در مختار اور عقود الدریہ میں مذکور ہیں(ت)

اور مال ترکہ سے تجارت کہ دو۲ بالغین برادروں نے بطور خود کی اس کے نفع کا صرف انہیں دونوں کو استحقاق ہے اور کوئی وارث اس میں شریک نہیں، مگرہاں اس قدر ضرور ہے کہ جو نفع حاصل ہوا وہ بقدران کے حصوں کے ان کے لئے طیب ہے باقی خبیث۔انہیں چاہئے کہ اس قدر باقی ورثہ کو بحساب ان کے حصوں کو دے دیں یا خیرات کردیں اپنے صرف میں نہ لائیں۔مثلاً فرض کیجئے کہ روپیہ نفع میں حاصل ہوئے واس میں للعہ عہ تو ان کے لئے پاک ہیں کہ بھائی کو معہ اور عہ عہ ناپاک ان عہ عہ کو یا تصدق کردیں یا ان میں سے للعہ عہ دونوں برادران نابالغ کو دے دیں اور عہ ۸/ ہمشیرہ کو اور للعہ والدہ کو،اور یہی صورت بہتر ہے۔

فی العقود الدریۃ نقل المؤلف عن الفتاوٰی الرحیمیۃ سئل عن مال	العقود الدریہ میں ہے مؤلف نے فتاوٰی الرحیمیہ سے نقل کیا ہے ایسے مال کے بارے میں سوال

[1] الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شھادۃ الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۹، العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۶

مشترك بين ايتام وامهم استربحه الوصی للايتام هل تستحق الام ربح نصيبها اولا اجاب لاتستحق الام شيأ مما استربحه الوصی بوجه شرعی لغيرها كاحد الشريكين اذا استربح من مال مشترك لنفسه فقط ويكون ربح نصيبها كسبا خبيثا ومثله سبيله التصدق على الفقراء اھ اقول ايضا ويظهر من هذا وما قبله حكم مالوكان المباشر للعمل والسعی بعض الورثة بلاوصاية اووكالة من الباقين[1] انتهى مافی العقود **قلت** واما ماذكرنا من ان الاولى الدفع لاصحاب الحصص فلما تقرر فی كلمات العلماء ان كان خبيثا مثل هذا فسبيله التصدق وان رد على المالك فهذا اولى والطيب له لكونه ربح مبلكه والله تعالٰى اعلم وعلمه اتم وحكمه احكم۔

کیا گیا جو کچھ یتیموں اور ان کی ماں کے درمیان مشترک ہے۔ وصی نے یتیموں کے لئے اس پر کچھ نفع حاصل کیا تو کیا ماں اپنے حصہ کے نفع کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ امام نے جواب دیا جو نفع وصی نے اس طور پر حاصل کیا کہ خریداری ماں کے غیر کے لئے کی اس میں سے ماں کسی شیئ کی مستحق نہیں ہوگی، جیسے دو شریکوں میں سے کوئی ایک اگر مال مشترک میں سے فقط اپنی ذات کے لئے نفع حاصل کرے۔ البتہ ماں کے حصہ کا نفع ان کے لئے خبیث ہوگا جس کا شرعی راستہ یہ ہے کہ فقراء پر صدقہ کردیا جائے اھ میں کہتا ہوں اس سے اور اس کے ماقبل سے اس صورت کا حکم بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر مشترکہ مال میں کام اور محنت کرنے والے بعض وارث ہوں بغیر باقی وارثوں کی وصایت ووکالت کے، العقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی۔ **میں کہتا ہوں** یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حصوں کے مالکوں کو نفع دے دینا اولٰی ہے اس کی دلیل وہ ہے جو علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ اس جیسا مال خبیث ہے چنانچہ اس کا شرعی راستہ فقراء پر صدقہ کرنا ہے اور اگر مالک کو لوٹا دے تو یہ اس کے لئے اولٰی اور طیب ہے کیونکہ یہ اس کی ملک کا نفع ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔ (ت)

[1] العقود الدرية كتاب الشركة لاتستحق الام مما استربحه الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۴

مسئلہ ۵۰: (مسئلہ مذکور نہیں غالبًا یوں ہونا چاہئے خورشید حسن خاں ایک بیٹا امداد حسن خاں اور دو بیٹیاں وجیہ النساء اور تمیز بیگم چھوڑ کر انتقال کر گیا امداد حسن خاں اپنے حصہ سے دستبردار ہوگیا اب تقسیم ترکہ کیسے ہوگا؟)

الجواب:

حق میراث حکم شرع ہے کہ رب العالمین تبارک وتعالٰی نے مقرر فرمایا کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

قال علماؤنا کما فی الاشباہ وغیرہ الارث جبری لایسقط بالاسقاط۔	ہمارے علماء نے فرمایا جیساکہ اشباہ وغیرہ میں ہے کہ حق میراث جبری ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیٹا مثلًا اپنے باپ کا اس لئے وارث ہوتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو جس طرح یہ اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹا سکتا یونہی اپنے حق میراث کو نہیں ساقط کرسکتا، پس امداد حسن خاں کا ترکہ متوفی سے دستبردار ہونا ہرگز معتبر نہیں، اور وہ اس وجہ سے زنہار کالعدم نہیں ہوسکتا اگرلاکھ بار دست برداری کرلے شرع تسلیم نہ فرمائے گی اور اسے اس کے حصہ کا مالک ٹھہرائے گی ہاں اگر اسے لینا منظور نہیں تو یوں کرے کہ لے کر اپنی بہن خواہ بھاوج خواہ جسے چاہے ہبہ کامل کردے اور جو مال قابل تقسیم ہو اسے منقسم کرکے قبضہ دلادے اس وقت البتہ اس کا حق منتقل ہوجائے گا ورنہ مجرد دست برداری کچھ بکار آمد نہیں پس کل ترکہ خورشید حسن خاں منقولہ وغیر منقولہ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ چار سہام پر منقسم ہوکر ایک وجیہ انساء اور دو امداد حسن خاں اور ایک تمیز بیگم کو ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کا کچھ زیور کہ وہ اپنے جہیز میں لائی تھی باجازت اس کے خاص اپنے قرض کے عوض دائن کے پاس رہن رکھا اور اس کے سوا اور قرضہ بھی زید پر تھا اور ایکزوجہ زید کی اس کے سامنے مر گئی بعدہ، زید نے زوجہ ثانیہ اور ماں اور تین بیٹیاں ایک بطن زوجہ اولٰی اور دو بطن ثانیہ سے اور ایک بھائی اور دو بہنیں وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ ثانیہ نے بعد وفات زید زیور مرہون بالعوض اس قرضہ کے جس میں زیور رہین تھا مرتہن ک ودے دیا اور اس قدر روپیہ ترکہ شوہر سے لینا چاہتی ہے۔ اس صورت

میں وہ روپیہ زوجہ ثانیہ کو دلایا جائے گا یا نہیں؟ اور تقسیم ترکہ کس حساب سے ہوگی اور زوجہ اولٰی کہ زید سے پہلے مر گئی مستحق حصہ پانے کی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ورثہ میت نابالغین ہوں تو اس کا وصی اور وصی نہ ہو تو حاکم کوئی وصی نصب کرے کہ وہ شیئ مرہون کو بیع کرکے دین مرتہن ادا کرے درمختار ص ۶۲۳، اور جو کبار ہوں تو وہ خود چھٹالیں سہ ً، اگر ترکہ دین مرتہن ومہر زوجیت ودیگر دیون کو وفانہ کرے تو پہلے دین مرتہن ادا کیا جائے بعدہ، اگر باقی بچے تو دیگر دیون حصہً رسدا اگر سب دین صحت یا دین مرض ہوں ورنہ دین صحت مقدم ہوگا فرائض۔ بعدہ، اگر کچھ باقی ہے تو اس کے ثلث سے اور ورثہ زیادہ کی اجازت دیں تو زیادہ سے وصایا اس کے اگر ہوں تو نافذ کی جائیں پھر مابقی۔ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین ترکہ زید متوفی کا دوسو اٹھاسی سہام پر منقسم ہو کر ۳۶ سہام زوجہ اور ۴۸ ماں پائیں گی اور ۶۴/۶۴ ہر سہ دختران کو ملیں گے اور ۶ بھائی اور ۳/۳ دونوں بہنیں پائیں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

صورت مستفسرہ میں جب وہ زیور خاص ملک زوجہ ثانیہ تھا اور زید نے اس کی اجازت سے پہلے قرض کے عوض رہن رکھا اور اس کے بعد وفات زوجہ نے وہ قرضہ ادا کر دیا تو وہ بلاشبہہ اس قدر روپیہ ترکہ زید سے واپس پائے گی،

فی تنویر الابصار ولوافتکہ المعیر اجبر المرتھن علی القبول ثم یرجع المعیر علی الراھن بما ادی[1] اھ	تنویر الابصار میں ہے اگر عاریت پر دینے والا رہن کو چھڑائے تو مرتہن کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر عاریت پر دینے والے نے جو کچھ ادا کیا ہے، وہ راہن سے اس کا رجوع کر سکتا ہے اھ (ت)

اسی طرح وہ قرضہ دوسروں کا جو ذمہ زید ہے اور دونوں زوجہ کا مہر اگر باقی ہو الخ۔

مسئلہ ۵۲: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت کے بلانکاح ایک لڑکا زید اور تین لڑکیاں لیلٰی، سلمٰی، عذرا پیدا ہوئیں وہ عورت مر گئی اور اس کا بیٹا زید ایک بیٹا عمرو چھوڑ مرا اور لیلٰی سلمٰی نے نکاح کر لئے اب لیلٰی نے بھی سلمٰی، عذرا دو بہنیں اور عمرو بھتیجا اور ایک شوہر چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس صورت میں ترکہ لیلٰی کا کیونکر منقسم ہوگا اور عذرا کہ

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۵

ہنوز اسی پیشہ پر ہے مستحق ارث ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

بازاری عورت جو اپنے پیشہ پر رہے اور ایک شخص کے ساتھ بطور زنان منکوحہ پابند ہو کر خانہ نشینی اختیار نہ کرے اسے صرف تعلق فاجرانہ کے سبب منکوحہ نہیں ٹھہرا سکتے تاوقتیکہ حجت شرعیہ سے ثبوت نکاح نہ ہو اور جو اولاد بے نکاح پیدا ہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوتا ہے نہ باپ سے، اگرچہ اس کے نطفے سے ہونا متعین ہو اور وہ اس خیال سے اس کی طرف نسبت بھی کئے جائیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔(ت)

تو وہ چاروں صرف ماں کے جانب سے بہن بھائی ہوئے اور اسی جہت سے وراثت پاسکتے ہیں۔

فی الدرالمختار یرث ولد الزنی واللعان بجھۃ الام حدہ لماقدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[2]۔	درمختار میں ہے زنا اور لعان کا بچہ فقط ماں کی جہت سے وارث بنتا ہے، جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔(ت)

اور عذرا کا پیشہ فسق وفجور میں ہونا مانع ارث نہیں کہ وہ گناہ ہے نہ کفر۔ پس صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم ماتقدم کالدین والوصیۃ ترکہ لیلٰی کا چار سہام پر منقسم ہو کر دو سہام بکر اور ایک ایک سلمٰی وعذرا کو ملے گا،

وذلک لانھما شریکتا ثلث وللزوج النصف بقی السدس یرد علیھما فتعود مستۃ الی اربعۃ۔	اور یہ اس لئے ہے کہ وہ دونوں ایک تہائی میں شریک ہیں اور خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوگا باقی چھٹا حصہ بچا جسے ان دونوں (سلمٰی وعذرا) پر رد کیا جائے گا تو مسئلہ چھ سے چار کی طرف عود کرے گا۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۷۶ وکتاب الفرائض ۲/ ۱۰۰۱ وباب للعاھر الحجر ۲/ ۱۰۰۷ وکتاب الاحکام ۲/ ۱۰۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

اور عمرو کہ لیلٰی کا بھتیجا ہے بہنوں کے ہوتے کچھ نہ پائے گا **فانه ابن اخ لام فکان من ذوی الارحام کما فی تنویر الابصار وغیرھا** (کیونکہ وہ اخیافی بھائی کا بیٹا ہے لہٰذا ذوی الارحام میں سے ہوگا، جیسا کہ تنویر الابصار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میر محسن نے ایک مکان زنانہ اور ایک نشستگاہ مردانی اور اس کے متصل ایک قطعہ زمین افتادہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد ان کے سوا میر انفع علی پسر اور میر جمال علی وحسن شاہ پسران میر اقنع علی برادر حقیقی میر انفع علی جو اپنے والد میر حسن کے سامنے قضا کر چکے تھے اور کوئی باقی نہ رہا جبکہ دونوں نبیرے اپنے چچا کے سامنے محروم تھے مگر میر انفع علی نے براہ محبت ان کا محروم نہ کرنا چاہا اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ میں اپنے دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کرنا چاہتا ہوں، یہ کل جائداد ان دونوں اور میرے پسر میر عون علی کی ہے۔ مکان زنانہ اپنے سامنے تین حصہ پر جدا جدا تقسیم کرکے ایک مکان پر میر جمال علی اور ایک پر میر حسن شاہ اور ایک پر اپنے پسر میر عون علی کو قابض کردیا مگر مکان نشست منقسم نہ ہوا اور اس میں میر انفع علی وغیرہ یہ چاروں بیٹھا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ زمین افتادہ بھی منقسم نہ ہوئی مگر میر انفع علی نے تحریر کل جائداد کے نسبت کی تھی جس میں وہ زمین ونشستگاہ بھی داخل تھی۔ اب بعد انتقال میر جمال علی، میر حسن رضا ومیر ملائی دو پسر اور بعد انتقال میر حسن شاہ، میر عابد علی ومیر باقر علی دو پسر اور زبیدۃ النساء دختر وارث ہوئے، اور میر انفع علی کا سوا میر عون علی کے کوئی وارث نہ تھا جس کے انتقال کے بعد صرف میر فیض علی پسر اس کے وارث ہوئے، میر فیض علی نے اپنا کل حق حقوق میر حسن رضا ومیر مولائی کے ہاتھ بیع کردیا۔ اب ان بائع ومشتریان نے بھی وفات پائی۔ میر عابد علی ومیر باقر علی پسران میر جمال علی دعوی کرتے ہیں کہ میر فیض علی سوا مکان اندرونی موسوم بنام میر عون علی کے مکان نشستگاہ وزمین افتادہ میں کچھ حق نہ تھا۔ لہٰذا وہ اس بیع میں داخل نہیں ہوسکتا۔ آیا یہ دعوی ان کا شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟ اور زبیدۃ النساء کو متروکہ میر جمال علی سے کچھ پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جب کہ بعد انتقال میر محسن کے شرعًا میر انفع علی کے سوا ان کا کوئی وارث نہ تھا اور میر جمال علی ومیر حسن شاہ ان کے سامنے محجوب الارث تھے تو غیر وارث کو وارث کرنا کسی کے اختیار میں نہیں تنہا میر انفع علی اس کل جائداد کے مالک ہوئے اور ان کی یہ خواہش کہ میں اپنے ان

دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کیا چاہتا ہوں زبانی ہو خواہ تحریری ہر گز شرعًا قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ توریث رب العالمین جل جلالہ، کے حکم سے ہے نہ زید و عمرو کے زبان میں۔ غایت یہ کہ اگر الفاظ اس اقرار نامہ کے صالح ہبہ ہوں یا زبانی میر انفع علی سے الفاظ ہبہ صادر ہوئے ہوں تو یہ تینوں بھائی یعنی میر عون علی و میر جمال و میر حسن شاہ اس کل جائداد کے موہوب لہ، قرار پائیں گے مگر مکان اندرونی جسے میر انفع علی نے اپنی زندگی میں جدا جدا تین حصہ پر تقسیم کرکے ہر شخص کو ایک مکان علیحدہ پر قابض کرایا تو وہاں تو ہبہ واقعی صحیح و نافذ و تام ہے اور وہ تینوں حصے ان تینوں کا شرعًا مملوک ہوگئے لیکن مکان بیرونی و زمین افتادہ میں کہ اگرچہ ہزار بار ہبہ زبانی خواہ تحریری مانا جائے، شرعًا مورث ملک نہیں ہو سکتا کہ تاوقت انتقال میر انفع علی کے وہ دونوں غیر منقسم تھے اور میر انفع علی نے اپنا تعلق و تصرف ونشست و برخاست حسب دستور قدیم بھی نہ اٹھا دیا تھا پس تا دم انتقال میر انفع علی کے موہوب لہم کا قبضہ نہ پایا گیا اور ایسا ہبہ بعد انتقال واہب باطل ہو جاتا ہے کمافی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) اب کہ ہبہ باطل قرار پایا تو اسمکان بیرونی و زمین افتادہ کا شرعًا کوئی مالک سوا میر عون علی کے نہ ہوا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ کا ہر گز ان میں کچھ حق نہ تھا بعد انتقال میر عون علی کے میر فیض علی ان دونوں قطعوں اور ایک مکان اندرونی کے بلا شرکت غیرے مالک ہوئے اور یہ سب مکانات بذریعہ بیع میر حسن رضا اور میر مولائی کی طرف بالمناصب منتقل کئے گئے میر عابد علی و میر باقی علی کا حق شرعی سوا اس دو ثلث مکان اندرونی کے جو میر انفع علی اپنی حیات میں ان کے مورث میر جمال علی کو دے کر قابض کرا دیا تھا ہر گز نہیں، اور اس میں بھی بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم امور مقدمہ کالدین والوصیۃ پانچواں حصہ ان کی بہن زبیدۃ النساء کا ہے، یہ ہے حکم شرعی، اور اس کے خلاف جو کچھ ہو باطل محض۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ رحم علی و شیخ سعادت و شیخ احمد تین بھائی تھے، انہوں نے اپنے روپے سے ایک جائداد پیدا کی، ان تینوں کی زندگی تک مشترک رہے اور خور دونوش سب کا یکجا تھا، پس ازاں شیخ رحم علی کا انتقال ہوا اور ان کے اولیاء زوجہ اور بچن پسر اور بجو، بجو، بلاقن تین دختر وارث چھوڑے ان میں سے بجو نے ماں اولیاء اور شوہر محب اللہ اور ابن سعد اللہ اور بنت عمدہ پھر نجو نے ماں اولیاء اور دو پسر وزیر، مسیت اور دو دختر امیرن، فقیرن پھر اولیاء نے بچن و بلاقن پسر و دختر چھوڑ کر انتقال کیا۔ بعد وفات

شیخ رحم علی کے وہ جائداد مشترکہ وغیر منقسمہ سعادت احمد کے پاس رہی اور سعادت نے زوجہ عظیمہ اور چار ابن عبداللہ جمن، ننھے، مہدی حسین، چاربنت ورثہ چھوڑ کر وفات پائی اور جائداد سب شیخ احمد کے ہاتھ میں رہی کہ قادر بخش وممن دو پسران کے وارث رہے ان میں پہلے ممن دو بیبیاں بلاقن وبندہ جو قادر بخش سے کچھ روپیہ لے کر ترکہ سے برضائے خود علیحدہ ہو گئیں چھوڑ کر انتقال کیا پھر قادر بخش نے کہ بعد مرنے اپنے باپ اور بھائی کے تمام جائداد پر قابض تھا دو زوجہ مجو، بنی، ک اور ایک دختر نیازن اور پانچ بھائی چچازاد بچن، عباداللہ، جمن، ننھے، مہدی حسین ورثہ چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے مرض موت میں کل مال کے نسبت اپنی دختر وزوجین کے لئے وصیت کرگیا کہ مالک اس جائداد کے بعد میرے وہ ہیں اور پانچوں بھائی اس کے یہ وصیت گوارہ نہیں کرتے، اس صورت میں وہ متروکہ کس حساب سے منقسم ہوگا؟ اور یہ وصیت قادر بخش کی صحیح ونافذ رہے گی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مسئولہ میں مالک اس جائداد کے رحم علی وسعادت واحمد تینوں کے ورثہ ہیں صرف قادر بخش مالک نہ تھا کہ سے اکل جائداد کے وصیت کرنے کا اختیار ہوتا اور ایک حصہ ایک جائداد کا اس کے پاس رہنے سے حق دیگر ورثا کا باطل نہیں ہوتا رہا، حصہ اس کا اس میں وصیت نافذ ہوجاتی اگر پانچوں چچازاد بھائی اس کی اجازت دیے ت اب کہ وہ اسے گوارہ نہیں کرتے تو وہ بھی غیر نافذ ہوئی، پس کل جائداد کے بوجہ اس کے کہ اصل مورثان اعلٰی تاحیات خود اس میں شریک رہے اور ایک دوسرے کے مال میں باہم تمیز نہ تھی اور خورد ونوش سب کا یکجا تھا برابر تین حصے کئے جائیں گے اور ہر مورث کا حصہ اس کے وارث پر بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ چوں ادائے مہور زوجات و قضائے دیون اس طریق سے منقسم ہوجائے گا:

تقسیم ترکہ رحم علی

مسئلہ ۱۰ بہ مضروبہ ۳۶ (۳۶۰) — رحم علی

زوجہ اولیاء	ابن بچن	بنت بلاقن	بنت بجو	بنت نجو
۵/۱۸۰	۱۴/۵۰۴	۷/۲۵۲	۷/۲۵۲	۷/۲۵۲

مسئلہ ۳۶ — بجو — بینہما تباین — مص ۱/۷

ام اولیا	زوجہ محب اللہ	ابن سعد اللہ	بنت عمدہ
۶/۴۲	۶/۶۳	۱۴/۹۸	۷/۴۹

مسئلہ ۳۶ — نجو — فاستقامت — مص ۲۵۲

ام اولیا	ابن مسیت	ابن وزیر	بنت امیرن	بنت فقیرن
۶/۴۲	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۵/۳۵	۵/۳۵

مسئلہ ۳ — اولیا — فاستقامت — مص ۲۶۴

ابن بچن	بنت بلاقن
۲/۱۷۶	۱/۸۸

المبلغ ۱۴۴۰

الاحیاء

بچن	بلاقن	محب اللہ	سعد اللہ	عمدہ	مسیت	وزیر	امیرن	فقیرن
۶۸۰	۳۴۰	۶۳	۹۸	۴۹	۷۰	۷۰	۳۵	۳۵

تقسیم ترکۂ سعادت

مسئلہ ۹۶ — سعادت

زوجہ عظیمن	ابن عباد اللہ	ابن جمن	ابن ننھے	ابن مہدی حسین	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

تقسیم ترکہ شیخ احمد

سوااس مال کے جو اس کے پسر قادر بخش نے بلاقن وبندہ ہر دو زوجہ ممن کو دے کر بتراضی اس کو ترکہ سے خارج کر دیا اس طور پر:

مسئلہ مضروبہ ۸۰ ۸۰ — شیخ احمد

ابن ممن	ابن قادر بخش
	۱

کان لم یکن لانہ لم یرثہ الا الاخ والزوجان ثم ان الزوجین قد تصالحتا علٰی شیئ معلوم وتخارجتا من الترکۃ فلم یکن الباقی الا اخاہ قادر بخش۔	گویا کہ وہ تھا ہی نہیں چنانچہ سوائے بھائی اور دو بیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویاں بھی کسی معین شیئ پر مصالحت کرکے ترکہ سے دست بردار ہوگئیں اور سوائے اس کے بھائی قادر بخش کے کوئی باقی نہ رہا۔ (ت)

مسئلہ ۸۰ — قادر بخش — مف ۱

زوجہ بجو	زوجہ بنی	بنت نیازن	ابن العم بجن	ابن العم عباداللہ	ابن العم جمن
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶

ابن العم ننھے	ابن العم مہدی حسین
۶	۶

البـــــلغ ۸۰

الاحیـــــاء

بجو	بنی	نیازن	بجن	عباداللہ	جمن	ننھے	مہدی حسین
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶	۶	۶

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم

اتم وحکمہ احکم۔	کامل اور اس کا حکم مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۵: ازڈونگرگڑھ ضلع رائے پور سنٹرل پرونس مسئولہ شیخ حسن الدین احمد خاں صاحب ۱۱ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک صاحب محمد عبدالکریم خاں ڈاکٹر نہایت عابد متقی لاولد ہیں جائداد بہت ہے، خاص ان کی ذاتی پیدا کی ہوئی ہے موروثی نہیں اپنے والد کی جائداد مین سے ایک حبّہ نہ لیا کل جائداد پر ان کے علاتی بھائی قابض ہوگئے، ڈاکٹر صاحب کے کوئی بھائی بہن حقیقی نہیں ان کی خواہش ہے کہ کل جائداد اپنے ماموں زاد بھائی کے نام کرکے مکہ معظّمہ چلاجاؤں مگر یہاں کے دیوان جواہل اسلام ہیں فرماتے ہیں کہ اس تحریر سے کچھ نہ ہوگا اس کے حقدار علاتی بھائی بھی ہوں گے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب فتوٰی چاہتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر بذریعہ بیع صحیح یا ہبہ مع القبض اپنی تمام جائداد اپنے بھائی ماموں زاد کو دے دیں گے وہ مالک مستقل ہوجائے گا علاتی بھائیوں کا کوئی استحقاق نہ ہوگا مگر یہ فعل اگر بلاوجہ شرعی برادران علاتی کو اپنے ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے ہوگا تو گناہ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ[1]۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا۔

ہاں اگر وہ لوگ فسّاق فجّار ہوں کہ جائداد کو معاصی الٰہی میں صرف کریں گے اور ماموں زاد بھائی ایسا نہیں تو جائز بلکہ بہتر ہے۔

فی وجیز الامام الکردری ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔	امام کردری کی وجیز میں ہے اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنا مال نیکی کے کام میں خرچ کرے درانحالیکہ اس کا بیٹا فاسق ہے تو اس بیٹے کے لئے مال چھوڑ جانے سے نیکی کے کام میں خرچ کر دینا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد ہے۔(ت)

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

یونہی اگر اپنے مال کا ثلث ماموں زاد بھائی کو لکھ دیں تو کسی حال میں کچھ مضائقہ نہیں، ترکہ پدری سے جو حصہ ان کا تھا یہ اگر نقل صحیح شرعی مثل بیع یا بعد تقسیم ہبہ مع القبض کے ذریعہ سے برادران علاتی کو نہیں دے دیا ہے تو وہ بدستور ان کی مِلک پر باقی ہے مطالبہ نہ کرنے یا یونہی چھوڑ دینے سے ان کی ملک سے خارج نہ ہوا دو ثلث جو برادران علاتی کے لئے باقی چھوڑیں ان میں وہ حصہ بھی محسوب کرسکتے ہیں مثلاً ان کا وہ حصہ جو ان کے قبضہ میں ہے اگر دو ہزار کا ہے اور اس کے علاوہ جائداد پیدا کردہ ہزار روپے کی ہے تو یہ کل جائداد جدید ماموں زاد بھائی کو دے سکتے ہیں کہ دو ثلث ان کے پاس خود موجود ہے اور یہ نئی جائداد چار ہزار کی ہے تو اس میں سے نصف ماموں زاد بھائی کو دے دیں کہ نصف یہ اور وہ حصہ مل کر دو ثلث ہوجائیں **وعلٰی ھٰذا القیاس، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم** (اور اسی پر قیاس ہوگا، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور تین شخص قرابتی اس کے باقی رہے جس میں ایک حقیقی چچازاد بہن اور ایک بھائی ماموں زاد اور ایک بہن ماموں زاد ہے، پس ان تینوں میں ترکہ کس طرح پر تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

برتقدیر عدم موانع ارث وو ارث دیگر وتقدیم دین ووصیت ترکہ ہندہ کا نوسہام پر منقسم ہوکر چھ سہم چچازاد بہن اور دو ماموں زاد بھائی اور ایک ماموں زاد بہن کو ملے گا۔

فی الشریفیۃ ان استودا فی القرب ولٰکن اختلف قرابتھم بان کان بعضھم من جانب الاب وبعض من جانب الام فلا اعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابۃ ولالولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ ولالولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ فبنت العم لیست اولٰی من بنت الخال لعدم اعتبار کون بنت العم ولدا العصبۃ لکن الثلثین لمن یدلی بقرابۃ الاب	شریفیہ میں ہے اگر وہ قرابت میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں جیسے بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے ہوں تو یہاں ظاہر الروایۃ کے مطابق قوت قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں اس بات کا اعتبار نہیں کہ چچا کی بیٹی عصبہ ہے لیکن جو باپ کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو

والثلث لمن یدلی بقرابة الام[1] اھ مختصرًا۔	اس کے لئے دو تہائی اور جو ماں کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو اس کے لئے ایک تہائی ہوگا اھ مختصرًا (ت)

مسئلہ ۵۷: ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی ننھے فوت ہوا ایک زوجہ ایک بیٹا ایک بیٹی ایک بھائی حقیقی وارث چھوڑے، ننھے کی بی بی مہر معاف کرچکی ہے اور اپنا نکاح ثانی کیا چاہتی ہے اور بچوں کو کہ ابھی نابالغ ہیں چھوڑے دیتی ہے، پس ترکہ ننھے کا ان وارثوں کو کس قدر پہنچے گا اور حق ولایت بچوں کا کس کو پہنچتا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ لڑکا آٹھ برس کا اور لڑکی چار برس کی ہے اور ننھے کا بھائی جوان ہے اور ان بچوں کی نانی بیوہ زندہ ہے اور عورت ایسے شخص سے نکاح کیا چاہتی ہے جو ان بچوں کا محرم نہیں، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا تو ابھی سے اپنے چچا پس رہے گا۔ اور لڑکی اپنی ماں کے پاس نو برس کی عمر تک رہے گی اگر وہ عورت ایسے شخص سے نکاح نہ کرے اور اگر نکاح کرے گی تو لڑکی تنی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گی اس کے بعد چچا کی سپردگی میں دی جائے گی اور ترکہ ننھے کا برتقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم مہر و دیگر دیون و وصایا چوبیس ۲۴ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوجہ اور چودہ سہم پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور بھائی کچھ نہ پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ مرسلہ بولاقی خاں بریلی

جناب مولوی صاحب سلامت، بعد آدب گزارش ہے کہ ایک ہمشیرہ اور تین ہم بھائی ہیں، جناب والد صاحب نے ایک عرصہ سے سب کام چھوڑ دیا تھا جو مجھ کو میسر آتا تھا حاضر لاتا تھا ایک ہمشیرہ میری نابالغ تھی اس کو میں نے اپنی محنت سے پرورش کرکے شادی کردی اور دونوں بھائی چھوٹے ان کو بھی پرورش کیا اور بھائیوں کی بھی شادی کردی، اب جو جائداد والد کے وقت کی ہے وہ طلب کرتے ہیں، واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد گزرنے والد کے اور

[1] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام فصل فی اولادھم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۲۰-۱۱۹

والدہ کے دونوں کو میں نے دفن کیا اور کوئی پیسہ ان کا خرچ نہیں ہوا اور قریب دو سو روپے کے والد پر قرض تھے وہ بھی میں نے دیئے اور بھائی اور بہن خود تسلیم کرتے ہیں، لہذا آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ شرعاً کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ اس کے باپ نے ماں سے پہلے انتقال کیا ماں مہر معاف کر دیا تھا دونوں کے وارث یہی تین بیٹے رہے۔اس صورت میں سائل نے جو کچھ اپنے ماں باپ کی خدمت میں صَرف کیا وہ کسی سے نہ پائے گا جو اپنے بہن بھائیوں کی پرورش و شادی میں اٹھایا وہ کسی سے نہ ملے گا، ہاں جو کچھ باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بقدر سنت باپ کے کفن دفن میں اٹھایا وہ باپ کے مال پر اس کا قرض ہے پہلے یہ قرضہ اور جو قرضہ اس کے باپ کے ذمہ ہو ادا کرکے باقی تہائی سے اگر باپ نے کچھ وصیت کسی کے لئے کی ہو نافذ کرکے باقی کے آٹھ حصے کریں ایک حصہ ماں اور دو دو ہر بیٹے اور ایک بیٹی کو، اب یہ ایک حصہ جو ان کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جوان کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جو کچھ سائل نے ماں کے کفن دفن بقدر مسنون میں اٹھایا وہ اور جو قرضہ اس کی ماں پر ہے ادا کریں اگر کچھ نہ بچے تو ماں کے اس حصہ میں سے دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اگر کچھ باقی رہے تو اس کی تہائی سے ماں کی وصیت اگر اس نے نافذ کی ہو ادا کرکے باقی کے سات حصے کریں ہر بیٹے کو دو بیٹی کو ایک۔**واللہ اعلم فقط۔**

مسئلہ ۵۹: از بیجناتھ بازار رائے پور ملک متوسط مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دیرا انجمن نعمانیہ ۷ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

فیض النساء بیگم کے شوہر یعقوب علی مرحوم کی جائداد وقت مرنے کے اس قدر تھی جو فیض النساء بیگم کے مہر کو اکتفا کرتی اس لئے فیض النساء بیگم کل جائداد پر بعوض اپنے دین مہر کے قابض ہوئی، فرمایئے کہ یعقوب علی مرحوم کی پہلی بیوی کی اولاد کو اپنی ماں متوفیہ کے مہر میں اس جائداد سے بحصہ رسدی حق مل سکتا ہے یا نہیں؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ دوسری عورت کا بھی کچھ مہر ذمہ شوہر باقی ہے تو نہ ایک عورت کل ترکہ سے اپنا ہی دَین پانے کی مستحق ہو سکتی ہے اگرچہ تنہا اسی کا مہر مقدار ترکہ سے زائد ہو بلکہ دونوں عورتوں کا بقدر واجب الادا مہر اور ان کے سوا اور جو دَین ذمہ مورث ہوں سب حصہ رسد متروکہ سے ادا

کئے جائیں گے، نہ عورت بطور خود اپنے مہر کے بدلے جائداد پر قابض ہو سکتی ہے بلکہ جائداد بیچ کر مہر ادا کیا جائے گا **فان حقھا فی المالیۃ لافی العین** (کیونکہ عورت کا حق مالیت میں ہے نہ کہ عین میں۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

میت اوصی الی المرأتہ وترك مالا و للمرأۃ علیہ مھرہا ان ترك المیت صامتا مثل مھرھا کان لھا ان تاخذ مھرھا من الصامت لانھا ظفرت بجنس حقھا وان لم یترك المیت صامتا کان لھا ان تبیع ماکان اصلح للبیع و تستوفی صداقھا من الثمن[1] اھ **قلت** والتقیید بالاصلح حیث لم یکن الدین محیطا ولابیع کل شیئ کمالایخفی۔	میت نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی اور کچھ مال چھوڑا، عورت کا اس کے ذمے مہر ہے، اگر میت نے عورت کے مہر کی مثل نقدی چھوڑی ہے تو عورت اس نقدی سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس کو پانے پر کامیاب ہو گئی ہے، اور اگر میت نے کوئی نقدی نہیں چھوڑی تو عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کے ترکہ میں سے جو چیز قابل بیع ہے اس کو بیچ کر ثمن میں سے اپنا مہر وصول کرے اھ، **میں کہتا ہوں** قابل بیع ہونے کی قید وہاں ہو گی جہاں قرض ترکہ کو محیط نہ ہو اور اس کی ہر شیئ نہیں بیچی جائے گی جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

وارثان زوجہ اولٰی اپنی ماں کے مہر سے مقدار واجب الاداء کا دعوی فیض النساء بیگم پر کر سکتے ہیں،

لانھا وارثۃ فتصلح خصما للغرماء من ھٰذہ الجھۃ و ان لم تصلح من جھۃ انھا دائنۃ وذٰلك بناء علی ما اختارہ الفقیہ ان الوارث خصم الغریم وان کانت الترکۃ	کیونکہ بیوی وارث ہے اس لئے وہ اس جہت سے قرضخواہوں کے لئے خصم بن سکتی ہے اگرچہ وہ قرضخواہ ہونے کی حیثیت سے خصومت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور یہ مبنی ہے اس قول پر جس کو فقیہ نے اختیار کیا کہ وارث قرضخواہ کا خصم بن سکتا ہے اگرچہ ترکہ قرض میں

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۳

مستغرقۃ بالدین نعم لاحلف علیہ ح کما فی وصی الہندیۃ[1] عن المحیط۔	گھرا ہوا ہو۔ ہاں اس صورت میں اس پر قسم نہیں آتی۔ جیسا کہ ہندیہ کے باب الوصی میں محیط سے منقول ہے۔ (ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وارثان زن متوفاۃ پر کوئی امر مسقط مدعی یامانع دعوی ثابت نہ ہو ورنہ دعوی نا مسموع ہوگا کمالایخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۶۰: زید کی بیٹی کا خالد کے ساتھ نکاح ہوا، دس ہزار مہر معین ہوا، زید کی بیٹی مر گئی، ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور والدین اور شوہر اس کا باقی رہا، خالد کے پاس پانچ ہزار کی ملکیت ہے، درصورت غیر دعویدار ہونے اولاد اور شوہر کے والدین کو حصہ کس قدر ملکیت موجودہ سے ملنا چاہئے یا بقدر مہر؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

صورۃ مستفسرہ میں چہارم مہر کا شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوگیا باقی اگر تمام وکمال اسے حصول نہ ہو تو جتنا وصول ہو ہر وارث اس میں سے بقدر سہم فرائض کے لے سکتا ہے نہ یہ کہ بعض ورثہ اپنا کل مطالبہ لے لیں، سائل مظہر ہے کہ اولاد دونوں نابالغ ہیں اس صورت میں اس کا دعوی نہ کرنا کب کیا مسقط حق ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی وارث بالغ دَین میں سے بقدر اپنے سہم کے معاف کردے تو باقی ورثہ اپنا اپنا مطالبہ لے سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۱: ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید مرا، زوجہ اپنی کو سہ ماہ کے حمل میں چھوڑا، بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا، عمرو از راہ بد دیتی وخوف اس کے کہ لڑکا زید متوفی کی جائداد کا مستحق ہو اس کی حق تلفی کے واسطے لڑکے کو ولد الحرام بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعد انتقال زید کے لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا، اولا تو لڑکا صحیح طور پر بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا، اور بالفرض عمرو کا قول تصدیق کیا جائے کہ لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا تو بموجب شرع شریف کے لڑکا حلالی ہے یا ولد الحرام؟ اور زید متوفی کے نطفے سے ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

الجواب:

عمرو جھوٹا ہے، ایسی تہمت پر قرآن عظیم نے اسی کوڑوں کا حکم دیا ہے اور گواہی کو ہمیشہ مردود۔ سوابرس تو تھوڑا ہے دو۲ برس تک بھی پیدا ہوتا تو بلاشبہہ زید کا قرار پاتا، یہ لڑکا شرعًا ضرور زید کا اور اس کا وارث شرعی ہے، ہاں اگر عورت بعد موت شوہر قبل ولادت پسر اقرار کرچکی ہوتی کہ میری عدت گزر گئی، اور اس اقرار سے چھ ماہ یا زائد کے بعد بچہ پیدا ہوتا تو شوہر متوفی کا قرار نہ پاتا ورنہ صرف اس بنا پر کہ موت کے سوا برس بعد پیدا ہوا اولاد الحرام کہنا محض ظلم و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الموت لاقل منھما(ای من سنتین)من وقت الموت[1] الخ۔	موت کی عدت گزرانے والی خاتون اگر شوہر کی موت کے وقت سے دوسال سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (ت)

شریفیہ میں ہے:

ان کان الحمل من المیت بان خلف امرأۃ حاملا و جائت بالولد لتمام اکثر مدۃ الحمل ای سنتین او اقل ولم تکن اقرت بانقضاء العدۃ یرث ذٰلک الولد من المیت واقاربہ[2]۔ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر حمل میت کا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ میت نے حاملہ بیوی چھوڑی ہو اور وہ مدت حمل یعنی دوسال کے پورا ہونے پر یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے جبکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بچہ میت اور اس کے قرابتداروں کا وارث بنے گا۔ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۲: از شہر بنارس محلّہ کنڈی گڈٹولہ مسجد بازار مرسلہ حافظ ولی محمد صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زوجہ زید کچھ اپنے ورثائے شرعی اور زید اپنے خاوند کو چھوڑ کر مر گئی اور مہر جو زید کے ذمہ واجب الاداء ہے وصول نہیں پایا اور کوئی اولاد اس نے نہیں چھوڑی، اس صورت میں زید مہر میں سے بھی جو اس کے ذمہ واجب الاداء ہے نصف حصہ پاسکتا ہے جیسا کہ ہندہ کے کل متروکہ سے پاسکتا ہے یا نہیں، شبہ یہ ہوتا ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۱

[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب ذوی الارحام فصل فی الحمل مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳۲

کہ قیاسًا تو مہر میں سے بھی نصف حصہ زید کو پانا چاہئے ہے مگر مہر کو شارع اسلام نے بغرض احترام بضع رکھا ہے اور غایت اس کی عزت واحترام زوجہ ہے اور بحالت نصف حصہ پالینے زید کے مہر میں سے بھی یہ غایت فی الجملہ ہو جائے گی، ہر صورت کے جزئی بھی باحوالہ کتب تحریر فرمائی جائے اور جواب سے جدل سرفرازی بخشی جائے فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ضرور نصف مہر ذمہ زید سے ساقط ہوا نہ بمعنی عدم وجوب رأسًا کہ مہر بعد تاکد بالموت بایں معنی قابلیت سقوط نہیں رکھتا اور غایت مذکورہ میں اگر کچھ نقص آتا تو اسی صورت سے، بلکہ بمعنی تملک بخلافت ووراثت زوجہ **لقولہ تعالٰی** "**وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ**"[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں ان میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ت) اور شک نہیں کہ مہر بھی متروکہ زوجہ میں داخل ہے اور یہ معنی اس غایت کے منافی نہیں بلکہ مؤکد ومقرر ہیں کہ کل مہر زوجہ ولومالًا منافی غرض مذکور ہو تو ہبہ وابرا بھی ناجائز ہوں مگر وہ یونہی جائز ہیں کہ ملک زوجہ پر متفرع ہیں تو اس کے مقرر ہیں نہ دافع اگرچہ رافع ہوں بلکہ اگر رفع بھی خلافت غایت ہو تو اس سے چارہ کہاں کہ موت قطعاً نافی ملک ہے، اگر کہئے کہ ملک ورثہ بوجہ خلافت قائم مقام ملک زوجہ ہے تو گویا وہ ببقائے نائب باقی ہے تو ملک زوج بھی اس نصف میں وراثۃً ہی ہوئی یہاں بھی وہی گویا حاصل اور شبہ زائل، قنیہ میں ہے:

قال استاذنا رحمہ اللہ تعالٰی سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتین واخ لاب وام ولامال لها سوی مھر علی زوجها مائة دینار ثم مات الزوج و لم یترك الا خمسین دینارا	ہمارے استاذ صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا مجھ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو خاوند اور دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کر گئی اور اس کا کوئی مال نہیں سوائے اس کے کہ سو دینار اس کے مہر کے خاوند کے ذمے ہیں، پھر خاوند مر گیا اور سوائے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

فقلت یقسم بین البنتین والاخ اتساعاً بقدر سهامهم لانه ذکر فی کتاب العین والدین اذاکان علٰی بعض الورثة دین من جنس عین الترکة یحسب ما علیه من الدین کانه عین و یترك حصته علیه و یترك العین لانصباء غیرہ من الورثة فحسبنا علی الزوج من المهر خمسة وعشرین دینارا کانه عین و بقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین و الاخ فتکون بینهم علٰی سهامهم من اصل المسألة[1]، واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	پچاس دینار کے کچھ نہیں چھوڑا، تومیں نے کہا کہ ترکہ کے نو حصے بناکر دوبیٹیوں اور بھائی کے درمیان ان کے سہام کے مطابق تقسیم کیاجائے گا، اس لئے کہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے جب کسی وارث پر عین ترکہ کی جنس سے کچھ قرض ہو تو اس قرض کو اس کے حصہ میں شمار کریں گے گویا کہ وہ عین ہے، اور اس کا حصہ اس قرض پر چھوڑدیں گے اور عین کو اس وارث کے علاوہ دیگر ورثاء کے حصوں کیلئے چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کئے گویا کہ وہ عین ہیں۔ اور باقی پچاس دینار دو بیٹیوں اور بھائی کے حصہ میں بچ گئے تو وہ ان کے درمیان اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق ہوں گے۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیااور دولڑکے اول بیوی کے چھوڑے، اور ایک لڑکی دوسری بیوی سے چھوڑی، اور بیوی دوسری زندہ ہے اور پہلی بیوی نے انتقال کیا شوہر کے روبرو، اور مہر اس کاذمہ شوہر کے چاہئے، اب لڑکے اس کے مہر اپنی ماں کاطلب کرتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل مظہر کہ پہلی زوجہ کامہر پچیس ہزار ہے اور دوسری کا تین سوساٹھ تھا جس میں سے ڈیڑھ سو زید نے خود ہی اداکردیئے تھے، اب دوسودس باقی ہیں اور جائداد دونوں مہروں کو

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ۳۹۴

کافی نہیں۔ صورت مستفسرہ میں دونوں مہراور اسی طرح اور جو دین زمہ زید ہو حصہ رسد ادا کریں، پہلی بی بی اس سبب سے کہ اس کا نکاح پہلے ہوا پہلے پانی کی (کہ جب تک اس کا مہر ادا نہ ہولے زوجہ ثانیہ کا بقیہ مہر یااور کسی دائن کا دَین ثابت ادا نہ کیا جائے) ہر گز مستحق نہیں بلکہ وہ سب ایک ساتھ ادا کئے جائیں گے اور جبکہ جائداد اور نہیں، کافی نہیں دونوں مہروں اور ہر دَین ثابت کو حصہ رسد ادا کیا جائے گا اور جب کچھ نہ بچے ورثہ کچھ بذریعہ وراثت نہ پائیں گے۔

قال الله تعالٰی "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ"[1]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم	الله تعالٰی نے فرمایا "اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ اور قرض کے بعد"۔ (ت) والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: از شہر کہنہ ۶ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کثیر اپنے محروم الارث بھتیجوں کو لکھ دی او اپنے حقیقی بھائی وارث کے لئے ایک خفیف شیئ رکھی اس سے اس کی نیت بھائی کی حق تلفی تھی کہ اسے میرے بعد نہ پہنچے، اس صورت میں اس پر کچھ مواخذہ عندالله ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وارث آوارہ بدوضع نہ ہو جس سے مظنون ہو کہ مال جو اس کے لئے رہے گا معاصی الٰہیہ میں اُڑائے گا تو اسے محروم کرنے کی نیت سے کوئی کارروائی کرنی عندالله قابل مواخذہ ہے، حدیث میں ہے:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة[2]۔ رواه ابن ماجة عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	جو اپنے وارث کے میراث پانے سے بھاگے الله تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا (اسے ابن ماجہ نے حضرت انس رضی الله تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/۴

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

اور کوئی خفیف شیئ باقی رکھنا کافی نہ ہوگا جبکہ نیت اس فساد کی ہو۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوٰی[1]۔	بے شک اعمال کادارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

مگر نیت کا ثبوت چاہئے ورنہ صدیق اکبر وامام حسن مجتبٰی وام المومنین صدیقہ وغیرہم ائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بارہا اپنے کل مال تصدق فرمادیئے ہیں اپنے کھانے پہننے کو بھی کچھ نہ چھوڑا، **کما صحت بذٰلك الاحادیث** (جیسا کہ اس پر صحیح احادیث وارد ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤالوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

رسالہ

المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع ۱۳۱۵ھ

(چوتھی قسم کے عصبہ ہونے میں نفع دینے والا مقصد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۶۵: ازاٹاوہ متصل کچہری منصفی مکان مولوی حبیب علی صاحب مرسلہ مولوی وصی علی ۵رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصبات کی جو چار قسم مقرر ہیں، فروع میت، اصول میت، فروع اب میت، فروع جد میت، منجملہ ان کی قسم اول ودوم وسوم میں کوئی بحث نہیں مگر قسم چہارم یعنی فروع جد میت کا سلسلہ ایساوسیع ہے کہ حق رسی اس کی دشوار بلکہ غیر ممکن معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی مسلمان ایسانہ ہوگا جس کاعصبہ نسبی قسم چہارم یعنی دادا کی اولاد یاپر دادا کی اولاد یاسر دادا کی اولاد یاان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد موجود نہ ہو اگر دیہہ یاقصبہ مسکونہ میت میں نہ ہوگا تو دوسرے دیہہ یاقصبہ میں یادوسرے شہر یاملک میں ہوگا مثلاً ہند میں نہ ہوگا توعرب یاعجم میں ہوگا تمامی ربع مسکون میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوگا، پس درصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے ایسے عصبات کوتلاش کرنا

اوران کا حصہ ان کو پہنچانا غیر ممکن ہے اورظاہرًا شرع شریف میں کوئی ایسا حکم بھی پایا نہیں جاتا کہ میت کے ورثاء حاضرین میت کے ترکہ کو باخود تقسیم کرلیں حقدار ان غیر حاضرین کو اطلاع بھی نہ دیں یاجولوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یابوجہ لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں نے ان کے حقوق ضائع کردیئے جائیں بلکہ مفقود کے واسطے جبکہ یہ حکم ہے کہ حصہ اس کا نوے برس کی عمر تک امانت رہے تو ایسے حصہ دار کیونکر محروم کئے جاسکتے ہیں، علاوہ اس کے دیگر حقداران جوبصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مستحق ہیں مثلاً مولی العتاق ذوی الفروض مستحق پانے حصہ کے بطور رد کے ذوی الارحام ولی الموالات مقرلہ النسب موصی لہ مستحق ردوغیرہ ان کے حقوق قائم ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جب عصبہ نسبی کا غیر موجود ہونا حسب تشریح صدر غیر ممکن ہے توحقداران مابعد کے حقوق قائم ہونا بھی غیر ممکن ہے پس ایسے حقداران کے متعلق جومسائل ہیں وہ محض بیکار ہوئے جاتے ہیں حالانکہ شریعت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو مورد اعتراض کسی قسم کا ہوسکے لہٰذا دریافت طلب امور مصرحہ ذیل ہیں:

اوّلًا: عصبات کی جواقسام قرار دی گئی ہیں خصوصًا قسم چہارم جوالفاظ "ادعاَلیھا" (یااس سے اوپر۔ت) مشروع ہیں ان کا ماخذ کیا ہے یعنی کس آیۃ قرآن شریف یا کس حدیث شریف سے ماخوذ ہے یااور کس ماخذ سے۔

ثانیًا: عصبات نسبی کا غیر موجود ہونا حسب شرح صدر ناممکن ہے کہ نہیں۔

ثالثًا: عصبات نسبی کا غیر اگر موجود ہونا ناممکن ہے تو مسائل متعلقہ عصبات سببی وغیرہ جوبصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مشروع ہیں کس صورت میں کارآمد ہوسکتے ہیں۔

رابعًا: شرع شریف میں کہیں ایسا حکم ہے کہ غیر حاضرین حصہ داران کو اطلاع نہ دی جائے یاجولوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں وہ اپنے حقوق واجبی سے محروم رہیں ان کی تلاش نہ کی جائے۔

خامسًا: ایسا ہوسکتا ہے کہ عرب سے کوئی شخص آئے اور آپ کو سید مثلاً اولاد علی وبنی فاطمہ ثابت کرکے ہند میں کسی اولاد علی بنی فاطمہ کا ترکہ اس کے ذوی الفروض سے تقسیم کرالے یا ہند کا کوئی سید عرب میں جاکر کسی سید متوفی کا ترکہ پائے قاضیان عرب بصورت ثابت کردینے نسب کے اس کو دلادیں گے۔

سادسًا: عہد صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین یاتابعین یاتبع تابعین میں کبھی ایسے

عصبات بعیدہ کو بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دلایا گیا ہے کہ نہیں، اگر دلایا گیا تو کس کتاب سے ثابت ہے۔

سابعًا اس استفتاکے مفتیان صاحبان کے علم میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ مثلاً پر داداکے بھائی کی اولاد یا سر داداکے عم کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو بحالت موجودگی ذوی الفروض نسبی کے حصہ ملاہے کہ نہیں، اگر ملاہے تو کب کس خاندان میں۔

ثامنًا اگر کسی قصبہ یا شہر میں رواج یہ ہے کہ بصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے منجملہ قسم چہارم جد کی اولاد تک بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دیا جاتا ہے اَب الجد یا جد الجد یا اس سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ ذوی الفروض پر رَد ہو جاتا ہے تو یہ رواج قابل عملدرآمد ولائق لحاظ ہے کہ نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے)

الجواب:

جواب سوال اوّل

ماخذ اس کا کلام اللہ عزوجل وسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾ "[1]	اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

حدیث اول: عبد بن حمید وابن جریر اپنی تفسیر میں قتادہ سے راوی:

ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی خطبتہ الا ان الاٰیۃ التی ختم بھا سورۃ الانفا انزلھا فی اولی الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ	سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: خبر دار وہ آیت جس پر سورۂ انفال ختم کی گئی اللہ تبارت وتعالٰی نے اس کو رشتہ والوں کے بارے میں نازل فرمایا کہ "ان میں سے بعض بعض سے اولٰی ہیں

[1] القرآن الکریم ۸/۷۵

ماجرت بہ الرحم من العصبة[1]،ھذا مختصر۔	اللہ تعالٰی کی کتاب میں "یعنی ہر وہ عصبہ جس میں نسبی رشتہ جاری ہو۔یہ مختصر ہے۔(ت)

حدیث دوم[۲]:احمد وبخاری ومسلم وترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر[2]۔	فرائض ذوی الفروض کو دو،اور جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے۔(ت)

حدیث سوم[۳]:صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی،حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مؤمن الا وانا اولی بہ فی الدنیا والاٰخرۃ اقرؤا ان شئتم النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم فایما مؤمن مات وترک مالا فلیرثہ عصبتہ من کانوا ومن ترک دینًا اوضیاعًا فلیؤتنی فانا مولاہ والحدیث عند الشیخین[3] واحمد والنسائی وابن ماجۃ وغیرھم عنہ نحوہ۔	کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ میں دنیاوآخرت میں اس کا ولی ہوں،اگر تم چاہو تو آیت پڑھ لو"یہ نبی(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔پس جو کوئی مومن مرگیا اور اس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے قریبی وارثوں اور عصبہ کے لئے ہے جو بھی وہ ہوں،اور جس نے قرض یا کمزور اولاد چھوڑی ہو تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا مولٰی ہوں۔اور یہ حدیث شیخین،امام احمد،اور نسائی وغیرہ کے نزدیک ثابت ہے(ت)

---

[1] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت آیۃ یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ المطبعۃ المیمنہ مصر ۶/ ۲۴،الدرالمنثور بحوالہ عبدبن حمید وغیرہ ////// مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۲۵۱

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷،صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/ ۳۴ وجامع الترمذی ۲/ ۳۱ ومسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب الصلوٰۃ علی من ترک دینًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳،/// کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب // // ۲/ ۷۰۵

حدیث چہارم[۴]: احمد وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وبیہقی بسند صحیح بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما احرز الولد اوالوالد فھو لعصبتہ من کان[1]۔	جو ولاء اولاد یا والد حاصل کرے وہ اس کے عصبہ کے لئے ہے چاہے وہ کوئی ہو۔(ت)

حدیث پنجم[۵]: عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی سے راوی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل نسب توصل علیہ فی الاسلام فھو وارث موروث[2]۔	ہر نسب جو اسلام میں ملتا ہو وہ وارث و موروث ہے۔(ت)

حدیث ششم[۶]: سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرۃ عن اصحابہ قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اصحابہ اذا لم یجدوا ذاسھم اعطوا القرابۃ وماقرب اوبعد اذاکان رحما فلہ المال اذا لم یوجد غیرہ[3]، ھذا مختصر۔	حضرت جریر نے حضرت مغیرہ یعنی ان کے اصحاب سے روایت کی، مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب جب کوئی ذی سہم نہ پاتے تو وہ ترکہ رشتہ داروں کو دے دیتے وہ قریب والا ہو یا بعید والا جبکہ رشتہ دار ہو تو سب مال اسی کا ہے جب اس کا غیر موجود نہ ہو۔ یہ مختصر ہے۔(ت)

آیۃ کریمہ نے رشتہ داروں کو مطلق رکھا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمادی کہ آیت میں ہر عصبہ نسبی داخل۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث سوم وچہارم میں صاف تعمیم فرمائی کہ عصبہ وارث ہے کوئی ہو، حدیث پنجم میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۸، سنن ابن ماجہ // باب میراث الولاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۰

[2] المصنف لعبدالرزاق // // باب الحمیل حدیث ۱۹۱۸۰ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۳۰۱

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی // // باب من قال بتوریث ذوی الارحام دار صادر بیروت ۶/ ۲۱۷

اسلام میں نسب جہاں جاکر ملے موجب وراثت ہے، حدیث ششم میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کاارشاد کہ رشتہ دار پاس کا ہو یا دور کا، جب اور نہ ہو تو سب مال اسی کا ہے۔ان ارشادات نے تو تمام قریب وبعید کے عصبات نسبی کو دائرہ توریث میں داخل فرمایا اور حدیث دوم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اقدس نے کہ جو اہل فرائض سے بچے وہ قریب تر مرد کے لئے ہے ترتیب الاقرب فالاقرب کاحکم بتایا لاجرم بلحاظ قرب اتصال یہ اقسام اربعہ منتظم ہوئیں۔

جواب سوال دوم

ہرگز ناممکن نہیں بلکہ بارہا واقع ہوا اور خود زمانہ رسالت میں ہوا، اور اب واقع ہے اور عادۃً واقع ہوتا رہے گا۔

اوّلًا: فرض کیجئے مجوس وہنوز ونصارٰی یہود وغیرہم کفار کی اقوام سے ایک شخص مسلمان ہوا اور اس کے باقی رشتہ دار اپنے کفر پر ہیں ان میں ان کا عصبہ نسبی کون ہے کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایرث المسلم الکافر ولاالکافر المسلم، رواہ الشیخان عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما [2]۔	مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا۔اس کو شیخین نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب لایرث المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۱، صحیح مسلم ؍؍ باب قدر الطریق الخ ؍؍ ۲/ ۳۳

ثانیًا: ایک کافرہ حاملہ مسلمان ہوئی اور ایام اسلام میں بچہ پیدا ہوا اس کے چھوٹے بچے جو زمانہ کفر ہی میں پیدا ہوئے تھے بحکم **الولد یتبع خیر الابوین دینا**[1] (بچہ والدین میں سے بہتر دین رکھنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ت) مسلمان قرار پائے ان بچوں کا کوئی قریب نسبی ان کا عصبہ نہیں۔

ثالثًا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **للعاھر الحجر**[2]۔ زانی کے لئے پتھر (ت)

تو ولد الزنا کا نہ کوئی باپ نہ کوئی عصبہ نسبی، لہٰذا ایک عورت کے دو بچے کہ زنا سے ہوں اگرچہ ایک مرد سے ہوں باہم ولد الام کی میراث پاتے ہیں نہ بھی الاعیان کی کما فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے۔ت)

رابعًا: زن و شو نے لعان کیا بچہ بے عصبہ نسبی رہ گیا لانہ ایضا لااب لہ کما فی الدر ایضا (کیونکہ اس کا بھی کوئی باپ نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت)

خامسًا: دار الحرب سے کچھ کفار مقید ہو کر آئے امیر المومنین نے غانمین پر تقسیم فرمادیئے یہ سب کنیز و غلام مسلمان ہوگئے آپس میں نہایت قریب کے رشتہ دار ہیں اور سب مسلم مگر سب مملوک، اب ان میں ایک آزاد ہوا، باقی اس کے عصبہ نسبی نہیں کہ رق مانع ارث ہے۔

سادسًا: ایک بچہ سڑک پر پڑا ہوا ملا پرورش کیا گیا اس کا عصبہ نسبی کسے کہا جائے اسی طرح اور بعض صور بھی ممکن، ان میں بعض صورتیں علم عدم کی ہیں جیسے ولد زنا و لعان، بعض عدم علم کی جیسے لقیط، اور مقصود اس سے بھی حاصل کہ توریث بے علم نا ممکن، لاجرم رد وغیرہ مدارج تحتانیہ کی طرف رجوع ہوگی، ہمارے زمانے میں زوجین پر بھی رَد ہوتا ہے **کما نصوا علیہ** (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) اب **سوال سوم** خود مندفع ہوگیا اور حاجت جواب نہیں۔

تنبیہ: ان امور کے سوا ایک صورت نادرہ اور ہے کہ وہ بھی ایک بار واقع ہوئی اور ممکن تو بے شمار بار ہے یعنی بچے کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

اب تک کوئی عصبہ نسبی نہیں یہاں تک کہ بعد نزول ان کے اولاد ذکور پیدا ہوں۔ اب رہا زمانہ رسالت میں وقوع، اس کے لئے حدیثیں سنئے:

حدیث ہفتم ۷: سنن ابی داؤد وجامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان مولی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات وترك شیأ ولم یدع ولدا ولا حمیما فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعطوا میراثه رجلا من اھل قریته[1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک آزاد شدہ غلام فوت ہوا اس نے کچھ مال چھوڑا اور اولاد نہیں چھوڑی، نہ کوئی اور قرابت دار چھوڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی میراث اس کے قریہ والے کسی مرد کو دے دو۔ (ت)

حدیث ہشتم ۸: مسند الفردوس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان وردان مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقع من عذق نخلة فمات فاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمیراثه فقال انظروا له ذا قرابة قالوا ماله ذوقرابة قال فانظروا ھمشھریًا له فاعطوه میراثه یعنی بلدیًا له[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وردان نامی ایک آزاد شدہ گلام کھجور کے ایک درخت سے گر گیا اور فوت ہوگیا اس کی میراث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ے پاس لائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی قرابتدار دیکھو، صحابہ نے عرض کی اس کا کوئی قرابتدار نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس کا کوئی ہم وطن یعنی اس کے شہر کا کوئی شخص دیکھو تو اس کی میراث اسے دے دو۔ (ت)

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک غلام آزاد شدہ نے انتقال فرمایا ان کے نہ اولاد تھی نہ کوئی قرابتدار، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۶

[2] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عباس حدیث ۳۰۶۶۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۷

نے ان کاترکہ ان کے ایک ہم وطن کو عطافرمادیا۔ علماء فرماتے ہیں یہ عطافرمانا بطور تصدق تھا نہ کہ بطور توریث، اور خود حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذریعہ ولائے عتاقہ وارث نہ ہوئے کہ انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ کوئی ان کا وارث مال ہو علیہم الصلٰوۃ والسلام۔

جواب سوال چہارم

شرع مطہر میں کہیں ایسا حکم نہیں، نہ ترک دعوٰی، اگرچہ باوصف علم وفات مورث وعلم مسائل شرعیہ بالقصد بلکہ بالتصریح ہو موجب حرمان۔ اشباہ میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ[1]۔	اگروارث نے کہا میں نے اپناحق چھوڑدیا ہے تو اس کاحق باطل نہیں ہوگا۔ (ت)

غمزالعیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانہ لازم لایترك بالترک[2]۔	اگرکوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کرمرگیاان میں سے ایک نے کہا میں نے میراث سے اپناحصہ چھوڑدیاتواس کاحصہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس کاحصہ لازم ہے جو چھوڑنے سے متروک نہیں ہوتا (ت)

بلکہ شرع مطہر میں حکم ہے کہ اگرکچھ لوگ قاضی کے پاس حاضرآئیں اور کسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت ظاہر کریں کہ ان کے فلاں مورث سے ترکہ میں انہیں پہنچی اوراس کی تقسیم چاہیں تو قاضی صرف ان کے بیان پراس کی تقسیم نہ کرے جب تک بینہ سے ثابت نہ کریں کہ مورث مرگیااوراتنے وارث چھوڑے۔

فی الدرالمختار عقار یدعون انہ میراث عن زید لایقسم حتی یبرھنوا علی موتہ	درمختار میں ہے کہ کچھ لوگ کسی غیر منقولہ جائداد کے بارے میں یہ دعوٰی کریں کہ وہ زید کی میراث ہے تو قاضی اس کی تقسیم نہ کرے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰
[2] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ؍؍ ؍؍ ۲/ ۱۶۰

وعدد ورثتہ[1]۔	جب تک وہ زید کی موت اور اس کے وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم نہ کریں۔(ت)

اورمال منقول کو اگرچہ تقسیم کردے گامگر کاغذ قسمت میں لکھ دے گا کہ یہ صرف ان کے بیان پر تقسیم کیا گیا۔

فی الھندیۃ یذکر القاضی فی صك القسمۃ باقرارھم[2]۔	ہندیہ میں ہے کہ قاضی ان کا اقرار کاغذ قسمت میں ذکر کردے گا۔(ت)

اس سوال کا جواب تو یہ ہے مگر اس کو ما نحن فیہ یعنی توریث عصبہ بعیدہ قسم چہارم پر ورود نہیں کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ عنقریب تو جان لے گا اللہ تعالٰی نے چاہا۔ت)

جواب سوال پنجم

اولاً: مجرد کسی کے زبانی ادعا پر کہ میں فلاں کانسیب ہوں توریث نہیں ہوسکتی اس کے لئے ثبوت شرعی چاہئے۔

ثانیاً: استحقاق ارث عصوبت صرف نسیب ہونے پر مبنی نہیں بلکہ شرع میں اس کے لئے ترتیب ہے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس ترتیب کی رو سے یہی مستحق یا یہ بھی مستحق ہے ترکہ نہیں دیا جاسکتا یہاں عدم علم عدم حکم میں مثل علم عدم کے ہے وللہذا چند شخص ایک معرکہ میں مقتول یا ایک واقعہ میں غریق یا حریق ہوں اور ان کی موت کا تقدم تاخر نہ معلوم ہو تو نہ باپ بیٹے کا ترکہ پائے گا نہ بیٹا باپ کا، ہر ایک کے ورثہ احیاء وارث ہوں گے وبس۔ جب کسی سید کا انتقال ہو تو جہاں تک اس کا سلسلہ نسب معلوم ہے اس کے آباء وآباء آباء الاقرب فالاقرب کی اولاد ذکور الاقرب فالاقرب تلاش کریں گے جو اقرب ثابت ہوگا اسے عصبہ ٹھہرائیں گے اگرچہ بیس پشت پر اس سے ملتا ہو اور سلسلہ معلومہ کی اولاد ذکور سے کوئی معلوم نہیں تو تمام یہاں کے سادات کرام کو عصبہ ٹھہرانا محال کہ ان میں یقیناً بعض بعض سے اقرب ہیں اور ایک معین کو جزافاً عصبہ اقرب کہہ دینا محال کہ ترجیح بلامرجح ہے و حکم بلادلیل ہے اور جب کسی کی عصوبت ثابت نہیں کسی کا استحقاق ثابت نہیں تو ان میں کوئی شخص کیونکر ترکہ بٹاسکتا ہے یا قاضی اسے دلاسکتا ہے۔ علامہ

---

[1] الدرالمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] الفتاوی الھندیۃ ؍؍ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۱۰

سید شریف قدس سرہ الشریف شریفیہ میں فرماتے ہیں:

لنا ان سبب استحقاق کل منهما میراث صاحبه غیر معلوم یقینا ولما لم یتیقن بالسبب لم یثبت الاستحقاق اذلایتصور ثبوته بالشک۔[1]	ہمارے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک کے استحقاق کا سبب اس کے ساتھ کی میراث ہے جو کہ یقینی طورپر معلوم نہیں۔ جب سبب یقینی نہ ہوا تو استحقاق ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ثبوت شک کے ساتھ متصور نہیں۔(ت)

جواب سوال ششم

اس مبحث میں بمقابلہ ذوی الفروض کی قید زائد وضائع ہے کلام ایسی عصوبت بعیدہ کے ترکہ پانے میں ہے وہ زمانہ صحابہ کرام بلکہ زمانہ اقدس سید انام علیہ افضل الصلوۃ والسلام میں واقع ہوا۔

حدیث نہم ۹: عبدالرزاق اپنی مصنف میں اور ابن جریر و بیہقی ضحاک بن قیس سے راوی:

انه کان طاعون بالشام فکانت القبیلة تموت باسرها حتی ترثها القبیلة الاخری[2] الحدیث۔	یعنی زمانہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں طاعون واقع ہوا کہ سارا قبیلہ مرجاتا یہاں تک کہ دوسرا قبیلہ اس کا وارث ہوتا۔

حدیث دہم ۱۰: ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام ابوداؤد سنن میں حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازدیا ادفعه	یعنی ایک صاحب نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی میرے پاس ایک ازدی یعنی قبیلہ بنی ازد سے ایک شخص کا ترکہ ہے اور

---

[1] الشریفیہ شرح السراجیۃ فصل فی الغرقی والھدمٰی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض باب ذوالسھام حدیث ۱۹۱۳۶ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۸

اليه قال فاذهب فالتمس ازديا حولا قال فاتاه بعد الحول فقال يارسول الله لم اجد ازديا ادفعه اليه قال فانطلق فانظر اول خزاعی تلقاه فادفعه اليه فلما ولی قال علی الرجل فلما جائه قال انظر كبرخزاعة فادفعه اليه[1] ولفظ ابن ابی شيبة قال فاذهب فادفعه الی اكبر خزاعة[2]۔	مجھے کوئی ازدی نہیں ملتا جسے دوں، فرمایا سال بھر تک کوئی ازدی تلاش کرو، ایک سال کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے کوئی ازدی نہیں پایا۔ فرمایا تو بنی خزاعہ میں جو شخص سب سے زیادہ جد اعلیٰ سے قریب ہو اسے دے دے۔ جب وہ لوٹا توفرمایا اسے میرے پاس بلالاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا توفرمایا جو خزاعہ میں سب سے عمر رسیدہ ہو اسے دے دینا۔ ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں آپ نے فرمایا جا اور خزاعہ کے سب سے عمر رسیدہ شخص کو دے دے۔

بنی ازد بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے، جب میت کے قبیلہ اقرب کا کوئی نہ ملا تو ترکہ نے قبیلہ اعلیٰ کی طرف رجوع کی، اب کون بتا سکتا ہے کہ یہ میت اس اکبر خزاعی سے کہ اس کا عصبہ ٹھہرا کس قدر پشتہا پشت کے فصل پر جاکر ملتا ہوگا۔ اس حدیث سے وہ تلاش کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا جس کا سوال چہارم میں استفسار تھا۔

جواب سوال ہفتم

ان حدیثوں کے بعد اگرچہ نہ اس سوال کا محل نہ اس کے جواب کی حاجت، مگر استفسار پر کہا جاتا ہے کہ ہاں بارہا فقیر کے یہاں سے ایسی عصوبات بعیدہ کو ترکہ دلایا گیا ہے کئی کئی روز سائلوں نے کہا اس کا کوئی عصبہ نہ رہا کوئی نہیں اور ان پر بار بار تحقیق و تفتیش کی تاکید کی گئی اور بالآخر پتا لگا کر لائے کہ پردادا یا پردادا کے باپ کی اولاد کا فلاں مرد فلاں جگہ باقی ہے۔ فقیر نے پندرہ سولہ سال سے تقسیم ترکہ کے مسائل اپنے اصحاب واحباب کے متعلق

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ؍؍؍ حدیث ۱۶۳۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۱/ ۴۱۴

کردیئے ہیں اور نادرًا جو خود لکھنا ہوتا ہے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں ان کی نقل نہیں رکھتا مگر جب کسی فائدہ نفیسہ پر مشتمل ہو للذا ان سب وقائع کا پتا نہیں دے سکتا ہاں ابھی اسی شعبان میں اسی شہر کا ایک مسئلہ لکھا گیا جس میں قاضی زادوں کے خاندان سے ایک عورت کے پردادا کا پر پوتا اس کا وارث ہوا۔ ثواب الخیر بنت رعایت علی بن قاضی رحمت علی بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کا ترکہ فرزند علی بن محمد علی بن قاضی ب درالاسلام بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کو ملا۔ فرائض نویسان زمانہ دریافت نہیں کرتے سائلوں جاہلوں کے بتانے پر قناعت کرتے ہیں وہ کیا جانیں کس کس کو ترکہ پہنچتا ہے، لاجرم بلاوجہ حق تلفیاں ہوتی ہیں اگر تفتیش کامل کی عادت ہوتی تو آج ایسی توریثیں اچنبھانہ معلوم ہوتیں۔ سچ ہے جو وارد ہوا حدیث میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی:

تعلموا الفرائض وعلموہ الناس فانه نصف العلم وانه ینسی وھو اول ماینزع من امتی [1]۔ رواہ ابن ماجۃ و الحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے اور وہ بھولا جاتا ہے اور پہلا علم جو میری امت سے نکل جائے گا (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

عـــہ: بعدہ، ۹/صفر ۱۳۱۹ھ کو اسی بریلی کے مسلمان حلوائیوں کا ایک مناسخہ آیا جس میں احمد بخش نامی ایک شخص کا ترکہ کہ اس کی زوجہ وہمشیرہ سے بچا بلاقی وانعام اللہ نے پایا کہ احمد بخش کے پردادا کے چچا پوتے کے پوتے ہیں ان کا سلسلہ نسب یوں ہے، یہاں ذی فرض نسبی بھی موجود ہے پھر احمد بخش کی پھوپھی سراجن مری وہی دو عصبے اس کے بھی وارث ہوئے وہ اس کے دادا کے چچا کے پر پوتے کے بیٹے ہیں، یہ بحمد اللہ اس تحقیق کا نتیجہ ہے جو بیان کی جاتی ہے۔

زید

صلابت نور محمد

کمو لال محمد غلام غوث

سعد اللہ عطاء اللہ فیض اللہ

محمد بخش

انعام اللہ بلاقی احمد بخش

---

[1] سنن ابن ماجه ابواب الفرائض باب الحث علی تعلیم الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹، المستدرك للحاکم کتاب الفرائض دار الفکر بیروت ۴/ ۳۳۲

جواب سوال ہشتم

یہ رواج باطل ومردودونامعتبر ہے کہ صراحۃً مخالف شرع مطہر ہے کوئی رواج نص کے خلاف معتبر نہیں ہوسکتا ورنہ رباوزنا وشراب ورباب کارواج اس سے بدرجہازائد ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توفرمائیں:

فلاولی رجل ذکر [1]۔	کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے(ت)

جوفرائض مقدرہ دلاکرباقی بچے وہ اس مرد کاہے جوبہ نسبت دیگراقارب کے میت سے قریب ترہے،ایسے مرد کے ہوتے ہوئے جورَد کیاجائے گاصراحۃً حق تلفی وظلم ابعد اورایسار دخودواجب الرد ہوگا،یہ رواج نہ صرف حدیث بلکہ اجماع امت کے خلاف ہے۔مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال النووی رحمہ اللہ تعالٰی قد اجمعوا علی ان مابقی بعد الفرائض فھو للعصبات یقدم الاقرب فالاقرب [2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ مشائخ کا اس پراجماع ہے جواصحاب الفرائض کے بعد باقی بچے وہ عصبوں کے لئے ہے،جوسب سے زیادہ قریبی ہے اس کومقدم کیا جائے گاپھراس کے بعد والا۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم(ت)

مسئلہ ۷۳: ازدیگر شریف ضلع ہردوئی مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب ۱۸محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر اور ایک دختر ہے،بعد فوت زوجہ اولٰی خالد نے عقد ثانی کیااس سے بھی اولاد ہے اب خالد ن اولاد زوجہ اولٰی کومکان سے نکال دیااور جملہ حقوق سے محروم کیااور ذمہ خالد کے مہر زوجہ اولٰی کاواجب الاداہے۔پس اس صورت میں اولاد زوجہ اولٰی مستحق پانے مہروغیرہ

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۷،
صحیح مسلم ////////////// ۲/۳۴

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب البیوع باب الفرائض حدیث ۳۰۴۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۲۳۰

مادر متوفیہ اپنی کے خالد سے ازروئے شرع شریف ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مہر جبکہ کُل یا بعض ذمہ شوہر واجب الادا ہو اور عورت بے ابراو معافی معتبر شرعی مرجائے تو وہ مثل دیگر دیون واموال متروکہ زن ہوتا ہے اگر شوہر بعد کو زندہ رہے تو وہ خود بھی اس سے اپنا حصہ شرعی حسب شرائط مقررہ علم فرائض پاتا ہے جبکہ عورت کا ترکہ قابل تقسیم ورثہ ہو یعنی عورت پر کوئی دین ایسا نہ ہو جو اس کے تمام متروکہ نقد ودَین وجائداد کو محیط و مستغرق ہو ورنہ شوہر خواہ کوئی وارث بذریعہ وراثت مہر خواہ دیگر متروکہ سے کچھ پانے کے مستحق نہ ہوں گے سب ادائے دین مورثہ میں صرف کیا جائے گا **لقولہ تعالٰی** "مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں اور قرض کے بعد"۔ت) پس صورت مستفسرہ میں زوجہ اولٰی پر اگر ایسا دَین تھا تو کل مہر جس قدر ذمہ خالد واجب الاداء ہے اس سے وصول کرکے زن متوفاۃ کے قرضخواہوں کو دیں اور اگر ایسا نہیں تو جس قدر دَین غیر محیط عورت پر ہو اس کے کل متروکہ مہر وغیرہ سے ادا کرکے باقی ثلث میں اس کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کا ایک ربع خالد پر سے ساقط کریں کہ یہ خود اس کا حصہ ہوا اور تین ربع دیگر وارثان زن کو دیں خواہ یہی پسر ودختر ہوں یا ان کے ساتھ اور بھی مثل مادر وپدر زن یا اس کے جد صحیح وجدہ صحیحہ علٰی قضیۃ الفرائض اللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۴: از بہیڑی متصل مسجد لب سڑک مرسلہ مولوی مقیم الدین صاحب مصنف اسلام کھنڈ ۱۳ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بی بی فوت ہوئی اور اس کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو اس سے تھے وہ بھی فوت ہوگئے۔ اب متوفیہ کے باپ کی جائداد متروکہ میں سے جو اس کے بھائی اور ماں کے قبضہ میں ہے متوفیہ کے شوہر کو ازروئے شرع شریف حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مل سکتا ہے تو کس حساب سے؟ اور متوفیہ کے ماں اور بھائی اس کے شوہر سے اگر اس نے معاف نہ کیا ہو زرمہر پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ہندہ یعنی زن متوفاۃ کا بھائی اس کے مہر وغیرہ متروکہ سے کسی شیئ کا مستحق نہیں اور لیلٰی یعنی

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۲

مادر ہندہ ضرور اپنا حصہ مہر شوہر ہندہ سے پانے کی مستحق ہے یونہی زید یعنی شوہر ہندہ اپنا حصہ ہندہ کے اس ترکہ سے جو اس نے متروکہ پدری سے پایا مادر وبرادر ہندہ سے لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ لیلٰی کا مہر اور زید کا اس ترکہ میں کتنا حق ہے؟ اس کی تعیین تفصیل ورثہ ہندہ پر موقوف تھی، سائل نے کچھ نہ بتایا کہ عمرو وسلمٰی یعنی پسر ودختر ہندہ کی شادیاں ہوئی تھیں یا نہیں، ان کے بعد عمرو کی زوجہ یا سلمٰی کا شوہر یا کسی کی کچھ اولاد رہی یا نہیں، اگر رہی تو از قسم اناث تھی یا کیا، بر تقدیر اول ایک دختر تھی یا متعدد، پھر ان وارثان عمرو وسلمی میں اگر تھے کسی ایسے کا انتقال ہوا یا نہیں جس کی موت سے لیلٰی کا حصہ بڑھے، ہوا تو کتنوں کا، کس ترتیب سے، کیا کیا وارث چھوڑے، ان صور کے اختلاف سے زید ولیلٰی کے استحقاق میں یہ اختلاف پڑے گا کہ ان میں ہر ایک ترکہ عمرو وسلمٰی سے کبھی سدس پائے گا کبھی کم کبھی زائد، اور بعض صورتوں میں زید کے لئے پانچ سدس ہوں گے لہذا تعیین نہیں کی جاسکتی کہ زید ولیلٰی ترکہ ومہر ہندہ سے کس کس قدر کے مستحق ہوئے۔ اجمالاً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہندہ کو جو کچھ ترکہ پدری سے ملا زیور ومہر وغیرہا اور جو کچھ اس کا ذاتی تھا بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دَین ووصیت چھتیس سہام ہوکر نو سہم زید اور چھ لیلٰی اور چودہ عمرو اور سات سلمی کو ملیں گے، اور جو کچھ عمرو وسلمٰی کو ملا وہ ان کے ورثہ پر تقسیم ہوگا جن میں زید ولیلٰی بھی ضرور مستحق یا صرف یہی دونوں مستحق ہوں گے، بہر حال وہ چہارم کہ زید نے ترکہ ہندہ سے پائے اور جو جو حصہ اسے ترکہ عمرو وسلمی سے ملا اس کے مجموع کا مطالبہ وہ اس ترکہ ہندہ سے کرسکتا ہے جو قبضہ مادر وبرادر ہندہ میں ہے اور وہ چھٹا حصہ کہ لیلٰی نے مہر ہندہ سے پایا اور جو جو کچھ اسے حصہ عمرو وسلمٰی سے پہنچا منجملہ مہر اس مجموع کا مطالبہ لیلٰی زید سے کرسکتی ہے اگر صورت یہ ہو کہ عمرو وسلمٰی نے سوا زید ولیلٰی کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو کل متروکہ ہندہ مہر وغیرہ سب بہتر سہام ہوکر انیس سہم لیلٰی اور ترپن ۵۳ زید کو ملیں گے اس صورت میں زید مادر وبرادر ہندہ سے منجملہ حصہ ہندہ از ترکہ پدری ۵۳/۷۲ لینے کا مستحق ہے اور لیلٰی منجملہ مہر زید سے ۱۹/۷۲، کما لایخفی علی من یعرف التخریج (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جو تخریج کی پہچان رکھتا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵: ۲۵/رجب ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین پسر دو دختر ایک زوجہ تھی زوجہ نے انتقال کیا عمرو پسر کلاں نے کہ ماں اسی کے ساتھ رہتی تھی بے اذن زید بطور خود اپنی والدہ کی تجہیز وتکفین

کی جب زید کاوقت انتقال قریب آیا اس نے تیس روپیہ قرض لے کر اپنے منجھلے پسر بکر کو کہ زید اس کے ساتھ رہتا تھا دیئے کہ کفن ودفن میں اٹھانا اب تقسیم جائداد زید پر منازعت ہے۔ عمرو کہتا ہے والد نے تیس روپے اپنی تجہیز کے لئے بکر کو دیئے تھے میں نے والدہ کی تجہیز وتکفین کی اس کے تیس روپیہ میں ترکہ والدہ سے لوں گا، خالد پسر خورد کہتا ہے والد نے اور بھائیوں کی شادی خود کی میری شادی نہ ہوئی اس کا صرف علاوہ حصہ شرعیہ کے ترکہ والد سے مجھ کو ملے، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے اور پسر کلاں وخورد کے یہ دونوں دعوے قابل سماعت ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اور اجر پایئے۔ت)

الجواب:

دونوں دعوی باطل وناقابل سماعت ہیں عورت کی تجہیز وتکفین اگرچہ مذہب مفتی بہ میں مطلقًا ذمہ شوہر لازم ہے تو بکر نے اپنے باپ کا واجب ادا کیا مگر جب کہ یہ فعل اس کا بطور خود بے اذن پدر تھا تو وہ اس کی طرف سے تبرع یعنی احسان اور ایک نیک سلوک ٹھہرے گا جس کا معاوضہ پانے کا وہ ماں یا باپ کسی کے ترکہ سے استحقاق نہیں رکھتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

اختلف فی الزوج والفتوٰی علٰی وجوب کفنها علیه وان ترکت مالا [1]۔	زوج کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور فتوی اس پر ہے کہ بیوی کا کفن خاوند پر واجب ہے اگرچہ بیوی نے مال چھوڑا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو کفنه الحاضر من ماله لیرجع علی الغائب منهم بحصته فلا رجوع له ان انفق بلا اذن القاضی حاوی الزاهدی واستنبط منه الخیر الرملی انه لو کفن الزوجة غیر زوجها بلا اذنه	اگرچہ حاضر نے میت کو اپنے مال سے اس نیت سے کفن پہنایا کہ غائب وارثوں پر اس کے حصہ کا رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں ہوگا اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر کفن پر خرچ کیا ہو۔ یہ حاوی الزاہدی میں ہے۔ اسی سے علامہ خیر الدین رملی نے استنباط کیا کہ اگر بیوی کو خاوند کے غیر نے خاوند اور قاضی کی اجازت کے

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۱/۲

ولااذن القاضی فھو متبرع[1]۔	بغیر کفن پہنایا تو وہ اس میں احسان کرنے والا قرار پائے گا۔(ت)

اسی طرح شادی کا صرف مانگنا محض بے معنی ہے جس کی شرع مطہر میں کچھ اصل نہیں، مصارف شادی زید پر دَین نہ تھے کہ اس کے ترکہ سے لئے جائیں **کما لایخفٰی علی احد ممن لہ مساس بالعلم** (جیسا کہ علم سے مس رکھنے والے کسی شخص پر پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۶: ۱۹/ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمدی بیگم فوت ہوئی، ایک بہن کی دو دختر زینب وسکینہ، اور دوسری بہن کے دو پسر ایک دختر خالد، ولید، ہندہ اور بھائی کی ایک دختر ہاجرہ وارث چھوڑے۔ یہ سب بہن بھائی حقیقی تھے تو ترکہ محمدی بیگم کا ان پر کس طور سے تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دَین ووصیت ترکہ محمدی بیگم کا انچاس سہام پر منقسم ہو کر چودہ سہم ہاجرہ اور پانچ پانچ زینب وسکینہ وہندہ اور دس دس خالد و ولید کو ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

صورۃ القسمۃ ھکذا (تقسیم کی صورت اس طرح ہے۔ت)

مسئلہ ۷×۷ ۴۹ — محمدی بیگم

اخ	اخت		اخت		
	ھی کاختین تعدد فروعھا		ھی کثلث لذلك		
بنت	بنت	بنت	ابن	ابن	بنت
ہاجرہ	زینب	سکینہ	خالد	ولید	ہندہ
۲/۱۴	۵	۵	۱۰	۱۰	۵

---
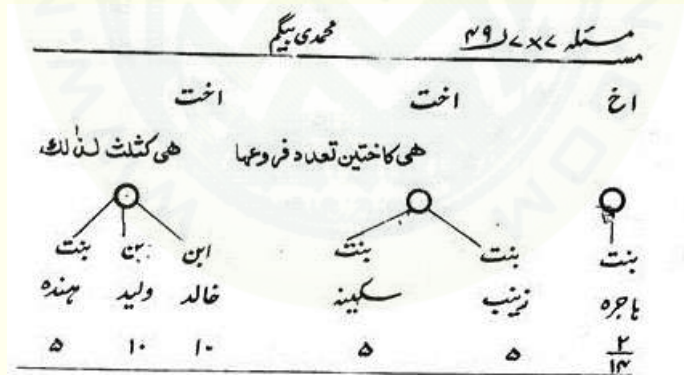
[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۸۰و۵۸۱

مسئلہ ۷۷: از ملک بنگالہ ضلع بردوان ڈاکخانہ گدا موضع کدمیہ مرسلہ محمد مسلم صاحب ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت فوت ہوئی اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا سوائے زوج البنت واخت الزوج وابن عم الزوج کے، آیا انہیں کو ملے گا بطور وراثت یا بطور استحقاق بیت المال؟ اس زمانہ میں بیت المال نہیں ایسا مال مہتمم مدرسہ کو دیا جائے کہ وہ حوائج مدرسہ میں خرچ کرے، جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ میت کا کوئی وارث شرعی موصی لہ بجمیع المال تک نہ ہو تو جو کچھ اس کی تجہیز و تکفین وادائے دیون سے بچے فقرائے بیکس و بے قدرت عاجزین مسلمین کو دیا جائے۔ ان تین شخصوں میں اگر کوئی اس طرح کا ہو تو اسے دیں، اور اگر داماد فقیر عاجز ہو تو وہ مستحق تر ہے اسے دینا انسب ہے کہ وہ سب سے زیادہ عورت کا قریب ہے، داماد محرم ومانند پسر ہوتا ہے، اس مال کا مہتمم مدرسہ کو ایسے خرچ مدرسہ کے لئے دینا جو مصرف مذکور سے جدا ہو عامہ کتب کے خلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

بیوت المال اربعۃ (الٰی قولہ) ورابعھا الضوائع "مثل مالا *یکون لہ اناوارثونا* ثم قال ورابعھا فمصرفہ جہات* تساوی النفع فیھا المسلمونا[1] * قال فی رد المحتار لکنہ مخالف لما فی الھدایۃ والزیلعی فان الذی فی الھدایۃ وعامۃ الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین ھو الثالث اما الرابع فمصرفہ اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لھم کما فی الزیلعی وغیرہ عامۃ	بیت المال کی اقسام چار ہیں (ماتن کے اس قول تک کہ) ان میں چوتھی قسم گری پڑی اشیاء ہی جیسے وہ مال جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو۔ پھر کہا اس کا مصرف وہ جہتیں ہیں جن کے نفع میں تمام مسلمان برابر ہوں، ردالمحتار میں کہا لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو کچھ ہدایہ اور زیلعی میں ہے، کیونکہ ہدایہ وعام کتابوں میں ہے کہ جو کچھ مسلمانوں کی مصلحتوں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ تیسری قسم ہے۔ چوتھی قسم کا مصرف تو وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کا کوئی ولی نہیں ہوتا جیسا کہ زیلعی وغیرہ عام کتابوں میں

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

الکتب[1] اھ مختصرا وتمام تحقیقه البازغ فیما علقنا علیه۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	ہے اھ اختصار، اور اس کی مکمل روشن تحقیق ردالمحتار پر ہماری تعلیق میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے انتقال کیا اور اپنی ملکیت سے دو مکان زنانے اور ایک مردانہ اور ایک کھپریل بقیمت مبلغ ۳۰ اور ایک درخت نیب بقیمت مبلغ آٹھ روپے کا چھوڑا۔ زید اور عمرو مکانات مذکور پر بتقسیم مساوی کہ ایک مکان خاص زید کا اور ایک خاص عمرو کا، اور نشست گاہ اور کھپریل اور درخت نیب پر مشترک قابض ہوئے، زید نے خاص اپنا کہ جس میں صرف دو کوٹھے تھے فروخت کردیا بعد چند روز کے فوت ہوگیا، اولاد زید کی عرصہ تیس برس تک مکانات مشترکہ اور درخت نیب و کھپریل پر قابض رہے اور سکونت بھی مکان خاص عمرو میں اپنے چچا کے پاس رہے، قضاءً عمرو اور اولاد زید میں نااتفاقی ہوئی، اولاد زید نے جدا ہو کر دوسری جگہ سکونت اختیار کی، بعد چند روز کے عمرو بھی فوت ہوگیا تب اولاد عمرو نے وہ سب مکانات اور درخت نیب تین حصہ مساوی پر آپس میں تقسیم کرلیا، اولاد زید کو کچھ آیا بوجہ جدا ہوجانے اور قبضہ چھوڑ دینے کے اولاد زید کا حق نہ رہا۔

الجواب:

نہ جدا ہوجانے سے حق ساقط ہوسکتا ہے نہ قبضہ چھوڑ دینے سے، نشست گاہ اور کھپریل اور درخت میں نصف اولاد زید کا ہے۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۹: ۱۱/ذی الحجہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ہندہ فوت ہوئی اور زینب اخت عینی اور زید پسر ہمشیرہ اور عمرو پسر برادر حقیقی اور خالد برادر علاتی اور شوہر وارث چھوڑے، پس تقسیم ترکہ کس طرح ہوگی؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور

---
[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۸

مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا دو سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم شوہر اور ایک حقیقی خواہر کو ملے گا باقی کو کوئی کچھ نہ پائے گا، بھانجا تو ذوی الارحام سے ہے اور بھتیجا بھائی کے ہوتے محروم بھائی عصبہ تھا اہل فرائض یعنی شوہر وخواہر سے جو بچتا لیتا مگر ان سے کچھ باقی بچا ہی نہیں لہٰذا کچھ نہ پہنچا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: ازالہ آباد کچہری دیوانی مرسلہ شیخ رضی الدین صاحب وکیل ۱۴ محرم ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین فرقہ سنت وجماعت بیچ اس مسئلہ کے کہ شیخ معین الدین نے انتقال کی اور مسماۃ بینابی بی ایک زوجہ لاولد اور مسماۃ عائشہ بی بی ایک خالہ علاتی یعنی نانا کی دختر دوسری ماں سے جو متوفی کی حقیقی نانی نہ تھی اور مسماۃ مصری بی بی ایک خالہ عینی کے تین پسر اور ایک دختر اور مسماۃ برکت النساء بی بی دختر عم حقیقی متوفی کو چھوڑا اور بعد فوت شیخ معین الدین مذکور کے مسماۃ برکت النساء بی بی بھی تین پسر وتین دختر چھوڑ کر فوت ہو گئی پس ایسی صورت میں املاک متروکہ شیخ معین الدین متوفی ازروئے شرع شریف حنفی کے کس کس کو کس کس قدر پہنچے گا وملے گا؟ فتوٰی بحوالہ عبارت کتاب کے ارقام ومرحمت فرمایا جائے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں برتقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مہر ودیون ووصایا ترکہ شیخ معین الدین کا چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم زوجہ اور تین سہم عائشہ کو ملیں گے اور مصری کی اولاد یا برکت النساء کے لئے کچھ نہیں۔ شرعاً ذوی الارحام کے ہر صنف بلکہ عصبات کی بھی ہر نوع میں یہ حکم عام ہے کہ قرب درجہ مطلقاً موجب ترجیح ہے ایک صنف کے ذوی الارحام یا ایک نوع کے عصبات میں جسے میت تک انتساب میں وسائط کم ہوں گے وہ کثیر الوسائط پر ہمیشہ مقدم رہے گا اگرچہ دوسرا قوت قرابت یا ولدیت عصبہ رکھتا ہو مثلاً برادر علاتی ابن الاخ عینی سے مقدم ہے اور بنت خالہ ابن ابن العمہ پر مرجح ہے۔ وھکذا شریفیہ میں ہے:

اولٰھم بالمیراث اقربھم الی المیت من ای جھۃ کان ای سواء کان الاقرب من جھۃ الاب اومن غیر جھتہ فاولاد العمۃ اولٰی من اولاد	ان میں سے میراث کا زیادہ حقدار وہ ہوگا جو میت کے زیادہ قریب ہو چاہے کسی بھی جہت سے ہو یعنی برابر ہے کہ وہ زیادہ قریب باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے۔ چنانچہ پھوپھی کی اولاد، خالی کی اولاد کی اولاد سے

اولاد الخالۃ وبالعکس لوجود الاقربیۃ مع اختلاف الجھۃ[1] اھ مختصرًا۔	اولٰی ہوگی اور یوں ہی اس کے برعکس کیونکہ جہت مختلف ہونے کے باوجود اقربیت پائی گئی اھ مختصرًا(ت)

در مختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف[2]۔	ہر صنف میں زیادہ قرب رکھنے والے کو مقدم کیا جائے گا(ت)

اور شک نہیں کہ خالہ بنت العم سے اقرب ہے، خالہ کے معنی ہیں خواہر مادر میت اور بنت العم کے معنی دختر برادر پدر میت ولہذا بنت العم ابن الخالہ یا بنت الخالہ پر مقدم نہیں ہوتی دونوں ایک درجے میں لکھی جاتی ہیں۔ حل المشکلات علامہ انقروی میں ہے:

من مات وترك بنت عم لابوین و ابن خال لاب اولام فالمال بین الفریقین اثلاثا ثلثا المال للبنت لانھا من جانب الاب وثلثه للابن لانه من جانب الام[3]۔	جو شخص حقیقی چچا کی بیٹی اور علاتی یا اخیافی ماموں کا بیٹا چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کا مال دونوں فریقوں میں تہائیوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، دو تہائی بیٹی کو ملیں گے کیونکہ وہ باپ کی جانب سے ہے اور ایک تہائی بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ ماں کی جانب سے ہے۔(ت)

اور جب بنت العم اولاد خالہ سے مساوی الدرجہ ہوئی تو خالہ سے بالبداہۃ نیچے درجے میں ہوئی اور جب بنت العم نے بوجہ ولدیت عصبہ اولاد خالہ پر ترجیح نہ پائی کہ حیز قرابت مختلف ہے تو خالہ کے ہوتے ہوئے اس کی ولدیت عصبہ بدرجہ اولٰی ساقط الاعتبار ٹھہری۔ سراجیہ وشریفیہ میں ہے:

ان استووا فی القرب ولکن اختلف حیز قرابتھم بان کان بعضھم	اگر وہ قرب میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں مثلاً ان میں سے بعض باپ

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۷

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۴

[3] حل المشکلات

من جانب الاب وبعضهم من جانب الام فلااعتبار ھٰهنا لقوة القرابة ولالولد العصبة فی ظاهر الرواية فبنت العم لاب وام ليست اولٰی من بنت الخالة لعدم اعتبار كون بنت العم ولد العصبة[1] اھ باختصار۔	کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو یہاں قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا ظاہر الروایہ کے مطابق کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا حقیقی چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں چچا کی بیٹی کا اولاد عصبہ ہونا معتبر نہیں ہے اھ اختصار (ت)

بالجملہ خالہ اگر علاتیہ صنف رابع میں ہے اور بنت العم حکماً اولاد صنف رابع کے مثل ہے حاشیہ علامہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

حكم بنات الاعمام حكم اولاد الصنف الرابع[2]۔	چچوں کی بیٹیوں کا حکم صنف چہارم کی اولاد کے حکم کی طرح ہے۔(ت)

اور صنف رابع اولاد صنف رابع پر بالاجماع مقدم ومرجح ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۱: ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ مرسلہ محمد عبد الصبور

جناب مولوی صاحب قبلہ فیض رسان دام ظلہم، بعد تسلیم کے عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور ایک نواسے کو بیٹا بنایا ہے اب وہ شخص اپنی حیات میں اپنا مال واسباب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے کہ نواسے کو مثل بیٹے کے جو اسباب وغیرہ تقسیم کرکے دوں تو اس کا مواخذہ میرے ذمے تو نہ ہوگا کہ بیٹی کے مقابلے میں نواسے کو بھی مثل بیٹے کے حصہ دیا ہے اس کا فتوٰی صحیح طور پر مہر لگا کر مرحمت فرمایئے گا تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مہر وغیرہ دَین جو کچھ ادا کرکے جو باقی بچے تین حصے برابر کردیجئے، ایک پسر، ایک دختر، ایک نواسے کو، اس میں کوئی مواخذہ یا کسی کی حق تلفی نہ ہوگی، زندگی میں

---

[1] الشریفیة شرح السراجیة کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۹

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۴۰۱

جواولاد پر تقسیم کی جائے اس میں بیٹا، بیٹی دونوں برابر رکھے جاتے ہیں اکہرے دوہرے کا تفاوت بعد موت ہے۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۲: از فیروزپور مرسلہ مولوی غلام صدیق نائب مدرس مدرسہ شاہی ضلع بریلی ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو قابل نکاح سمجھ کر اپنے نکاح میں لایااور ہمبستر ہوا یہاں تک کہ ہندہ کو حمل رہااس کے بعد زید پر واضح ہوا کہ ہندہ نے دھوکا دیا وہ عمرو کی منکوحہ ہے زید نے اسے اپنے یہاں سے نکال دیا ہندہ نے اپنے شوہر عمرو کو کچھ دے کر طلاق لی اور بعد تین مہینے گزرنے کے پھر زید کے پاس آئی زید نے اب اسے رکھ لیااور حمل مذکور سے لڑکا بھی پیدا ہو لیاتھامگراب بعد طلاق اس سے نکاح نہ کیااس پر لوگ انگشت نما ہوئے زید نے پھر عورت کو نکال دیا اس نے تیسرے شخص سے نکاح کرلیا،اب زید کا انتقال ہواایک یہی لڑکا جو یقینا زید کے نطفہ سے ہے اور چارلڑکیاں اورایک بھائی ایک بھتیجاایک چچازاد بہن وارث چھوڑے،اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگااور یہ لڑکا اس کاوارث ہوگا یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ لڑکا شرعًا زید کابیٹااور اس کاوارث ہے منکوحہ غیر سے نکاح جبکہ ناکح کواس کانکاح غیر میں ہونا معلوم نہ ہو نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

في ردالمحتار عن البحر عن المجتبٰی اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا قال"فی البحر "فعلی ھذا یفرق بین فاسدہ وباطلہ فی العدۃ ولھذا یجب الحد مع العلم	ردّالمحتار میں بحر سے بحوالہ مجتبٰی منقول ہے غیر کی منکوحہ یا غیر کی معتدہ سے نکاح ہوا تواس میں دخول عدت کو واجب نہیں کرتا اگرناکح جانتاہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یامعتدہ ہے کیونکہ اس کے جائز ہونے کاقول کسی نے بھی نہیں کیا، چنانچہ یہ نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا۔بحر میں کہا اس بنیاد پر عدت کے بارے میں نکاح فاسد اور نکاح باطل کے درمیان فرق کیاجاتاہے۔اسی لئے حرمت کاعلم ہونے کے

بالحرمة لانه زنا کما فی القنیة وغیرها[1]۔	باوجود ایسا کرنے والے پر حد واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور ایسی صورت میں مذہب مفتی بہ پر حتی الامکان بچہ اسی ناکح ثانی بنکاح فاسد کا قرار پاتا ہے نہ شوہر اول صاحب نکاح صحیح کا۔

فی الدر المختار غاب عن امرأته فتزوجت بآخر و ولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانی علی المذب الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوی کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها وفی حاشیة شرح المنار لابن الحنبلی وعلیه الفتوی ان احتمله الحال[2] فی ردالمحتار قوله غاب عن امرأته شامل لما اذا بلغها موته او طلاقه فاعتدت و تزوجت ثم بان خلافه ولما اذا ادعت ذٰلك ثم بان خلافه ح[3] اھ وفیه حکم الدخول فی	درمختار میں ہے کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگیا اس نے دوسرے شخص سے شادی کرکے اولاد جنی، پھر پہلا خاوند آگیا تو اس مذہب کے مطابق جس کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے رجوع فرمایا اولاد دوسرے خاوند کی ہوگی، اور اسی پر فتوی ہے۔ جیسا کہ خانیہ، جوہرہ اور کافی وغیرہ میں ہے۔ ابن الحنبلی کی شرح منار کے حاشیہ میں ہے اور اس پر فتوی ہے اگر حال اس کا احتمال رکھتا ہو، ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "وہ بیوی چھوڑ کر غائب ہوگیا" یہ اس صورت کو شامل ہے جب بیوی کو خاوند کی موت یا اس کے طلاق دینے کی خبر پہنچی ہو تو اس نے عدت گزار کر شادی کرلی پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا، اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب اس عورت نے اس کا دعوی کیا ہو پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا ہو (ح) الخ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۰۷
[2] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۲۶۳
[3] ردالمحتار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۳۱

النکاح الموقوف کالدخول فی الفاسد فیسقط الحد ویثبت النسب ویجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل[1] الخ۔	اور اسی میں ہے نکاح موقوف میں دخول کا حکم نکاح فاسد میں دخول کے حکم کی طرح ہے، چنانچہ اس سے حد ساقط ہوگی، نسب نامہ ثابت ہوگا اور مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا الخ (ت)

اور جب شرعًا اس کا نسب زید سے ثابت، اور وہ زید کا بیٹا ہے، تو وارث ہونے میں شبہہ کیا ہے **حیث لامانع من الارث** (اس لئے کہ میراث سے کوئی مانع موجود نہیں۔ت) پس بر تقدیر عدم وارث آخر وتقدیم دین ووصیت ترکہ زید چھ سہام پر منقسم ہو کر دو سہم یہ لڑکا اور ایک ایک سہم ہر ایک بیٹی پائے گی اور بھائی بھتیجا بہن کوئی کچھ نہ پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۳: از ریاست عثمان پور ضلع بارہ بنکی مرسلہ شیخ محمد عنایت حسین صاحب ۳۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اطہر ومفتیان شرع مطہر اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی زید سہ پسر دارد بکر، عمرو، خالد۔ خالد را شخصے لاولد بہ تبنیت گرفت و قائم مقام جائز خود نمود، دریں صورت خالد از متروکہ پدری شرعی حصہ ہم خواہد یافت یا محروم الارث خواہد شد فقط۔	کیافرماتے ہیں دین اطہر کے علماء اور شرع مطہر کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں کہ زید نامی شخص کے تین بیٹے ہیں: بکر، عمرو اور خالد۔ خالد کو ایک بے اولاد شخص نے اپنا بیٹا بنالیا اور اس کو اپنی اولاد کے قائم مقام کرلیا۔ اس صورت میں خالد اپنے باپ کے ترکہ سے بھی شرعی حصہ پائے گا یا اس کی میراث سے محروم ہوگا فقط؟

الجواب:

پسر خواندہ نہ چنیں کس راپسر می شود نہ خود بے علاقہ از پدران الحقائق لاتغیر، شرعًا وارث پدر	منہ بولا بیٹا نہ ایسے شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے باپ سے بے تعلق ہوتا ہے کیونکہ حقیقتوں میں تغیر نہیں ہوتا۔ شرعی طور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۰

ست نہ بعکس دیگر۔ خواستہ اش حسب خواستہ است کہ وصیت کرد بدست متبنی آمدہ باشد ایں وراثت نیست الا لا وصیۃ لوارث[1] قال اللہ تعالٰی "وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ" [2] الٰی قولہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ" الاٰیۃ[3]، وقال اللہ تعالٰی "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" [4] نیست خاصہ تبنی کسے از موانع ارث ارث پسر از پدر وھذا اظھر من ان یظھر واللہ تعالٰی اعلم۔	پروہ اپنے باپ کا وارث ہے نہ کہ اس دوسرے شخص کا جس نے اس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے۔ اگر دوسرا شخص چاہے تو منہ بولے بیٹے کے حق میں وصیت کردے تاکہ اس کا مال اس کے منہ بولے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے۔ اور یہ وراثت نہ ہوگی، خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور اللہ تعالٰی نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک) "انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" الآیہ، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔ اور کسی کا منہ بولا بیٹا بن جانا اس کے لئے باپ کی میراث سے مانع نہیں ہوا۔ اور یہ بات سب سے زیادہ ظاہر ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۸۴: ۵/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تین زوجہ لیلٰی، سلمٰی، سعاد اور ایک ماموں زاد بھائی عمرو اور ایک خالہ زاد بہن جمیلہ اور ایک پھپی زاد بہن حسینہ چھوڑ کر انتقال کیا

---

[1] سنن ابن ماجۃ ابواب الوصایا باب الاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

اور اس کی زوجہ سلمٰی عمرو کی حقیقی بہن ہے اور دوسری زوجہ سعاد جمیلہ کی حقیقی بہن ہے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ہر سہ زوجہ ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید بہتر سہم ہو کر اس حساب عـــہ سے منقسم ہوگا:

مسئلہ ۴ × ۶ ۲۴ × ۳ ۷۲

زوجہ لیلٰی	زوجہ وھی بنت خالہ سلمٰی		زوجہ وھی بنت خالہ سعاد		ابن الخال	بنت الخالہ	بنت العمۃ
	فرضا	رحما	فرضا	رحما	عمرو	جمیلہ	حبیبنہ
٦	٦	۴	٦	٣	٨	٣	٣٦
	١٠		٩				

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵: از بشارت گنج بریلی ٦ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عاق بالعین وآق بالالف کے کیا معنی ہیں؟ ایک کاغذ میں زید کے جانب سے زید کے بیٹے کا عاق ہونا لکھا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کو زید نے لکھا بھی ہے یا نہیں، وہ کاغذ زید کے مرنے کے سوا سو برس بعد ایک شخص پیش کرتا ہے، آیا وہ قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ اور زید کا لڑکا اس کاغذ کے رو سے عاق ہوگا یا نہیں؟ در صورت عاق ہونے کے بھی آیا ترکہ سے محروم ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

"آق" ترکی سپید کو کہتے ہیں، اور "عاق" عربی میں وہ اولاد کہ ماں یا باپ کو آزار پہنچائے

عـــہ: اس لئے کہ چار سے ایک تینوں زوجہ پر منکسر ہے اور باقی تین سے دو قرابت پدری اور ایک قرابت مادری کو پہنچا اس میں دو خال اور دو خالہ ہیں یا ایک ایک خال وخالہ ہوں تو بوجہ تعدد اولاد بجائے دو خال ودو خالہ ہیں بہرحال یہ ایک چھ پر منقسم ہوگا اس پر منکسر ہے تین اور چھ جن پر انکسار ہوا متداخل ہیں اور چھ عدد اکبر ہے تو اسی کی ضرب چار میں دی گئی اب قرابت مادری کو چھ پہنچے جن میں سے چار اولاد خال کے لئے ہیں اور وہ ایک بنت ہے چار تین پر منکسر ہوئے ۲۴ میں پھر ۳ کی ضرب سے بہتر ۷۲ ہوئے ۱۲ منہ۔

ناحق ناراض کرے۔ کوئی کاغذ بے شہادت شرعیہ قابل تسلیم نہیں ہوتا، نہ وہ منسوب الیہ لکھا قرار پاسکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الخط یشبه الخط فلا یعتبر[1]۔	خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (ت)

درمختار میں ہے:

لایعمل بالخط[2]۔	خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجة والحجة هی البیّنة او الاقرار اما الصك فلا یصلح حجة لان الخط یشبه الخط[3]۔	قاضی فقط حجت کے ساتھ فیصلہ کرے، اور حجت (دلیل) گواہ ہیں یا اقرار۔ رہ تحریر تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ (ت)

تو پسر زید اس کاغذ بے ثبوت کے ذریعہ سے ہرگز عاق نہیں ٹھہر سکتا اور جو شخص فی الواقع عاق ہو تو اس کا اثر امور آخرت میں ہے کہ اگر اللہ عزوجل والدین کو راضی کرکے اس کا گناہ معاف نہ فرمائے تو اس کی سزا جہنم ہے، والعیاذ باللہ، مگر میراث پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ والدین کا لکھ دینا کہ ہماری اولاد میں فلاں شخص عاق ہے ہمارا ترکہ اسے نہ پہنچے اصلاً وجہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اولاد کا حق میراث قرآن عظیم نے مقرر فرمایا ہے۔

وقال الله تعالٰی "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِۚ"[4]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

والدین خواہ تمام جہان میں کسی کا لکھا اللہ عزوجل کے لکھے پر غالب نہیں آسکتا ولہذا تمام

---

[1] الهدایة کتاب الزکوٰۃ باب فیمن یمر علی العاشر المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۷۷

[2] الدر المختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

کتب فرائض وفقہ میں کسی نے اسے موانع ارث سے نہ گنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از شہر کہنہ ۱۸ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ فوت ہوئی اس نے اپنے حقیقی چچا کی ایک دختر کے تین پسر اور تین دختر اور دوسرے حقیقی چچا کی دختر کے دو دختر اور حقیقی پھپی کے دختر کا ایک پسر اور حقیقی ماموں کے دختر کے دو پسر ایک دختر اور اپنے شوہر کے حقیقی بھائی کی دختر اور شوہر کے حقیقی بہن کے دختر کے ایک دختر تین پسر چھوڑے۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا کس کو پہنچے گا اور کے سہام پر منقسم ہوگا۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا ترکہ ہندہ کا دو ہزار آٹھ سو پانچ سہام پر منقسم ہوکر چچازاد بہن کے ہر پسر کو تین سو بیس ۳۲۰ اور دونوں چچازاد بہنوں کی ہر دختر کو ایک سو ساٹھ ۱۶۰ اور پھپی زاد بہن کے پسر کو ایک سو دس ۱۱۰ اور ماموں زاد بہن کے ہر پسر کو تین سو چوہتر ۳۷۴ اور اس کی دختر کو ایک سو ستاسی ۱۸۷ ملیں گے اور شوہر کے بھائی بہن کی اولاد کچھ نہ پائے گی۔

وصورۃ المسألۃ ھکذا (مسئلہ کی صورت اس طرح ہے۔ت)
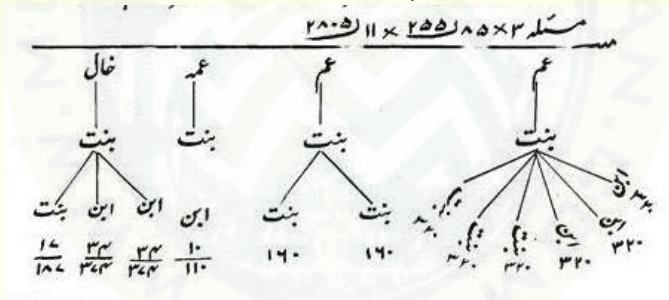
وذٰلك لا اصل المسئلۃ من ثلثۃ اثنان منھا القرابۃ الاب وواحد لقرابۃ الام ثم مااصاب	یہ اس لئے ہے کہ مسئلہ تین سے بنے گا جس میں سے دو حصے باپ کی قرابت اور ایک حصہ ماں کی قرابت کے لئے ہوگا، پھر جو باپ

قرابۃ الاب یقسم علی اول بطن اختلف ذکورۃ و انوثۃ وھو البطن الاول و یعتبر فی الاصول ابدان الفروع فالعم الاول ستۃ اعمام والثانی عمان والعمۃ واحدۃ فھم کسبع عشرۃ عمات بینھن وبین سھمھن اعنی اثنین مباینۃ وما اصاب قرابۃ الام و ھوالواحد ینقسم علٰی خمسۃ وبینھما ایضا مباینۃ فقررنا الرأسین اعنی ۱۷ و۵ علٰی حالھما وبینھما ایضا تبائن فضربنا احدھما فی الاٰخر کانت ۸۵ ضربناہ فی المسئلۃ بلغت ۲۵۵ منھا ۸۵ لفریق الام منقسم اخماسا ۱۷ البنت و ۳۴ لکل ابن ومثلاہ اعنی ۱۷۰ الفریق الاب منقسما علی سبعۃ عشر فسھم منھا اعنی ۱۰ للعمۃ ای لابنھا و ھی طائفۃ الانثٰی عن ھذا الفریق وجمعنا بالطائفۃ الذکور منہ و

کے قرابت داروں کوملاوہ اس پہلے بطن پر تقسیم ہوگا جومذکر ومؤنث میں مختلف ہے اور وہ پہلا بطن ہے، چونکہ یہاں اصول میں فروع کے ابدان کا اعتبار کیاجاتا ہے لہٰذا پہلا چچا (گویاکہ) چھ اور دوسرا چچا (گویاکہ) دو چچے ہوگئے جبکہ پھوپھی بھی ایک ہے تواس طرح یہ سترہ پھوپھیوں کے برابر ہوگئے (کیونکہ ایک چچا دو پھوپھیوں کے برابر ہوتا ہے) ان سترہ اوران کے حصوں یعنی دو میں تباین کی نسبت ہے، جوماں کی قرابت کوملاوہ پانچ پر منقسم ہوگا جبکہ پانچ اوران کے حصے یعنی ایک میں بھی تباین کی نسبت ہے۔ چنانچہ ہم نے دونوں کے رؤس یعنی ۱۷ اور ۵ کوان کے حال پر برقراررکھااوران دونوں میں بھی تباین کی نسبت ہے۔ پھرہم نے ایک کو دوسرے میں ضرب دی تو حاصل ضرب ۸۵ ہواجسے اصل مسئلہ (یعنی تین) میں ضرب دینے سے ۲۵۵ حاصل ہوااس میں سے ۸۵ ماں کی قرابت والے فریق کوملیں گے جوپانچ پر منقسم ہوں گے۔ ۱۷ بیٹی کو اور ۳۴ ہرایک بیٹے کو دیئے جائیں گے اور ۸۵ کادوگنا یعنی ۱۷۰ باپ کی قرابت والے فریق کو ملیں گے جو ۱۷ پر تقسیم ہوں گے۔ ایک سترہواں حصہ یعنی ۱۰ پھوپھی یعنی اس کے بیٹے (نواسے) کے لئے یہ اس فریق کا گروہ مؤنث ہے اس کو ہم نے گروہ مذکر کے حصوں جوکہ

ھو ۱۶۰ ونظرنا تحتھم فلم یکن فی البطن الثانی اختلاف بذکورۃ وانوثۃ انما کان فی البطن الثالث الحی فیہ ثلثۃ ابناء وخمس بنات فی قوۃ احدی عشرۃ بنات و ۱۶۰ لاتستقیم علیھن بل تباین فضربنا ۱۱ فی المبلغ صحت من ۲۸۰۵ منھا لطائفۃ الذکور من فریق الاب لکل بنت ۱۶۰ ولکل ابن ۳۲۰۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	۱۶۰ ہیں کے ساتھ جمع کیا اور گروہ مذکر کے نیچے نظر کی تو دوسرے بطن میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تیسرے بطن میں ہے جس میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں زندہ ہیں اور وہ تمام گیارہ بیٹیوں کی قوت میں ہیں جبکہ ان کے حصے جو کہ ۱۶۰ ہیں ان پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے بلکہ ان میں تباین کی نسبت ہے لہٰذا ہم نے ۱۱ کو ۱۷۶۰ مسئلہ کے مجموعے یعنی ۲۵۵ میں ضرب دی تو ۲۸۰۵ حاصل ضرب ہوا جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ اس میں سے باپ والے فریق کے گروہ مذکر کے لئے ۱۷۶۰ حصے ہیں۔ ہر بیٹی کو ۱۶۰ اور ہر بیٹے کو ۳۲۰ ملیں گے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۷: ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو پسر تھے عمرو و بکر، اور دو دختر ہندہ وسعاد، بعد انتقال زید کے بکر کی دختر کی پوتی لیلٰی باقی ہے اور سعاد کا پرپوتا خالد ہے اور عمرو کے ایک پسر ایک دختر تھی دختر عمرو کا پوتا ولید ہے، اور پسر عمرو کی دو بیٹیاں تھیں، ایک کا بیٹا سعید، دوسری کی بیٹی جمیلہ زندہ ہے، اور ہندہ کے دو پسر تھے ایک پسر کا پوتا حمید ہے اور دوسرے پسر کے ایک بیٹا تھا جس کی دختر حسینہ اور ایک بیٹی تھی جس کا پسر رشید ہے۔ اس صورت میں زید کا ترکہ ان آٹھوں وارثوں پر کیونکر تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا ترکہ زید کا نوسو پینتالیس ۹۴۵ سہام پر منقسم ہو کر اس حساب سے تقسیم پائے گا:
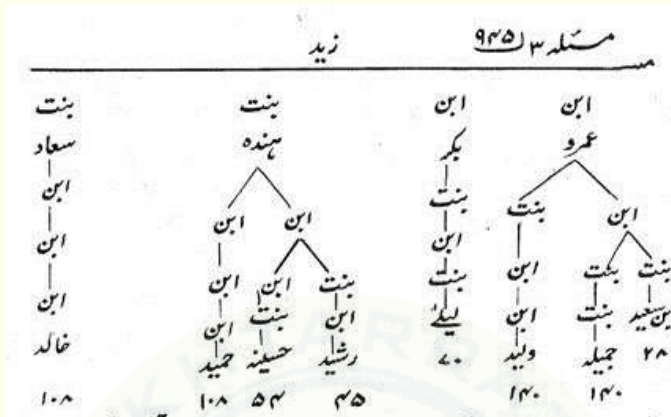
وذٰلك لان القسمة علٰی اول بطن اختلف بالذکورة و الانوثة وھو ھٰھنا البطن الاول ویعتبر عدد الفروع فی الاصول ففیه ابن بابنین وابن اٰخر وبنت ببنتین و بنت اخری فاذا تساوی عدد الطائفتین فلطائفة الذکور ضعف بالطائفة الاناث فکانت المسئلة من ثلثة اثنان لطائفة البنین و واحد لطائفة البنات ثم فی طائفة البنین فی البطن الثانی ابن کابنین وبنتان فینقسم مالھما اعنی ۲ علٰی ستة	اور یہ اس لئے ہے کہ تقسیم اس پہلے بطن پر ہوگی جس میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہوا اور وہ یہاں پر بطن اول ہے۔اور اصول میں فروع کی تعداد کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک بیٹا جو کہ دو بیٹیوں کے حکم میں ہوگیا اور ایک دوسرا بیٹا ہے۔اسی طرح ایک بیٹی جو کہ دو کے حکم میں ہو گئی اور ایک دوسری بیٹی ہے،جب دونوں فریقوں کی تعداد برابر ہے تو مذکر فریق کے لئے مونث فریق سے دوگنا ہوگا۔ لہٰذا مسئلہ تین سے ہو کر دو بیٹیوں کے فریق اور ایک بیٹیوں کے فریق کو ملے گا۔پھر بیٹیوں کے گروہ کے بطن ثانی میں ایک بیٹا جو دو کے حکم میں ہے اور دو بیٹیاں ہیں لہٰذا جوان کو ملا یعنی دو حصے وہ چھ پر منقسم ہوں گے۔

فیحتاج الٰی ضرب المسئلة فی ثلٰثة تصح من تسعة لطائفة البنین منها ستة ومن ھٰذہ الستة فی البطن الثانی اثنان للبنتین واربعة للابن الکائن کابنین فنجعلهما طائفتین ثم لا اختلاف تحت احد منهما فی البطن الثالث وفی الرابع تحت کل ابن وبنت فینقسم مالکل من ھاتین الطائفتین اعنی اربعة و اثنین علٰی ثلٰثة فلاجل التباین یحتاج اخری الٰی ضرب المبلغ فی ثلٰثة وتصح علٰی طائفةبنی زید من سبعة وعشرین لسعید ثمانیة ولجمیلة اربعة وکذا الولید وللیلٰی اثنان جئنا الٰی طائفة بناته لها واحد من اصل المسئلة ولااختلاف فی البطن الثانی بل فی الثالث بنت وثلٰثة ابناء فینقسم علٰی سبعة ویحتاج الٰی ضرب اصل المسئلة اعنی ثلٰثة فی سبعة تصح من احد وعشرین ھٰهنا لطائفة بنات زید سبعة تستقیم علی البطن الثالث ثم یجعل البطن الثالث طائفتین فالواحد الذی اصاب البنت یعطی ابنها رشید ویجمع بالطائفة الابناء وھی ستة وتحتهم بنت وابنان فهم

تواس طرح اصل مسئلہ کو تین میں ضرب دینے کی ضرورت پڑے گی تواس طرح مسئلہ نو(۹) سے بن جائے گا۔ بیٹوں کے فریق کو اس میں چھ حصے ملیں گے، پھران چھ میں سے بطن ثانی میں دوحصے دوبیٹیوں کواور چار بیٹے کو ملیں گے جودوبیٹیوں کے قائم مقام ہے چنانچہ ہم ان کے دو گروہ بنائیں گے پھر ان دونوں فریقوں کے تحت تیسرے بطن میں کوئی اختلاف نہیں اور چوتھے بطن میں ہر ایک کے تحت ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ لہٰذا ان دونوں فریقوں کے حصوں یعنی چار اور دو کو تین پر تقسیم کیاجائے گا۔ اور تباین چار اور دو کو تین پر تقسیم کیاجائے گا۔ اور تباین کی وجہ سے ایک بار پھر مسئلہ کے عدد کو تین میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح زید کے بیٹوں کامسئلہ ۲۷ سے صحیح ہوگا۔ سعید کو آٹھ، جمیلہ کو چار، یونہی ولید کو چار اور لیلٰی کو دوحصے ملیں گے۔ اب ہم زید کی بیٹیوں کی طرف آتے ہیں جن کا اصل مسئلہ سے ایک حصہ ہے۔ ان کے بطن ثانی میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ تیسرے بطن میں ایک بیٹی اور تین بیٹے ہیں۔ چنانچہ ان کاحصہ سات پر منقسم ہوگا اور تباین کی وجہ سے اصل مسئلہ یعنی تین کوسات میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح حاصل ضرب اکیس ہو جائے گا زید کی بیٹیوں کے گروہ کو یہاں پرسات حصے ملیں گے جوان کے تیسرے بطن پر برابر تقسیم ہوجائیں گے، پھر تیسرے بطن کے دوفریق بنائے جائیں گے۔ جوایک حصہ بیٹی کو ملا ہے وہ اس کے بیٹے رشید کو دیا جائے گا

كخمسة ولاتستقيم عليه الستة فيضرب اصل المسئلة فى خمسة تكن من مائة وخمسة منها لطائفة بنات زيد خمسة و ثلثون منقسمة فى البطن الثالث علٰى سبعة للبنت اعنى لابنها رشيد خمسة ولطائفة الذكور ثلثون تنقسم علٰى خمسة للبنت وهى حسينة ستة ولكل ابن اثنى عشر فاذا كان تصحيح المسئلة علٰى طائفة ابناء زيد من ۲۷ وعلٰى طائفة بناته من ۱۰۵ وبينهما توافق بالثلث ضربنا احدهما فى ثلث الأخر صارت تسعمائة و خمسة واربعين وذٰلك مبلغ التصحيح ولمعرفة السهام اضرب ماكان لاولاد الابناء من التصحيح الاول ۲۷ فى وفق تصحيح الثانى ۱۰۵ وهو ۳۵ وماكان لاولاد البنات من التصحيح الثانى فى وفق التصحيح الاول وهو يحصل ماذكرنا وان شئت عملت من الرأس تمرنا فقلت التصحيح من ۹۴۵ لطائفة ابناء زيد منها ستمائة وثلثون ۶۳۰

اوراس کو بیٹوں والے فریق کے حصوں جو کہ چھ ہیں کے ساتھ ملایا جائے گا اور ان کے تحت ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں تو وہ پانچ رؤس ہوئے جن پر چھ برابر تقسیم نہیں ہوسکتا، لہٰذا اصل مسئلہ یعنی اکیس کو پانچ میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح ایک سو پانچ (۱۰۵) ہوجائیں گے جن میں پینتیس۳۵ زید کی بیٹیوں کے فریق کے لئے ہیں جو کہ تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہوں گے۔ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو پانچ حصے ملیں گے اور گروہ مذکرین کو تیس جو پھر پانچ پر تقسیم ہو کر بیٹی یعنی حسینہ کو چھ اور ہر بیٹے کو بارہ حصے ملیں گے۔ جب زید کے بیٹوں کے فریق پر مسئلہ کی تصحیح ستائیس اور بیٹیوں کے فریق پر ایک سو پانچ سے ہوئی اور ان دونوں تصحیحوں میں تہائی کا توافق ہے لہٰذا ہم نے ایک کو دوسرے کی تہائی میں ضرب دی تو مجموعی طور پر مسئلہ کی تصحیح نو سو پینتالیس (۹۴۵) سے ہوئی۔ وارثوں کے حصوں کی پہچان کے لئے جو کچھ بیٹوں کی اولاد کو تصحیح اول یعنی ستائیس۲۷ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ کے وفق یعنی ۳۵ میں ضرب دے اور بیٹیوں کی اولاد کو جو کچھ تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملاہے اس کو تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملاہے اس کو تصحیح اول یعنی ۲۷ کے وفق یعنی ۹ میں ضرب دے تو وہی حاصل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر تو نئے سرے سے عمل کرنے کا تکلف کرنا چاہے تو یوں کہے گا

ینقسم فی البطن الثانی علٰی ستّہ سدساہ اعنی مائتین وعشرۃ للبنتین واربعۃ اسداسہ اعنی اربعمائۃ وعشرین ۴۲۰ للابن الکائن کابنین ثم ماللبنتین منقسم فی البطن الرابع علٰی ثلثۃ ثلثاہ اعنی مائۃ واربعین ۱۴۰ لولید وثلثہ اعنی سبعین ۷۰ للیلی و کذٰلک ماللابنین ینقسم فیہ اثلاثا ثلثاہ اعنی مائتین وثمانین ۲۸۰ لسعید وثلثہ ای مائۃ واربعین ۱۴۰ لجمیلۃ ولطائفۃ بنات زید منھا ثلثمائۃ وخمسۃ عشر ۳۱۵ منقسمۃ فی البطن الثالث اسباعا سبعھا اعنی خمسۃ و اربعین ۴۵ للبنت ای لابنھا رشید و الباقی مائتان وسبعون لطائفۃ الذکور مقسومۃ فی البطن الرابع اخماسا خمسہ اربعۃ وخمسون لحسینۃ وخمساہ مائۃ وثمانیۃ لحمید ومثلہ لخالد و قد فرغ التقسیم التقن ھٰذا الطریق الانیق۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کہ مسئلہ کی تصحیح ۹۴۵ سے ہوئی۔ زید کے بیٹوں کے گروہ کے لئے اس میں سے ۶۳۰ حصے ہیں جو بطن ثانی میں چھ پر منقسم ہوئے۔ ان میں دو چھٹے حصے (۲/ ۶) یعنی ۲۱۰ دو بیٹیوں کے لئے اور چار چھٹے حصے (۴/ ۶) یعنی ۴۲۰ اس بیٹے کے لئے ہیں جو دو بیٹوں کے حکم میں ہے۔ پھر جو دو بیٹیوں کے حصے ہیں وہ چوتھے بطن میں تین پر منقسم ہوگئے جس میں سے دو تہائی یعنی ۱۴۰ ولید کو اور ایک تہائی یعنی ۷۰ لیلٰی کو ملے۔ اسی طرح جو بیٹوں کے حصے ہیں وہ تین پر تقسیم ہوئے جن میں سے دو تہائی یعنی ۲۸۰ سعید کو اور ایک تہائی یعنی ۱۴۰ جمیلہ کو دیئے گئے۔ زید کی بیٹیوں کے گروہ کے لئے ۳۱۵ حصے ہوئے جو تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہوگئے۔ ان میں سے ایک ساتواں (۱/ ۷) یعنی ۴۵ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو ملے اور باقی ۲۷۰ مذکر گروہ کے لئے ہیں جو چوتھے بطن میں پانچ پر تقسیم ہوئے۔ ایک پانچواں حصہ (۱/ ۵) یعنی ۵۴ حسینہ کو اور دو پانچویں حصے (۲/ ۵) یعنی ۱۰۸ حمید کو اور اسی کی مثل یعنی ۱۰۸ خالد کو دیئے۔ تقسیم مکمل ہوگئی ہے۔ اس پسندیدہ طریقے کو مضبوطی سے اختیار کر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رسالہ
طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان
(جہتوں اور بدنوں کے تعدّد کے بارے میں انتہائی گہرائی میں بہترین نظر کرنا)

مسئلہ ۸۸: ۲۶ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بھائی تھے عمرو وبکر اور دو بہنیں ہندہ وعمرہ، عمرو کے دختر لیلٰی کے ایک پسر خالد ہوا اور عمرو کے پسر ولید کے ایک دختر سلمٰی ہوئی خالد وسلمٰی سے ایک دختر سعاد اور ایک پسر سعید پیدا ہوئے بکر کی پوتی جمیلہ بنت حمید بن بکر کا نکاح رشید بن فرید بن ہندہ خواہر زید سے ہوا جن کی ایک دختر حسینہ ہے۔رشید کا دوسرا نکاح اس کے چچا مجید بن ہندہ کی دختر حسن آراء سے ہوا ان دونوں کے ایک دختر گلچہرہ پیدا ہوئی، حسن آراء نے انتقال رشید کے بعد اپنی پھپی محبوبہ بنت ہندہ کے پسر محبوب بن مطلوب بن عمرہ خواہر زید سے نکاح کیا جس سے ایک پسر گلفام پیدا ہوا، محبوبہ ومطلوب کی ایک دختر حبیبیہ تھی جس کی دختر شہناز ہے،اب زید نے انتقال کیا اور صرف ایک زوجہ چمن آراء اور یہی سعاد وسعید وحسینہ و گلچہرہ وگلفام وشہناز اس کے وارث ہوئے۔اس صورت میں ترکہ زید کا شرعًا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر وثواب دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تصویر صورت سوال اور بر تقدیر اجتماع شرائط معلومہ توریث تقسیم مال اس حال ومنوال پر ہے:
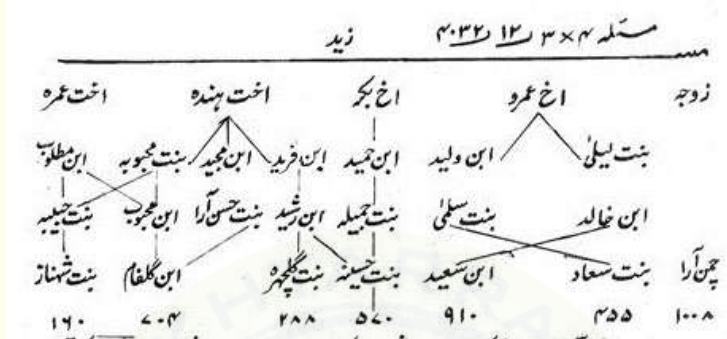
اب اول یہ سمجھنا چاہئے کہ ان میں پانچ ورثہ کو زید سے دو دو رشتے ہیں اور گلفام کو تین۔ سعاد بنت ابن بنت الاخ بھی ہے اور بنت بنت ابن الاخ بھی یعنی بھتیجی کی پوتی اور بھتیجے کی نواسی۔ یونہی سعید بھی یہی دو رشتے رکھتا اور بھتیجی کا پوتا بھتیجے کا نواسا ہے۔ حسینہ بنت بنت ابن الاخ اور بنت ابن ابن الاخت ہے یعنی بھتیجے کی نواسی اور بھانجے کی پوتی۔ گلچہرہ بنت ابن ابن الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے کی پوتی دوسرے کی نواسی۔ شہناز بنت بنت بنت الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجی اور ایک بھانجے دونوں کی نواسی۔ گلفام ابن بنت ابن الاخت اور ابن ابن بنت الاخت اور ابن ابن ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے اور ایک بھانجی دونوں کا پوتا اور ایک بھانجے کا نواسا۔ اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رو سے حصہ پائے گا مگر امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی تعدد جہات کا خود فروع یعنی بطن زندہ میں اعتبار فرماتے ہیں تو ان کے نزدیک گویا گلفام تین وارث ہے اور باقی دو دو، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی تعدد جہات فروع کو ان کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں اس کی صورتیں دو ہیں ایک یہ کہ فرع متعدد الجہات اصول متعددہ کی فرع ہو جیسے حسینہ کہ اس کے دو رشتے بکر وہندہ دو اصول مختلفہ سے ہیں یا شہناز کہ ہندہ وعمرہ دونوں کی طرف سے قرابت دار ہے جب تو

اصول میں اعتبار یوں حاصل کہ جب وہ ہر اصل اس فرع کے لحاظ سے تقسیم ملحوظ رہی ہر جہت قرابت لحاظ میں آگئی اور ہر جہت کا حصہ اس وارث نے جمع کرلیا کتب متداولہ جو اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کی زیادہ تشریح نہیں اور مثال جس نے دی اسی صورت خاصہ کی دی۔ صورت دوم یہ کہ اس فرع کو ایک ہی اصل کے ذریعہ سے میت کے ساتھ دو رشتے ہوں جیسے سعاد وسعید کہ ان کے دونوں علاقے بذریعہ شخص واحد اعنی عمرو کے ہیں۔یونہی گلچسرہ وگلفام کو بذریعہ ہندہ اگرچہ گلفام کو ایک رشتہ اصل دیگر عمرہ کی طرف سے بھی ہے اس صورت کی تصریح مثال اس وقت نظر میں نہیں۔

وانا اقول:وباللہ التوفیق(اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت)مانحن فیہ میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کا مطلب یہ ہے کہ ایسی فرع کی اصل کو اصول متعددہ بعدد جہات حاصلہ بذریعہ فرع مذکور سمجھا جائے،مثلاً صورت مذکورہ میں عمرو بلحاظ سعاد کہ ذات جہتین ہے دو بھائی ہے نیز بلحاظ سعید بھی ایسا ہی ہے تو لحاظ جہات لحاظ ابدان کا اجتماع عمرو کو چار بھائی کر دے گا اور ہندہ بلحاظ جہات گلچسرہ دو بہن ہے اور اسی طرح بلحاظ جہات گلفام اور بلحاظ بدن حسینہ وشہناز ایک ایک بہن تو وہ مجموع چھ بہن ہے اور عمرہ میں صرف تعدد ابدان گلفام وشہناز ہے تعدد جہات نہیں کہ یہ دونوں اگرچہ جہات عدیدہ رکھتے ہوں مگر نہ بذریعہ تنہا عمرہ تو وہ صرف دو بہن ہے اور بکر جس کی فرع میں نہ تعدد بدن ہے نہ اسی کے ذریعے سے تعدد جہت تنہا ایک بھائی ہے تو بطن اول میں زوجہ اور پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں ہیں۔

والدلیل علیہ علٰی مایظھر للعبد الضعیف واللہ سبحانہ،وتعالٰی اعلم ان تعدد الجھات یوجب تعدد الاشخاص ولو حکمًا الاتری ان ابایوسف لما اعتبر تعدد الجھات فی الفروع جعل کل فرع ذی جھتین کفرعین کما نصوا علیہ قاطبۃ وکذٰلك محمد رحمہ اللہ تعالٰی	اور اس پر دلیل جیسا کہ اس عبد ضعیف پر ظاہر ہوئی،او راللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے،یہ ہے کہ جہتوں کا متعدد ہونا اشخاص کے تعدد کو ثابت کرتا ہے اگرچہ حکمی طور پر ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے جب فروع میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیا تو ہر دو جہتوں والی فرع کو دو فرعوں کی طرح بنایا جیسا کہ اس پر تمام مشائخ نے نص فرمائی ہے۔یوں ہی

لما اعتبر تعدد الجھات فی الجدّات جعل الجدۃ جدّتین وجدّات، کما فی السراجیۃ وغیرھا عامۃ الکتب وبالجملۃ لامعنی لتعدد الجھۃ الابتعدد الشخص ولوفی اللحاظ فمحمد اذا اعتبرہ ھٰھنا فی الاصول فان کانوا متعددین فقد حصل التعدد حقیقۃً باخذھم منفردین فی القسمۃ ثم ایصال ماوصل الیھم جمیعًا الی الفرع الواحد المنتھی بھم کما ذکرنا اما اذا کان الاصل واحدًا وقد اخذ عـــہ	امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جب جدّات (دادیوں) میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیا تو ایک دادی کو دو یا کئی دادیوں کے برابر بنایا، جیسا کہ سراجیہ وغیرہ عام کتابوں میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اشخاص کے تعدد کے بغیر جہت کے متعدد ہونے کا کوئی معنی نہیں اگرچہ تعدد اشخاص اعتباری ہو۔ چنانچہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے جب یہاں پر اصول میں تعدد کا اعتبار کیا تو اگر اصول متعدد ہوں تو حقیقۃً تعدد حاصل ہوگا اس طور پر کہ ان کو تقسیم میں الگ الگ لیا جائے گا۔ پھر جو کچھ ان سب کو ملے گا وہ اس ایک فرع تک پہنچایا جائے گا جس پر اصول کی انتہا ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ لیکن اگر اصل ایک ہو اور اس کو

عـــہ: احترازا عما اذا وقع فی بطن متفق بالذکورۃ والانوثۃ فانہ لایقسم علی من فیہ اصلا سواء کان لفرعہ جھۃ اوجھات کما لایلاحظ من فیہ بدنا سواء کان فی فرعہ بدن او ابدان ولیس ھٰذا لان الجھات لو الابدان لما تعتبر ھٰھنا بل لان مایصیبھم یجمع جمیعا ویقسم علٰی

عـــہ: اُس صورت سے احتراز ہے کہ جب وہ ایسے بطن میں واقع ہو جو مذکر ومؤنث کے اعتبار سے متفق ہے کیونکہ وہ اس پر تقسیم نہیں کیا جاتا جس میں ایک اصل ہے چاہے اس کی فرع کی ایک جہت ہو یا متعدد جہتیں ہوں جیسا کہ نہیں لحاظ کیا جاتا اس کا جس میں ایک بدن ہو چاہے اس کی فرع میں ایک بدن ہو یا متعدد۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہاں جہتوں اور بدنوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ (باقی برصفحہ آئندہ)

فی القسمة فلایظھر اعتبارہ تعدد الجھة فیه الاباعتبارہ اصولا متعددة۔ویوضع لك ھذا ما اقول لیکن ابن ابن ابن بنت ھو ابن بنت بنت تلك البنت ایضًا ومعه ابن بنت بنت ابن ھٰکذا:	تقسیم میں لیاجائے تو اس میں جہت کاتعدد ظاہر نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اس ایک اصل میں متعدد اصول کااعتبار کر لیاجائے، اور تیرے لئے اس مسئلہ کو واضح کردے گاوہ قول جو **میں کہتاہوں** وہ یہ کہ کسی شخص نے ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا چھوڑااور وہ اسی بیٹی کی نواسی کابیٹا بھی ہے۔اور اس کے ساتھ ایک بیٹے کی نواسی کابیٹا بھی چھوڑا ہے۔مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:
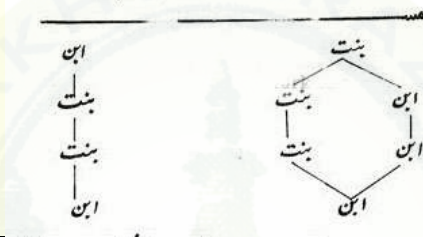
فلولم نجعل البنت لتعدد الجھة فی فرعھا بنتین	اگر ہم بیٹی کواس کی فرع میں تعدد جہت کے پائے جانی کی وجہ سے دو بیٹیاں نہ بنائیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ما تحتھم فلافائدة فی التفریق بالتقسیم ثم جمع ذاك المتفرق کمالایخفی ۱۲منه۔

اس لئے ہے کہ جو کچھ ان کو ملے گاوہ جمع کرکے ان کے نیچے والوں پر تقسیم کیاجائے گالہٰذااس کو تقسیم کے ذریعے متفرق کرکے پھر اس متفرق کو جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔جیساکہ پوشیدہ نہیں ۱۲منہ (ت)۔

لکانت المسئلة من ثلثة ثلثاها لفرع الابن وثلثها لفرع البنت لانك اذا قسمت المال علی البطن الاول لاختلافه ذکورة وانوثة اثلاثا اصاب فرع الابن اثنان نصیب ابیها وکان للبنت العلیا واحد وتحتها فی البطنین وان کان اختلاف ذکورة وانوثة لکن لا حاجة الی اعتباره والضرب فی المسئلة لانکساره لان کل مایصیب طائفة الذکر والانثٰی تحتها انما یحوزه فرعها الاخیر فیکون له واحد ولصاحبه اثنان ولو لم یکن الاول ذاقرابتین کأن کان ابن ابن ابن بنت فقط او ابن بنت بنت بنت فحسب لکان التقسیم ایضًا ھکذا له واحد ولصاحبه اثنان فلم یصل الیه من تعدد جهات قرابته الا ما کان یصل لذی قرابة واحدة ھف بخلاف ما اذا جعلنا البنت بنتین فان المسئلة تکون

تومسئلہ تین سے بنے گا۔اس میں سے دو تہائی بیٹے کی فرع کے لئے جبکہ ایک تہائی بیٹی کی فرع کے لئے ہوگا اس لئے کہ جب تونے مال کو تین حصے بناتے ہوئے پہلے بطن پر تقسیم کیا کیونکہ وہ مذکر ومؤنث کے اعتبار سے مختلف ہے تو بیٹے کی فرع کو دو حصے ملے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور سب سے اوپر والی بیٹی کو ایک حصہ ملا،اور اس کے نیچے دو بطنوں میں اگرچہ مذکر ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرنے اور کسر کی وجہ سے مسئلہ میں ضرب دینے کی کوئی ضرورت نہیں،اس لئے کہ جو کچھ مذکر فریق اور مؤنث کو ملا اسے اس فریق کی آخری فرع سمیٹ لے گی۔چنانچہ مؤنث کی فرع کو ایک اور اس کے صاحب (مقابل) کو دو ملیں گے اور اگر پہلا وارث دو قرابتوں والا نہ ہو جیسا کہ وہ فقط بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو یا فقط بیٹی کی نواسی کا بیٹا ہو،تو اس صورت میں بھی تقسیم ویسی ہی ہوگی جیسی پہلے ہوئی یعنی بیٹی کی فرع کو ایک اور اس کے مقابل کو دو حصے ملیں گے۔چناچہ اس کو قرابت کی متعدد جہتوں سے بھی اتنا ہی حصہ موصول ہوا جتنا ایک قرابت والے کو ملتا ہے۔یہ خلاف مفروض ہے۔بخلاف اس کے کہ جب ہم بیٹی کو دو بیٹیاں فرض کرلیں تو اس صورت میں

حینئذٍ من اثنین لان الابن یساوی البنتین فیکون المال بین الفرعین نصفین وماھو الالکون فرع البنت ذاقرابتین والالاصاب ھو واحدًا وفرع الابن اثنین، وھذا بعون الله تعالٰی ولوجهه الحمد دلیل قاطع ویوضح ایضًا ما **اقول**: لیعلم **اولًا** ان ذاجھتین مساوٍ لاثنین ذوی جهة مثلًا ابن ابن ابن بنت وابن بنت بنت بنت اٰخر واخریجمع النسبین فھٰذا یساوی الاولین ھکذا:

مسئلہ دو[۲] سے بنے گا، کیونکہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا مال دو فرعوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور یہ فقط اس لئے ہے کہ بیٹی کی فرع دو[۲] قرابتوں والی ہے ورنہ اسے ایک اور بیٹے کی فرع کو دو ملتے ہیں۔ اور یہ الله تعالٰی کی مدد سے اس حال میں کہ حمد اسی کی ذات کے لئے ہے قطعی دلیل ہے نیز اس کو واضح کرتا ہے وہ قول جو میں کہتا ہوں، **اولًا** جاننا چاہئے کہ دو جہتوں والا الگ الگ جہتیں رکھنے والے دو کے برابر ہوتا ہے مثلًا ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو اور ایک دوسری بیٹی کی نواسی کا بیٹا ہو اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور بیٹا موجود ہو جو ان دونوں نسبوں کا جامع ہو تو یہ پہلے دونوں بیٹوں کے برابر ہوگا۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

قسمنا علی البطن الثانی لانه اول

ہم نے دوسرے بطن پر تقسیم کی کیونکہ وہی پہلا

بطن وقع فیه الاختلاف وفیه ابنان وبنتان فالمسئلة من ستّة اربعة لطائفة الذکور واثنان لطائفة الاناث ثم لاخلف تحت شیئ من الطائفتین فی بطن مافیصیب الابن الاول من ابیه اثنین و کذٰلك الابن الثانی والابن الاول من امه واحد و کذٰلك الابن الثالث فیکون للاول ثلٰثة مثل ما لمجموع الباقین وھٰکذا کان ینبغی لانه جامع لقرابتهما جمیعا ولیعلم **ثانیا** ان ھاتین الجهتین المذکورتین مثلاً فی جانب البنات مجموعهما مساوٍ لجهة واحدة فی جانب الابن اذا لم یکن صاحبها وارثا ولا ولد وارث کولد ولد بنت ابن ھٰکذا:

بطن ہے جس میں مذکور ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف واقع ہوا۔اس بطن میں دوبیٹے اور دوبیٹیاں ہیں، چنانچہ مسئلہ چھ سے بنے گا جس میں سے چار مذکر فریق اور دو مؤنث فریق کے لئے ہوں گے پھران دونوں فریقوں کے نیچے کسی بطن میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا پہلے بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے یونہی دوسرے بیٹے کو بھی (اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے) اور پہلے بیٹے کو بھی اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا یونہی تیسرے بیٹے کو بھی (اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا) تو اس طرح پہلے بیٹے کو تین حصے ملے جو باقی دونوں بیٹوں کے مجموعی حصوں کے برابر ہیں، اور یونہی ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان دونوں کی قرابتوں کا جامع ہے۔اور **ثانیاً** جاننا چاہئے کہ یہ دونوں مذکورہ جہتیں جو مثال کے طور پر بیٹیوں کی جانب میں ہیں ان کا مجموعہ اس ایک جہت کے برابر ہے جو بیٹے کی جانب میں ہے جبکہ اس کا صاحب نہ تو وارث ہو اور نہ ہی وارث کی اولاد ہو، جیسے پوتی کی اولاد کی اولاد۔صورت مسئلہ یوں ہوگی:

مسئلہ ۲ × ۳ = ۶

بنت	بنت	ابن
ابن	بنت	بنت
ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ولد
۲	۱	۱/۳

وانما اعبرنا فیھما بالولد لیعم الذکر والانثٰی فان الحکم لایختلف،المسئلۃ من اثنین لان ابنا کبنتین فنصیب الابن لفرع الاخیر ونصیب طائفۃ البنات یقسم فی البطن الثانی اثلاثا فتضرب المسئلۃ فی ثلٰثۃ وتصح من ستّۃ ثلٰثۃ منھا لفرع الابن واثنان لابن الکائن فی البطن الثانی من طائفۃ البنات وواحد للبنت التی فیہ ثم ینتقلان الٰی فرعیھما فیکون مالفرعی البنتین مساویا لماکان لفرع الابن وبعد تمھید ھٰذا نقول اذا اجتمعوا اعنی صاحبی الجھتین وجامعھما من جانب البنات

ہم نے ان دونوں بطنوں میں اولاد کے ساتھ اس لئے تعبیر کی تاکید یہ مذکر ومؤنث دونوں کو عام ہوجائے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہیں ہوتا۔مسئلہ ۲ سے بنے گا کیونکہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کی مثل ہے چنانچہ بیٹے کا حصہ اس کی آخری فرع کو ملے گا جبکہ بیٹیوں کے فریق کا حصہ تین حصے بناتے ہوئے دوسرے بطن میں تقسیم ہوگا۔اصل مسئلہ یعنی دو کو تین میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح چھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی جس میں سے تین بیٹے کی فرع کو ملیں گے اور دو اس بیٹے کو ملیں گے جو بیٹیوں کے فریق سے دوسرے بطن میں ہے جبکہ ایک بیٹی کو ملے گا جو اس بطن میں ہے پھر ان دونوں کے حصے ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوں گے۔چنانچہ جو کچھ دونوں بیٹیوں کی فرعوں کو ملا وہ بیٹے کی فرع کو ملنے والے حصوں کے برابر ہے۔اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب دو الگ الگ جہتوں والے اور ان دونوں جہتوں کا جامع بیٹیوں کی جانب سے جمع ہوئے ہیں

وفرع کذائی من جهة الابناء بحکم المقدمتین المذکورتین ان یکون المال بینهم اثلاثا ثلثه للصاحبین واٰخر للجامع واٰخر للابنی لتساویهم جمیعًا کما عرفت وھٰذا انما یتأتی اذا اعتبر اصل الفرع الجامع اصلین ھٰکذا:

اور اگر یہی صورت بیٹوں کی جانب سے متحقق ہو تو بھی مذکورہ بالا دو مقدموں کی بنیاد پر حکم یہی ہوگا کہ مال ان کے درمیان تین حصوں کے طور پر منقسم ہوگا، ایک تہائی دو الگ الگ جہتوں والوں کے لئے اور ایک تہائی دونوں کے جامع کے لئے اور ایک تہائی بیٹے کی فرع کے لئے، کیونکہ وہ سب آپس میں مساوی ہیں۔ جیسا کہ تو پہچان چکاہے۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب دونوں جہتوں کی جامع فرع کی اصل کو دو اصلیں فرض کیا جائے۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

مسئلہ ۳ × ۳ ر ۹

بنت (ابن ، بنت / ابن ، بنت / ابن)	بنت	بنت	ابن
ابن ۲ — بنت ۱	ابن	بنت	بنت
	ابن	بنت	ولد
۳	ابن	ابن	ولد
	۲	۱	۱/۳

اعتبرنا البنت الاولٰی بنتین فکان فی البطن الاول ابن واربع بنات کابنین وعلی الاختصار ثلثة ابناء فالمسئلة من ثلثة واحد منها لفرع الابن واثنان لطائفة البنات وتحتهن فی البطن الثانی ابنان وبنتان ای کثلثة ابناء ولایستقیم اثنان علیهم فتضرب المسئلة فی ثلثة تکن من تسعة

ہم نے پہلی بیٹی کو دو بیٹیاں فرض کیا تو اس طرح پہلے بطن میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ہوگئیں جو کہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ بطور اختصار یہ کہ تین بیٹے ہوگئے۔ چنانچہ مسئلہ تین سے بنے گا جن میں سے ایک بیٹے کی فرع کے لئے اور دو بیٹیوں کے فریق کے لئے ہوں گے اور ان بیٹیوں کے نیچے دوسرے بطن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں یعنی تین بیٹے ہوگئے۔ اور دو

وبها تصح لفرع الابن منها ثلثة ولطائفة البنات ستّة تنقسم فی البطن الثانی اثلاثا للبنتین اثنان منتقلان الی فرعیهما لعدم الاختلاف وللابنین اربعة منتقلة کذلك الی فرعیهما فیصیب الابن الجامع ثلثة اثنان من ابیه وواحد من امه ولصاحبی القرابتین اثنان و واحد مجموعهما ثلثة وللفرع الابن ایضا ثلثة کما کان حکم المقدمتین المذکورتین بخلاف ما اذا لم یعتبر الاصل اصلین فانه یزید حینئذٍ سهم الابنی علی السهمین الباقیین هٰکذا:

ان تین پر تقسیم نہیں ہوسکتے۔لہٰذا مسئلہ کو تین میں ضرب دی جائے گی توحاصل ضرب نو(۹) ہوگا،اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی بیٹے کی فرع کے لئے نو میں سے تین جبکہ بیٹیوں کے فریق کے لئے چھ حصے ہوں گے جودوسرے بطن میں تین پر تقسیم ہوجائیں گی،جن میں سے دوحصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جو عدم اختلاف کے سبب سے ان دونوں کی فرعوں کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔اور چارحصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جوکہ اسی طرح ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔لہٰذا دونوں جہتوں کے جامع بیٹے کو تین حصے ملیں گے دوباپ کی طرف سے اورایک ماں کی طرف سے۔اور دوالگ الگ قرابتوں والوں کے لئے۔دواور ایک یعنی مجموعی طورپر تین حصے بنے۔اوربیٹے کی فرع کے لئے بھی تین حصے ہوں گے جیسا کہ دونوں مذکورہ مقدموں کا حکم ہے.بخلاف اس کے کہ جب اصل کو دواصلیں فرض نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بیٹے کی فرع کاحصہ باقی دو بیٹوں کے حصوں سے زائد ہوجائے گا۔صورت مسئلہ یوں ہوگی

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

مسئلہ ۵ × ۲ ن ۱۰

بنت	بنت	بنت	ابن
ابن بنت	ابن	بنت	بنت
ابن بنت	ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ابن	ولد
۲ و ۱			۲
۳	۲	۱	۴

والبیان ظاھرھف فظھران اعتبار تعدد الجھات فی الاصول انما یکون بحصول التعدد فی الذوات فان کان حقیقۃ ذاك کما فی الامثلۃ التی ذکروھا فی الکتب والاوجب اعتبارہ حکما وعد اصل اصلین فی القسمۃ و یظھر ھذا لمن تأمل فیما صوروہ ایضامن کون الجھۃ من اصلین کما اذا ترك بنتی بنت ابن بنت ھما ایضا بنتا ابن ابن بنت اخری وابن بنت بنت ابن بھٰذہ الصورۃ:

اور بیان ظاہر ہے، یہ خلاف مفروض ہے۔ پس ظاہر ہوگیا کہ اصول میں تعدد جہات کا اعتبار ذوات میں تعدد کے اصول سے ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ تعدد حقیقتاً ہو تو فبہا جیسا کہ ان مثالوں میں ہے جن کو مشائخ نے کتابوں میں ذکر فرمایا ورنہ حکمی طور پر تعدد کا اعتبار کرنا اور تقسیم میں ایک اصل کو دو اصلیں شمار کرنا ضروری ہوگا اور یہ اس شخص کے لئے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو مشائخ کی بیان کردہ اس صورت میں غور کرنے جو انہوں نے دو اصلوں سے حاصل ہونے والی جہت کے بارے میں بیان کی ہے۔ جیسے کسی شخص نے ایک بیٹی کی پوتی کی دو بیٹیاں چھوڑی ہیں اور وہی دونوں میت کی دوسری بیٹی کے پوتے کی بھی بیٹیاں ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک بیٹے کی نواسی کا بیٹا چھوڑا ہے۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

المسئلة من ثلثة لان کل بنت فی البطن الاول کبنتین ای کابن فکانهم ثلثة بنین ومنها تصح واحد لفرع الابن واثنان للبنتین والتقسیم فی البطن الثالث وان کان علٰی ثلثة لان فیه بنتا کابن وابنا کابنین لااستقامة علٰی ثلثة لااثنین لکن لما کان الانقسام فی البطن الاخیر علٰی بنتین فحسب یصل کلامنهما ثلث من قبل الاب وثلث من قبل الام فکان لکل واحدة کملا ولاحاجة الی الضرب فجعل بنتین فی الاصول کاربع بنات انما اتی من جهة ان تعدد الجهة فی الفروع اورث التعدد فی	مسئلہ تین ۳ سے بنے گا کیونکہ پہلے بطن میں ہر بیٹی دو بیٹیوں یعنی ایک بیٹے کے برابر ہے گویا کہ وہ تین بیٹے ہوگئے اور تین سے ہی مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ایک حصہ بیٹے کی فرع کو جبکہ دو حصے دونوں بیٹیوں کو ملیں گے اور تیسرے بطن میں اگرچہ تقسیم تین پر ہوتی ہے کیونکہ اس میں ایک بیٹی، بیٹے کی مثل ہے، اور ایک بیٹا دو بیٹوں کی مثل ہے۔اور دو کا تین پر تقسیم ہونا بلا کسر درست نہیں، لیکن جبکہ آخری بطن میں فقط دو ہی بیٹیوں پر تقسیم ہوتی ہے ان دونوں کو ایک تہائی باپ کی طرف سے اور ایک تہائی ماں کی طرف سے موصول ہوگا۔ تو ہر ایک کیلئے مکمل ثلث ہوگا اور ضرب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لہٰذا اصول میں دو بیٹیوں کو چار بیٹیوں کی طرح بنانا فقط اس اعتبار سے ہے کہ فروع میں جہت کا تعدد اصول میں تعدد کو ثابت کرتا ہے۔اور یہ محض فروع کے ابدان کے

الاصول ولیس هذا من قبل ابدان الفروع فحسب فانما هماثنتان لاغیر کما ان الاصل بنتان لاغیر فالتربیع لم یأت الا لاجل الجهات فان قلت لما کانت الفرعان فرعی کل من اصلین کانتا کاربعة فروع کانها بنتان من قبل الاب وبنتان من قبل الاب وبنتان من قبل الام فلم تتعدد الاصول الابتعدد الفروع قلت تعدد الجهات فی فرع لایورث تکثر فی بدنه فزید لایصیر زیدین لکونه ابن ابیه وابن امه فالتربیع فی الفرعین ماجاء الابتعدد الجهات وجعلتموه مستلزما لتربیع الاصلین فکان ذٰلك قولا منکم بقولنا من حیث لاتشعرون وبالجملة اذا صدقت المقدمان القائلتان کلما تعددت الجهات

اعتبار سے نہیں کیونکہ ابدان توفقط دو ہیں جیسا کہ اصل میں فقط دو بیٹیاں ہیں تو انہیں چار بتانا فقط تعدد جہات کی وجہ سے ہے۔ اگر تو کہے کہ جب دونوں فرعیں دو اصلوں میں سے ہر ایک کی فرعیں ہیں تو کل فرعیں چار ہوگئیں گویا کہ دو بیٹیاں باپ کی جانب سے اور دو ماں کی جانب سے ہیں۔ تو اس طرح اصول بغیر تعدد فروع کے متعدد نہیں ہوئے۔ میں کہوں گا فرع میں جہتوں کا متعدد ہونا بدن میں کثرت کو ثابت نہیں کرتا۔ چنانچہ زید اس وجہ سے دو زید نہیں بن جاتا کہ وہ اپنے باپ کا بھی بیٹا ہے اور اپنی ماں کا بھی، لہٰذا دو فرعوں کا چار بن جانا نہیں ہوا مگر تعدد جہات کی وجہ سے۔ اور تم اس کو دو اصلوں کے چار ہونے کے لئے مستلزم قرار دے چکے ہو تو غیر شعوری طور پر تم نے وہی بات کہہ دی جو ہمارا قول ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا دونوں مقدمے سچے ہوں اور یوں کہا جائے کہ جب جہات متعدد ہوں تو فروع متعدد ہوتی ہیں اور جب فروع متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوتے ہیں جیسا کہ تم اعتراف کرچکے ہو۔ تو نتیجے کا سچا ہونا واجب ہے۔ اور یوں کہا جائے گا کہ جب جہات متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوں گے۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ یہ وہ ہے جو

قدرت والے بادشاہ جس کی بزرگی غالب ہے کی مدد کے محتاج بندے کے لئے ظاہر ہوا، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا، لہٰذا تجھ پر لازم ہے کہ تو اس کو حاصل کر شاید تو اس کو ان سطور کے غیر میں نہ پائے۔ اور اللہ تعالٰی امور کی حقیقتوں کو خوب جانتا ہے۔ (ت)	تعددت الفروع وکلما تعددت الفروع تعددت الاصول کما اعترفتم وجب صدق النتیجۃ القائلۃ کلما تعدد الجہات تعددت الاصول وھوالمقصود ھٰذا ماظھر للعبد الفقیر بعون الملك القدیر عزجلالہ وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی فعلیك بہ فلعلك لاتجدہ فی غیر ھٰذہ السطور، واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الامور۔

اب تقسیم مسئلہ کی طرف چلئے، اصل مسئلہ بوجہ زوجہ چار سے ہے اس کا فرض دے کر تین بچے جس کے مستحق پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں برابر چار بھائیوں کے، گویا نو بھائی ہیں تین نو کو تین بار فنا کرتا ہے، لہٰذا مسئلے میں تین [۳] کی ضرب ہو کر بارہ [۱۲] ہوئے جس سے تین زوجہ کے اور پانچ طائفہ مردان اور چار طائفہ زنان کے۔ اب طائفہ مردان کے نیچے بطن دوم میں لیلٰی دو [۲] بنت ہے اور ولید دو [۲] ابن اور حمید ایک۔ مجموع تین [۳] ابن دو [۲] بنت، گویا چار [۴] ابن ہیں، بوجہ تبائن مسئلے میں چار [۴] کی ضرب ہو کر اڑتالیس [۴۸] ہوئے، بارہ چمن آرا کے اور بیس [۲۰] طائفہ مردان اور سولہ [۱۶] طائفہ زنان کے۔ یہ بیس [۲۰] یوں تقسیم ہوئے

کہ لیلٰی کو پانچ اور طائفہ ذکور اعنی ولید و حمید کے پندرہ، یہ طائفہ ذکور کے بعد بطن ثالث میں اختلاف نہیں، رابع ہیں ایک ابن سعید اور دو بنت سعاد و حسینہ، گویا چار بنت ہیں۔ پندرہ ان پر مستقیم نہیں، اور لیلٰی کو بھی سعاد و سعید ابن و بنت ہیں، اور پانچ تین پر مستقیم نہیں لہٰذا بوجہ تبائن

سہام ورؤس فریقین دونوں رؤس اعنی چار اور تین معتبر ہوئے اور یہ بھی متبائن ہیں تو باہم ضرب دے کر اصل مسئلہ میں بارہ کی ضرب سے پانسو چھہتر (۵۷۶) ہوئے، چمن آرا کے ایک سوچوالیس (۱۴۴) طائفہ زنان کے ایک سو بانوے (۱۹۲)، طائفہ مردان کے دوسوچالیس (۲۴۰) جن میں سے لیلٰی کو ساٹھ پہنچے کہ سعید کو چالیس، سعاد کو بیس ہو کر بٹ گئے اور ولید وحمید کے ایک سواسی پون بٹے کہ سعید کو نوے اور سعاد وحسینہ کو پینتالیس [۴۵]، بالجملہ سعید کے مجموعے ایک سو تیس [۱۳۰] ہوئے اور سعد کے پینسٹھ [۶۵] اور حسینہ کے پینتالیس [۴۵]، یہ تصحیح طائفہ مردان کا مقتضی ہے، اب طائفہ زنان لیجئے

مسـ مسئلہ ۴ × ۳ / ۱۲ × ۷ / ۸۴ × ۳ / ۲۵۲

زوجہ — طائفہ مردان — طائفہ زنان

۱ / ۳ / ۲۱ / ۶۳ — ۵ / ۳۵ / ۱۰۵ — ۴ / ۲۸ / ۸۴

اخت ہندہ — اخت عمرہ

ابن فرید — ابن مجید — بنت محبوبہ — ابن مطلوب

ابن رشید — بنت چمن آرا — ابن محبوب — بنت حبیبہ

بنت حسینہ ۱۲ — بنت گلچہرہ — ابن گلفام — بنت شہناز

۱۲ ۶ / ۱۸ — ۸ ۲۴ ۱۲ / ۴۴ — ۴ ۶ / ۱۰

اصل مسئلے سے اس طائفہ کے چار تھے اس کے بطن ثانی میں تین ابن ایک بنت ہے، ہر ایک مثل دو کے، گویا سات ابن ہیں، تو مسئلہ چوراسی سے ہوا۔ طائفہ زنان کے اٹھائیس ان میں چار محبوبہ کے ہیں بطن ثالث میں اس کے ابن وبنت محبوب وحبیبہ یعنی تین پر مستقیم نہیں۔ اور چوبیس [۲۴] طائفہ ذکور فرید ومجید ومطلوب کے ہیں، بطن ثالث میں فرید کا ابن رشید دو ابن ہے، اور مجید کی بنت حسن آرا دو [۲] بنت، اور مطلوب کی اولاد محبوب وحبیبہ ایک ایک ابن وبنت، تو مجموع تین ابن تین بنت، یعنی نو بنت ہیں۔ چوبیس [۲۴] اور نو میں توافق بالثلث ہے تو رؤس طائفہ انثی اعنی محبوبہ بھی تین ہوئے، اور رؤس طائفہ ذکور بھی باعتبار وفق تین ہی رہے انہیں تماثل ہے صرف تین [۳] کی ضرب ہو کر مسئلہ دو سو باون [۲۵۲] سے ہوا جس سے طائفہ علیائے اناث کے چوراسی [۸۴] ان سے بطن ثانی میں محبوبہ کے بارہ کہ محبوب کو آٹھ [۸]، حبیبہ کو چار ہو کر بٹے اور وہ آٹھ [۸] گلفام اور یہ چار [۴] شہناز کو پہنچ گئے اور طائفہ ذکور کے بہتر کہ بطن ثالث میں رشید وحسن آرا محبوب وحبیبہ پر اثلاثا بٹے یعنی اس تازہ طائفہ ذکور رشید ومحبوب کے اڑتالیس [۴۸] اور

نئے طائفہ اناث حسن آرا و حبیبہ کے چوبیں، اب یہ طائفے بھی جدا کردیئے طائفہ ذکور کے نیچے ایک ابن دو بنت ہیں، توگلفام نے چوبیں، حسینہ و گلچھرہ نے بارہ ۱۲ بارہ ۱۲ پائے، اور طائفہ اناث کے نیچے بھی ایک ابن دو ۲ بنت ہیں، توگلفام کو بارہ ۱۲، گلچھرہ شہناز کو چھ ۶ چھ ۶ ملے۔ یہ تصحیح باعتبار طائفہ اناث ہوئی، تصحیحین میں توافق بسدس السدس یاربع التسع یعنی بجزء من ستۃ وثلثین ۳۶ جزء ہے، اول کاوفق سولہ ۱۶ ہے اور ثانی کاسات ۷، توان میں جس کو دوسرے کی وفق سے ضرب دی مبلغ تصحیح چارہزار بتیس ہوئے، تصحیح اول میں جس نے جو پایا تھا اسے سات میں ضرب دی، اور تصحیح ثانی کے سہام کو سولہ ۱۶ میں،

سعاد	سعید	حسینہ	حسینہ	گلچھرہ	گلفام	شہناز
۶۵	۱۳۰	۴۵	۱۲	۱۸	۴۴	۱۰
۴۵۵	۹۱۰	۳۱۵	۱۹۲	۲۸۸	۷۰۴	۱۶۰

توحسینہ کے مجموع پانسوسات (۵۰۷) ہیں اورچمن آرا کے ہرطرح ایک ہزار آٹھ ۱۰۰۸، اور یہی وہ تقسیم ہے کہ مذکور ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

مسئلہ ۳۶ × ۱۶ (۵۷۶) محمد یار

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	ابن	بنت	بنت
حافظ جان	نیاز علی	محمد علی	کلن	محمد حسین	احمدی	بی جان	امیر علی	بنی جان	حبن
کان لم یکونا		۶	۱۵ / ۲۴۰	۱۰	۵	کان لم یکونوا			

توضیحش آنکہ اولاً حافظ جان مُردوہمیں ابناء وبنات ورثہ گزاشت باز نیاز علی گزشت وبقیہ اخوۃ واخوات وارث داشت پس ایں ہر دو کان لم یکن شدند ومسئلہ بہ ۱۲ تقسیم یافت چار پسر را	اس کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے حافظ جان مرا اور یہی بیٹے اور بیٹیاں ورثاء چھوڑے، پھر نیاز علی فوت ہوا اور باقی بہن بھائی وارث چھوڑے، پس یہ دونوں کالعدم ہوگئے۔ اور مسئلہ نے بارہ کے عدد سے تقسیم

ہشت وہر چار دختر راچہار بازامیر علی بعدہ، محمد علی مُرد وباقی دوبرادر وخواہران گزاشت بازحبن بازبنی جان مردن وہمیں اخوین واخوات ورثہ گزاشتند پس چار سہم کہ باین سہ می رسید دردوبرادرا عنی کلن ومحمد حسین ودوخواھرا عنی احمدی وبی جان منحصر گردید وایں چارکسان رابجائے شش دہ رسید وحاصل مسئلہ بآں گرائید کہ ازترکہ یک سدس بہ محمد علی وبقیہ پنج اسداس بریں چہار اشخاص للذکر مثل حظ الانثیین برشش سہم منقسم۔اول عددیکہ سدس اوبرآوردہ باقی رابر ۶ قسمت توانیم سی وشش ست ازہمیں مسئلہ کردیم ۶ بہ محمد علی رسید وبہریک ازکلن ومحمد حسین دہ وبہریک ازاحمدی وبی جان پنج فامابعد اینہا بی جان مردہ وہمین کلن برادرش وارث گزاشتہ پس او را نیز برآوردیم وسہم کلن پانزدہ کردیم فائدہ ایں تصرفات عجیبہ تخفیف عظیمی ست کہ در تقسیم مسئلہ راہ یافت چنانکہ برسالک طریق معہود بموازنہ ایں طرز محمود روشن شود۔

پائی، چاروں بیٹوں کو آٹھ حصے اور چاروں بیٹیوں کو چار حصے ملے، پھر امیر علی اور اس کے بعد محمد علی فوت ہوا باقی دو بھائی اور بہنیں چھوڑیں۔پھر حبن اور پھر بنی جان مرگئے اور وہی دو بھائی اور بہنیں ورثاء میں چھوڑے۔چنانچہ وہ چار حصے جوان تینوں کو پہنچتے ہیں وہ دو بھائیوں یعنی کلن اور محمد حسین اور دو بہنوں یعنی احمدی اور بی جان میں منحصر ہوگئے۔اور ان چار شخصوں کو بجائے چھ کے دس حصے ملتے مسئلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکہ میں سے ایک سدس یعنی چھٹا حصہ (۱/۶) محمد علی کو ملا اور باقی پانچ چھٹے حصے (۵/۶) چار شخصوں پر اس طرح تقسیم ہونے ہیں کہ مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے برابر ہو تو اس طرح یہ حصے چھ پر منقسم ہوں گے اور وہ پہلا عدد جس کا چھٹا حصہ نکال کر باقی کو چھ پر تقسیم کریں وہ چھتیس ہے۔لہٰذا ہم نے چھتیس سے مسئلہ بنادیا،اس میں سے چھ محمد علی کو اور کلن اور محمد حسین میں سے ہرایک کو دس دس اور احمدی اور بی جان میں سے ہرایک کو پانچ پانچ حصے دیئے۔لیکن ان کے بعد بی جان فوت ہوئی اور وہی کلن اپنا بھائی وارث چھوڑا چنانچہ ہم نے بی جان کو تقسیم سے نکال دیا اور کلن کے حصے پندرہ کردیئے۔ان عجیب تصرفات کا فائدہ اس مشقت میں کافی حد تک تخفیف کرنا ہے جو مسئلہ کی تقسیم میں راہ پاتی ہے جیسا کہ معروف طریقہ پر چلنے والے شخص پر اس پسندیدہ طرز کے ساتھ موازنہ کرنے سے روشن ہوجاتا ہے۔(ت)

مسئلہ — محمد علی — عہ۶

زوجہ مجبوبن — ابن وزیر علی — کان لم یکونا

ابن احمد علی $\frac{1}{6}$ / ۹۶

زیرا کہ مجبوبن را ہمین دو پسر وارث شدند باز وزیر علی را ہمین یک برادر۔ اس لئے کہ مجبوبن کے یہی ۲ دو بیٹے وارث ہوئے پھر وزیر علی کا یہی ایک بھائی وارث ہوا (ت)

مسئلہ ۱ — احمدی — مہ۵

زوج — ابن — کان لم یکونا

بنت محمدی $\frac{1}{5}$ / ۸۰

لمثل ما مر فی محمد علی

مسئلہ ۳۲ — محمد حسین توافق بالنصف — مہ۱۰

زوجہ ثانیہ آسودہ	ابن من الثانیۃ	بنت من الاولٰی	بنت من الاولٰی
	علی حسین	بنی	بتولن
$\frac{4}{20}$	$\frac{14}{70}$	$\frac{7}{35}$	$\frac{7}{35}$

مسئلہ ۴۰ — کلن — فاستقامت — مصہ۲۴۰

زوجہ مونگا	ابن واحدیار	ابن حامدیار	بنت بسم اللہ
$\frac{5}{30}$	$\frac{14}{84}$	$\frac{14}{84}$	$\frac{7}{42}$

المبلغ ۵۷۶

الاحیاء

احمد علی	آسودہ	علی حسین	بنی	بتولن	مونگا	واحدیار	حامدیار	بسم اللہ	محمدی
۹۶	۲۰	۷۰	۳۵	۳۵	۳۰	۸۴	۸۴	۴۲	۸۰

آسودہ کہ بعد انتقال محمد حسین حسب بیان سائل محمد حسین کا زر نقد واثاث البیت اپنے حصے سے زائد لے کر مع اپنے دوسالہ بچے علی حسین کے چلی گئی اور بارہ سال سے

مفقود الخبر ہے علی حسین کے ستر سہام اس کی ستر سال عمر تک امانت رہیں اگر وہ زندہ معلوم ہو اسے دیئے جائیں یا مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کو پہنچائے جائیں، اور اگر اس مدت تک پتا نہ چلے تو اس وقت جو اس کے وارث شرعی ہوں وہ پائیں آسودہ جو کچھ اپنے حصص سے زائد لے گئی اگر اس کا مہر واجب الادا تھا اور وہ مال کہ لے گئی مقدار مہر واجب الاداء سے زائد نہ تھا تو اس کا حصہ بھی بدستور اس کی ستر سال عمر ہونے تک امانت رہے، اور اگر زائد تھا تو اس کا الزام علی حسین نابالغ پر نہیں صرف آسودہ کے حصے سے بنی و بتولن اپنے حصے کا نقصان وصول کرسکتی ہیں۔

وھو مسئلة الظفر بخلاف جنس الحق المفتی به الآن علی جواز الاخذ[1]۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔	اور وہ مسئلہ ہے اپنے حق کی جنس کے غیر کو وصول کرنے پر کامیابی حاصل کرنے کا۔ آج کے دور میں اس کو لینے کے جواز پر فتوٰی ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از صوبہ پنج علاقہ گوالیار مرسلہ مولوی مبارک حسین صاحب ۲۵/ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک بیوہ عورت نے وفات پائی اور اس نے جو ترکہ چھوڑا اس میں کچھ تو اس کا ذاتی ہی مال ہے اور کچھ ایسا ہے جو اس کے شوہر نے اپنی حیات میں اسے دے دیا تھا متوفیہ کا کوئی رشتہ دار قریب و بعید نہیں ہے نہ ذوی الفروض میں نہ عصبات میں نہ ذوی الارحام میں، غرضیکہ کسی قسم کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے، متوفیہ کے شوہر کا ایک لڑکا پہلی عورت سے ہے اور وہ متوفیہ کے ترکہ کا دعوٰی کرتا ہے آیا ترکہ ذاتی متوفیہ اور اس کے شوہر کا دیا ہوا اس لڑکے کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر ملنا چاہئے تو متوفیہ کا ذاتی و شوہری دونوں یا ایک، اور اگر نہ ملنا چاہئے تو وہ ترکہ کس کو ملنا چاہئے؟ عملداری ہنود ہونے کی وجہ سے بیت المال بھی نہیں ہے جو اس میں جائے بصیغہ لاوارثی سرکار میں

[1] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰، ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

جانا چاہئے یا متوفیہ کے شوہر کا لڑکا وارث ہونا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں متوفیہ کا کل متروکہ خواہ اس کا ذاتی مال ہو خواہ شوہر کا دیا ہوا بعد ادائے دیون وانفاذ وصایا تمام وکمال فقرائے مسلمین کا حق ہے جو کسب سے عاجز ہوں اور ان کا کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو۔

فی ردالمحتار ترکۃ لاوارث لھا مصرفہ اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لھم فیعطی منہ نفقتھم و ادویتھم وکفنھم وعقل جنایتھم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء[1] اھ ملتقطا۔	ردالمحتار میں ہے کہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں۔اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں، کفن کے اخراجات اور جنایات کی دِیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاط (ت)

شوہر کا بیٹا اگر فقیر عاجز ہے تو وہ بھی اور فقرائے عاجزین کے مثل مستحق ہے ورنہ اس کا اصلًا استحقاق نہیں، نہ متوفیہ کے ذاتی مال میں نہ شوہر کے دیئے ہوئے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۱: ۱۳/شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حسین بخش کی دختر کا نکاح ہوا اور اس نے اپنے شوہر کے یہاں کل ایک گھنٹہ قیام کیا اور بعدہ اپنے والد کے یہاں چلی آئی اور دو ماہ بارہ یوم تک بعد نکاح کے زندہ رہی اور اس درمیان میں اپنے شوہر کے یہاں نہ گئی اور اپنے والدین کے یہاں مر گئی اس کے پاس زیور والدین کا تھا اور کچھ زیور اس کے شوہر نے چڑھایا تھا اب اس کا شوہر کل زیور کا دعوی کرتا ہے اور اس کی تجہیز وتکفین اس کے والدین نے کی، اس صورت میں از روئے شرع شریف اس کا شوہر زیور پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۸

الجواب:

زیور، برتن، کپڑے وغیرہ جو کچھ ماں باپ نے دختر کو دیا تھا وہ سب ملک دختر ہے اس میں سے بعد ادائے دَین اگر ذمہ دختر ہو نیز اجزائے وصیت اگر دختر نے کی ہو ہر چیز کا نصف شوہر کا حصہ ہے اور نصف ماں باپ کا، اور جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا اس میں ان لوگوں کے رسم رواج کو دیکھنا لازم ہے اگر وہ چڑھاوا صرف اس نیت سے دیتے ہیں کہ دلہن پہنے مگر دلہن کی مِلک نہیں کر دیتے بلکہ اپنی ہی ملک رکھتے ہیں جب تو چڑھاوا شوہر یا شوہر کے ماں باپ کا ہے جس نے چڑھایا ہو، اور اگر دلہن ہی کو اس کا مالک کر دیتے ہیں تو وہ بھی مثل جہیز ترکہ دختر ہے اسی حساب نصفا نصف پر تقسیم ہوگا۔ اور جس طرح شوہر آدھے ترکہ کا مستحق ہے یونہی دختر کے والدین شوہر سے آدھا مہر لینے کے مستحق ہیں۔ سائل نے جو بیان کیا کہ عورت صرف گھنٹہ بھر کیلئے دن میں مکان شوہر پر گئی تھی اسی دن اس کے بھائی کی شادی تھی جس میں بلالی گئی اور مکان تنہا میں زن وشوہر نہ رہنے پائے تو اس صورت میں بھی آدھا مہر کامل ہی والدین کو شوہر سے ملے گا کہ قبل خلوت طلاق ہو نا سقوط نصف مہر ہوتا ہے۔ موت اگرچہ قبل خلوت ہو کل مہر کو لازم کر دیتی ہے۔

فی الدر یتأکد عند وطیئ او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما[1] الخ۔	دُر میں ہے کہ مہر وطی کے وقت یا شوہر کی طرف سے خلوت صحیحہ کے وقت یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے وقت لازم ہو جاتا ہے الخ۔ (ت)

تو بعد موت کل مہر لازم شدہ سے نصف حصہ زوج ہوا اور نصف والدین کو پہنچے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: از کانپور بانس منڈی مرسلہ محمد علیم الدین صاحب محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یٰسین نے انتقال کیا اپنے وارثوں سے ایک ابن کریم بخش و بنت مریم وزوجہ عمرہ ووالدہ اخیافی و پانچ بھائی اور ایک بہن اخیافی چھوڑی ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ اس میں سے زوجہ عمرہ نے انتقال کیا

---

[1] الدر المختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

اس نے ایک بھائی اخیافی اور ایک بہن حقیقی اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی حقیقی چھوڑی، ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے کریم بخش نے انتقال کیا اس نے اپنے وارثوں میں سے ایک زوجہ مسماۃ آمنہ اور بہن حقیقی اور ایک دادی اور پانچ چچے اخیافی اور ایک پھوپھی اخیافی چھوڑے۔ از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عبارت سائل سے ظاہر یہ ہے کہ اس کے نزدیک اخیافی سوتیلی کو کہتے ہیں یعنی جسے باپ کی طرف سے علاقہ ہو اور ماں کی طرف سے جدا، ولہٰذا اس نے اخیافی، والدہ کو لکھا یعنی سوتیلی ماں۔ اگر بہن بھائی اخیافی میں بھی یہی مراد ہے یعنی وہ یٰسین کے سوتیلے بہن بھائی ہیں کہ باپ ایک اور ماں جدا، تو اس صورت میں محمد یٰسین کا ترکہ بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت تیس سہام پر منقسم ہو کر بیس سہام مریم اور پانچ آمنہ اور ایک یٰسین کے ہر سوتیلے بھائی کو ملے گا۔ صورت مناسخہ یہ ہے مگر اخیافی حقیقۃً ان بھائی بہن کو کہتے ہیں جو ماں میں شریک ہوں اور باپ جدا۔ اگر یہ چھ شخص محمد یٰسین کے ایسے ہی بہن بھائی تھے تو ترکہ بشرائط مذکور صرف چھ سہام پر منقسم ہو کر پانچ سہم مریم اور ایک آمنہ کو ملے گا۔ محمد یٰسین کے ان بہن بھائیوں کا کچھ استحقاق نہیں لانھم من ذوی الارحام والرد مقدم علیھم (اس لئے کہ وہ ذوی الارحام ہیں اور رَد ان پر مقدم ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم ۱۳۲۱ھ

(صلح کو روشن کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی ادخلنا فی السلم، وعاملنا بالمن والعفو والحلم، وعلمنا من العلم ومن نصف العلم، والصلٰوۃ والسلام علی الجواد الکریم الفائض علی عبیدہ من علم الفرائض، وعلٰی اٰلہ وصحبہ واحبابہ وارثی علمہ واٰدابہ۔ اٰمین!	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلام میں داخل فرمایا اور ہمارے ساتھ احسان، درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ اور ہمیں علم اور نصف علم (علم فرائض) سکھایا۔ اور درود وسلام ہو اس ذات پر جو سخی، کرم فرمانے والا، اپنے غلاموں پر علم میراث کا فیضان فرمانے والا ہے اور آپ کی آل واصحاب اور دوستوں پر جو آپ کے علم اور آداب کے وارث ہیں۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

امّابعد، یہ بعض مسائل فرائض ہیں جو فقیر کے سامنے پیش ہوئے اور ابنائے زمان نے ان کی فہم میں اغلاط کئے۔ مقصود ازالہ اوہام واغلاط واراءت سواء الصراط ہے، وباللہ التوفیق۔

فصل اوّل

مسئلہ ۹۳: ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

اعلیحضرت مجدّد مائۃ الحاضرہ دام ظلکم العالی، وقت قدم بوسی خادم نے مسئلہ پوچھا تھا کہ قمر علی نے زوجہ لطیفن بیگم اور حقیقی بہن فاطمہ بیگم اور حقیقی بھتیجا اسد علی اور مکان وزیور واثاث البیت مجموع تین ہزار روپے کا اور اکیس ہزار ے نوٹ چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے مہر معاف کر دیا تھا اور وہ برضائے فاطمہ بیگم واسد علی اپنے حصہ ترکہ کے عوض مکان وزیور واثاث البیت پر قابض رہیں اور باہم وارثان میں اقرار نامہ لکھا گیا کہ فاطمہ بیگم واسد علی کا ان اشیاء میں اور لطیفن بیگم کا زر نقد مذکور میں کوئی حصہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم واسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چودہ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں۔ چنانچہ خادم نے اسی کے مطابق تقسیم کرادیئے، دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا میرا حق زیادہ چاہئے مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے، اور فتاوٰی مولوی عبدالحٔہ صاحب جلد اول مطبع علوی ص ۱۱۰، کی عبارت پیش کی کہ اس کی روسے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے، اس کا خلاصہ عبارت ملاحظہ اقدس کے لئے حاضر کرتا ہوں:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد ورثہ گزاشت یکے ہمشیرہ عینیہ مسمّٰی بہ رابعہ وسہ برادر زادیاں مسمّٰی فاطمہ وزینت وکلثوم ویک برادرزادیان مسمّٰی فاطمہ و زینب وکلثوم ویک برادرزادہ حقیقی مسمے بکر ویک زوجہ مسماۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی او راحصہ ہشتم داد و راضی کردہ اند پس بقیہ متروکہ زید کہ چگونہ تقسیم باید **ھو المصوب** بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ورفع موانع بقیہ ترکہ زید تقسیم بدو سہم شدہ یک سہم ازاں بہمشیرہ حقیقی ویک سہم بہ برادر زادہ خواہد شد باقی ورثہ مجوب خواہند شد۔ واللہ	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے یہ ورثاء چھوڑ کر انتقال کیا، ایک حقیقی بہن جس کا نام رابعہ ہے، تین بھتیجیاں جن کے نام فاطمہ، زینب اور ام کلثوم ہیں، ایک حقیقی بھائی جس کا نام بکر ہے اور ایک بیوی جس کا نام خدیجہ ہے۔ تمام مذکورہ بالا نسبی وارثوں نے بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر راضی کردیا ہے۔ زید کا بقیہ ترکہ کیسے تقسیم ہونا چاہئے؟ **ھو المصوب**۔ جو چیزیں میراث پر مقدم ہیں ان کی تقدیم اور رکاوٹوں کے رفع کے بعد زید کا بقیہ ترکہ دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ اس میں سے

اعلم بالصواب۔ کتبہ ابوالحنات محمد عبدالحیٔ عفاعنہ القوی۔	ایک حقیقی بہن اور ایک بھتیجے کو دیا جائے گا باقی ورثاء محروم ہوں گے۔ اور اللہ تعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے۔ اس کو محمد عبدالحیٔ نے لکھا ہے قوت والا رب اس سے درگزر فرمائے (ت)

جواب کی پوری عبارت عرض کی ہے یہ صورت بعینہٖ وہی صورت واقعہ ہے، حضرت نے اگرچہ حکم زبانی فورًا ارشاد فرمایا تھا مگر کتاب کا حوالہ مولوی عبدالحہ صاحب نے بھی نہیں دیا ہے لہٰذا امیدوار ہوں کہ اس مسئلہ کی مفصل حقیقت نہایت عام فہم ارشاد ہو۔ ظلکم ممدود باد بندہ محمد احسان الحق عفی عنہ۔ ۱۴ محرم شریف ۱۳۲۱ھ

الجواب:

مکرمی اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا، مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے اس صورت کو فقہ میں تخارج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شَے لے کر جدا ہو جائے، اس کا حاصل یہ نہیں ہوسکتا کہ گویا وہ وارث کہ جدا ہو گیا سرے سے معدوم تھا کہ بقیہ ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو جو اس کے عدم کی حالت میں ہوتی اس نے ترکہ سے حصہ پایا ہے تو معدوم کیونکر قرار پاسکتا ہے کہیں معدوم وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچا ہے، بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل ورثہ کے لئے تھے ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پالئے اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے عــــہ (اتنے اتنے،) سہام ہی پر تقسیم ہو۔ جس جس قدر انہیں اصل مسئلہ سے پہنچتے تھے یہاں کے مورث نے ایک زوجہ ایک بہن ایک بھتیجا چھوڑا مسئلہ چار سے ہوا ایک زوجہ دو بہن ایک بھتیجے کا، زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جدا ہو گئی تو چار میں سے اس کا ایک ادا ہو لیا باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا، تو لازم ہے کہ باقی مال یونہی تقسیم ہو، بہن کو دو، بھتیجے کو ایک، نہ کہ دونوں کو نصفا نصف کہ اس تقدیر پر بہن کا حصہ نصف، باقی بعد فرض الزوجہ ہو جائے گا یعنی زوجہ کا حصہ نکال کر جو بچا اس کا آدھا حالانکہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم نصف کل متروکہ تھا۔

عــــہ: اصل میں ایسا ہی ہے شاید یہاں کچھ چھوٹ گیا ہے اور غالبًا عبارت یوں ہے: اس قدر سہام ہی پر یا اتنے ہی سہام ہی ہے، لہٰذا قوسین میں بنادیا ہے۔ ازہری غفرلہ،

قال اللہ تعالٰی " اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (ت)

لاجرم یہ سراسر غلط اور حسب تصریح علمائے کرام خلاف اجماع ہے، زیادہ ایضاح چاہئے باآنکہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ یہاں تین صورتیں ہیں:

اوّل: یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جدا ہوا اس کے اصل استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وہ آٹھویں پر راضی ہو گئی۔

دوم: اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورت مذکورہ میں مکان وزیور واثاث البیت ۱۲ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو بجائے ربع نصف مال پہنچتا۔

سوم: اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورت ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدم تخارج کی حالت میں پہنچتا۔ تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کے تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم وبیش پاتا ہے حصے کہ ہر شیئ میں مشاع تھے فقط جدا ہو جاتے ہیں۔

صورت اولٰی میں جبکہ باقی میع ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا تنہا خود لیا اور اپنے حصہ سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا باقی رہا واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف ایک اس زیادت کا مالک ہو جائے دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم ونا انصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو یعنی ہر ایک کو اس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شیئ جو وارث مذکور لے کر جدا ہو گیا ہے اس میں ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے تھا۔

صورت ثانیہ میں سب بقیہ ورثاء اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے ہیں تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لی جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں حالانکہ ان میں سب کے حصے تھے اور سب راضی ہوئے تھے۔ یہ باتیں سب ایسی ہی بدیہی ہیں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۷۶

جنہیں ہر عاقل ادنٰی نظر سے سمجھ سکتا ہے۔ فقیر نے جو حکم گزارش کیا اس میں ہر صورت پر یہ میزان عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی، صورت اولٰی میں جبکہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہو گئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم واسد علی کو ان کے حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ۱۲ ہزار اور اسد علی کا چھ ہزار تھا یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دوگنا، اور اسی حساب سے زیور و مکان واثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لئے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دو حصے اسے ملے اور اسد علی کا ایک تو ضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دو ۲ ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چودہ ۱۴ ہزار اور اسد علی کے سات ۷ ہزار ہو جائیں۔ صورت ثانیہ میں زوجہ نے چھ ۶ ہزار اپنے حق سے زائد پائے۔ بہن بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں تو ہر ایک کے حصہ سے حصہ رسد یہ زیادت نکالنی لازم۔ بہن کے بارہ ۱۲ ہزار سے چار ہزار نکالیں، اور بھتیجے کے چھ ۶ ہزار سے دو ۲ ہزار۔ اب بقیہ بارہ ۱۲ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے۔ اور وہی نسبت دو ۲ اور ایک کی آ گئی۔ صورت ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجت اظہار نہیں، عورت کو چھ ۶ ہی ہزار پہنچتے ہیں جو اس کا حق تھے، تو بہن بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبّہ کم نہ ہونا چاہئے نہ زائد، لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہرگز عدل کا نام ونشان نہ رہے گا۔ پہلی صورت میں عورت کے تین ۳ ہزار نکل کر اکیس ۲۱ ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصفًا نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار ۴ سخت شناعتیں لازم آئیں:

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے چاہئے تھے بہن کو ان سے ایک حبّہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا اصل حصہ کہ بارہ ۱۲ ہزار تھے وہ تو ملتا ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کتر گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا۔

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا حالانکہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی تو عورت نے صرف تین ہی ہزار تو چھوڑے تھے بھتیجے کے اصل حصے چھ ۶ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے یہ پندرہ سو اور کس کے گھر آئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بنے اور ویسی ہی شناعتیں پیش آئیں۔ بہن بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر راضی ہوئے تھے مگر

پورا نزلہ بہن پر گرا۔ کامل چھ ۶ ہزار اسی کے سہم سے اڑگئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔ زیور مکان وغیرہا متاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک حبہ بنایا اس کا حصہ مفت کا تھا الٰی غیر ذٰلک ممایخاف ولایخاف الانصاف (وغیرہ ذالک جس کا ڈر ہے اور ڈر نہیں مگر انصاف کا۔ت)

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے کسی وارث نے اپنے حصہ سے کچھ نہ چھوڑا، عورت کو جو چھ ہزار چاہئیں تھے بے کم و بیش اتنے ہی ملے اب وہ کون سا جرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کون سی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے دیوڑھا پالیا۔ اگر نوٹ و متاع کی تبدیلی نہ کرتے تو فاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی و لطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہوگئے۔ اس واضح روشن بدیہی بیان کے بعد کسی عبارت کی بھی حاجت نہ تھی مگر زیادت اطمینان عوام کے لئے ایسی کتاب کی صریح تصریح حاضر جو علم فرائض کی سب سے پہلی تعلیم کافی و وافی و مکمل اور ہر مدرسے کے مبتدی طلبہ میں بھی مشہور و معروف و متداول ہے یعنی متن امام سراج الدین و شرح علامہ سید شریف قدس سرہما اللطیف فرماتے ہیں:

(من صالح من الورثۃ علی شیئ معلوم من الترکۃ فاطرح سھامه من التصحیح) ای صحح المسئلۃ مع وجود المصالح بین الورثۃ ثم اطرح سھامه من التصحیح (ثم اقسم باقی الترکۃ) ای مابقی منھا بعد ما اخذہ المصالح (علی سھام الباقین) من التصحیح (کزوج وام وعم) فالمسئلۃ	جس وارث نے ترکہ سے کوئی معین شیئ لے کر دیگر ورثاء سے مصالحت کرلی تو اس کا حصہ تصحیح میں سے نکال دو یعنی اس کو وارثوں کے درمیان موجود تصور کرکے مسئلہ کی تصحیح کردو اور پھر تصحیح میں سے اس کے حصے نکال دو۔ پھر صلح کرنے والے نے جب معین شیئ لے لی تو تصحیح میں سے جو باقی بچا اس کو دیگر ورثاء کے حصوں پر تقسیم کردو جیسے کوئی خاتون اپنا شوہر، ماں اور چچا چھوڑ کر فوت ہوگئی تو مسئلہ خاوند کی موجودگی میں چھ سے

مع وجود الزوج من ستة وهی مستقیمة علی الورثة للزوج عـــہ۱ ثلثة وللام السهمان عـــہ۲ وللعم سهم عـــہ۳ (فصالح الزوج)من نصیبه الذی هو النصف (علٰی مافی ذمته للزوجة من المهر وخرج من البین فیقسم باقی الترکة)وهو ماعدا المهر (بین الام والعم اثلاثا بقدر سهامهما من التصحیح(وحینئذ یکون سهمان)من الباقی للام و سهم واحد للعم کما کان کذٰلك عـــہ۴ فی سهامهما من التصحیح فانقلت هلّا جعلت الزوج بعد المصالحة و اخذه المهر وخروجه من البین بمنزلة المعدوم وایّ فائدة فی جعله داخلا فی تصحیح المسئلة مع انه لایاخذ شیئا وراء ما اخذه قلت فائدته انالو جعلناه کان لم یکن وجعلنا الترکة ماوراء	بنے گا جو کہ ورثاء پر برابر تقسیم ہو جائے گا، خاوند کو تین، ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا۔ چونکہ شوہر اپنے ذمہ مہر کے بدلے میں ترکہ میں سے اپنا حصہ جو کہ نصف ہے چھوڑنے پر صلح کرکے وارثوں کے درمیان سے خارج ہو گیا للذا باقی ترکہ جو کہ مہر کے علاوہ ہے ماں اور چچا کے درمیان تصحیح میں سے ان کے حصوں کے مطابق تین پر تقسیم ہوگا۔ اور اس صورت میں مہر کو نکال کر باقی ترکہ میں سے دو حصے ماں کو اور ایک حصہ چچا کو ملے گا۔ جیسا کہ یہی حال تصحیح سے حاصل شدہ ان دونوں کے حصوں میں تھا اگر تو کہے کہ صلح کے بعد اور شوہر کے مہر کو لے لینے اور وارثوں کے درمیان سے نکل جانے کے بعد تم نے شوہر کو بمنزلہ معدوم کے کیوں قرار نہیں دیا اس کو مسئلہ کی تصحیح میں داخل کرنے کا کیا فائدہ ہے باوجودیکہ وہ اس کے ماسوا کچھ نہیں لیتا جو کچھ وہ لے چکا ہے؟ میں کہوں گا اس کا فائدہ یہ ہے اگر ہم اس کو کالعدم قرار دیتے اور مہر کے ماسوا کو

عـــہ۱: فی النسخة التی بایدینا وللزوج منها سهام ثلثة۔

عـــہ۲: السهمان کذا فی نسختنا۔

عـــہ۳: وللعم الیك قوموسهم کذا عندنا۔

عـــہ۴: کماکان الحال کذٰلك کذا بنسختنا۔

المهر لانقلب فرض الام من ثلث اصل المال الٰی ثلث مابقی اذحینئذ یقسم الباقی بینهما اثلاثا فیکون للام سهم وللعم سهمان وهو خلاف الاجماع اذ حقها ثلث الاصل واذا ادخلنا الزوج فی اصل المسئلة کان للام سهمان من الستة وللعم سهم واحد فیقسم الباقی بینهما علٰی هٰذا الطریق فتکون مستوفیة حقها من المیراث [1] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ واعلم ان ھٰهنا طریقه اخرٰی اخذبها بعض المشائخ رحمهم اللّٰه تعالٰی لاتعلق لها عندی بما نحن فیه وان فرض فانما یکون علیها فی الصورة المسئول عنها لفاطمة ثلثة عشر الفا ومائة وخمسة وعشرون ولاسد علی سبعة اٰلاف وثمان مائة وخمسة وسبعون لم نخترها لان العمل والفتیا بالراجح لاسیما المذهب وانت تعلم ان هذه

ترکہ بناتے تو ماں کا فرضی حصہ مال کی تہائی سے باقی مال (مہر نکالنے کے بعد) کی تہائی کی طرف منتقل ہوجاتا، کیونکہ اس صورت میں باقی مال ان دونوں (ماں اور چچا) کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوتا جس میں سے ماں کو ایک حصہ اور چچا کو دو حصے ملتے اور وہ اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ ماں کا حق اصل ترکہ کا ایک تہائی ہے۔ اور جب ہم نے شوہر کو اس مسئلہ میں داخل رکھا تو ماں کے لئے چھ میں سے دو جبکہ چچا کے لئے ایک حصہ ہوا۔ چنانچہ مہر نکالنے کے بعد باقی بچ جانے والا مال ان دونوں کے درمیان اسی طریقے پر منقسم ہوگا، تو اس طرح ماں میراث میں سے اپنا پورا حق وصول کرے گی اھ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے، تو جان لے کہ یہاں ایک اور طریقہ جس کو بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے اختیار کیا میرے نزدیک زیر بحث مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہم اس کو فرض کرلیں تو اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں فاطمہ کے لئے تیرہ ہزار ایک سو پچیس اور اسد علی کے لئے سات ہزار آٹھ سو پچھتّر حصے ہوں گے۔ ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا کیونکہ عمل اور فتوٰی قول راجح پر ہوتا ہے خصوصًا جبکہ وہ مذہب ہو۔ اور تو جانتا ہے کہ یہ طریقہ

[1] الشریفیة شرح السراجیة فصل فی التخارج مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ۷۳ و ۷۴

ایضاً لاتوافق ماسلکه المجیب اللکنوی فهو خلاف الاجماع قطعًا وباللّٰه العظمة واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	بھی اس طریقے کے موافق نہیں جس پر مجیب لکھنوی چلے ہیں تو وہ قطعی طور پر خلاف اجماع ہوا۔ اور اللہ تعالٰی ہی سے عظمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۹۴: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی وحید اللہ صاحب نائب پیشکار کچہری دیوانی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

حضرت مطاع و محترم مد ظلہم العالی تحیہ تسلیم بالوف تکریم مشکلات کا حل آنحضرت کی ذات مجمع الکمالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ناچار گزارش کیاجاتا ہے سراجی وغیرہا تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ میں عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفل سے سفلیات کو داخل نہیں کیاگیا ہے جیسا اور مواقع مثلاً تفصیل اَبْ میں ہے وابنۃ الابن کے بعد وان سفلت کو بھی شامل کرلیا اس سے خیال ہوتا ہے سفلیات کی معیت عصوبت اخوات کی علت نہیں ہے چنانچہ شارح بسیط رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

اقتصر علٰی بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذٰلك علٰی ان السفالة غیر معتبرة فی صیرورتهن عصبة[1] انتهٰی۔	مصنف نے پوتیوں پر اکتفاء فرمایا اور یوں نہیں کہا اگرچہ نیچے تک ہوں اور ایسا ہی علم فرائض کی دیگر کتابوں میں ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (پڑپوتیاں وغیرہ یعنی) جو بھی پوتیوں کے نیچے ہوں وہ بہنوں کو عصبہ بنانے میں معتبر نہیں ہیں انتہٰی۔ (ت)

اس خیال کی تائید کرتا ہے اطمینان کی غرض سے حضرت سے رجوع کیاجاتا ہے کہ اس کو صحیح خیال کرکے سوالات میں اس پر عملدرآمد کیاجائے یا کیا؟ امید ہے کہ آنحضرت کے عالمتاب

1

آفتاب فیض سے یہ حقیر ذرہ بھی بہرہ یاب ہوگا۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی بعد اہدائے ہدیہ تحفہ سینہ سنیہ ملتمس عصوبت اخوات کے لئے معیت بنت ابن الابن وبنت ابن ابن الابن وان سفلن قطعًا کافی ہے۔اور شرح بسیط کا بیان صریح لغزش بنت الابن حقیقةً لغةً یا عرفًا شائعًا بنت ضرور ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے تصریح وان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل، تو عدم ذکر ہر گز ذکر عدم نہیں ہوسکتا ولہٰذا صدہا جگہ علماء نے وہاں کے عموم یقینا ہے لفظ سفول ذکر نہ فرمایا۔ کنزالدقائق میں ہے:

للاب السدس مع الولد او ولد الابن[1]۔	اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

و ولد الابن کولدہ عند عدمہ[2]۔	میت کے بیٹے کی اولاد بیٹے کی عدم موجودگی میں خود میت کی اپنی اولاد کی طرح ہے۔(ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

ومن النساء سبع الام والجدۃ والبنت وبنت الابن والاخت[3] الخ۔	اور عورتوں میں سے سات ہیں ماں، جدّہ، بیٹی، پوتی اور بہن الخ (ت)

اسی میں ہے:

النصف للبنت ولبنت الابن عند عدمھا[4]۔	ترکہ کا نصف بیٹی کے لئے ہے اور بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کے لئے (ت)

---
[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳

[2] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۴

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵

[4] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵

اُسی میں ہے:

السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن ولاب مع الولد او ولدالابن ولبنت الابن وان تعددت مع الواحدۃ من بنات الصلب [1]۔(ملتقطًا)	اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اور حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اگرچہ پوتیاں متعدد ہو جائیں۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن [2]۔	میت کے باپ اور اس کے دادا کو چھٹا حصہ ملے گا جبکہ میت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو۔(ت)

در مختار میں ہے:

والتعصیب مع البنت او بنت عـــہ الابن [3]۔	میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں بہن کو عصبہ بنانا۔(ت)

اسی میں ہے:

ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت وبنت الابن والاخت لابوین ولاخت لأب والزوج [4]۔	جن کا فرضی حصہ ترکہ کا نصف ہوتا ہے اور وہ پانچ ہیں بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن اور خاوند۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

بنات الابن کبنات الصلب و	پوتیاں حقیقی بیٹوں کی طرح ہیں اور ان کے

عـــہ: ھذا الضم ملتقطاً ملخصاً ۱۲ ازہری غفرلہ

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵ و ۳۴۶

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۵

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۵

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

لھن احوال ستٌّ[1]۔	چھ حال ہیں۔(ت)

شریفیہ میں ہے:

أربع من النسوۃ فرضھن النصف والثلثان الاولی البنت، والثانیۃ بنت الابن فان حالھا کحال البنت عند عدمھا[2]۔(ملخصًا)	عورتوں میں سے چار جن کا فرضی حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے۔ان میں سے پہلی بیٹی اور دوسری پوتی ہے، کیونکہ بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کا حال بیٹی کے حال جیسا ہوتا ہے۔(ت)

بلکہ کئی جگہ صرف ذکر بنت پر اقتصار فرمایا حالانکہ بنات الابن وان سفلن قطعًا سب اسی حکم میں داخل۔تنویر میں ہے:

یصیر عصبۃ لغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات باخیھن ومع غیرہ الاخوات مع البنات[3]۔	بیٹیاں بیٹے کے ساتھ، پوتیاں پوتے کے ساتھ اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوجاتی ہیں جبکہ بہنیں بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ مع غیرہ ہوجاتی ہیں۔(ت)

اسی مسئلہ کا کلیہ ارشاد ہوا ہے:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ[4]۔	بیٹیوں کی موجودگی میں بہنوں کو عصبہ بناؤ۔(ت)

اور پھر یہی نہیں کہ ان حضرات کو ترک ذکر سفول کا التزام ہو جس سے ان کی عادت پر حمل کرکے سفول مفہوم ہو، نہیں بلکہ انہیں کتب میں جابجا سفول مذکور۔کنز میں ہے:

للام الثلث ومع الولد او والد الابن وان سفل السدس	ماں کے لئے ایک تہائی ہوتا ہے اور اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو، کی موجودگی میں

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۲
[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب العصبات مطبع علیمی اندرون لاہوری گیٹ لاہور ص ۴۰
[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۷
[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۷، الشریفیہ شرح السراجیہ فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۷

وللزوج النصف ومع الولد اوولد الابن وان سفل الربع،وللزوجۃ الربع ومع الولد او ولد الابن و ان سفل الثمن[1]۔	ماں کے لئے چھٹا ہوتا ہے،خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوتا ہے،اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں چوتھا حصہ ہوتا ہے۔اور بیوی کے لئے ترکہ کا چوتھا حصہ ہوتا ہے جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہوگی موجودگی میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔(ت)

ملتقی میں ہے:

اقربھم جزء المیت وھوالابن وابنہ وان سفل[2]۔	ان میں سے قریب ترین میت کی جزء ہے،اور وہ میت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے اگرچہ نیچے تک ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

وتحجب الاخوۃ بالابن وابنہ وان سفل[3]۔	میت کے بھائی محروم ہوتے ہیں جبکہ اس کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ نیچے تک ہوں۔(ت)

تنویر میں ہے:

یقدم الاقرب فالاقرب منھم کالابن ثم ابنہ وان سفل[4]۔	ان میں سے جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا،جیسا کہ میت کا بیٹا پھر بیٹے کا بیٹا اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔(ت)

توظاہر ہوا کہ علماء کے نزدیک سفول کا ذکر وعدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہوتا فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح

---

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳ و ۴۳۴

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العصبات مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۶

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی الحجب مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو تو شرح بسیط کا تمسک صراحۃ بالمخالف ہے اور خود شرع مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیات قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور بنات ابن الابن کی جگہ۔ یوں ہی بنات الابن نہ ہوں تو بنات الابن کی جگہ ہیں اور بنات ابن ابن الابن بنات ابن الابن کی جگہ۔ وھلمّ جرا ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علماء اسے اعتماد فہم سامع پر چھوڑ جاتے مگر جزاہم اللہ احسن جزاء انہوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا اور عامہ کتب معتمد متداولہ متون وشرح فتاوٰی مثل سراجیہ وشریفیہ و تبیین الحقائق وتکملۃ البحر للطوری ودرمختار وملتقی الابحر ومجمع الانہر وخزانۃ المفتین وفتاوٰی عالمگیریہ وقلائد المنظوم وغیرھا میں صاف صاف بلاخلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا، اب ناظر متعجب ہوگا کہ یہ کیونکر۔ ہاں یہ فقیر سے سنئے۔ زید نے دو بنت ابن الابن اور دو اخت چھوڑ کر انتقال کیا بنتین ابن الابن کے لئے تو یہاں یقینا ثلثین ہے جس میں کسی ادنٰی طالب علم کو بھی محل ریب نہیں، اور اخوت کے پانچ حال ہیں، ایک کو نصف، زائد کو ثلثان، بھائی) کے ساتھ "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ"[1] (مذکر کے لئے دو مؤنثوں کے حصہ کی مثل ہوتا ہے۔ ت) بنات کے ساتھ عصوبت ابن واب وان سفل وعلا کے ساتھ سقوط پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں اب اگر چوتھی نہ مانو تو دوسری متعین ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔ یہ **اولاً:** خود باطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دو بار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔ مجمع الانہر میں ہے:

لایتصور فی مسئلۃ فقط اجتماع ثلثین وثلثین او ثلث وثلث وثلثین[2]۔	کسی مسئلہ میں یہ بالکل متصور نہیں کہ اس میں دو تہائی اور دو تہائی (دوبار) یا ایک تہائی اور ایک تہائی اور دو تہائی جمع ہو جائیں۔ (ت)

ثانیاً: اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین سے ہو کر بوجہ اجتماع دو ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا حالانکہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین ان اصول میں ہے جن میں

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۱

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۷۶۱

کبھی عول نہیں ہوتا۔ سراجیہ میں ہے:

اعلم ان مجموع المخارج سبعۃ اربعۃ منہا لاتعول وھی الاثنان والثلثۃ والاربعۃ والثمانیۃ[1]۔	توجان لے کہ کل مخارج سات ہیں، ان میں سے چار ہیں جن میں عول نہیں کرتا اور وہ یہ ہیں دو ۲، تین، چار ۴ اور آٹھ۔ (ت)

شریفیہ ومنح الغفار وردالمحتار وغیرہ میں ہے:

اتعول اصلا لان الفروض المتعلقۃ بہذہ المخارج الاربعۃ اما ان یفی المال بہاء ویبقٰی منہ شیئ زائد علیہا۔[2]	ان میں عول بالکل نہیں ہوتا کیونکہ ان چار مخرجوں سے جو فرضی حصے تعلق رکھتے ہیں یا تو ترکہ کامال ان پر پورا ہو جاتا ہے یا ان حصوں سے کچھ مال زائد بچ جاتا ہے۔ (ت)

یہ بھی تصریح ہے کہ دو ۲ ثلثین جمع نہیں ہو سکتے، نیز شریفیہ وغیرہا میں ہے۔

لاعول فی الثلثۃ لان الخارج منہا اماثلث ومابقی کام واخ لاب وام واماثلثان ومابقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین لام واختین لاب وام[3]۔	تین میں عول نہیں ہوتا کیونکہ اس سے جو حصے نکلتے ہیں وہ یا تو ایک تہائی اور باقی بچ رہنے والا ہے، جیسے میت کی ماں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا دو تہائی اور باقی بچ جانے والا ہے، جیسے میت کی دو بیٹیوں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا ایک تہائی اور دو تہائی ہیں جیسا کہ میت کی دو اخیافی بہنوں اور دو حقیقی بہنوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ (ت)

اس حصر میں اور بھی واضح کر دیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔ شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے:

جملۃ المخارج سبعۃ وانما تعول	کل مخارج سات ہیں ان میں سے عول فقط

[1] السراجی فی المیراث باب العول مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۱

[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب العول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

[3] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب العول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

منها الستة و اثنا عشرة و اربعة وعشرون والاربعة الاخری لاتعول۔[1]	چھ ۶، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴ میں ہوتا ہے دیگر چار میں عول نہیں ہوتا۔

بعینہٖ اسی طرح تکملہ طوری میں ہے۔ در مختار میں ہے:

المخارج سبعة اربعة لاتعول الاثنان والثلثة و الاربعة والثمانية[2]۔	مخارج سات ہیں جن میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اربعة مخارج لاتعول الاثنان والثلثة[3] الخ۔	مخارج میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو اور تین الخ (ت)

خزانۃ المفتین میں پھر ہندیہ میں ہے:

اعلم ان اصول المسائل سبعة اثنان وثلثة واربعة ستة و ثمانية و اثنا عشر واربعة وعشرون فاربعة منها لا تعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية الخ[4]۔	تو جان لے کہ مسئلوں کے اصول سات ہیں جو کہ یہ ہیں دو ۲، تین ۳، چار ۴، چھ ۶، آٹھ ۸، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴۔ ان میں سے چار یعنی دو، تین، چار اور آٹھ میں عول نہیں ہوتا الخ (ت)

منظومہ علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعة مخارج الاصول اربعة ليست بذات عول، اثنان والثلثة التالية واربع ضعفها الثمانية[5]۔	اصول کے مخارج سات ہیں جن میں سے چار عول والے نہیں ہیں یعنی دو اور اس کے ساتھ تین اور چار اور اس کا دوگنا آٹھ۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶ /۲۴۴

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲ /۳۴۹

[4] فتاوٰی خزانۃ المفتین کتاب الفرائض باب العول قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۲ /۲۵۳

5

تو واجب ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالت چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ ہی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحات جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک موجب تعجب ہے۔

ولکن لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم هفوۃ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔	لیکن ہر تیز رفتار گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے اور ہر تلوار کبھی اُچٹ جاتی ہے اور ہر عالم سے کبھی لغزش ہو جاتی ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے درگزر اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (ت)

فقیر نے بہ طریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو ورنہ بحمد اللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں۔ الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

(والاخت) ولو متعددۃ (مع بنت) الصلب واحدۃ ایضاً فاکثر (و) کذا مع (بنت الابن) وان سفلت کذلك وکذا مع بنت وبنت ابن (ذات اعتصاب مع غیر)[1]۔	اور بہن اگرچہ متعدد ہوں صلبی بیٹی کے ساتھ چاہے ایک ہو یا ایک سے زائد۔ یونہی پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ چاہے ایک ہو یا اس سے زائد عصبہ مع غیرہ بن جاتی ہے۔ (ت)

مختصر الفرائض میں اخوات لاب کے احوال میں ہے:

یصرن عصبۃ مع البنات اوبنات[عـــہ] الابن وان سفلن ان لم توجد الاخوات لاب وام[2]۔	علاتی بہنیں بیٹیوں یا پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہیں بشرطیکہ بہنیں موجود نہ ہوں۔ (ت)

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیرھا دو ۲ زنان اندیکے	عصبہ مع غیرہ دو عورتیں ہوتی ہیں ایک

عـــہ: لعل الصواب اوبنات الابن صح ۱۲ ازہری غفرلہ بل ھو المتعین کما یظھر فیما معنی وما یاتی۔

---

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم رسالہ من رسائل ابن عابدین باب العصبات سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۱۵

[2] مختصر الفرائض

اخت اعیانی میت کہ بابنت یابنت ابن اوہرچند پایان رود عصبہ میگردد۔ دوم اخت علاتی میت کہ باہمیں بنتین مسطور تین عصبہ می شود[1]۔	میت کی عینی بہن جبکہ میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ ہو اگرچہ پوتیاں نیچے تک ہوں۔ دوسری میت کی علاتی بہن ہیں جو میت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ ہو اگرچہ وہ پوتیاں نیچے تک چلی جائیں۔(ت)

اسی میں اخت عینیہ کے احوال میں ہے:

چہارم عصبہ مع البنات الصلبیات و مع بنات الابن ہرچند پایاں روند[2]۔	عینی بہنوں کا چوتھا حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اور پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں(ت)

اسی میں اخت علاتیہ کے حالات میں ہے:

پنجم عصبہ مع البنات الصلبیات و مع بنات الابن ہرچند پایاں روند وقتے کہ عینی نباشد[3]۔	علاتی بہنوں کا پانچواں حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اور پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں بشرطیکہ عینی بہن موجود نہ ہو(ت)

علامہ ابن نوراللہ انقروی نے حل المشکلات میں خوب طریقہ اختیار فرمایا کہ کہیں وان سفلت وان نزلن (اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ت) نہ کہیں اور ہر جگہ بے کہے مذکور ہو یعنی ابتداء میں اپنی کتاب سے مسئلہ نکالنے کا طریق ارشاد فرمایا کہ جس مسئلہ میں فلاں وارث ہو اسے فلاں باب میں دیکھو مسائل بنات الابن کے لئے فرمایا:

ان کان فیھا بنت ابن المیت وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض فھی فی الباب الثانی عشر[4]۔	اگر کسی مسئلہ میں میت کی پوتی اگرچہ نیچے تک ہو دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو تو وہ مسئلہ بارھویں باب میں مذکور ہوگا۔(ت)

پھر ختم مقدمہ کے بعد فہرس ابواب دی اس میں بھی فرمایا:

الباب الثانی عشر منھا فی بنت الابن	بارھواں باب میت کی پوتی کے بارے میں ہے

[1] زبدۃ الفرائض
[2] زبدۃ الفرائض
[3] زبدۃ الفرائض
[4] حل المشکلات

وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض[1]۔	اگرچہ نیچے تک چلی جائے جبکہ وہ دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو۔(ت)

اسی طرح اور ابواب کی نسبت بھی فرمادیا اب ان بابوں میں جہاں مثلاً بنت الابن ہو خواہی نخواہی بحکم تعلیمات سابقہ بنت الابن وان سفلت مراد ہے۔اسی باب دوازدہم میں ہے:

من مات وترك بنت ابن واختا لابوین فالمسئلة من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن والباقی للاخت بالعصوبة[2]۔ غرض حکم مسئلہ واضح ہے وللہ الحمد واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کوئی شخص ایک پوتی اور ایک عینی بہن چھوڑ کر فوت ہوگیا تو مسئلہ دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے۔چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بہن کو بطور عصبہ ملے گا۔اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اللہ سبحانہ،وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

فصل سوم

مسئلہ ۹۵: از احمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیان مدرسہ طیبہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۵/رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک چچازاد بھائی کے سوا کوئی وارث شرعی نہیں اور دو بھتیجے چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں زید نے اپنے مرض الموت میں بھائی کو ایک سو چالیس روپیہ دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حق میراث معاف کرالیا بھائی نے معاف کردیا زید نے اس صلح کے بعد چھ سو باسٹھ روپے کے پانچ مکان خرید کر بنام مدرسہ عربیہ دینیہ وقف کئے اور جو مال باقی رہا اس میں یہ وصیت کی کہ اس سے اولاً حج کرایا جائے اور حج سے جو بچے اس کا مکان خرید کر وقف کردیا جائے بعدہ، زید نے انتقال کیا،اس صورت میں یہ وقف ووصیت نافذ ہوئے یا نہیں؟اور صلح جو وارث سے مورث اپنی حیات میں کرلے شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟اگر صلح مذکور معتبر ٹھہرے تو میراث میں بدیں جہت کہ بھائی کا حق بوجہ صلح ساقط ہوگیا اب بھتیجوں کا حق ثابت ہوگا یا نہیں؟بیّنوا توجروا۔

---

[1] حل المشکلات

[2] حل المشکلات

الجواب:

وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل وبے اثر ہے اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تواب صحیح ہو جائے گی۔

اقول: وباللہ التوفیق تفصیل المقام ان الروایات فی ھٰذہ المسئلۃ توجد علٰی ثلثۃ انحاء،الاول البطلان وھو واضح البرھان غنی عن البیان فان الارث لاثبوت لہ فی حیاتہ فکان اعتیاضا عن معدوم وھو باطل وبھذا ھو نص محرر المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی جامع الفصولین ذکر "م" رحمہ اللہ تعالٰی فی سک(ای محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی السیر الکبیر الذی ھو من کتب الاصول الستۃ)ان المریض لو اعطی من اعیان مالہ بعض ورثتہ لیکون لہ بحقہ من المیراث بطل[1] اھ۔الثانی الجواز ولایظھر لہ وجہ قال فیہ عقیبہ بر مز جف لجامع الفتاوٰی جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت)اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین قسم کی روایات پائی جاتی ہیں،پہلی قسم یہ کہ یہ صلح باطل ہے۔اس کی دلیل واضح ہے جو بیان سے بے نیاز ہے کیونکہ میراث کا ثبوت مورِث کی زندگی میں نہیں ہوتا تو یہ معدوم کا بدل طلب کرنا ہوا اور وہ باطل ہے۔اور اسی پر محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی۔جامع الفصولین میں ہے کہ "م" رحمہ اللہ تعالٰی نے سک میں ذکر فرمایا (یعنی امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ذکر فرمایا جو کہ چھ کتب اصول میں سے ہے)کہ کسی مریض نے اگر اپنے عین مال میں سے کسی وارث کو اس لئے کچھ دیا کہ وہ میراث میں سے اس کا حق بن جائے تو یہ باطل ہے الخ۔دوسری قسم صلح کے جواز کی ہے،اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔جامع الفصولین میں مذکورہ عبارت کے بعد جامع الفتاوٰی کی رمز یعنی جف کے ساتھ کہا کسی شخص نے اپنے دو[2] بیٹوں

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰

علی ان لایکون لہ بعد موت الاب میراث قیل جاز وبہ افتی بعضھم وقیل لا[1] اھ۔وقال فی فرائض الاشباہ و النظائر قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الھمز فی احمد قال الجرجانی فی الخزانۃ قال ابو العباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی فی رجل جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ علی ان لایکون بعد موت الاب میراث جازوافتی بہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن الشجاع البلخی وحکی ذلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمر والطبری[2] انتھی اھ قال فی غمز العیون یتامل فی وجہ صحۃ ذٰلك فانہ خفی[3] اھ **والثالث** الجواز اذا رضی بہ الوارث بعد ماورث	میں سے ایک کو اس کے حصے کا گھر اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی۔ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے۔اور ایک قول میں ہے کہ جائز نہیں ہے۔الخ۔الاشباہ و النظائر کی کتاب الفرائض میں کہا کہ شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الھمز فی احمد میں فرمایا،جرجانی نے خزانہ میں کہا کہ ابوالعباس ناطفی نے فرمایا میں نے اپنے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی کی وہ تحریر دیکھی جو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے دو بیٹوں میں سے ایک کو اس کے حصے کا مکان اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی تو یہ جائز ہے۔اسی پر فقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی نے فتوٰی دیا جو کہ محمد بن شجاع بلخی کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔احمد بن ابوحارث اور ابوعمرو طبری کے شاگردوں نے اس کو نقل کیا ہے۔انتہٰی۔غمزالعیون میں کہا اس کی صحت کی وجہ میں غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ پوشیدہ ہے الخ۔**اور تیسری قسم** یہ ہے کہ صلح اس صورت میں جائز ہوگی جب وارث بننے کے بعد مذکورہ بالا

[1] جامع الفصولین کتاب الوصیۃ الفصل الرابع والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۶۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۳۲

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

قال فی جامع الرموز اعلم ان الناطقی ذکر عن بعض اشیاخه ان المریض اذاعین الواحد من الورثة شیئا کالدار علی ان لایکون له فی سائر الترکة حق یجوز وقیل هذا اذرضی ذلك الوارث به بعد موته فحینئذٍ یکون تعیین المیت کتعیین باقی الورثة معه کما فی الجواهر[1] اھ ونقله فی اوائل وصایا ردالمحتار وزاد ان حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جازوبه افتی بعضهم وقیل لا انتهی[2] اھ ولم یجنح لحکایة ماقدمه فی جامع الفصولین عن السیر الکبیر مع انه کان هو العمدة فی الباب فان ماذکر من الجواز افتاء البعض لولم یکن مستنده کما علمت الٰی خط بعض	وارث اس صلح پر رضامندی ظاہر کردے، جامع الرموز میں کہا توجان لے امام ناطفی نے اپنے بعض مشائخ سے ذکر کیا کہ مریض جب کسی ایک وارث کے لئے کوئی شے معین کردے مثلاً گھر اس شرط پر کہ باقی ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو جائز ہے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب مریض کے مرنے کے بعد وہ وارث اس پر رضامندی ظاہر کرے تو اس صورت میں میت کا معین کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کے ساتھ باقی وارثوں نے تعیین کی ہو۔جیسا کہ جواہر میں ہے الخ۔اس کو ردالمحتار کے وصایا کے شروع میں نقل کیا اور یہ زائد کیا کہ ان دونوں قولوں کو جامع الفصولین میں نقل کیا ہے،اور کہا ہے کہ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے الخ اور ماقبل جامع الفصولین میں بحوالہ سیر کبیر ذکر کردہ حکایات کی طرف میلان نہیں کیا حالانکہ اس باب میں وہ عمدہ ہے کیونکہ جواز اور بعض مشائخ کے فتوٰی کا ذکر اگر بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب نہ ہو

[1] جامع الرمور کتاب الوصایا مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۶۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰

المشائخ مع مافی الخط من شبهة تنزله عن مرتبة الاشارة فضلا من العبارة فعندی فیما ذکر الحموی فی الغمز من احکام الکتابة یجوز الاعتماد علٰی خط المفتی اخذا من قولهم یجوز الاعتماد علٰی اشارته فالکتابة اولٰی[1] اھ نظر فی الاخذ وان قلنا بجواز الاخذ به عند حصول الامن و رکون القلب ولذا اجمعوا علٰی جواز النقل من الکتب المعتمدة المعروفة المتداولة کما افاده فی الفتح فمع قطع النظر من کل ذلك لم یکن له بجنب نص محمد فی ظاهر الروایة قیام علٰی ساق مع مافیه من عدم التئامه بقواعد المذهب علی الاطلاق نعم ماذکر فی الجواهر محمل حسن وبه یدنو من التحقیق ویزول القلق ویحصل التوفیق بیدان الواجب عندی	جیسا کہ تونے جان لیا باوجودیکہ خط میں شبہہ ہوتاہے تو یہ اشارہ کے مرتبہ سے بھی گرجائے گا چہ جائیکہ عبارت (کے برابر ہو) چنانچہ میرے نزدیک اس میں جس کو امام حموی نے احکام کتابت سے غمز میں ذکر کیاہے کہ مفتی کے خط پراعتماد جائز ہے۔ مشائخ کے اس قول سے اخذ کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارے پراعتماد جائز ہے تو کتابت پر بدرجہ اولٰی جائز ہوگا الخ اس اخذ میں نظر ہے، اگرچہ ہم حصول امن اور میلان قلبی کے وقت اس کے ساتھ اخذ کے جواز کے قائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ مشہور ومروج اور قابل اعتماد کتابوں سے نقل کے جواز پر مشائخ نے اجماع کیاہے جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایاہے، اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قول ظاہر الروایہ میں مذکور امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص کے مقابل اپنی پنڈلی پر قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود اس میں علی الاطلاق مذہب کے قواعد کے ساتھ مطابقت بھی نہیں ہے۔ ہاں جو جواہر میں ہے وہ ایک اچھا محمل ہے، اوراسی کے ساتھ یہ تحقیق کے قریب ہوجاتاہے اور اضطراب زائل ہوجاتاہے اور مطابقت وموافقت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۹۸

رضی الورثة جمیعا بعد موت المورث لا رضی المصالح وحدہ فان التخارج مبادلة بینهم فلابد من رضاھم جمیعا لاسیما اذا کان الذی عُیّن له ازید من حقه و کانه لحظ الی ان التعیین لواحد علی ان لایکون له فی سائر الترکة شیئ انما یکون غالبًا باقل من حقه اوما یساویه ولیس فیه مایقتضی عدم رضی سائر الورثة فاقتصر علی ذکر اشتراط رضاہ وحدہ واللّٰه تعالٰی اعلم. فان قلت لم لایجوز ان یحمل کلام محمد محرر المذهب رحمه اللّٰه تعالٰی علی بطلان الحق قلت کلا فان الارث جبری لایسقط باسقاط وکیف یسوغ ابطال ما اثبته اللّٰه تعالٰی فی کتابه والتخارج مبادلة لا اسقاط والمبادلة تقرر الحق وتثبته لاتبطله فلو صح ما فعل المریض لقیل صح مافعل و الحق حصل لا ان بطل هذا عندی

علاوہ میرے نزدیک مورث کے مرنے کے بعد تمام وارثوں کی رضامندی ضروری ہے نہ کہ تنہا صلح کرنے والے کی رضامندی۔ کیونکہ تخارج وارثوں کے درمیان باہمی تبادلہ ہے لہٰذا ان سب کی رضامندی ضروری ہے خصوصًا اس صورت میں جب مذکورہ بالا وارث کے لئے اس کے حق سے زائد کی تعیین کردی گئی ہو۔ گویا اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کسی ایک وارث کے لئے تعیین اس شرط پر ہوگی کہ ترکہ میں سے اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ غالبًا یہ تعیین اس کے حق سے کم تر میں یا اس کے حق کے مساوی میں ہی ہوتی ہے، حالانکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو باقی ورثاء کی عدم رضا کا تقاضا کرتی ہو۔ چنانچہ اکیلے اس وارث کی رضامندی کے شرط ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اگر تو کہے کہ محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام کو بطلان حق پر محمول کرنا کیوں جائز نہیں؟ تو میں کہوں گا ہر گز نہیں کیونکہ وارث بننا جبری امر ہے جو ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں ثابت فرمایا اس کو باطل کرنا کیسے جائز ہوگا، اور تخارج باہمی تبادلہ ہے نہ کہ کسی حق کو ساقط کرنا۔ اور باہمی تبادلہ حق کو ثابت کرتا ہے نہ کہ اس کو باطل کرتا ہے۔

والعلم بالحق عند ربی۔	اگروہ صحیح ہوتا جومریض نے کیاہے توالبتہ کہاجاتا کہ جوکچھ مریض نے کیاہے وہ صحیح ہے۔اورحق حاصل ہوگیاہے نہ یہ کہ وہ باطل ہوگیاہے، یہ وہ ہے جومیرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔(ت)

یہ نفس مسئلہ صلح وارث بحیات مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علٰی وجہ الاطلاق سوال کیا۔رہی یہ صورت خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلہ صلح وتخارج سے علاقہ ہی نہیں یہاں صلح ایک سوچالیس روپے پرواقع ہوئی اورترکہ میں روپے زائد تھے اورروپے کے حق سے کم روپوں پرتخارج قطعًا باطل ہے اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدرالمختار فی اخراجه عن نقدین وغیرهما باحد النقدین لایصلح الا ان یکون مااعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرزا عن الربا[1]۔	درمختارمیں ہے نقدین(سونے چاندی)میں سے کسی ایک کے بدلے میں کسی وارث کونقدین وغیرہ سے خارج کرنا صحیح نہیں مگراس وقت کہ جوکچھ اس وارث کودیاگیاہے وہ اسی جنس میں سے اس کے استحقاقی حصے سے زائد ہو تاکہ سود سے بچاؤ ہوجائے۔(ت)

تویہ تخارج ہوتاتویقینا باطل ہوتامگریہاں دوسراوارث کوئی ہے ہی نہیں،نہ کوئی موصی لہ تھاجس سے مبادلہ ٹھہرے تویہاں صلح وتخارج ومبادلہ کودخل ہی نہیں اس کاحاصل صرف اتناہے کہ "میراث سے میں نے اتنے روپے لے لئے باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں"۔یہ نہ کوئی عقدشرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائدکچھ معنی رکھتاہے تمام ترکہ میں بدستوراس کاحق باقی ہے تصرفات مذکورہ زیدبے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہوسکتے بلکہ ان میں جووصایا تھیں ان کی اجازت تو بحال حیات موصی مفیدہی نہیں اگرچہ وارث نے صراحۃً اس وقت کہہ دیاہوکہ میں نے ان وصیتوں کونافذکیاجائز رکھانہ اسے ان تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہراسکتے ہیں جواس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جووصایا تھیں ان کی اجازت کاتوحیات موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدرالمختار لاتعتبر اجازتهم	درمختارمیں ہے کہ وارثوں کی اجازت موصی کی

[1] الدرالمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

حال حیاته اصلا بل بعد وفاته[1] اھ فی ردالمحتار ای لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عندالموت فکان لهم ان یردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق وتمامه فی المنح[2]۔	زندگی میں بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہوتی ہے الخ۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ وہ اجازت وارثوں کے حق کے ثبوت سے قبل ہے کیونکہ ان کے حق کا ثبوت موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے لہٰذا وہ موصی کی وفات کے بعد اس اجازت کو رَد کرسکتے ہیں بخلاف اس اجازت کے جو موصی کی موت کے بعد ہوئی کیونکہ وہ ثبوت حق کے بعد ہے۔ اس کی پوری بحث منح کے اندر ہے۔ (ت)

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنے مرض میں فی الحال کردیا اگر وارث سے حیات مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ وتام ہوگیا کہ بعد موتِ مورث اب وارث اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی ردالمحتار من البزازیة تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیره اذا صدر فی مرض الموت و اجازه الوارث قبل الموت لارواية فیه عن اصحابنا قال الامام علاء الدین السمرقندی اعتق المریض عبده ورضی به الورثة قبل الموت لایسعی العبد فی شیئ	رِدّالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ موت کے بعد کی اجازت معتبر ہے نہ کہ پہلے کی۔ یہ وصیت کے بارے میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اپنے حکم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے آزاد کرنا وغیرہ جب یہ مرض الموت میں صادر ہوں اور موت سے پہلے وارث اجازت دے دے تو ہمارے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ امام علاء الدین سمرقندی نے کہا کہ کسی مریض نے اپنا غلام آزاد کردیا اور موت سے پہلے وارثوں نے اس پر رضامندی ظاہر کردی تو وہ غلام کسی شیئ میں سعی نہیں کرے گا۔

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولا یملك المطالبة بعد موت المجروح[1] اھ۔	اور مشائخ نے اس بات پر نص فرمائی کہ زخمی کا وارث جب زخمی کرنے والے کو معاف کردے تو معافی صحیح ہوگی اور وارث زخمی کی موت کے بعد مطالبے کا مالک نہیں ہوگا اھ (ت)

اور یہیں سے واضح ہوا کہ صورت کچھ واقع ہوئی ہو بھتیجوں کو اصلاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحال حیات مورِث خواہ بعد وفات مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو ایک سو چالیس "۱۴۰" روپے کے سوا باقی مال حسب تصرفات مورث وقف و وصیت میں آگیا اور اگر ناجائز کیا تو ثلث وقف و وصیت کے لئے رہا دو ثلث بھائی کا حق ہوا بھتیجے کسی مال میں حصہ نہیں پاسکتے، وھذا ظاھر جدًا، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (اور یہ خوب ظاہر ہے، اور اللہ سبحانہ، و تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۹۶: از لشکر گوالیار ڈاکخانہ دربار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۲۶ شوال ۱۳۱۴ھ

مخدوم ومطاع نیازمنداں دام مجدکم پس از اظہار نیاز گزارش کہ ان دنوں بوجہ ضرورت ملازمان ریاست وامداد وکلا ایک رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں فرائض وصیت ہبہ، وقف، نکاح، مہر اور طلاق وغیرہا کا بیان ہے اور وہ رسالہ چھپ رہا ہے۔ ایک شبہہ یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا سوائے مادر حقیقی دیگر زوجاتِ اَب اور سوائے جدہ حقیقی دیگر زوجات جد میراث پاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پاتیں تو درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے فصاعدًا اور او اکثر سے کیا مراد ہے؟ اور تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور ۳، ۶، ۴ بالتفصیل اس کا جواب مطلوب ہے بمجرد ملاحظہ نیاز نامہ مرحمت ہو۔ نورالدین احمد عفی عنہ

الجواب:

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آدمی کی ام وجدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو وہ اس کی اصل یہ ان کی فرع ہوئی باقی زوجات اب وجد ام و

---
[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

جدہ نہیں، نہ ان کے لئے میراث سے کوئی حصہ، تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام عامہ کتب میں ایک دوسرے کی طرف مضاف مراد ہیں کہ دوسرے تیسرے درجہ کی جدہ امیہ ہوئیں یعنی ام الام نانی یاام الام نانی کی ماں، نہ یہ کہ میت کی اپنی دو تین ماں۔ہاں علمائے کرام نے تعدد ام واب کی صورت بحالت تنازع قائم فرمائی ہے مثلاً چند عورتیں ایک بچہ کی نسبت مدعی ہوں ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے میرے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور اس کا حال معلوم نہ ہو، اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعوے پر شہادت شرعیہ قائم کردیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبورًا ان سب کی طرف اسے منتسب کردے گا، اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع وعدم ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہوجائیں گی۔اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اور ان کے تعدد کی ایک صورت ولد جاریہ مشترکہ کی ہے جبکہ سب شرکاء دعوی کریں۔

غمزالعیون کتاب الاقرار میں ہے:

لایستحیل شرعا ان یکون للواحد ابوان اوثلثة الیٰ خمسة کما فی الجاریة المشترکة اذا ادعاہ الشرکاء بل قدیثبت نسب الواحد الحر الاصیل من الطرفین کما فی اللقیط اذا ادعاہ رجلان حران کل واحد منھما من امرأۃ حرۃ کما فی التتارخانیة[1]۔	شرعی طور پر یہ محال نہیں کہ ایک شخص کے دو یا تین بلکہ پانچ باپ ہوں جیسا کہ مشترکہ لونڈی میں جبکہ شرکاء اس کا دعوی کریں بلکہ کبھی ایک اصلی حر کانسب دونوں طرفوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ گرے پڑے بچے کے بارے میں جب دو آزاد مرد دعوی کریں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی آزاد عورت سے اس کی ولادت کا مدعی ہو، جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

خانیہ کتاب الدعوی فصل فیما یتعلق بالنکاح میں ہے:

جاریة بین رجلین اوثلثة اواکثر ولدت ولدا فادعوہ جمیعا ثبت النسب من الکل فی قول ابی حنیفة	ایک لونڈی نے بچہ جنا جو کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ مردوں کی مملوکہ تھی ان سب نے اس بچے کا دعوی کیا تو امام ابوحنیفہ، امام زفر

[1] غمزالعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

وزفر والحسن بن زیادہ رحمهم الله تعالٰی وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی روایة یثبت من الخمسة لامن الزیادة[1] الخ **اقول**: فافادان التحدید المذکور فی الغمز مبتن علی روایة نادرة والمذهب الاطلاق۔	اور حسن بن زیادہ رحمہم اللہ تعالٰی کے قول میں سب سے نسب ثابت ہوگا۔اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ پانچ تک سے نسب ثابت ہوگا زیادہ سے نہیں اھ **میں کہتاہوں** اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ غمز میں مذکور حدبندی نادر روایت پر مبنی ہے جبکہ مذہب مطلق ہے(ت)

ہندیہ کتاب الدعوی میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه رجلان خارجان اقام کل واحد(منهما) البینة انه ابنه ولد علی فراشه من امرأته هذه جعل ابن الرجلین والمرأتین[2] الخ۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ دوغیر قابض مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ میرا بیٹا ہے میرے فراش پر میری اس بیوی سے پیدا ہوا ہے تو اس کو ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا الخ(ت)

اور جدہ واقعی متعددہ ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو،اصل دو ۲ ہیں اَب واُم،اور ان میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں،تو یہ پہلا درجہ اصل الاصول کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو ۲ مرد اور دو ۲ عورتیں،یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ ام الاب یعنی دادی ہے یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں۔پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں تو دوسرے درجہ میں آٹھ اصول ہوں گے،چار مرد چار عورتیں،یہ چاروں عورات جدہ ہیں،دو ۲ امیہ ام اب الام،ام ام الام اور دو ۲ ابویہ ام اب الاب ام ام الاب ابویہ دونوں صحیحہ ہیں اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ۔یونہی ہر درجہ میں جدات کا عدد دونا ہوتا جائے گا۔تیسرے درجہ میں آٹھ،چوتھے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوی فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۹۶

[2] الفتاوٰی الهندیة کتاب الدعوی الباب الرابع عشر الفصل الخامس الخ نورانی کتب خانہ کراچی ۴ /۱۲۵

میں سولہ، پانچویں میں بتیس ۳۲ وعلٰی ھذاالقیاس تضاعیف بیوت شطرنج کی طرح یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہوں گی، نصف امیہ نصف ابویہ، اور ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُمیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدہ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدہ امیہ وہی صحیحہ ہے جس تک میت کے سلسلے میں سوا ام کے اَب اصلًا نہ واقع ہوا اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہوں گی باقی ساقط مثلًا پانچویں درجہ میں پانچ ابویہ ثابتہ ہیں گیارہ فاسدہ، اور دسویں میں دس صحیحہ پانچ سو دو ساقط وعلٰی ھذا القیاس کہ جدہ ابویہ میں جب تک جانب نزول صرف لفظ اَب اور جانب صعود صرف لفظ ام ہے جدہ صحیحہ ہے اور جہاں دو ام کے بیچ میں لفظ اَب آیا وہیں فاسدہ ہوجائے گی پس جس قدر درجوں کی جدات صحیحہ لینی ہوں اتنی ہی بار لفظ اَب برابر برابر لکھا جائے اور اس کے اوپر اُم لکھ دیجئے، یہ سطر اول ہوئی جس کے شروع میں لفظ ام باقی اب ہے۔ سطر دوم میں اُم کے قریب جو پہلا اَب ہے اسے بھی اُم سے بدل دیجئے کہ دو ام ہوں اور باقی اَب اسی طرح، سطر سوم میں تین ام، چار میں چار یہاں تک کہ اخیر میں سب اُم ہوجائیں۔ یہ سب جدات صحیحات ہوں گی یا اخیر کی امیہ اور اوپر کی سب ابویہ اور طریق اس کا احضر ہونا ظاہر ہے کہ طریق اول میں جتنی جدہ بتانی ہوں بقدر ان کے مجذور کے لفظ اب وام لکھنے ہوں گے اور یہاں ان کی ضعف سے بھی ایک کم مثلًا سو جدہ دکھانے کو اس طریق میں دس ہزار لفظ درکار ہوں گے اور اس میں صرف ایک سو ننانوے احضر یہ ہے کہ جتنے درجہ کی جدہ لینی ہو دونوں کے وسط پر اُم لکھ دیجئے آباء واُمہات کو دو خط مستقیم عمودی سے ملادیجئے اور اُم اخیرہ سے اس کے قریب کے اَب واُم دونوں اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اخیرہ جدیہ امیہ کو بنالے گا اور باقی خطوط ابویات صحیحہ کو یہ سب بیانات ان چار نقشوں سے کالعیان ہوجائیں گے دو نقشہ اول میں جہاں لفظ اُم بخط نسخ ہے وہ جدہ صحیحہ ہے باقی ساقط۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

نقشہ جدات ثابتہ ابویات و اُمیہ درجہ پنجم

۱	ام	اب	اب	اب	اب	اب
۲	ام	ام	اب	اب	اب	اب
۳	ام	ام	ام	اب	اب	اب
۴	ام	ام	ام	ام	اب	اب
۵	ام	ام	ام	ام	ام	اب
۶	ام	ام	ام	ام	ام	ام
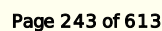
اس تقریر سے فصاعدااوراوا کثر اورایک درجہ میں پندرہ جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہوگئے،اورظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں جس قدر چاہیں حاصل کر سکتے ہیں مثلاً پچیس جدہ صحیحہ ہمیں درجہ بست وچہارم میں ملیں گی،اس درجہ کی کل جدات ایک کروڑ سڑسٹھ لاکھ ستر ہزار دوسوسولہ (۱۶۷۷۷۲۱۶) میں سب ساقط مگر پچیس ایک اُمیہ اور چوبیس [۲۴] ابویہ کہ صحیحہ ہیں، یہ تمام بیان منیر فقیر حقیر نے عین وقت تحریر میں اپنے ذہن سے استخراج کیا پھر دیکھا تو ہندیہ میں

اختیار شرح مختار سے طریق اول نقل فرمایا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل پنجم

مسئلہ ۹۷: از کلکتہ مولوی امداد علی لین نمبرا مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب بنگالی منتہی طالب علم مدرسہ عالیہ کلکتہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ شخصے بحضور یک زوجہ وسہ بنت وسہ بنت الابن ودو ابن ابن الاخ اموال گزاشتہ پیک اجل رالبیک گت پس ترکہ اش درمیان ورثہ مذکورین چگونہ منقسم خواہد شد بینوا توجروا۔	اے علماء کرام اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے ایک بیوی، تین بیٹیوں، تین پوتیوں اور بھائی کے دو پوتوں کی موجودگی میں مال چھوڑ کر موت کے پیغام کو لبیک کہا۔ پس اس کا ترکہ مذکورہ وارثوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۵۰۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ
۶۳	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۵	۱۵	۱۵	۳۰	۳۰

جناب من! حد ادب، پس از سلام سنت خیر الانام عرض بخدام برتر مقام میگزارم کہ بر صورت مرقوم بالا دریں صوبہ بنگلہ اختلافات شتّٰی رو دادہ کہ بنت الابن یا ابن ابن الاخ عصبہ تواند شد یا چہ؟ از دلائل ردالمحتار وشریفیہ معلوم شد کہ بنات الابن چنانچہ بابرادر عینی خود عصبہ شوند ہمبران نسق باابن عم خود ہم عصبہ شوند وایشاں ھم بنی عم ایں زمان اند پس مستحق باقی مال زید تواند شد	میری سرکار! بے حد ادب، اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت کی سنت کے مطابق بارگاہ عالی میں سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرتا ہون کہ مزکورہ بالا صورت میں صوبہ بنگال میں متعدد اختلاف رونما ہوچکے کہں کہ میت کی پوتی یا میت کے بھائی کا پوتا عصبہ ہوسکتے ہیں یا کیا صورت ہے؟ ردّالمحتار اور شریفیہ کے دلائل سے معلوم ہوا کہ پوتیاں اپنے عینی بھائی کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہیں، اسی طرح اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بھی عصبہ ہوجاتی ہیں۔ وہ بھی اس وقت

یانہ.برہر دو تقدیر از کتب معتبرہ استدلال نمودہ وجواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت فرمایند.بفحوائے آیہ کریمہ وتعاونوا علی البر والتقوی،ولاتکتموالحق زیادہ والسلام مع التعظیم والاکرام۔عرض پرداز فدوی محمد عبدالعزیز عفی ساکن حال کلکتہ۔۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ۔	چچاکے بیٹے ہیں، پس وہ زید کے باقی مال کے مستحق ہو سکتے ہیں یانہیں؟ دونوں صورتوں میں معتبر کتابوں سے دلیل لاتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت فرماکر احسان مند فرمائیں اس آیت کریمہ کے تقاضے کی وجہ سے "اور نیکی کے کاموں اور تقوٰی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو" اور "حق کو مت چھپاؤ" تعظیم وتکریم کے ساتھ مزید سلام۔درخواست گزار فدوی محمد عبدالعزیز اس سے در گزر فرمایا جائے۔ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ (ت)

الجواب:

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ درصورت مستفسرہ تصحیح از یک صد وچہل وچارست وبنات الابن محجوبات بہ بنات وتقسیم چناں۔	مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پوچھی گئی صورت میں مسئلہ کی تصحیح ایک سوچوالیس (۱۱۴) سے ہوگی۔پوتیاں بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہوں گی۔اور تقسیم اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۲ تصحیح ۱۴۴
زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	بنت الابن
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	۱۵	م

بنت الابن	بنت الابن
م	م

اگر دلائل بکارست **فاقول** وباللہ التوفیق: **اوّلاً:** بنات الابن راعصبہ نتواں کرد مگر ابن الابن وان سفل پس چوں بادو یا بیش	اگر دلائل درکار ہیں **تو میں کہتا ہوں** اور اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی توفیق حاصل ہوتی ہے: **پہلی دلیل:** پوتیوں کو سوائے پوتے کے کوئی عصبہ نہیں بناسکتا اگرچہ وہ پوتا ان سے نچلے

صلبیات باشند چیزے نیابند مطلقًا مگر صورت واحدہ کہ باایشاں فافروتر ازیں شان مردے از اولاد پسر میت باشد۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی در تنویرالابصار متن الادرالمختار فرمود **اذا استکمل البنات فرضھن سقط بنات الابن الا بتعصیب ابن ابن موازاونازل** [1] علامہ ابراھیم حلبی در ملتقی الابحر کہ از متون معتمدہ فی المذہب ست فرماید **اذا استکمل بنات الصلب الثلثین سقط بنات الابن الا ان یکون بحذائھن اواسفل منھن ابن ابن فیعصب من بحذائه ومن فوقه من لیست بذات سھم وتسقط من دونه** [2]۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری در تکملہ بحرائق فرماید **ان کان للمیت ابنتان فلا شیئ لبنت الابن الا ان یکون**

درجے میں ہو۔پس جب دو ۲ یا دو ۲ سے زائد میت کی صلبی بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں بالکل کچھ نہیں پاتیں سوائے ایک صورت کے کہ ان کے ساتھ یا ان کے نیچے کے درجے میں میت کے بیٹے کی اولاد سے کوئی مرد موجود ہو۔علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے درمختار کے متن تنویر الابصار میں فرمایا جب بیٹیاں اپنا فرضی حصہ مکمل طور پرلے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان سے نیچے کے درجے کا کوئی پوتا انہیں عصبہ بنادے۔ علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر جو کہ مذہب کے قابل اعتماد متون میں سے ہے فرماتے ہیں جب صلبی بیٹیاں دوتہائی مال مکمل طور پرلے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان کے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتا اپنے برابر والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں کو جو کہ ذی فرض نہ ہوں عصبہ بنادیتا ہے،اور اس پوتے سے نیچے کے درجے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔علامہ محمد بن حسین بن علی طوری بحرالرائق کے تکملہ میں فرماتے ہیں اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان پوتیوں

---

[1] الدرالمختار شرح تنویرالابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی الحجب مؤسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

فی درجتها اواسفل منها ابن ابن فتصیر عصبة له[1] پیداست کہ ابن ابن الاخ ابن الابن نیست پس از صورت استثناء خارج باشد۔

ثانیاً: نص ہمیں در تعصب بنات بہ ابناء واخوات بہ اخوۃ آمدہ است وبس بنات وابنائے ابن در بنات وابنائے میت داخل اند بالاجماع پس تعصیب بنات ابن بہ ابنائے اخ بے دلیل شرعی ست۔علامہ شیخی زادہ رومی در مجمع الانہر فرماید ان النص الوارد فی صیرورۃ الاناث بالمذکور عصبة انما هو فی موضعین البنات بالبنین والاخوات بالاخوۃ۔[2]

ثالثاً: علماء جائیکہ عصبات بغیرہن راشمارند بنت الابن رابقید تعصیب ابن الابن آرند درہندیہ از حاوی القدسی آورد عصبة بغیرہ وھی کل انثی تصیر عصبة

کے درجے میں یا ان سے نیچے کے درمیں یان ان سے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا ہو تو وہ پوتیاں اس پوتے کی وجہ سے عصبہ بن جائیں گی۔ظاہر ہے کہ میت کے کے بھائی کا پوتا میت کا پوتا نہیں ہے لہٰذا وہ استثناء والی صورت سے خارج ہوگا۔

دوسری دلیل: نص تو فقط بیٹوں کے سبب سے بیٹیوں کے اور بھائیوں کے سبب سے بہنوں کے عصبہ بننے کے بارے میں آئی ہے میت کے پوتے اور پوتیاں اس کے بیٹوں اور بیٹیوں میں بالاجماع داخل ہیں۔چنانچہ میت کی بھتیجیوں کا اس کے بھتیجوں کے سبب سے عصبہ بننا دلیل شرعی کے بغیر ہے۔علامہ شیخی زادہ رومی مجمع الانہر میں فرماتے ہیں مزکر کے سبب سے مؤنث کے عصبہ ہوجانے کے بارے میں نص دو جگہوں میں وارد ہے (۱) بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ (۲) بہنیں بھائیوں کے ساتھ۔

تیسری دلیل: علماء کرام نے جس جگہ عصبہ بغیرہٖ کو شمار کیا ہے پوتی کے ساتھ یہ قید لائے ہیں کہ پوتا اس کو عصبہ بنائے۔ ہندیہ میں حاوی القدسی سے نقل کیا ہے عصبہ بغیرہٖ ہر وہ مؤنث ہے جو اپنے برابر کے

[1] تکملہ بحر الرائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸ /۴۹۴

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۷۵۴

بذکر یوازیہا وھی اربعة البنت بالابن وبنت الابن بابن الابن والاخت لاب وام باخیہا والاخت لاب باخیہا[1] در متن تنویر وشرح اودر مختار ست تصیر عصبة بغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وان سفلوا[2]۔امام حسین بن محمد سمعانی درخزانۃ المفتین فرماید الثانی وھو العصبة بغیرہ ووھواربع من النساء یصرن عصبة باخوھن فالبنات یصرن عصبة بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات لاب وام باخیھن والاخوات لاب باخیھن[3]۔

رابعًا: غیر ابن وابن الابن وان سفل واخ عینی یاعلاتی ہیچ ذکر راقوت تعصیب نیست تاآنکہ ابن الاخ یا عم وابن الاعم ہم خواھر عینیہ خودش راعصبہ نتواں نمود۔علامہ محمد بن علی دمشقی درہمیں درمختار فرمود

مذکر کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔اور وہ چار عورتیں ہیں (۱) بیٹی بیٹے کے ساتھ (۲) پوتی پوتے کے ساتھ (۳) حقیقی بہن اپنے بھائی کے ساتھ (۴)علاتی بہن اپنے بھائی کے ساتھ۔ متن تنویر اور اس کی شرح درمختار میں ہے: بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں پوتے کے ساتھ اگرچہ وہ نیچے تک ہوں عصبہ بغیرہ بن جاتی ہیں۔امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین میں فرماتے ہیں: عصبہ کی دوسری قسم عصبہ بغیرہ ہے،وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں، چنانچہ بیٹیاں بیٹے کے ساتھ ،پوتیاں پوتے کے ساتھ ، حقیقی بہنیں اپنے بھائی کے،اور علاتی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں

چوتھی دلیل: بیٹے،پوتے اگرچہ نیچے تک ہوں، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی کے سوا کوئی مذکر کسی کو عصبہ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا یہاں تک کہ بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا بھی خود اپنی حقیقی بہنوں کو عصبہ نہیں بنا سکتے۔علامہ محمد بن علی دمشقی نے اسی درمختار میں فرمایا

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۱

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۷

[3] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲ /۲۵۲

قال فی السراجیۃ۔

ولیس ابن الاخ بالمعصب

من مثلہ اوفوقہ فی النسب

بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب من مثلہ او فوقہ ممن لم تکن ذات سھم ویسقط من دونہ[1]۔

امام سمعانی درخزانۃ المفتین متصل بہ عبارت مذکورہ بالا فرماید والباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورھم دون اخواتھم وھم اربعۃ ایضاً العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق۔[2]

خامسًا: اگر مراد بو قوع غلام بمحاذات بنات یا بالا یافرود وقوع او درہمیں سلسلہ نسب ست کہ نوعیت انتساب متبدل نگردد کما ھو الحق المبین بجزم و یقین پس آنگاہ ابناء اخ راخود مساغ نیست کہ ایں جاسخن در جزء میت ست واوجزء پدر میت و اگر مراد اعم گیرند تاابن ابن الاخ کہ بمحاذات درجہ بنت الابن ست

کہ سراجیہ میں کہاہے: بھتیجا عصبہ بنانے والانہیں ہے۔نہ اپنی مثل کو نہ اس کو جو نسب میں اس سے اوپر ہے۔بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ نیچے تک ہو وہ اپنی مثل اوراپنے سے اوپر والیوں کو عصبہ بنادیتاہے جبکہ وہ ذی فرض نہ ہوں اور اس سے نیچے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔امام سمعانی خزانۃ المفتین میں عبارت مذکورہ کے متصل فرماتے ہیں: باقی عصبات وہ ہیں جن کے مذکر تنہا میراث پاتے ہیں ان کی بہنیں میراث نہیں پاتیں،وہ بھی چار ہیں: (۱) چچا (۲) چچاکا بیٹا (۳) بھتیجا (۴) آزاد کرنے والے کا بیٹا۔

پانچویں دلیل: اگر بیٹیوں کے برابر یااوپر کے درجے میں یانیچے کے درمے میں لڑکے کے واقع ہونے سے مراد اسی سلسلہ نسب میں اس کاواقع ہوناہے کہ انتساب کی نوعیت میں تبدیلی نہ آئے جیساکہ یہی حق ہے،اورجزم ویقین کے ساتھ ظاہر ہے،تو اس صورت میں بھتیجوں کی یہاں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ گفتگو یہاں میت کی جزء میں ہے جبکہ بھتیجا میت کے باپ کی جزہے۔اوراگراس سے مرادعام لی جائے تاکہ بھائی کاپوتا جو میت کی پوتی کے

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲/ ۲۵۲

او را عصبہ کند واجب شد کہ ابن الاخ کہ بالاتراز وست بنت الابن راا ز میراث افگند اگرچہ درانجا صلبیہ ہیچ نبود کہ سقوط سفلیات بغلام عالی عام و مطلق ست از در مختار شنیدی ویسقط من دونہ وخود در مسئلہ تشبیب کہ لاشیئ للسفلیات گفتہ اند فرض مسئلہ بے صلبیات ست و خود پیداست کہ چوں کار تعصیب کشد اقرب حاجب ابعد بود حالانکہ ایں معنی مخالف اجماع است حجب بنات الابن ہمیں بہ ابن ودو صلبیہ نوشتہ اند نہ بابن الاخ وعلامہ انقروی در حل المشکلات کہ خود او تاریخ تالیفش قد حل المشکلات[964] فرمودہ است م ی نگارد اذا مات رجل وترك ابن اخ وزوجة وبنت ابن فالمسئلة من ثمانية لان فیها ثمنا ونصفا ومابقی فالثمن للزوجة والنصف لبنت الابن ومابقی

محاذی (برابر درجے میں) ہے اس کو عصبہ بنادے تو ضروری ہوگا کہ بھائی کا بیٹا جو پوتے سے اوپر درجے میں ہے پوتی کو میراث سے خارج کردے اگرچہ وہاں کوئی صلبی بیٹی موجود نہ ہو کیونکہ نچلے درجے والیوں کا اوپر کے درجے والے لڑکے کی وجہ سے ساقط ہوجانا عام اور مطلق ہے۔ در مختار سے تو سن چکا ہے کہ لڑکا اپنے سے نچلے درجے والی کو ساقط کردیتا ہے۔ خود مسئلہ تشبیب جس کو فرض ہی صلبی بیٹیوں سے خالی کیا گیا ہے میں کہا گیا ہے کہ نچلے درجے والیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ خود ظاہر ہے کہ جہاں عصبہ بنانے کی کاروائی ہوتی ہے وہاں قریب والا دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے حالانکہ یہ معنیٰ اجماع کے خلاف ہے۔ پوتیوں کا میراث سے محروم ہونا بیٹے اور دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے ہی مشائخ نے تحریر فرمایا ہے نہ کہ بھتیجے کی وجہ سے۔ علامہ انقروی حل المشکلات میں لکھتے ہیں جس کی تاریخ تالیف خود انہوں نے قد حل المشکلات (تحقیق مشکلیں حل ہوگئیں) فرمائی ہے۔ جب کوئی مرد فوت ہو اور اس نے ایک بھتیجا، ایک بیوی اور ایک پوتی چھوڑی ہو تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں آٹھواں حصہ، نصف اور بقیہ ہے، چنانچہ آٹھواں حصہ بیوی کو، نصف پوتی کو

لابن الاخ[1] الخ وفیہ مسائل اخرٰی من ھٰذا النوع۔	اور بقیہ بھتیجے کو ملے گا الخ حل المشکلات میں اس نوعیت کے دیگر مسائل بھی ہیں۔(۱ حل المشکلات)
سادسًا: اگر ابن الاخ حاجب بود اخ کہ اقرب ازدست اولٰی باوست وایں ہم باطل ست باجماع وفی حل المشکلات اذامات رجل وترک اخاوبنت ابن فالمسئلۃ من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن ومابقی للاخ۔[2]	**چھٹی دلیل:** اگر بھتیجا حاجب ہوتا ہے اولٰی حاجب بنے گا۔اور یہ بھی بالاجماع باطل ہے۔ حل المشکلات میں ہے جب کوئی مرد ایک بھائی اور ایک پوتی چھوڑ کر فوت ہوجائے تو مسئلہ دو ۲ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے، چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بھائی کو ملے گا۔
سابعًا: ایں تعصیب اگر بودے نبودے وشیئ چوں وجود او مستلزم عدم او باشد محال بود بیان ملازمت آنکہ درعصبات اصل مطرد آنست کہ جزء میت مقدم برجزء پدر اوست پس ابن ابن الاخ اگر بنت الابن راعصبہ نمودی بنت الابن او را محجوب فرمودے وچوں محجوب میشد تعصیب کہ میکرد، فھٰذا شیئ لوکان لم یکن وای محال ابعد منہ۔	**ساتویں دلیل:** یہ عصبہ بنانا اگرچہ موجود ہوتا تو معدوم ہوتا۔ اور جس شیئ کا وجود اس کے عدم کو چاہے وہ شیئ محال ہوتی ہے۔ملازمہ کا بیان یہ ہے عصبوں کے اندر یہ قاعدہ کلیہ جاری ہے کہ میت کی جزئ اس کے باپ کی جزئ پر مقدم ہوتی ہے۔لہٰذا بھائی کا پوتا اگر میت کی پوتی کو عصبہ بناتا تو وہ پوتی اس کو میراث سے محروم کردیتی۔اور جب وہ خود محروم ہوجاتا تو عصبہ کیونکر بناتا؟ یہ ایک ایسی شیئ ہے کہ اگر موجود ہوتو معدوم ہوگی اور اس سے بڑھ کر کون سا محال ہوگا؟
ثامنًا: تعصیب محاذیہ مختص بوجود	**آٹھویں دلیل:** کسی پوتے کا اپنی برابر والی

[1] حل المشکلات

[2] حل المشکلات

دو صلبیہ نیست بلکہ بایک صلبیہ وبے صلبیہ نیز حکم ہمیں ست فی ردالمحتار للبنات ستة حوال ثلثة تتحقق فی بنات الصلب وبنات الابن وھی النصف للواحدة والثلثان لاکثر واذا کان معھن ذکر عصبھن [1]۔ درسراجیہ و شریفیہ فرماید العصبة بغیرہٖ اربع من النسوة البنت و بنت الابن والاخت لاب و ام والاخت لاب یصرن عصبة باخوتھن [2] اھ مختصرا۔ پس بر تقدیر تعصیب لازم آید کہ درمسئلہ زوج وبنت وبنت الابن وابن ابن الاخ مسئلہ ازدوازدہ باشد سہ بشوہر وشش بدختروسہ باقی در عصبتین للذکرمثل حظ الانثیین کما ھو مصرح بہ فی جمیع الکتب فی مسئلة تعصیب بنت الابن بغلام معھا او اسفل منھا۔ پس بنت الابن را یک باشد و

پوتیوں کو عصبہ بنانا دو۲ صلبی بیٹیوں کے موجود ہونے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ایک صلبی بیتی ہو یا کوئی صلبی بیٹی نہ ہوتب بھی حکم یہی ہے۔ ردالمحتار میں ہے: بیٹیوں کے چھ حال ہیں جن میں سے تین صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں متحقق ہوتے ہیں، اور وہ یہ ہیں اکیلی ہو تو نصف، ایک سے زائد ہوں تو دو تہائی، اور اگر ان کے ساتھ کوئی مذکر ہو تو وہ ان کو عصبہ بنائے گا۔ سراجیہ اور شریفیہ میں فرماتے ہیں: عصبہ بغیرہٖ چار عورتیں ہیں: بیٹی، پوتی، عینی بہن اور علاتی بہن۔ یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اھ اختصارا۔ پس عصبہ بنانے کی تقدیر پر لازم آتا ہے کہ خاوند، بیٹی، پوتی اور بھائی کا پوتا چھوڑنے کی صورت میں مسئلہ بارہ سے ہو، جس میں سے تین خاوند کو، چھ بیٹی کو اور باقی تین دو عصبوں میں اس طرح تقسیم ہوں کہ مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہو، جیسا کہ برابر والے لڑکے یا نچلے درجے والے لڑکے کی وجہ سے پوتیوں کے عصبہ بن جانے والے مسئلہ میں تمام کتابوں میں اس کی تصریح کردی گئی ہے، چنانچہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۹۲

[2] الشریفة شرح السراجیة باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰

ابن ابن الاخ بلکہ ابن ابن ابن ابن الاخ ہرچہ فروتر روندہ را دولیکن دریں مسئلہ اگر بجائے او اخ عینی گیرند امر منعکس میشود بنت الابن رادو باشد وبرادر حقیقی را یک۔فی حل المشکلات اذ ماتت امرأۃ وترکت اخا وزوجا وبنت صب وبنت ابن فالمسئلۃ من اثنی عشر لان فیھا سدسا وربعا ونصفا ومابقی فالسدس لبنت الابن و الربع للزوج والنصف لبنت اللب ومابقی للاخ[1]۔پس استحقاق اخ کمتر از استحقاق ابن ابن ابن خودش اگرچہ بصد درجہ پایان تر ازوست ایں خود شبیہ بالمحال ست۔ **تاسعًا:** بلکہ لازم آید کہ اخ عینی محروم باشد واینکہ بصد واسطہ دورتر ازوست ارث یابد مسئلہ زوج وام وبنت وبنت الابن و	پوتی کو ایک حصہ ملے گا اور بھائی کے پوتے کو بلکہ بھائی کے پوتے کے پوتے کو جہاں تک نیچے چلاجائے دو حصے ملیں گے۔لیکن اس مسئلہ میں بھائی کے پوتے کے بجائے اگر حقیقی بھائی کو فرض کریں تو معاملہ الٹ جاتاہے۔اس صورت میں پوتی کو دو اور حقیقی بھائی کو ایک حصہ ملتاہے۔حل المشکلات میں ہے جب کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے ایک بھائی، خاوند،ایک صلبی بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی تو مسئلہ بارہ سے بنے گا۔کیونکہ اس مسئلہ میں ایک چھٹا حصہ،ایک چوتھا حصہ، نصف اور بقیہ ہے۔چنانچہ چھٹا حصہ پوی کے لئے،چوتھا حصہ خاوند کے لئے،نصف صلبی بیٹی کے لئے،اور بقیہ بھائی کے لئے ہوگا۔تو اس طرح بھائی کا استحقاق اپنے پوتے کے پوتے کے استحقاق سے کمتر ہوگا اگرچہ بھائی کے پوتے کا پوتا بھائی سے سَو درجے نیچے ہو۔یہ خود محال کے مشابہ ہے۔ **نویں دلیل:** بلکہ لازم آتاہے کہ حقیقی بھائی محروم ہوجائے اور جو اس سے سَو درجے دور ہے وہ میراث پائے۔خاوند، ماں، بیٹی، پوتی اور بھائی کے پوتے کے پوتے کا

[1] حل المشکلات

ابن ابن ابن ابن ابن الاخ از دوازدہ شدہ بسی وشش تصحیح پذیرد نہ بشوہر وشش بمادر ہیجدہ بدختر ودودو بابن پسر برادر ویک بدختر پسر واگر جائے اوخود برادر آید مسئلہ بسیزدہ عول کند و برادر عینی تہی دست رود، اذلاشیئ بعصبة مع العول، اگر زاعمے زعم فرماید کہ اخ نیز تعصیب بنت الابن نماید خود نصوص صریحہ اسقاط اعلی السفلی راخلاف کردہ باشد۔

عاشراً: اگر ازیں ہمہ قطع نظر راکار فرمایم تا بر تقدیر تعمیم غلام بایں ابنائے اعمام دلیلے کہ بر مسئلہ آوردہ اندزینہار منطبق نباید وسخن بہ تناقض ونہافت گراید کلام سید قدس سرہ شنیدن دارد کہ می فرماید ان بنات الابن اذاکان بحذائھن غلام سواء کان اخاھن اوابن عمھن فانه یعصبھن کما ان الابن الصلبی یعصب البنات الصلبیة و ذلك لان الذکر من اولاد الابن یعصب الاناث اللاتی

مسئلہ بارہ سے بنے گا جس کی تصحیح چھتیس سے ہوگی۔ نوحصے خاوند کو، چھ ماں کو، اٹھارہ بیٹی کو اور دو بھائی کے پوتے کو اور ایک پوتی کو ملے گا۔ اور اگر بھائی کے پوتے کی جگہ خود بھائی آتا تو مسئلہ تیرہ کی طرف عول کرتا اور حقیقی بھائی خالی ہاتھ جاتا، اس لئے کہ عول کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملتا، اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ بھائی بھی پوتی کو عصبہ بناتا ہے تو وہ خود ان صریح ان نصوص کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا جن میں اوپر والے وارث کے نیچے والے کو ساقط کرنے کا بیان ہے۔

دسویں دلیل: اگر اس تمام سے قطع نظر کا کروائی کریں توغلام (لڑکے) کو عام مان کر چچا کے بیٹوں کو اس میں شامل کرنے کی صورت میں وہ دلیل جسے انہوں نے ذکر کیا ہے وہ مسئلہ پر منطبق نہیں ہوگی اور کلام ٹکراؤ اور کمزوری کی طرف مائل ہو جائے گا۔ سید قدس سرہ، کا کلام سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ پوتیوں کے برابر جب کوئی لڑکا ہو چاہے وہ ان کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو تو وہ انہیں عصبہ بنادیتا ہے جیسا کہ صلبی بیٹا صلبی بیٹیوں کو عصبہ بنادیتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ میت کے بیٹے کی اولاد میں سے جو مذکر ہو وہ میت کی صلبی اولاد

فی درجته اذا لم یکن للمیت ولد صلبی بالاتفاق فی استحقاق جمیع المال فکذا یعصبها فی استحقاق الباقی من الثلثین مع الصبتین والیه ذهب عامة الصحابة وعلیه جمهور العلماء وقال ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه لایعصبهن بل الباقی کله لابن الابن و لاشیئ لبناته۔اذ الانثی انما تصیر عصبة بالذکر اذا کانت ذات فرض عند الانفراد عنه کالبنات والاخوات واما اذا لم تکن کذلك فلاتصیر به عصبة کبنات الاخوة والاعمام مع بنیهم واجیب بان بنت الابن صاحبة فرض عند الانفراد عن ابن الابن لکنها محجوبة بالصلبیتین ھٰهنا الاتری انها تاخذ النصف عند عدم الصلبیات بخلاف بنات الاخ و العم اذ لافرض لها عند انفرادها عن ابنهما فلا تصیر عصبة به[1]

نہ ہونے کی صورت میں اپنے درجے کی لڑکیوں کو تمام مال کے استحقاق میں بالاتفاق عصبہ بنادیتاہے اوریونہی دو صلبی بیٹیوں کی موجودگی میں دوتہائی سے بچ جانے والے مال کے استحقاق میں انہیں عصبہ بنادیتاہے۔عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اسی طرف گئے ہیں،اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاکہ وہ پوتیوں کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ باقی تمام مال پوتے کے لئے ہوگاپوتیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ مذکر کے ساتھ مل کر مونث اسی صورت میں عصبی بنتی ہے جب وہ اس مذکر سے الگ ہو کر ذی فرض ہوتی ہو جیسے بیٹیاں اور بہنیں۔اور اگروہ اس طرح نہ ہوتو مذکر کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتی جیسے بھائیوں اور چچوں کی بیٹیاں ان کے بیٹوں کے ساتھ۔اور اس کاجواب یوں دیاگیاہے کہ پوتی پوتے سے الگ ہوکرذی فرض ہوتی ہے لیکن یہاں پروہ دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے محروم ہے۔کیاتونہیں دیکھتاکہ صلبی بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی نصف مال لیتی ہے۔بخلاف بھائی اور چچا کی

[1] الشریفیة شرح السراجیة فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲و۲۳

ایں کلام از سرتا پا شاہد عدل است کہ مراد بغلام ہمان ذکرے از اولاد ابن ست کلام در ہمان ست و دلیل ہم بر ان وخلاف ابن مسعود ھم دراں ورنہ ہیچکس قائل نیست کہ ابن ابن الاخ حاجب بنات ابن است وھم در نفس سخن تصریح ست کہ ابن عم مر بنت عم خودش راتعصیب نتواں کرد۔لاجرم مراد بہ تعمیم **سواء کان اخاھن اوابن عمھن** ہمیں قدرست کہ خواہ آں پسر پسر ہموں پسر باشد کہ ایں دختر دختراوست یا پسر پسر دیگر کہ عم ایں دختر بودنہ از بنی اعمام ایں زنان باشد معصب ایناں بود اگرچہ از سلسلہ جزئیت میت بیرون بود ھذا مما لایقول بہ احد، بایں تقدیر بحمد اللہ حکم مسئلہ نیز نقش بکرسی نشست وھم بوضوح پیوست کہ کلام درمختار وشریفیہ صراحۃً راغم زعم زاعم ست نہ آنکہ بوفاقش حاکم ست بازاگر بایں ہمہ ہا متسلی نشوند تا تصریح از عالم تنقیح بشنوند، علامہ

بیٹیوں کے کہ ان کے لئے ان دونوں کے بیٹوں سے الگ ہو کر کوئی فرضی حصہ نہیں ہوتا لہٰذا بھائی اور چچا کی بیٹیاں ان کے بیٹے کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنیں گی۔ یہ کلام سر سے لے کر پاؤں تک عادل گواہ ہے کہ غلام (لڑکے) سے مراد وہی مذکر ہے جو میت کے بیٹے کی اولاد میں سے ہو۔ گفتگو اسی میں ہے، دلیل بھی اسی پر ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اختلاف بھی اسی میں ہے، ورنہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ بھائی کا پوتا میت کی پوتیوں کے لئے حاجب ہوتا ہے، نیز نفس کلام میں تصریح موجود ہے کہ چچا کا بیٹا اپنے چچا کی بیٹی کو عصبہ نہیں بنا سکتا تو یقینا اس تعمیم سے کہ چاہے وہ ان پوتیوں کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو جس کی یہ بیٹی ہے یا کسی دوسرے بیٹے کا بیٹا ہو جو اسی بیٹی کا چچا ہو۔یہ مراد نہیں کہ ان عورتوں کے چچا کے بیٹے ان کو عصبہ بنانے والے ہوتے ہیں اگرچہ وہ میت کی جزء کے سلسلہ سے باہر ہوں۔یہ وہ بات ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔اس تقدیر پر اللہ تعالٰی کی حمد وثناء کے ساتھ مسئلہ کا حکم بھی کرسی پر منقش ہوگیا نیز خوب وضاحت کے ساتھ راسخ ہوگیا کہ درمختار اور شریفیہ کا کلام گمان کرنے والے کے گمان کے صراحۃً خلاف ہے نہ کہ اس کی موافقت کا حکم کرنے والا ہے۔ پھر اگر اس تمام کے باوجود ان کی تسلی نہ ہو حتی کہ وہ کسی عالم کی واضح

شامی قدس سرہ السامی در عقود الدریہ فرماید **سئل فی امرأۃ ماتت عن بنتین وابن اخ شقیق وعن بنتی ابن و خلفت ترکۃ کیف تقسم الجواب للبنتین الثلثان والباقی لابن الاخ الشقیق وابن الاخ لایعصبہ اختہ ولامن ھی اعلی منہ او اسفل فضلا عن کونہ یعصب بنتی الابن۔** ولیس ابن الاخ بالمعصب من مثلہ اوفوقہ فی النسب **نعم ابن الابن یعصب بنت الابن** [1] ھ ملخصاً مسئلہ بکمال وضوحش ازایضاح بے نیاز بودایں مابہ اطناب چہ شا لیست اماچہ تواں کرد کہ بعد عروض وہم ازالہ اش ناگزیرے بایست **ولما بلغنا الی الدلیل الخامس وقفنا علی زلۃ ھٰھنا صدرت من قلم العلامۃ حامد آفندی فاکدذلک عزمنا علی الاکثار۔لینجلی الحق انجلاء الاھلۃ اذا امیط عنھاکل غیم وعلۃ وبربّنا**	تصریح صاف طور پر سن لیں۔علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ میں فرماتے ہیں۔اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو دو۲ بیٹیاں، حقیقی بھائی کا ایک بیٹا اور دو پوتیاں چھوڑ کر فوت ہوئی اس نے کچھ ترکہ چھوڑا وہ کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ جواب: بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا اور باقی حقیقی بھائی کے بیٹے کو ملے گا۔بھائی کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا اور نہ ہی اپنے سے اوپر کے درجے والی کو یا نچلے درجے والی کو چہ جائیکہ وہ میت کی پوتیوں کو عصبہ بنائے۔اور بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے نسب میں اپنی مثل کو اور نہ اپنے سے اوپر والی کو۔ہاں پوتا پوتی کو عصبہ بناتا ہے الخ تلخیص۔مسئلہ کامل طور پر واضح ہونے کی وجہ سے وضاحت کرنے سے مستغنی تھا۔اس طویل بحث کی کیا ضرورت تھی، مگر کیا کیا جاسکتا ہے کہ وہم کے عارض ہونے کے بعد اس کا ازالہ ضرور ہونا چاہئے۔جب ہم پانچویں دلیل تک پہنچے تو ہم اس لغزش پر آگاہ ہوئے جو یہاں علامہ حامد آفندی کے قلم سے سرزد ہوئی۔ تو اس نے ہمارے عزم کو مزید وضاحت کرنے پر مضبوط کیا تاکہ حق اس طرح ہو جائے جس طرح بادل اور گردوغبار کے دور کئے جانے کے بعد چاند روشن ہوتے ہیں۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۷

نخص الحمد کله والصلوۃ والسلام علٰی صاحب الملة محمد وآله وصحبه والجلة آمین، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	اور ہم اپنے رب کے لئے ہی تمام تعریفوں کو مختص کرتے ہیں، درود وسلام ہو صاحب ملت پر جن کا نام نامی اسم گرامی محمد ہے اور آپ کی آل پر اور صحابہ پر اور سب پر، آمین! والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل ششم

مسئلہ ۹۸: از کلکتہ تال کمیدن باغ نمبر ۱۴ مسجد مانک دفتری مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

پس پیشکشی قدمبوسی وناصیہ فرسائی دست بستہ معروض میدارد کہ ازروئے کرم فرمائی ومرحمت گستری دریں مسئلہ مرسلہ بہ تحقیق خود حکم فرمایند اگر حکم موافق مسطور دست دہد ازروئے فیض رسانی برجملہ جہان بر قرطاس مرقوم دستخط نمودہ فیض المرام بخشند۔ مسئلہ اینست کہ چہ مے فرمایند علماء دین رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ حق ارث بتقادم زمان ساقط شود یانہ؟ **بینوا توجروا۔** **الجواب:** حق ارث بتقادم زمان ساقط نمی شود کما فی رد المحتار، لوامر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمس عشرة	قدموں کو چومنے اوران پر پیشانی رکھنے کی پیشکش کے بعد دست بستہ گزارش ہے کہ کرم اور مہربانی فرماتے ہوئے اس ارسال کردہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں، اگر جناب والا کا فیصلہ اس تحریر کے موافق ہو تو تمام جہان پر فیض رسانی کی رو سے تحریر کردہ کاغذ پر دستخط کرکے حاجت برآری فرمائیں، مسئلہ یہ ہے، کیا فرماتے ہیں اے علماء دین اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ زیادہ عرصہ گزرجانے سے میراث کا حق ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت) **الجواب:** میراث کا حق زیادہ عرصہ گزرجانے سے ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار میں ہے، اگر بادشاہ پندرہ سال کا عرصہ گزرجانے کے بعد قاضی کو دعوی کی

سنة فسمعها لم ینفذ قلت فلاتسمع الاٰن بعدها الا بأمر الا فی الوقف والارث و وجود عذر شرعی وبه افتی المفتی ابو السعود فلیحفظ [1]۔وفی ردالمحتار قال السید الحموی فی حاشیة الاشباہ ان السلاطین الآن یامرون قضاتهم فی جمیع الایاتهم ان لا یسمعوا دعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوی الوقف والارث [2] اھ وکما فی ردالمحتار عن الحامدیة انه کتب علٰی ثلثة اسئلة انه تسمع دعوی الارث ولا یمنعها طول المدة [3] وفی ردالمحتار عن الاشباہ وغیرها ان الحق لایسقط بتقادم الزمان اھ ولذا قال فی الاشباہ ایضا ویجب علیه سماعها اھ ای یجب علی السلطان الذی نهٰی قضاته عن

سماعت نہ کرنے کا حکم دے۔پھر قاضی اس کی سماعت کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔میں کہتا ہوں اب بادشاہ کی طرف سے ممانعت کے بعد اس کے حکم کے بغیر سماعت نہ کی جائے گی سوائے وقف، میراث اور کسی عذر شرعی کے پانے کی۔مفتی ابو السعود نے یہی فتوٰی دیا ہے،اس کو یادرکھنا چاہئے۔ردالمحتار میں ہے سید حموی نے الاشباہ کے حاشیہ میں کہا کہ اب بادشاہ اپنی تمام ولایتوں میں پندرہ سال گزر جانے کے بعد وقف اور میراث کے علاوہ دعوٰی کی سماعت کرنے سے قاضیوں کو روک دیتے ہیں اھ جیسا کہ ردالمحتار میں حامدیہ سے منقول ہے،انہوں نے تین مسئلوں کے جواب میں لکھا کہ میراث کے دعوی کی سماعت کی جائے گی اور مدت کا دراز ہونا اس سے مانع نہیں ہوگا۔ردالمحتار میں اشباہ وغیرہ سے منقول ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوا اھ۔اسی لئے اشباہ میں بھی کہا ہے کہ اس پر دعوی کی سماعت واجب ہے اھ یعنی جس بادشاہ نے پندرہ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اپنے

---

[1] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۲

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

سماع الدعوی بعد ھذہ المدۃ ان یسمعھا بنفسہ او یامر بسماعھا کی لایضیع حق المدعی والظاھر ان ھذا حیث لم یظھر عن المدعی امارۃ التزویر[1]۔ مخفی مبادہ روایات فقہیہ کہ در باب عدم سماع دعوی بعد از مرور پانزدہ سال یاسی سال یاسی وسہ سال یاسی وشش سال وارد مخصوص بصورتے ست کہ دعوی متضمن برعلامت تزویر یاحیلہ باشد چنانچہ ازعبارات ردالمحتار وغیرہ مفہوم می شود وھذا حکم الکتاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	قاضیوں کودعوی کی سماعت سے منع کیا ہے خود اس پرواجب ہے کہ وہ بذات کود دعوی کی سماعت کرے یااس کی سماعت کا حکم دے تاکہ مدعی کاحق ضائع نہ ہو۔ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مدعی کی طرف سے دھوکہ بازی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔پوشیدہ نہ رہے کہ پندرہ سال، تیس سال، تینتیس سال یاچھتیس سال گزرنے کے بعد دعوی کی سماعت نہ کرنے سے متعلق فقہی روایات اس صورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ دعوی دھوکہ دہی اورحیلہ سازی کی علامات کو متضمن ہو جیساکہ ردالمحتار وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتاہے۔یہ کتاب کاحکم ہے،اللہ تعالٰی خوب جانتاہے اوراسی کی طرف کرآناہے۔(ت)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب ایں جادومقام ست یکے نفس الامر وابانت حکمش ہمان ست کہ ہیچ حق ثابت نامقید بوقتے خاص ارث باشد خواہ غیر اومطلقًا اجماعًا بتقادم زمان زنہار ساقط نشود چنانکہ درجوھرہ واشباہ وغیرہما	اسے اللہ حق اوردرستگی کی ہدایت عطافرما،اس جگہ دومقام ہیں،**مقام اول** نفس الامر،اس کے حکم کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی ثابت حق جو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہوچاہے میراث ہو یاکوئی اور مطلقًا بالاتفاق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ہرگزساقط نہیں ہوتا،جیساکہ جوہرہ اوراشباہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

منصوص شد وخود در ثبوت او آیات و احادیث وعقیدہ اجماعیہ مجازات یوم الدین برمظالم وتبعات بسندہ است اگر عند اللہ بمرور دہور حق ساقط شدے روزجزاجریان مجازات و مطالبہ تبعات مبادلہ حسنات ووضع سیئات بمیان نیامدے کہ بندہ رابربندہ حقے نماندہ گوازروئے تعدی حدودالٰہیہ ظالم مطالب بحقوق الٰہیہ باشد باطل اجماعًا بلکہ عنداللہ ہرچند ظالم برظلم متمادی رودظالم ترشود نہ آنکہ تمادی ایام ظلم برخیز دوحق بناحق آمیزد۔

دوم سماع دعوی بدارالقضاء۔اینجا نیز نفس مرورزمان فی حدود ذاتہ اصلاً جمع باثبات منع نیرزد نہ درارث ونہ درغیرآں کائنا ماکان بلکہ منع از دوجہت خیزدیکے سدباب تزویر وقمع اطماع فاسدہ ایں حکم حکم اجتہادی فقہائے کرام وائمہ اعلام ست ومتون وشروح وفتاوائے بدمذہب باوناطق وارث وغیرارث

وغیرہ میں منصوص ہے۔اس کے ثبوت کے لئے کود قرآنی آیات،احادیث اور یہ اجماعی عقیدہ کافی ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد سے متعلق ظلم اورزیادتیوں کابدلہ دلوایاجائے گا،اگرمدتوں کے گزرنے سے اللہ تعالٰی کے نزدیک حق ساقط ہوجاتا تو قیامت کے دن بدلہ دلوانے اور حقوق العباد کے مطالبے نیکیوں کے بدلے اورگناہوں کے مٹانے کاقانون جاری نہ ہوتا کیونکہ کسی بندے کادوسرے پر کوئی حق نہ رہتا اگرچہ حدودالٰہیہ تعدی کرنے سے حقوق اللہ کے بارے میں ظالم سے مواخذہ ہوتا،اوریہ بھی بالاتفاق باطل ہے،بلکہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ظالم جتناعرصہ ظلم پر قائم رہتاہے زیادہ ظالم ہوتا جاتاہے،ایسانہیں ہے کہ زیادہ دنوں کا گزرنا ظلم کواٹھا دے اور حق کو ناحق کے ساتھ ملادے،

مقام دوم قاضی کی کچہری میں دعوی کی سماعت۔اس میں بھی محض زیادہ زمانے کا گزرنا اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل اس لائق نہیں کہ سماع دعوی کی ممانعت کاباعث بنے،چاہے میراث کادعوی ہو یااس کے علاوہ کسی بھی شیئ کا۔بلکہ ممانعت دووجہوں سے پیداہوتی ہے،وجہ اول دھوکہ دہی کا دروازہ بندکرنا اورفاسد لالچوں کاختمہ کرنا۔یہ حکم فقہاء کرام اور مشہورائمہ عظام کااجتہادی حکم ہے۔جیساکہ مذہب کے

ہمہ در ویکساں ومتوافق وعندالتحقیق متقید نیست بہیچ مدتے ممدودوعدتے معدود صورتش آنست کہ مثلاً زیدرادارے ست کہ شراءً یاارثاً یا بہیچ وجہ ازوجوہ تملک نزد اوست واو زمانے درو تصرفات مالکانہ مے کرد وعمروعاقل وبالغ ہمدراں شہرساکن وبرآں تصرفات آگاہ بودوموانع ارجاع دعوے یکسر مفقود حالاخود اویاوارث او برمی خیزد ونزاع مے انگیزد وگردن دعوی رمی فرازد کہ ای خانہ (خانہ) ازاں منست زینہار نشنوند گودعوی ازجہت ارث گاش زیراکہ سکوت تامدتے صالحہ باوصف انعدام موانع ووجود مقتضی اعنی اطلاع بر تصرفات مالکانہ زید قرینہ واضحہ است برانکہ دار دارزیدست ودع۴وی عمرواززراہ کیدلاجرم آں سکوت رادررنگ اقراراوبملک زید فراگرفتہ مانع دعوی دانند آنچنانکہ اگرصراحۃً مقرشدے کہ داراز اں زیدست وبازبے توفیق معقول وقابل قبول بدعوی برخاستے تناقض گریبانش گرفتے ودعوی پیش نہ رفتے کذاھذا وپیداست کہ درایں باب

متون، شروح اور فتاوے اس پر شاہد ہیں۔ میراث اور غیر میراث اس حکم میں برابر ہیں۔ تحقیق کی رو سے یہ حکم کسی لمبی مدت اور خاص عرصے کے ساتھ مقید ومشروط نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید کاایک گھر ہے جو اس نے خریدا یامیراث میں پایایاملکیت کی وجوہ میں سے کسی اوروجہ سے اس کے پاس ہے، وہ اس میں ایک عرصے تک مالکانہ تصرفات کرتارہا۔ عمروجو کہ عاقل وبالغ اوراسی شہر میں رہائش پذیر تھا زید کے تصرفات پرآگاہ تھا۔ دعوی کرنے میں کوئی رکاوٹ بالکل موجود نہ تھی (اس کے باوجود وہ چپ رہا) اب عمروخود یا اس کاکوئی وارث اٹھ کر جھگڑاپیدا کرتاہے اور گردن دعوی بلند کرتے ہوئے کہتاہے اور گردن دعوی بلند کرتے ہوئے کہتاہے کہ یہ گھر میراہے تویہ دعوی ہرگز قابل سماعت نہیں اگرچہ میراث کی جہت سے دعوی ہو اس لئے کہ دعوی کی صلاحیت رکھنے والی مدت میں چپ رہناجبکہ دعوی میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی اور دعوی کامقتضٰی بھی موجود تھا یعنی زید کے مالکانہ تصرفات سے آگاہی، یہ واضح قرینہ ہے کہ گھر زید کاہے اور عمروکادعوی بطور مکر ہے۔ یقینا اس کی خاموشی کوزید کی ملکیت کااقراراقرار دیتے ہوئے مشائخ کرام دعوی سے مانع سمجھتے ہیں، جس طرح کہ اگروہ صراحۃً اقرار کرتا کہ یہ گھر زید کاہے پھر کسی معقول اور قابل قبول توجیہ کے بغیر اس

ادعائے ارث وغیر ارث ہمہ یکساں ست اللّٰھمّ مگر آنجا کہ زید مقرباشد بآنکہ درملک مورث عمرو بودہ است ومن از وشراءً یاہبۃً گرفتہ ام آنگاہ امر دعوی باز گونہ گرد و زید مدعی شود وعمرو مدعا علی وتصرفات زید تا زمانے مدید سودش نکند کہ دعوی رابینہ باید نہ مجرد تصرفات۔کمالایخفی علی اھل التصرف۔دوم نہی سلطان اسلام،این ست آنچہ درارث وغیر ارث متخالف شود کاربر تحدید مدت ازپیشگاہ سلطنت قرار گیرد بے نظر بصدور تصرف واطلاق مدعی وعدم موانع وظہور تزویر وغیر ذلک،سرایں کار آنست کہ ولایت قضاۃ مستفاد از جہت سلطان وقضا بزمان ومکان واشخاص واشیاء ہرچہ سلطان مولی بآں تخصیص فرماید تخصیص پزیرد پس اگر سلطان اسلام اعزاللہ نصرہ قضاۃ خود رابعد مدتے معینہ مثلاً پانزدہ سال یاماہ یا فرضادو سہ روز از سماع دعوی نہی کند قاضیان بعدآں زمان درحق آں دعاوی معزول باشند سماع نامقبول دریں اختلاف استثنائے	گھر پر دعوی کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا تو ٹکراؤ اس کا گریبان پکڑ لیتا اور اس کے دعوی میں پیشرفت نہ ہوتی اور یہ بھی ایسے ہی ہے۔ظاہر ہے کہ اس باب میں میراث اور غیر میراث کا دعوی سب برابر ہیں۔اے اللہ! مگراس صورت میں کہ زید اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ یہ گھر عمرو کے مورث کی ملکیت میں تھا میں نے اس سے خرید لیا یا بطور ہبہ حاصل کیا ہے تو اس وقت دعوی کا معاملہ الٹ ہوجائے گا کہ زید مدعی اور عمرو مدعا علیہ بن جائے گا،اور عرصہ دراز تک زید کا اس میں تصرفات کرنا اس کو فائدہ نہیں دے گا۔کیونکہ دعوی کے لئے گواہ درکار ہیں نہ کہ محض تصرفات۔جیسا کہ اہل تصرف پر پوشیدہ نہیں ہے۔وجہ دوم بادشاہ اسلام کا منع کرنا۔یہ ہے وہ صورت جس میں میراث اور غیر میراث مختلف ہوتے ہیں۔اسی میں کاروائی مدت کی حدبندی پر سلطنت کی طرف سے قرار پاتی ہے۔اس میں تصرف کا صادر ہونا،مدعی کا آگاہ ہونا،رکاوٹوں کا موجود نہ ہونا اور دھوکہ دہی کا ظاہر ہونا وغیرہ امور ملحوظ نہیں ہوتے۔اس کاروائی کا راز یہ ہے کہ قاضیوں کی ولایت بادشاہ کی طرف سے حاصل شدہ ہے اور قضاء زمانے،مکان،اشخاص اور دیگر جن اشیاء کے ساتھ بادشاہ خاص کردے

وقف وارث ومال یتیم وغائب وغیر ذلک ہمہ یا بعض یامطلقًا عدم استثناء ازہمیں جہت داشتہ است اسلطان ہر زمان آنکہ مطلق داشت علماء مطلق گزاشتند وآنکہ استثنا کرد استثناء فرمودند کہ اینجا کاربرزبان شہریارست وبس وازیں بیان بوضوح پیوست کہ دریں وادی نیزارث وغیراوہمہ متساوی الاقدام ست تاآنکہ اگر سلطانے قضاۃ خودرابعدیک سال ملًا خاص ازسماع دعوی ارث منع فرماید بالخصوص ہمیں دعوی ارث نامسموع باشد وغیراومسموع والعکس بالعکس ایں ست ریں مقام تحقیق انیق وباللہ التوفیق سخن دریں باب درکتاب القضاء والدعاوی از فتاوٰی خودم قدرے درازراندہ ام اینجا بر تلخیص عباراتے چند قناعت ورزیدن برازراہ اسہاب و اطناب گزیدن درفتاوٰی علامہ ابوعبداللہ محمدبن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویرالابصار ست سئل عن رجل لہ بیت فی دارلیسکنہ مدۃ تزیدعلی ثلث سنوات ولہ جار بجابجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور بناء وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت بعد

خاص ہوجاتی ہے، لہٰذا، اگر بادشہ اسلام اللہ تعالٰی اس کی نصرت کو غالب کرے اپنے قاضیوں کو ایک خاص مدت جیسے پندرہ سال یا پندرہ مہینے یا بالفرض دوتین دن کے بعد دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی صاحبان اس مدت کے بعد ان دعووں کے حق میں معزول ہوجاتے ہیں اور ان کی طرف سے دعوی کی سماعت نامقبول ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں میراث، وقف، مال یتیم اور مال غائب وغیرہ میں کل یا بعض کے استثناء یا مطلقًا عدم استثناء کا اختلاف اسی وجہ سے ہے کہ ہر دور کے بادشاہ نے جس کو مطلق رکھا علماء نے بھی اس کو مطلق رکھا اور بادشاہ نے جسے مستثنٰی کردیا علماء نے بھی اسے مستثنٰی کردیا کیونکہ یہاں کاروائی فقط بادشاہ کی زبان پر ہے، اس بیان سے خوب وضاحت ہوگئی کہ اس وادی میں میراث اور غیر میراث برابر ہیں یہاں تک کہ اگر بادشاہ مثال کے طور پر ایک سال کے بعد اپنے قاضیوں کو خاص دعوٰی میراث کی سماعت سے منع کردے تو خاص اسی دعوی میراث کی ممانعت ہوگی اس کے علاوہ دیگر دعووں کی

ماذکر تسمع دعواه ام لا۔اجاب لاتسمع دعواه علی ماعلیه الفتوٰی [1]۔درفتاوی علامہ خیرالدین رملی استاذ صاحب درمختار است سئل فی رجل اشتری من اخر ستة اذرع من ارض بید البائع وبنی بها بناء وتصرف فیه ثم بعده ادعی رجل علی البانی المذکور ان له ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امه والحال ان امه تنظر یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین هل له ذلك ام لا۔اجاب لاتسمع دعواه لان علمائنا نصوا فی متونهم وشروحهم وفتاواهم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحوالبناء والغرس والذرع یمنعه من

سماعت ہوسکے گی اور اگر بادشاہ اس کے برعکس حکم دے تو مسئلہ کی صورت بھی برعکس ہوجائے گی۔اس مقام پر یہ نفیس تحقیق ہے اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔اس مسئلے سے متعلق میں نے اپنے فتاوٰی کی کتاب القضاء اور کتاب الدعاوی میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔اور یہاں پر بطور خلاصہ چند عبارتوں پر قناعت اختیار کرنا طوالت کا راستہ اپنانے سے بہتر ہے۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویرالابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے پاس کسی گھر کا ایک کمرہ ہے جس میں رہتے ہوئے اس کو تین سال سے زائد عرصہ ہوچکا ہے۔اس گھر کی ایک جانب شخص مذکور کا ایک پڑوسی رہتا ہے اور شخص مذکور اس کمرے میں جس کا ذکر گزرچکا ہے عمارت و تعمیر وغیرہ کا تصرف تین سالہ مدت میں کرتا رہا جس پر اس کا پڑوسی آگاہ تھا۔کیا مدت مذکورہ کے بعد اگر وہ پڑوسی اس کمرے پر دعوی کرے تو اس کا دعوی سنا جائے گا یا نہیں؟آپ نے جواب دیا مفتٰی بہ قول کے مطابق اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا۔صاحب درمختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی کے

[1] العقود الدریة بحوالہ فتاوی الامام الغزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

سماع الدعوی قال صاحب المنظومۃ اتفق اساتیذنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل و التلبیس وجعل الحضور وترک المنازعۃ اقرارا بانہ ملک البائع[1]۔ ہمدران ست سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو محدود انہ مبلکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریتہ من والدک وعمّک وانی ذوید علیہ من مدۃ تزید علٰی اربعین سنۃ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعک عن الدعوٰی ھل یکون ذٰلک	فتاوٰی میں ہے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے بائع کے زیر قبضہ زمین میں سے چھ ہاتھ زمین خرید کر اس کو تعمیر کیا اور اس میں تصرف کیا، پھر بعدازاں ایک شخص نے تعمیر کرنے والے شخص مذکور پر دعوی کر دیا کہ اس فروخت شدہ زمین میں ساڑھے تین قیراط میرے ہیں جو مجھے ماں کی میراث سے ملے ہیں، حالانکہ اس کی ماں عمارت بنانے اور انتفاع مذکور کے تصرف کو دیکھتی رہی۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ توآپ نے جواب دیا اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ خصم کے مطلع ہوتے ہوئے مبیع میں مشتری کا تصرف اگرچہ وہ اجنبی ہو جیسے عمارت بنانا، درخت لگانا اور کھیتی باڑی کرنا اس کے دعوی کی سماعت سے مانع ہوتا ہے۔ صاحب منظومہ نے کہا ہمارے اساتذہ اس پر متفق ہیں کہ اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا اور دھوکہ دہی، لالچ، حیلے اور فریب کے خاتمہ کے لئے اس کی خاموشی کو بیع کے ساتھ رضامندی قرار دیا جائے گا۔ اس کی بوقت بیع وہاں موجودگی اور منازعت کے ترک کرنے کو

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۸۷و۸۸

من باب الاقرار بالتلقی من مورثیه اجاب نعم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علی الی بیّنة وصار المدعی علیه مداعیًا وکل مدعٍ یحتاج الی بیّنة ینوّربها دعواہ ولاینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقابا کثیرة لاتعد وھذا مالا یتوقف فیه[1]۔

اس بات کااقرار قرار دیا جائے گا کہ وہ بائع کی ملک ہے۔اسی میں ہے اس صورت کے بارے میں سوال کیاگیاجب زید نے عمرو پر ایک احاطہ سے متعلق دعوٰی کیاکہ یہ اس کا ہے جو اسے اپنے والد سے بطور میراث ملاہے۔مدعی علیہ (عمرو) نے جواب دیا کہ میں نے یہ احاطہ تمہارے والد اور چچا سے خریدا تھا اور چالیس سال سے زائد عرصہ ہوا کہ میں اس پر قابض ہوں جبکہ تم میرے ساتھ اسی شہر میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود اب تک دعوٰی سے خاموش رہے ہو حالانکہ کوئی عذر موجود نہ تھا جو تجھے دعوٰی سے روکتا۔کیا یہ عمرو کی طرف سے اس احاطہ کو زید کے مورثوں (باپ اور چچے) سے حاصل کرنے کا اقرار ہوگا؟ توآپ نے جواب دیا کہ ہاں مورث سے مِلک حاصل کرنے کادعوٰی، مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے مقر کی طرف ملکیت کے منتقل ہونے کادعوٰی ہے۔چنانچہ مدعی علیہ گواہ پیش کرنے کامحتاج ہوگا اس صورت میں مدعی علیہ مدعی بن جائے گا۔اورہر مدعی ایسے گواہ پیش کرنے کامحتاج ہوتاہے جس سے اس کادعوٰی ثابت ہو۔مذکورہ بالااقرار کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک عمرو کا قابض رہنا اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔یہ ترک دعوٰی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کی وجہ سے مواخذہ کے باب سے ہے۔جو شخص دوسرے کے لئے کسی شیئ کے بارے میں اقرار کرلے

[1] فتاوٰی الخیریة کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲ /۸۰و۸۱

| در عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ست
رجل تصرف زمانًا فی ارض ورجل اٰخر راٰی الار والتصرف ولم یدّع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ[1] اھ ولم یقیدوہ بمدۃ کما تری لان مایمنع صحۃ دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث ثم البیع غیر قید بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتہادی نص علی الفقہاء[2] کما رأیت ملقطًا۔ ہدر انست سئل فی رجل یرید الدعوی علی زید بمیراث امہ المتوفاۃ من اکثر من خمس عشرۃ سنۃ وزید یجحد ومضت ھذہ المدۃ من بلوغہ | تو وہ اپنے اقرار کے سبب سے پکڑا جائے گا اگرچہ وہ شیئ سالہاسال سے اس کے قبضہ میں ہو۔ اس مسئلہ میں توقف نہیں کیا جائے گا۔ (ت)
عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ تک ایک زمین میں تصرف کی اور ایک دوسرا شخص اس کو زمین میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور دعوی نہیں کیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگیا تو اب اس کی اولاد کا دعوی نہیں سنا جائے گا اھ مشائخ نے اس حکم کو کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ اور جو شیئ مورث کے دعوی کی صحت سے مانع ہو وہ وارث کے دعوی کی صحت سے بھی مانع ہوتی ہے۔ پھر بیع کی کوئی قید نہیں بلکہ محض تصرف پر مطلع ہونا دعوی سے مانع ہے اور یہ حکم بادشاہ کی طرف سے ممانعت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس پر فقہائے نے نص فرمائی ہے جیسا کہ میں نے دیکھا ہے ملتقطا۔ اسی میں ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو زید پر اپنی ماں کی میراث کا دعوی کرنا چاہتا ہے جس کو فوت ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے۔ یہ عرصہ اس شخص کے عاقل بالغ ہونے کے |

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳
[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

رشید اولم یدع بذٰلك ولامنعه مانع شرعی وھما مقیمان فی بلدة واحدة فھل تکون دعواہ بذٰلك غیرمسموعة للمنع السلطانی۔**الجواب** نعم والقضاء یجوز تخصیصه وتقییدہ بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة۔اشباہ وفیھا الحق لایسقط بتقادم الزمان کذا فی الجوھرة قال الحموی السلاطین الاٰن یامرون قضاتھم ان لایسمعوا دعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوٰی الوقف والارث،ومقتضی ماافتی به الخیر الرملی ان الارث غیرمستثنٰی،وقد کتب احمد آفندی المھنداری علی ثلثة اسئلة بانه تسمع دعوی الارث ولایمنعھا طول المدة وکتب علی سؤال اٰخر انھا لاتسمع وصرح العلائی قبیل باب التحکیم باستثناء الوقف و الارث،ونقل المنلاعلی عن فتاوٰی عل اٰفندی مفتی الروم عدم سماعھا،ونقل مثله السائحانی عن فتاوی عبدالله

بعد گزراہے اور اس نے دعوی نہیں کیاحالانکہ کسی شرعی مانع نے اس کو دعوی سے نہیں روکااور وہ دونوں ایک ہی شہر میں رہائش پذیر ہیں۔کیا بادشاہ کی طرف سے ممانعت کی وجہ سے اس کایہ دعوی نہیں سناجائے گا،جواب : ہاں،اور قضاء کو کسی خاص زمان ومکان کے ساتھ مختص اور مقید کرنا اور بعض تنازعات کواس سے مستثنٰی کردینا جائز ہے جیساکہ خلاصہ میں ہے(اشباہ)۔اسی میں ہے کہ زیادہ زمانہ کے گزرنے سے حق ساقط نہیں ہوتا جیساکہ جوہرہ میں ہے۔امام حموی نے کہا کہ اب بادشاہ اپنے قاضیوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ پندرہ سال کاعرصہ گزرجانے کے بعد کسی دعوی کی سماعت نہ کریں سوائے میراث اور وقف کے،اور خیرالدین رملی کے فتوے کا تقاضا یہ ہے کہ میراث مستثنٰی نہیں ہے۔احمدآفندی مہنداری نے تین سوالوں پر لکھاکہ میراث کے دعوی کی سماعت کی جائے گی اور طوالت مدت اس سے مانع نہ ہوگی جبکہ ایک اور سوال تحریر فرمایاکہ میراث کے دعوی کی سماعت نہیں کی جائے گی۔علائی نے باب التحکیم سے تھوڑا ساپہلے وقف اور میراث کے مستثنٰی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔منلاعلی نے مفتی روم علی آفندی کے فتاوٰی سے اس کاقابل سماعت نہ ہونا نقل کیا ہے۔اسی کی مثل سائحانی نے عبداللہ آفندی کے

آفندی فقد اضطرب کلامھم کما تری فی مسألۃ الارث والظاھر انہ تارۃ ورد امر مع استثنائھا وتارۃ بدونہ[1] اھ ملخصًا۔ درردالمحتار است لیس لھذا (یعنی منع الدعوی للسکوت مع الاطلاع علی التصرفات) مدۃ محدودۃ واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ اذا ترکت بلاعذر فذاك فی غیر ھٰذہ الصورۃ[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فتاوٰی سے نقل کیا ہے، ان کے کلام میں جیسا تو دیکھ رہا ہے میراث کے بارے میں اضطراب پایا گیا ہے بظاہر کبھی تو اس کے استثناء کے ساتھ امر وارد ہوا اور کبھی بغیر استثناء کے۔ اھ ملخصًا۔ (ت) ردالمحتار میں ہے کہ اس کے لئے (یعنی تصرفات پر مطلع ہو کر چپ رہنے کی سے دعوی کی ممانعت کے لئے) کوئی مدت متعین نہیں ہے۔ رہا پندرہ سال کے گزر جانے کے بعد دعوی کی سماعت نہ ہونے کا معاملہ جبکہ بغیر عذر کے اس کو چھوڑا ہو تو وہ اس صورت کے علاوہ میں ہے۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۹: از شہر چاٹگام موضع نیاپارہ مرسلہ مولوی قدرت اللہ صاحب آخر ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ شخصے وفات یافت یک زوجہ و والدہ ویک خواہر حقیقی ویک اُخت علاتی ویک برادر اخیافی ویک ابن العم گزاشت وجمیع مال وصیت برائے ابن العم کردہ بود، پس حکم وصیت چیست و تقسیم ترکہ چسان۔ **بینوا توجروا۔**	کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور وارثوں میں ایک بیوی، ماں، ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن، ایک اخیافی بھائی اور ایک چچا کا بیٹا چھوڑا ہے جبکہ اس نے تمام مال کی وصیت چچا کے بیٹے کے لئے کردی تھی، اس وصیت کا حکم کیا ہے اور ترکہ کی رقم تقسیم کیسے ہوگی؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاود دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۶

الجواب:

بر تقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر بعد ادائے مہر زوجہ وغیرہ ہرچہ دین ذمہ متوفی باشد از باقی ماندہ ایک ثلث بے اجازت ورثہ وبیشتر ازاں بشرط اجازت وارثان بالغین نافذالتصرف بابن العم وصیۃً دہند ودو ثلث مابقے یا کم ترازاں ہرچہ ماند بر پانزدہ بخش قسمت کردہ سہ سہم بزوجہ ودو بوالدہ و شش بخواہر عینیہ ودو باخت علاتیہ ودو بہ برادر اخیافی رسانند ایں درصورتیست کہ ہمہ ورثہ اصحاء بالغین زیادت بر ثلث تاحد معین کم از کل مال روا داشتہ باشند۔ واگر ہیچ وارث اجازت ندادآنگاہ بعد ادائے دیون بیش از ثلث بابن العم ندہند ودو ثلث باقی تمام وکمال بر ہمہ حساب بورثہ بخشش نمایند واگر ہمہ اجازت وصیت در جمیع مال دادند پس بعد اخراج دیون ہرچہ ماند جملہ بابن العم رسانند واگر بعض اجازت تمام وصیت دادند وبعض نے یا بعض نابالغ باشند آنگاہ حصہ اجازت دہندگان ہم بابن العم دہند واگر اجازت بعض در زیادہ بر ثلث بہر تمام وصیت نبود مثلاً دردو ثلث تنفیذ

میراث سے کسی مانع اور مذکورہ وارثوں کے علاوہ کسی وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا مہر وغیرہ جو بھی فرض متوفی کے ذمہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد ترکہ کا ایک تہائی وارثوں کی اجازت کے بغیر اور اس سے زیادہ بالغ ورثاء جن کا تصرف نافذ ہوتا ہے کی اجازت سے چچا کے بیٹے کو بطور وصیت دیں گے جبکہ باقی دو تہائی یا اس سے کمتر جتنا بھی بچا ہے اس کو پندرہ حصوں پر تقسیم کرکے تین حصے بیوی کو، دو ماں کو، چھ حقیقی بہن کو، دو علاتی بہن کو اور دو اخیافی بھائی کو دیں گے، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام عاقل بالغ وارثوں نے ایک تہائی سے زائد کل مال سے کم معین حد تک کو جائز قرار دیا ہو۔ اگر کسی وارث نے اجازت نہ دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد ایک تہائی سے زائد چچا کے بیٹے کو نہیں دیں گے اور باقی دو تہائی مکمل طور پر تمام وارثوں پر ان کے حصوں کے حساب سے تقسیم کریں گے، اگر تمام وارثوں نے کل مال میں وصیت کی اجازت دے دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ باقی بچا وہ سارا چچا کے بیٹے کو دیں گے، اگر بعض وارثوں نے تمام وصیت کی اجازت دی اور بعض نے نہ دی یا بعض ورثاء نابالغ ہوں تو اجازت دینے والوں کا حصہ بھی

نمایند آنگاہ حصہ رسد از سہام مجیزان کم کنند۔ ابن العم اینجا اگرچہ اہل میراث ست ووارث راوصیت بے اجازت دیگرورثہ روانبود فاما ازانجا کہ اہل فرض چیزے برائے عصبہ نگزاشتند بلکہ مال برایشاں نیز تنگ آمد کہ حاجت بعول افتاد ابن العم وارث بالفعل نماند وصیت کہ ممنوع ست برائے وارث بالفعل ست نہ برائے ہر آنکہ مجرد اہلیت ارث دارد کما یرشد الیہ صدر الحدیث ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لاوصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ [1] آیا نہ بنی کہ وصیت برائے محجوب نیز از اہلیت واستحقاق ارث برکران نیست ہمیں تقدم دیگرے برو او را محجوب نمودہ است در تبیین الحقائق وردالمحتار وغیرہما است اوصی الاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ [2] الخ۔

چچا کے بیٹے کو دے دیں گے اور اگر بعض وارثوں کی ایک تہائی سے زائد کی اجازت تمام وصیت کے لئے نہیں مثلاً وہ دو تہائی تک وصیت کو نافذ کریں تو اس صورت میں اتنی مقدار تک اجازت دینے والوں کے حصوں میں کمی کی جائے گی۔ چچا کا بیٹا یہاں پر اگرچہ وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہے اور وارث کے لئے وصیت دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں مگر یہاں چونکہ ذوی الفروض نے عصبہ کے لئے کوئی شیئ نہیں چھوڑی بلکہ خود ان پر مال کے سہام تن پڑ گئے جس کی وجہ سے عول کی ضرورت پیش آئی لہٰذا چچا کا بیٹا بالفعل وارث نہ رہا اور وصیت کی ممانعت اس کے لئے ہے جو بالفعل وارث ہو نہ کہ محض وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہو، جیسا کہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ تیری رہنمائی کرتا ہے کہ "بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔ خبردار کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء کی مرضی سے ہو"۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ محجوب کے لئے بالاجماع وصیت جائز ہے حالانکہ وہ بھی وارث بننے کی اہلیت واستحقاق سے خالی نہیں ہے بلکہ محض کسی دوسرے وارث کے اس پر مقدم ہونے کی وجہ سے یہ میراث سے محروم ہوگیا ہے۔ تبیین الحقائق اور ردالمحتار

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب لاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹، کنز العمال حدیث ۴۶۰۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۶

وغیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی درا نحالیکہ وہ وارث تھا پھر میت کا بیٹا پیدا ہوگیا تو بھائی کے لئے وصیت صحیح ہو گئی۔(ت)

در شریفیہ فرمود الاخوۃ مع الاب لایجعلون کالموتٰی وان کانوا لایرثون معہ لان اھلیۃ الارث ثابتۃ لھم وانما لم یرثوا فی ھذہ الحالۃ لفقدان الشرط وھو عدم الاب[1]۔

شریفیہ میں فرمایا کہ باپ کی موجودگی میں میت کے بھائیوں کو مردوں کی طرح نہیں بنایا جائے گا اگرچہ باپ کے ہوتے ہوئے وہ وارث نہیں بنتے کیونکہ ان کے لئے وارث بننے کی اہلیت ثابت ہے مگر اس حالت میں وہ اس لئے وارث نہیں بنتے کہ ان کے وارث بننے کی شرط مفقود ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی۔(ت)

بلکہ حجب بجہت آں کہ اصحاب فرائض ہیچ نگزاشتند ودخل دراخراج او از زمرہ ورثہ است بہ نسبت حجب وارث اقرب زیراکہ آنجا فقد شرط است واینجا فقدان محل کہ عصبہ را محل وراثت نیست مگر مالیکہ از ذوی الفرائض باقی ماند، درسراجیہ فرمود العصبۃ کل من یاخذ من الترکۃ ما ابقتہ اصحاب الفرائض[2] الخ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

بلکہ عصبہ کا محجوب ہونا اس وجہ سے ہے کہ اصحاب فرائض نے اس کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، اس کا دخل عصبہ کو وارثوں کے زمرہ سے خارج کرنے میں زیادہ ہے بنسبت وارث اقرب کے وارث ابعد کو محجوب کرنے کے، کیونکہ وارث اقرب کے سبب سے ابعد کے محجوب ہونے میں شرط مفقود ہے جبکہ صورت مذکورہ میں عصبہ کے محجوب ہونے میں محل مفقود ہے۔ اس لئے کہ عصبہ کے لئے وراثت کا محل نہیں سوائے اس مال کے جو اصحاب فرائض سے باقی بچ جائے۔ سراجیہ میں فرمایا کہ عصبہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اصحاب فرائض سے بچا ہوا ترکہ لے لے الخ، یہ وہ ہے جو میرے پاس تھا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۰

[2] السراجی فی المیراث مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۴و۵

مسئلہ ۱۰۰: از لکنؤ محلّہ باغ قاضی مکان داروغہ منشی مظفر علی مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بریلوی ثم اللکنوی رجب ۱۳۲۱ھ

بعد آرزوئے قدمبوسی معروض خدمت یہاں در بارہ ترکہ جھگڑا ہے، فرنگی محل کے علماء نے ترکہ زوجہ اور ہمشیر اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کی لڑکیوں کو محجوب کیا ہے مقصود صرف اس قدر ہے کہ ان بھتیجوں کو کسی وجہ سے ترکہ پہنچتا ہے جبکہ متوفی کے روبرو ان کے والد فوت ہو چکے ہیں فقط۔

الجواب:

فی الواقع جب تک دادا پر دادا کی اولاد میں کوئی مرد باقی ہے اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتے کا ہو اس کے سامنے سگی بھتیجیاں کچھ نہیں پا سکتیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والبخاری ومسلم والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اصحاب فرائض کو ان کے مقررہ حصے دو جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔اس کو امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰۱: از شہر کہنہ ۲۵ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک باپ اور دو ماں سے تین بیٹے ہیں، پہلی بیوی سے سید محرم علی اور دوسری بیوی سے سید وزیر علی سید منیر علی پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سید محرم علی صحبت شیعہ میں شیعہ ہوگئے اب ان کا انتقال ہوا موافق وصیت کے تجہیز و تکفین ان کی شیعوں نے کی اسباب ان کا مالیت تخمیناً۔ کا ہے یہ اسباب بموجب شرع شریف سید وزیر علی و منیر علی اور ہمشیران پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲ /۳۴ و جامع الترمذی ابواب الفرائض ۲ /۳۱، مسند احمد بن حنبل ۱ /۳۲۵

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ سید محرم علی کے عقائد مثل عقائد اکثر روافض زمانہ حد کفر تک پہنچنا معلوم نہیں، نہ کبھی ان سے کوئی بات ایسی سنی۔ اور سید وزیر علی وسید منیر علی اور دونوں سیدانیاں غنی نہیں۔ پس صورت مذکورہ میں وہ مال انہیں چاروں بہن بھائیوں کو چھ حصے کرکے دیا جائے کہ دو حصے ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو کہ اگر محرم علی کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ یہ بہن بھائی وارث ہیں اور اگر پہنچ گئے ہوں تو اس میں سے جتنا مال محرم علی کے زمانہ اسلام کا کمایا ہوا ہو اس کے بھی وارث یہی بہن بھائی ہیں۔

فان کسب المرتد فی الاسلام لورثۃ المسلمین کما نص علی فی الدر[1] وغیرھا عامۃ الکتب۔	مرتد نے جو حالت اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لئے ہے جیسا کہ درو غیرہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

اور جتنا مال زمانہ کفر کا کمایا ہوا ہو وہ حق فقرائے مسلمین ہے اور یہ بہن بھائی بھی فقراء ہیں اغنیاء نہیں، توہر حال میں انہیں اس مال کا استحقاق ہے،

وفی قسمتہ علیھم اثلاثا خروج عن العھد بیقین کما عرفت۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ان پر مال تین حصے بناکر تقسیم کرنے میں یقینی طور پر ذمہ داری سے فراغت ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۲: از شہر بریلی محلّہ کہنہ منشی شرافت علی بتاریخ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید قرضدار تھا اور اسی عرصہ میں فوت ہوگیا تو فرمایئے کہ اس کا ترکہ قرضداروں کو ملنا چاہیئے یا کہ بی بی کا مہر ملنا چاہیئے یا عزیزوں کو ملنا چاہیئے اور بعد وفات اپنے شوہر کے بی بی نے کچھ قرضہ اپنا زیور فروخت کرکے قرضداروں کو دیا تھا مگر وارثوں نے قرض ادا کرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا، تو فرمایئے کہ وقت تقسیم ترکہ کے پہلے قرضداروں کو ملنا چاہیئے یا کہ مہر بی بی کا ملنا چاہیئے یا اور وارثوں کو، اور ترکہ اس قدر نہیں ہے جو کہ سب کو کافی ہوسکے اور مہر بی بی کا بھی ویسا ہی قرضہ ہے جیسا کہ دوسرے قرضداروں کا یا نہیں، اور مہر کا

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

دعوٰی اگر عورت تین سال یا کچھ زائد تک نہ کرے وہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

مہر ویسا ہی دین ہے جیسا کہ دیون۔ اور مہر اور تمام دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہیں جب تک مہر وغیرہ سب دیون ادا نہ ہولیں وارثوں پر تقسیم نہ ہوگی۔ مہر اور دیگر دیون کو جب کہ جائداد کافی نہ ہوگی تو مع مہر سب حصہ رسد ادا ہوں گے۔ مہر کا دعوٰی تین برس تک عائد نہ کرنے سے مہر شرعًا ہرگز ساقط نہیں ہوتا یہ محض جھوٹ ہے۔ شوہر کا جو قرضہ عورت نے بطور خود اپنا زیور بیچ کر ادا کیا ہے وہ اب عورت کا دین ترکہ پر ہوگیا مہر کے ساتھ اس کا بھی حصہ اس کے لئے لگایا جائے گا اگر اس نے باقی وارثوں سے ترکہ میں واپس لینے کی شرط نہ کرلی ہو ہاں اگر عدم واپسی کی شرط کرلے کہ یہ میں اپنی طرف سے ادا کرتی ہوں اور واپس نہ لوں گی تو البتہ اس قدر کی واپسی کا استحقاق نہ ہوگا، جامع الفصولین میں ہے:

ولو استغرقها دین لایملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه او اداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء اما لو ادی من مال نفسه مطلقا بلاشرط تبرع او رجوع یحب له دین علی المیت فتصیرالترکة مشغولة بدینه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو کوئی وارث بطور میراث اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری قرار دے دے یا کوئی وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کردے اور ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط لگادے لیکن اگر وارث نے مطلقًا یعنی تبرع یا رجوع کی شرط کے بغیر اپنے مال سے قرض ادا کردیا تو میت پر اس وارث کا قرض لازم ہو جائے گا اور ترکہ اس کے قرض میں مشغول ہوجائے گا۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از بیرم نگر ڈاک خانہ شیر گڑھ ضلع بریلی مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک زوجہ، چار بھانجیاں اور چار چچازاد بہنیں

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲

چھوڑیں۔ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پاؤگے۔)

الجواب:

مسئلہ ۱۶

زوجہ - ابن الاخت - ابن الاخت - ابن الاخت - ابن الاخت - بنت العم - بنت العم - بنت العم - بنت العم

۴ ۳ ۳ ۳ ۳ م م م م

برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید کا سولہ سہام ہوکر چار سہم زوجہ اور تین تین ہر بھانجی کو ملیں گے اور چچازاد بہنیں کچھ نہ پائیں گی۔

من الصنف الثالث جزء ابوی المیت مقدم علی الصنف الرابع جزء جدیہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تیسری قسم سے میت کے والدین کی جزء چوتھی قسم سے اس کے دادا کی جزء پر مقدم ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴: ازلاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۴شعبان ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوااور اس کی ایک منکوحہ ہے اور منکوحہ سے جو فوت ہوگئی ہے ایک لڑکا ہے۔یہ ایسی صورت ہے کہ متوفی کی منکوحہ کو آٹھواں حصہ متوفی کے متروکہ مال سے پہنچے اس شخص متوفی پر دَین بھی ہے کہ متوفی کے اس متروکہ سے دلوایا جاسکتا ہے۔پس اگر منکوحہ مذکورہ اپنے آٹھویں حصہ کو دین کے ادا سے بچالے اور یہ چاہے کہ اولاد متوفی کے دَین کے بار کے متکفل ہوں اور میرا حصہ خالص رہے،پس ایسی صورت میں حکم شرعی کیاہے؟ قاضی شرع دین کاحساب اس آٹھویں میں بخوبی دے گایااس پر جبر نہیں کرسکتا؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عورت کامہر اگر باقی ہے تووہ بھی مثل سائر دیون ایک دَین ہے اس کے ذریعہ سے حصہ رسد ثمن سدس نصف ثلث کم زائد جو کچھ پڑے اپنے لئے بچاسکتی ہے مگر یہ خواہش کہ ترکہ سے اپنا ثمن حق زوجیت بذریعہ وراثت جدا کرے اور دیون صرف ورثہ کے سہام پر ڈالے

یہ محض باطل تغییر حکم شرع ہے۔

قال تعالٰی "فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ" [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان (بیویوں) کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس وصیت کو نکالنے کے بعد جو تم کر جاؤ اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از قصبہ چاندپور ضلع بجنور متصل تھانہ مرسلہ مولوی حکیم سید مشتاق حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین وعلمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ترکہ میں کچھ جائداد موروثی چھوڑی تھی اور نو (۹) وارث چھوڑے تھے تین فرزند چھ دختران، اور ہر کوئی اپنے حصے کا شرعًا مالک قرار دیا گیا مگر قبضہ اور تصرف فرزندوں کا رہا اور ہنوز ہے لیکن منجملہ دختران کے ایک دختر کے دو فرزندوں میں سے ایک فرزند جو عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اس کی زوجہ نے فی الحال انتقال کیا اس عورت کے حصہ کا جو اپنے خاوند مفقود الخبر کے حصہ کی مالک متصور تھی اب کون قرار دیا جائے اور کس کا نام کتاب میں درج ہو، آیا مفقود الخبر کا بھائی ہوگا یا اس عورت کا بھائی ہوگا یا حقیقت عود کرکے حصہ داران مذکوران تین فرزندان کو جواب تک مالک وقابض ہیں پہنچیں گے؟ **بیّنوا توجروا۔** فقط

الجواب:

سائل نے کچھ نہ بتایا کہ یہ مفقود الخبر اپنی ماں کے انتقال سے پہلے مفقود ہوا تھا یا بعد، اگر زندگی مادر میں مفقود الخبر ہو چکا تھا تو ہنوز اس کا استحقاق حصہ مادر میں ثابت ہیں، جتنے ورثہ مادر بحال موت وحیات مفقود الخبر ہر حال میں جس قدر یقینی پائیں گے اتنا ان کو دے کر باقی موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کہ مفقود الخبر کی موت وحیات کا حال معلوم ہو یا اس کی عمر ستر سال گزر جائیں اور کچھ حال نہ کھلے پس اگر وہ زندہ ثابت ہو تو حصہ خود اس کا ہے اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت نہیں اور اس مدت تک کچھ حال نہ ظاہر ہو یا ثابت ہو کہ وہ اپنی ماں سے پہلے مر چکا تھا تو خود اس کے لئے وراثت نہیں اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت کیسے ثابت ہوگی، اور اگر ثابت ہو کہ ماں کے بعد مرا تو اگر موت زوجہ بھی اس کی موت سے پہلے ہے زوجہ کے لئے

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۲

وراثت نہیں جو حصہ اسے ماں سے پہنچا اسی کے بھائی وغیرہ ان وارثوں کا ہے جو موت مفقود کے بعد زندہ تھے اور اگر معلوم ہو کہ زوجہ سے پہلے مراتو زوجہ بھی وارثہ ہے اور مفقود کے بھائی بھی وارث ہیں، جو حصہ حصہ مفقود میں زوجہ کو پہنچے اس کا وارث زوجہ کا بھائی ہے یا اور جو وارث زوجہ ہو، دیگر وارثان مفقود کا اس میں حق نہیں، اوا گر وہ شخص اپنی ماں کی موت کے بعد مفقود الخبر ہوا تو متروکہ مادر میں اس کا حصہ ثابت ہو لیا اب وہ حصہ تقسیم نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی موت وحیات ظاہر ہو یا اس کی پیدائش سے ستر برس گزر جائیں، اگر ستر سال گزریں اور کچھ حال موت وحیات مفقود الخبر معلوم نہ ہو تو زوجہ مفقود اور نیز وہ تمام اشخاص جو اس ستر سال گزرنے سے پہلے مر چکے ہوں گے کچھ نہ پائیں گے، اس ستر سال گزرنے کے وقت جو وارثان شرعی مفود کے لئے ہوں وہی مستحق ہوں گے اور اگر عمر کے ستر سال گزرنے سے پہلے ظاہر ہو جائے کو مفقود زندہ ہے تو مال اس کا ہے زوجہ وغیرہا کوئی وارث نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ موت زوجہ کے بعد مراتو زوجہ وارث نہیں مفقود کے بھائی وغیرہ جو ورثہ موت مفقود پر رہے ہوں وہ پائیں گے، اور اگر ظاہر ہو کہ زوجہ سے پہلے مراتو جو حصہ زوجہ کو پہنچے اس کے وارث زوجہ کے بھائی وغیرہ ہیں نہ کہ دیگر وارثان مفقود۔ اگر مفقود اپنی ماں کے بعد مفقود ہوا تو اس کے حصہ میں اسی کی مالکیت مندرج رہے گی یہاں تک کہ حال کھلے یا ستر ۷۰ سال گزریں اور حسب تفصیل بالا ورثہ کی طرف انتقال ہو، اور اگر موت مادر سے پہلے مفقود ہو تو جس قدر موقوف رکھا جائے گا اس میں ہنوز کسی کا نام درج نہیں ہو سکتا بلکہ حصہ موقوفہ از ترکہ فلاں بانتظار فلاں مفقود تامدت بست ۲۰ سال ازیں تاریخ حاضر اور پچاس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو بجائے بست ۲۰ سال دہ ۱۰ سال لکھیں وعلٰی ھذا القیاس۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۶: شہر بریلی محلّہ بھوڑون نوازی میاں ۱۵ شعبان یوم جمعہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ساتھ تعین مہر بدون گواہوں کے ایجاب قبول کرلیا۔ اور زید کا ہندہ کو حمل رہ گیا اور زید مر گیا، اب ہندہ دادخواہ ہے ترکہ زید سے اپنے اور اپنے لڑکے کے حصہ کی۔ وارثان زید کہتے ہیں کہ تیرا حصہ نہیں چاہئے ہم تجھ کو نہیں دیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر جس وقت زید نے ہندہ سے ایجاب وقبول کیا تھا دو مرد مسلمان یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان وہاں موجود تھے اور ان کا ایجاب وقبول سن رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ نکاح ہو رہا ہے جب تو نکاح ہوگیا، ہندہ اور اس کا لڑکا دونوں ترکہ زید میں اپنے اپنے حصے کے مستحق ہیں کچھ اس کی ضرورت نہیں کہ خاص کرکے دو۲ شخصوں کو گواہی کے ساتھ نامزد کیا جائے جبھی تو نکاح ہوا اور اگر واقع میں اس وقت زید وہندہ تنہا تھے یا فقط ایک مرد یا صرف چند عورتیں یا کچھ غیر مسلمان کفار موجود تھے اور زید وہندہ نے ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح نہ ہوا ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں مگر بیٹا حصہ پائے گا۔

لان النکاح بغیر شھود فاسد لاباطل والصواب التفرقۃ بین فاسد النکاح وباطلہ کما تشھد بہ فروع جمۃ وماشاع علی السنۃ من ان النکاح لاینعقد الا بشھود فالمراد الصحۃ بقول الدر یجب مھر المثل فی نکاح فاسد ھوالذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود [1] الخ۔ وفی ردالمحتار عن النھر، ان النکاح لہ فی قولھم فرق۔ [2] فسخ طلاق وھذا الدر یحکیھا تبائن الدار مع نقصان مھر کذا فساد عقد وفقد الکفؤ ینعیھا الی قولہ وتلك الفسخ یحصیھا [3]	کیونکہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہے باطل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ فاسد اور باطل نکاح میں فرق کیا جائے گا جیسا کہ تمام فروع اس پر گواہ ہیں، اور عام لوگوں کی زبانوں پر جو مشہور ہو گیا ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اس سے مراد نکاح کا صحیح ہونا ہے۔ در کے قول کے مطابق کہ نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو، جیسے گواہوں کی موجودگی الخ۔ ردالمحتار میں نہر سے منقول ہے کہ مشائخ کے قول میں نکاح کی جدائیاں کئی قسم پر ہیں فسخ اور طلاق۔ اور موتی جیسی یہ نظم ان کو بیان کرتی ہے۔ پہلی جدائی اختلاف دار، دوسری مہر کی کمی کے ساتھ نکاح کرنا، اسی طرح تیسری عقد کا فاسد ہونا

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[3] الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

قال فی ردالمحتار بعد مابدل الشطر الاول الی ما ذکرنا لتصحیح الوزن،قوله فساد عقد کان تزوج بغیر شهود[1] اھ فهذا ایضاً نص انه اذا نکح بغیر شهودتکون الفرقة فیه فسخاً ومعلوم ان لافسخ الا بانعقاد ثم المرأةلاترث بالنکاح الفاسد بل الولد فی الدر المختار یستحق الارث بنکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولاباطل اجماعاً[2] قال الشامی قوله،بفاسد هو ما فقد شرط صحته کشهود ولاباطل کالمتعة[3] اھ و فیه اٰخر باب ثبوت النسب انه نکاح باطل،فالوطء فیه زناً لایثبت به النسب بخلاف الفاسد فانه وطء بشبهة فیثبت	اور چوتھی کفوکامفقود ہونا عورت کو موت کی خبر سناتاہے اس قول تک کہ ان سب جدائیوں کو فسخ جمع کرتاہے۔ردالمحتار میں قسم اول کو جہاں تک ہم نے بیان کیاوزن کی تصحیح کے لئے کچھ تبدیل کرنے کے بعد فرمایا کہ ماتن کاقول "فسادعقد" جیسے کسی نے گواہوں کے بغیر نکاح کیاہو اھ۔تویہ بھی اس پر نص ہے کہ اگر گواہوں کے بغیر نکاح کیاتوجدائی بطور فسخ ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ فسخ بغیر انعقادکے نہیں ہوتا پھر نکاح فاسدکے ساتھ عورت وارث نہیں ہوتی بلکہ اولاد وارث ہوتی ہے۔درمختار میں ہے کہ میراث کا استحقاق نکاح صحیح کے ساتھ ہوتاہے نکاح فاسد اور نکاح باطل کے ساتھ بالاتفاق میراث جاری نہیں ہوتی۔شامی نے کہاکہ ماتن کے قول "نکاح فاسد میں میراث جاری نہیں ہوتی" میں نکاح فاسد سے مراد وہ نکاح ہے جس میں کوئی شرط صحت مفقود ہو جیسے گواہوں کاموجود ہونا اور "نہ نکاح باطل میں میراث جاری ہوتی ہے" نکاح باطل کی مثال جیسے نکاح متعہ اھ۔اوراسی میں باب ثبوت نسب کے آخر میں ہے کہ نکاح متعہ باطل ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۶

به النسب ولذا تکون بالفاسد فراشا لابالباطل، رحمتی[1]۔	اس میں وطی کرنا زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا بخلاف نکاح فاسد کے۔ کیونکہ وہ وطی ہے شبہہ کے ساتھ جس سے نسب ثابت ہوجاتا ہے۔اسی لئے عورت نکاح فاسد کے ساتھ فراش ہوجاتی ہے نہ کہ نکاح باطل کے ساتھ، رحمتی۔ (ت)

ہاں عورت اپنا مہر بہر حال پائے گی لحصول الوطء کما تقدم، واللہ تعالٰی اعلم (وطی کے حاصل ہوجانے کی وجہ سے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۷: ہدایت علی شہر کہنہ بریلی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور اس کے دو لڑکیاں تھیں، ایک لڑکی جو زید کی حین حیات میں فوت ہوگئی اس کا ایک لڑکا فی الحال موجود ہے اور ایک لڑکی اور تین چچازاد بھائی عمر، بکر، خالد بعد فوت ہونے اپنے وارث چھوڑے، عمر بڑے چچا کا لڑکا اپنی شریف خاندانی منکوحہ ماں سے ہے اور دوسرے چچا کا لڑکا ایک چمارن غیر منکوحہ عورت سے ہے جس کا ختنہ بھی نہیں ہوا ہے، اور تیسرے چچا کا لڑکا ایک رنڈی سے ہے جس کے نکاح کی تصدیق نہیں، اس صورت میں ترکہ کی تقسیم کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

مکرر یہ ہے کہ زید مذکور کی تین بہنیں تھیں اور دس بسوہ اراضی زید کو اور اس کی تینوں بہنوں کو موروثی باپ کے ترکہ سے ملی تھی۔ایک بہن زید کی لاولد فوت ہوگئی اور دو بہنیں وہ بھی زید کے سامنے فوت ہوگئیں مگر ان دو کے اولاد ہے ایک بہن کے ایک لڑکا، دوسری کے تین پسر اور ایک دختر، تو اب زید کے ان بھانجی بھانجوں کو ترکہ زید کا جو کہ اراضی تعدادی دس بسوہ ہے اور زید حین حیات میں اپنے بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا اور بعد فوت اپنی تینوں بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا کسی طرح تقسیم ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سائل نے ظاہر کیا کہ چماری کا نکاح نہ ہوا تھا، نہ یہ لڑکا زید کے چچا کا تھا بلکہ چماری کے ساتھ آیا اور اس رنڈی کو پردہ نہ کرایا تھا بلکہ اخیر تک ویسی ہی بے پردہ پھرتی رہی اور اس کے

---

[1] ردالمحتار باب ثبت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۳۳

نکاح کا کوئی ثبوت نہیں اگر یہ بیان واقعی ہیں تو زید کا ترکہ حسب شرائط معلومہ دو حصے ہوں کر نصف دختر موجودہ زید اور نصف بڑے چچا کے لڑکے کو ملے گا جو منکوحہ سے ہے اور باقی دونوں لڑکے اور بھانجے اور بھانجیاں سب محروم ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸: از قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی ڈیوڑھی کلاں ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادھم اللہ شرفا کہ زید اور بکر دو بھائی حقیقی تھے، زید کا لڑکا عمرو اور عمرو کا لڑکا حامد اور حامد کی لڑکی ہندہ یہ لاولد فوت ہوئے زید کے لڑکے عمرو نے حامد کو بایں شرط اس مضمون کی وصیت تحریر کی "ہماری موروثی جائداد خاندان دیگر ونسل وغیرہ میں منتقل نہ ہوگی" بعد فوت عمرو کے حامد قابض جائداد ہوئے حامد نے بھی ایک وصیت سعیدہ یعنی زوجہ خود ونیز دختر ہندہ کو حسب شرائط تحریر کی "یعنی زوجہ منکوحہ سعیدہ اپنی حیات تک منتظم ومنصرم رہے گی، بعد وفات اس کے ہندہ نسلاً بعد نسل مالک و وارث کل جائداد کی ہوگی" چونکہ ہندہ بموجودگی مسماۃ سعیدہ اپنی والدہ کے فوت ہوئی اور بعد چندسال کے سعیدہ بھی فوت ہوگئی جو کہ خاندان غیر سے تھی اور بکر کے دو دختر یعنی زاہدہ اور عابدہ۔ زاہدہ منسوب چچازاد بھائی عمرو کو جس کا لڑکا حامد اور حامد کی ہندہ جو لاولد فوت ہوئی بلکہ شاخ بھی ختم ہوگئی باقی رہی عابدہ جو منسوب ہوئی محمود کو جن سے ہوئے خالد اور ان سے ہوئے ولید حی القائم، پس بموجب شرع شریف حنفی المذہب کے تقسیم حصص کیا ہے اور وارث جائز کون ہے جبکہ عصبہ وذوی کوئی نہیں ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پاؤگے۔ت) شجرہ مندرجہ ذیل ہے:

زید ۱ع — برادر حقیقی — بکر
عمرو ۲ع
حامد ۳ع — زوجہ حامد سعیدہ
ہندہ ۴ع
عمرو — منسوب بہ عمرو زاہدہ ۱ع
حامد
ہندہ
لاولد فوت ہوئی
عابدہ ۲ع — منسوب بہ محمود
خالد ۳ع
ولید ۴ع
حی القائم
محمود
خالد
ولید

الجواب:

یہ سوال مجمل ہے معلوم نہیں کہ بکر کے بعد زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا یا نہیں، نہ معلوم کہ عابدہ کا شوہر محمود عابدہ سے پہلے مرا یا بعد، اگر بعد کو مرا تو اس کے ماں یا باپ یا دوسری زوجہ اور اولاد سوائے ولید تھی یا نہیں، بہر حال حکم یہ ہے کہ عمرو حامد کی وصایائے مذکورہ باطل وبے اثر ہیں، وہ تغییر حکم شرع جس پر کسی کو قدرت نہیں، پس صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض ایک بھائی زید کا جو کچھ متروکہ ہے تمام وکمال وارثان سعیدہ کو پہنچے گا سعیدہ کا جو کوئی وارث وقت موت سعیدہ موجود تھا اس تمام حصہ کا مالک ہے،

لان مالزید وصل لابنہ حامد ومنہ لعرسہ سعیدۃ و بنتہ ھندۃ ومن ھندہ لامھا سعیدۃ لان ذوی الارحام لاارث لھم مع اصحاب الفرائض فجمعت سعیدۃ کل مالزید۔	اس لئے کہ جو کچھ زید کا ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملا پھر حامد سے اس کی بیوی سعیدہ اور بیٹی ہندہ کو ملا پھر ہندہ سے اس کی ماں سعیدہ کو ملا کیونکہ اصحاب فرائض کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں بنتے تو اس طرح جو کچھ زید کا تھا وہ تمام سعیدہ کو پہنچ گیا(ت)

رہا دوسرے بھائی بکر کا حصہ، اس میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ انتقال بکر کے وقت زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا اس تقدیر پر حصہ بکر سے دو تہائی وارثان سعیدہ کا ہے۔

لانہ یصیر اثلاثا بین بنتہ والعصبۃ فماکان للعصبۃ یصل سعیدۃ کما قدمنا وماکان لزاھدۃ تصیر لابنھا حامد ومنہ الی سعیدۃ۔	اس لئے کہ وہ بکر کی بیٹی اور اس کے عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے لئے ہے وہ سعیدہ کو پہنچے گا جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور جو کچھ زاہدہ کے لئے ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملے گا اور اس سے سعیدہ کو پہنچے گا۔(ت)

دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی وقت انتقال بکر زندہ نہ تھا اس صورت میں حصہ بکر کا نصف وارثان سعیدہ کا ہے،

لانہ ینتصف بین بنتیہ فماکان لزاھدۃ یصل	کیونکہ وہ اس کی دو بیٹیوں کے درمیان نصف نصف ہوگا پھر جو کچھ زاہدہ کو ملا وہ سعیدہ

کے وارثوں کو پہنچے گا، جیسا کہ گزر چکا۔(ت)	لھم کما تقدم۔

باقی حصہ بکر کا ایک ثلث یا نصف وہ خاص ولید کے لئے ہے، اگر محمود عابدہ سے پہلے مر گیا ہو یا بعد کو مرا اور سوا ولید کے محمود کا بھی کوئی وارث مثل مادر یا پدر یا زوجہ ثانیہ یا اولاد محمود از زوجہ دیگر نہ تھا ورنہ اس تہائی یا نسف کے تین ربع ولید کے لئے بلا شرکت ہیں اور ایک رع میں کہ عابدہ سے محمود کو پہنچا باقی وارثان محمود کے ساتھ ولید کا ہے جب تک بقیہ ورثہ محمود کی تعیین نہ ہو یا بتانا ناممکن ہے کہ اس ربع سے ولید کو کیا پہنچے گا۔

بالجملہ مجموع جائداد زید وبکر کے اڑتالیس حصے کریں، پھر اگر انتقال بکر کے وقت حامد زندہ تھا تو چالیس حصے وارثان سعیدہ کو دے دیں اور باقی آٹھ ولید کو اگر محمود کے اور وارث کا استحقاق نہ ہو، ورنہ آٹھ میں سے چھ ولید کو اور دو مع ولید جمیع ورثہ محمود پر تقسیم ہوں اور اگر حامد بکر سے پہلے مرا ہو تو اڑتالیس سے چھتیس حصے وارثان سعیدہ کو دیں باقی بارہ ولید کو اگر وارث محمود مستحق نہ ہو ورنہ بارہ سے نو ولید کو اور تین ولید وغیرہ دیگر ورثہ محمود پر منقسم ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑا، ترکہ زید میں سے پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

پوتے کو کچھ نہ ملے گا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا ولی رجل ذکر[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔ت) بیٹے کے ساتھ پوتے کو حصہ دلانا کفار ہند کا مسئلہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ حاجی احمد اللہ خاں صاحب از پیلی بھیت ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ بہو اپنی ایک حمیدہ اور ایک فہمیدہ اور دو دختر ایک جمیلہ اور ایک سعیدہ اور ایک پوتی کلثوم چھوڑ کر فوت ہو گئی اور بعد وفات

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۴

ہندہ اس کی دختر سعیدہ بھی فوت ہو گئی بعد چار یوم کے اور ہندہ کے دونوں فرزند اس کی حیات میں اس کی روبرو مر چکے تھے جن زوجہ حمیدہ اور فہمیدہ ہیں یعنی ان کے شوہر اور فہمیدہ کے بطن سے کلثوم ہے اور فہمیدہ حاملہ بھی اپنے شوہر سے ہے جو اپنی ماں کے روبرو فوت ہوئی تو ایسی صورت میں جمیلہ اور کلثوم دونوں وراثت ہندہ پائیں گی یا صرف جمیلہ دختر ہندہ اور حمل فہمیدہ قابل ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

برتقدیر عدم موانع ارث ووارث آخیر وصحت ترتیب اموات وتقدیم ماتقدم اگر موت ہندہ کو چھ مہینے ابھی نہ گزرے یا گزر گئے ہیں تو جمیلہ کو تسلیم ہے کہ فہمیدہ اپنے شوہر سے حاملہ ہے تو ہندہ کا ترکہ اٹھارہ سہام پر تقسیم کرکے نو سہم فی الحال جمیلہ کو دے دیں اور باقی کو سہم موقوف رکھیں اگر فہمیدہ کے لڑکا پیدا ہو تو ان میں سے سات سہم اسے اور دو کلثوم کو دیں اور اگر لڑکی ہو یا کچھ نہ ہو تو وہ نو سہم بھی جمیلہ کو دے دیں کلثوم وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از محلّہ پیچ ناتھ پاڑا مرزا عادل بیگ شہر رائے پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کے بعد اس کی بیوی اور دو۲ بھائی ہیں عورت حاملہ ہے۔ پس عند الشرع تقسیم مال کیسے ہوگا؟

زید

زوجہ	اخ	اخ

الجواب:

عورت کے حمل تک انتظار ہو تو بہتر ہے ورنہ ترکہ خالصہ (یعنی ادائے دیون ومہر ووصایا کے بعد جو بچے) اس کے بعد سولہ حصہ کرکے دو حصہ عورت کو بالفعل دے دیں باقی کسی کو کچھ نہ ملے یہاں تک کہ وضع حمل ہو اگر لڑکا پیدا ہو باقی چودہ حصے سب اس لڑکے کو دے دیئے جائیں اور بھائیوں کو کچھ نہ ملے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو باقی چودہ میں سے آٹھ حصے اس دختر کو دیں اور تین تین دونوں بھائیوں کو اور اگر بچہ زندہ نہ پیدا ہو یا موت مورث کو دو سال کامل گزر جائیں اور کچھ پیدا نہ ہو تو باقی چودہ میں سے دو حصہ زوجہ کو اور دے دیئے جائیں اور چھ چھ دونوں بھائیوں کو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲ تا ۱۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہائے ذیل میں کہ سائل بحوالہ کتب فقہ حنفی جواب چاہتا ہے **بیّنوا توجروا۔**

(۱) عورت نے وقت وفات ایک زوج، ایک پسر، ایک دختر وارث چھوڑے۔ پسر نے بہ نظر ثواب یا بغرض نام آوری خود بصرف مبلغ دوہزار سات سو بلامشورت دیگر ورثاء تجہیز وتکفین وفاتحہ، چہلم وغیرہ مورث کا کیا، ورثاء کس قدر ادائے اصرافات کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں؟

الجواب:

بقدرسنت غسل وکفن ودفن میں جس قدر صرف ہوتا ہے بقیہ ورثاء صرف اسی قدر کے حصہ رسد ذمہ دار ہوسکتے ہیں۔ فاتحہ و صدقات وسوم وچہلم میں جو صرف ہوا یا قبر کو پختہ کیا یا اور مصارف قدرسنت سے زائد کئے وہ سب ذمہ پسر پڑیں گے باقی وارثوں کو اس سے سروکار نہیں۔ طحطاوی کے حاشیہ میں ہے:

(تتمہ) التجہیز لایدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور الازمۃ فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثۃ یحسب علی من نصیبہ ویکون متبرعًا وکذا ان کان اجنبیا[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	(تتمہ) میت کی تجہیز میں دعا وفاتحہ (سوم، چہلم وغیرہ) لوگوں کو جمع کرنا اور دعوت طعام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور سے نہیں ہیں۔ چنانچہ ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں سے شمار ہوگا اور وہ متبرع ٹھہرے گا۔ یونہی اگر اجنبی نے ایسا کیا تو وہ بھی متبرع قرار پائے گا الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) صرف تجہیز وتکفین وفاتحہ وسوم وچہلم وعرس وغیرہ شرعًا کس قدر تبلیغ وراثت پر مقدم رکھا گیا ہے؟

الجواب:

اس کا جواب جواب سوال اوّل میں ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) شرعًا زمانہ حال میں اہل اللہ کے تجہیز وتکفین وفاتحہ وعرس وغیرہ کے لئے کس قدر روپیہ کافی ہوسکتا ہے؟

الجواب:

تجہیز وتکفین میں اسی قدر جو عام مسلمانوں کے لئے صرف ہوسکتا ہے فاتحہ وعرس کے لئے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

شرع سے کوئی مطالبہ نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) شرعًا لباس قیمتی اہل اللہ کا مریدان ومتعقدین کو تبرّگاً ومساکین کو ثوابًا ایک وارث بلا استرضا دیگر ورثا تقسیم کر سکتا ہے؟

الجواب:

قیمتی ہو یا کم قیمت، بلاوصیت مورث وبلارضائے دیگرورثاء نہیں دے سکتا، جو کچھ دے گا وہ خاص دینے والے کے حصہ میں محسوب ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) شرعًا صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے؟

الجواب:

سجادہ نشین وہ صاحب ہدایت [عــہ] ہے کہ پہلے صاحب ہدایت کی وصیت یا مسلمانان ذی رائے کی تجویز سے اس کا جانشین بغرض ہدایت ہوا ہو دربارہ وراثت اس کو کسی وارث پر کوئی حق فائق نہیں یہ محض بے اصل ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) شرعًا عرس سالانہ مورث ونذرونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

یہ امور اگر بطور شرع شریف ہوں تو صرف مستحبات ہیں اور مستحب پر جبر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر مورث کوئی جائداد کسی مصرف خیر کے لئے وقف کر دیتا تو اس کا اتباع ہوتا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۷) شرعًا خانقاہ کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

یہ کوئی اصطلاح شرعًا مطہر نہیں عرف میں مکان مسند افاضۂ اولیاء کو خانقاہ کہتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم**۔

عــہ: اقول: شرط اجازت ضروری ہے آج کل بہت لوگ صاحب سجادہ بطور وراثت بنادیئے جاتے ہیں اور وہ بیعت کرنے لگتے ہیں یہ حرام ہے۔ ۱۲

(۸) جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکر الٰہی کیا کرتے ہوں یا عرس یا جلسہ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پائخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکہ مورث ہے یا نہیں اور قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ مکانات مملوکہ مورث تھے تو ضرور تقسیم کئے جائیں گے جب تک کہ مورث نے ان میں کسی کو وقف صحیح شرعی نہ کر دیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۹) جس مکان کے گوشہ صحن میں قبور اہل اللہ یا قبور مورث واقع ہوں وہ مکان مع صحن بعد مستثنٰی کرنے اراضی قبور کے شرعًا قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جبکہ وقف نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۰) جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح و مرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلاشرکت غیرے اپنا قبضہ خالص اپنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضرورت میں اس مکان کو مکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا مکان وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مورث اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کرچکا تھا تو اس کے فعل سے صراحۃً اس کا وقف نہ ہونا ثابت ہے اور جب وہ مملوک مورث ہے تو تقسیم بر ورثا سے محفوظی کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۱) فرش وشیشہ آلات ودیگر اسباب، منقولہ جو عرس اہل اللہ کے کارآمد ہوتا ہے قابل تبلیغ وراثت ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مال اگر ملک خاص مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر وقف ہے یا مریدوں نے اس کام کے لئے لا کر دیا اور مورث کو مالک نہ کر دیا تھا تو تقسیم نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۲) جس مکان کو متعلق خانقاہ، مہمان خانہ یا لنگر خانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکر الٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعًا قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ملک مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر اس کا وقف ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہو تو منقسم نہ ہوسکے گا صرف اتنی بات سے کہ اس کا نام مہمان خانہ یا لنگر خانہ ہے یا اس میں سجادہ نشین رہتے یا اشخاص مذکورین قیام کرتے تھے وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۳) اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعًا اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

نہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۴) قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔

الجواب:

یہ محض جھوٹ ہے اور بددینوں کا مذہب ہے،اہل اسلام کے نزدیک جو طریقت شریعت کے خلاف ہو مردود ہے۔حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ اکابر اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

"كل حقيقة ردته الشريعة فهي زندقة"[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	"جس حقیقت کو شریعت رَد فرمائے وہ بے دینی ودہریت ہے"۔اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔(ت)

(۱۵) ورثاء کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے؟

الجواب:

وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ ۱وارث غلام ہو یا ۲مورث کا قاتل یا ۳کافر ہو یا ۴دار الحرب میں رہتا ہو باقی کوئی ناقابلیت اسے اس کے حق شرعی سے محروم نہ کرے گی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الرسالہ القشیریۃ ومن ذلك الشریعۃ والحقیقۃ مصطفی البابی مصر ص ۴۳، الحدیقۃ الندیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۶۹

(۱۶) کیا عورت بوجہ ناقابلیت فطرتی کے کسی ترکہ مورث سے محروم رہ سکتی ہے؟

الجواب:

دربارہ حرمان وراثت مرد و عورت کا ایک ہی حکم ہے، عورت فطرتی طور پر صرف اس وجہ سے کہ عورت ہے ہر گز قابل محرومی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاص اس کا روپیہ تھا اس کے سوا کسی کا ایک حبہ نہیں تھا اس کے خاوند (زید) نے اس روپیہ سے ایک مکان اپنے نام خرید کیا اور وہ فوت ہوگیا اور اس کا گور و کفن اس کی بیوی نے سب اپنے پاس سے کیا اور مبلغ ۵۰ روپیہ اس کے خاوند نے مکان پر قرض لئے تھے وہ قرض ادا نہیں ہوئے وہ کس کس کو ادا کرنا چاہئے اور اس کے خاوند نے اپنی بیوی کو چھوڑا ہے اور دو بیٹی ہیں اور ایک ہمشیرہ اور پانچ بھتیجے ہیں اب کس کس کو پہنچتا ہے؟

الجواب:

شوہر نے جو قرض لیا تھا وہ زید کے مال سے ادا ہوگا اس کے بعد وارثوں پر تقسیم ہوگا، اور مکان کہ زید نے اپنی بیوی کے روپے سے اپنے لئے خریدا اس کا مالک زید ہوا پھر اگر وہ روپیہ بے اجازت عورت سے لے کر دیا تھا یا عورت نے قرضًا دیا تھا تو اتنا روپیہ عورت کا ذمہ شوہر قرض رہا اور اگر گواہان شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے وہ روپیہ شوہر کو ہبہ کردیا تھا تو ہبہ ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں اور گور و کفن جو بیوی نے بقدر سنت کیا اس قدر ترکہ میں سے مجرا پائے گی اس سے زائد جو فاتحہ و درود وغیرہ میں اٹھایا وہ کسی سے مجرا نہ ملے گا، بالجملہ جو کچھ اس مکان وغیرہ تمام ترکہ شوہر پر دَین ثابت ہو مثلًا عورت کا مہر اور وہ پچاس روپیہ اور بقدر سنت گور و کفن کا صرف اور مکان کی قیمت کا روپیہ جب کہ عورت کا شوہر کو ہبہ کردینا نہ ہو اور ان کے سوا اور جو کچھ شوہر پر دین ہو سب ترکہ سے ادا کرکے اگر کچھ بچے تو باقی کے تہائی میں شوہر نے اگر کوئی وصیت کی ہو نافذ کریں اس کے بعد جو باقی بچے اس کے چوبیس حصہ حسب شرائط فرائض ہو کر تین حصے زوجہ اور آٹھ آٹھ ہر بیٹی اور پانچ بہن کو پہنچیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹: ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نیازاحمد کے دو زوجہ زینب، ننھی، دونوں کا مہر ۵۰۰ /۵۰۰، جائداد ۲۰۰ روپے کی۔ پہلی بیوی شوہر سے پہلے مروی جس کے وارث زوج نیازاحمد، باپ جیون بخش، چار دختر، آمنہ، فضلو، نورالنساء، بیگما۔ ان میں بیگما نے انتقال کیا۔ زوج عبدالرزاق، باپ نیازاحمد، دختر شہر بانو وارث چھوڑے، عبدالرزاق کی وارث یہی دختر ہی۔ نیازاحمد نے وفات پائی توزوجہ ثانیہ اور اس کے بطن سے ایک پسر نھو، ایک دختر متین، اور تین دختر زوجہ اولٰی سے وارث رہے۔ ورثہ سب بالگ ہیں اور مہروں میں مکان دینے پر راضی ہیں اور ان مہروں کے سوانیازاحمد پر کوئی قرض نہیں۔ اس صورت میں ہر وارث کتنا پائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مکان کے پینتالیس حصے کئے جائیں، ازاں جملہ چھبیس حصہ زوجہ ثانیہ ننھی کو اس کے مہر میں دے دیں اور انیس حصوں سے چار چار جیون بخش، آمنہ، فضلو، نورالنساء کو اور تین شہر بانو کو اس لئے کہ جب دونوں زوجہ کو مکان نصف نصف ملناچاہئے تھامگر زوجہ اولٰی کاانتقال شوہر سے پہلے ہوا تو اس کے مہر سے ۱۳ /۳ خود نیاز احمد کو پہنچے یعنی اس پر سے ساقط ہو گئے اور ۱۳ /۲ جیون بخش اور ہر چہار دختر زینب کو ملے۔ ان میں سے بیگمامر گئی اور اسے جو پہنچتا تھا اس کا چہارم پھر نیازاحمد کو پہنچا یعنی اس پر سے ساقط ہوگیا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ مہر زینب سے ۲۶ /۷ نیازاحمد سے ساقط ہوگیا ۲۶ /۱۹ باقی رہا اور مہر ننھی پور باقی ہے بوجہ مساوات سابقہ اسے بھی ۲۶ سہم فرض کیجئے تو مکان دونوں زوجہ پر اسی ۲۶ و ۱۹ کی نسبت سے بٹنا چاہئے کہ دیون جب ترکہ سے زائد ہوں تو دائنوں کو حصہ رسد دیا جاتا ہے لہٰذا مکان کے ۴۵ حصہ کرکے ۲۶ حصے ننھی کو دیئے جائیں اور ۱۹ بحساب مذکور وارثان زینب پر تقسیم ہوں۔

فی القنیۃ قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج و بنتین واخ لاب و ام ولا مال لھاسوی مھر علٰی زوجھا	قنیہ میں ہے ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر مر گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے

مائة دينار ثم مات الزوج ولم يترك الاخمسين دينارا فقلت يقسم بين البنتين والاخ اتساعا بقدر سهامهم لانه ذكر فی كتاب العين والدين اذا كان علی بعض الورثة دين من جنس التركة يحسب ماعليه من الدين كانه عين وبقی الخمسون دينارا فی نصيب البنتين والاخ فتكون بينهم علی سهامهم من اصل المسئلة وقد افتی كثير من مفتی زماننا انه يقسم الخمسون بينهم اثلاثا وانه غلط فاحش[1] اھ **اقول** و نظيره الغلط الواقع فی مسئلة زوج وام وعم وقد تخارج الزوج علی مافی ذمته من المهر فقسموا البقية اثلاثا للام سهم وللعم سهمان والصواب العكس للعم سهم وللام سهمان كما حرره فی الدر المختار[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا شوہر صرف پچاس دینار چھوڑ کر مرگیا تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین ہے اب چونکہ دونوں بیٹیوں اور بھائی کے حصے میں پچاس دینار باقی بچے ہیں لہذا وہ ان پر اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق تقسیم ہوں گے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بنا کر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس کی نظیر وہ غلطی ہے جو خاوند، ماں اور چچا کے مسئلے میں واقع ہوئی جبکہ خاوند اپنے مہر کے بدلے میں ترکہ سے دستبردار ہوگیا تو علماء نے باقی کو تین حصے بنا کر ایک ماں اور دو چچا کو دینے کا فتوی دیا حالانکہ صحیح اس کے برعکس ہے یعنی ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ در مختار میں اس کو تحریر فرمایا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب المخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷۰

مسئلہ ۱۳۰: از دیورہ ڈاکخانہ مئو ضلع گیامرسلہ شیخ ولایت حسین صاحب ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیداپنے ورثاء کو محروم الارث کرکے اپنی جائداد موروثی ومتروکی ومحصولی کواپنے بعض ورثاء کودے دیناچاہتاہے۔آیابموجب حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی زید کایہ فعل ظلم ہوگااوروہ شخص ظالم اور گنہ گارہوگایانہیں؟اورحق تلفی اس شخص نے بعض ورثاء کے مقابل میں کیایانہیں؟بیّنواتوجروابالکتاب والسنۃ۔

الجواب:

جس وارث کو محروم کرناچاہتاہے اگر وہ فاسق معاذاللہ بدمذہب ہوتواسے محروم کرناہی بہتر وافضل ہے۔خلاصہ ولسان الحکام و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقاً واراد ان یصرف مالہ الٰی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ [1]۔	اگر کسی کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں پر خرچ کرکے فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے تو ایسا کرنا فاسق کے لئے مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔(ت)

بدمذہب بدترین فساق ہے،فاسق میں یہ خوف تھاکہ مال اعمال بد میں خرچ کرے گا،بدمذہب میں یہ اندیشہ کہ اعانت گمراہی و ضلالت میں اٹھائے گایہ اس سے لاکھ درجے بدترہے۔غنیہ میں ہے:

الفسق من حیث العقیدۃ اشد من الفسق من حیث العمل [2]۔	عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہونا عمل کے اعتبار سے فاسق ہونے سے بدتر ہے(ت)

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس فی الھبۃ للصغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۹۱

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اور اگر ایسا نہیں بعض ورثاء کو محروم کرنا ضرور ظلم ہے جس کے لئے حدیث صحیح نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما لاتشھدنی علی جور[1] (مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ت) کافی۔ ابن ماجہ کی حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من فرمن میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة[2]۔ وھو عند الدیلمی عنه رضی الله تعالٰی عنه بلفظ من زوی میراثا عن وارثه زوی الله عنه میراثه من الجنة[3]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے۔ (یہ حدیث دیلمی کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے وارث سے میراث کو سمیٹ دیا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث کو سمیٹ دے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ عبدالحق برادر حاجی عبدالرزاق از پیلی بھیت محلّہ عنایت گنج ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

زید نے بعد وفات تین بیٹے عبدالقدیر، عبدالحفیظ، عبدالبصیر اور والدہ مسماۃ فاطمہ بی کو وارث چھوڑا، زید اپنی حیات میں بہ شراکت عمرو تجارت کرتا تھا زید نے بحالت مرض الموت اپنی وفات سے ایک یا دو روز قبل اپنے شریک عمرو سے کہا تینوں پسر اپنے تمہارے سپرد کرتا ہوں اور زید نے اپنی حیات میں بڑے بیٹے کی شادی کردی تھی عمرو نے بعد وفات زید کے تجارت کو بجنسہٖ جاری رکھا اس خیال سے کہ پسران زید خورد سال کی پرورش وشادی تجارت سے ہو جائے گی جو بچے گا وہ کام آئے گا۔ چنانچہ بڑے لڑکے کو بجائے زید دکان پر بٹھایا ہر سہ پسران کو تجارت مشترکہ سے تنخواہ ماہانہ دیتا رہا وفات زید کے تخمیناً چھ سات سال بعد متروکہ زید سے عمرو نے دو۲ پسران کی شادی کردی ایک ہزار کے قریب صَرف ہوا اور تیرہ سو کے قریب مصارف خورد و نوش میں صَرف ہوا پھر اکیس سو روپیہ کے

[1] صحیح مسلم کتاب الھبات باب کراھیة تفضیل بعض الاولاد فی الھبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۷

[2] سنن ابن ماجه ابواب الفرائض باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۷۱۳ دارالکتب العلمیة بیروت ۳ /۵۴۸

قریب اور چار قطعہ مکانات تخمیناً اکیس سو روپے کے جملہ چار ہزار روپے کی مالیت بچی جس کو ہر سہ پسران زید نے باہم متساوی تقسیم کرلیا اور مسماۃ فاطمہ بی کو ترکہ زید سے کچھ نہ دیا پسران زید متروکہ سے تجارت کرتے رہے، بعد تقسیم متروکہ تین چار سال بعد مسماۃ فاطمہ بی فوت ہوئی اس نے دو وارث ایک لڑکا عبداللہ ایک دختر سعیدہ کو چھوڑا، آج تک زید کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً بارہ چودہ سال گزرا ہوگا پسران زید وقت تقسیم کرلینے متروکہ سے اس وقت تک علیحدہ علیحدہ تجارت کرتے رہے ہیں اور اس وقت ہر سہ پسران زید کے پاس تخمیناً بیس ہزار روپے کے ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ورثاء فاطمہ بی، عبداللہ و سعیدہ متروکہ زید سے جو کہ ذمہ پسران زید واجب الادا ہے پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ آیا اس وقت جس قدر تعداد مالیت نزد پسران زید جو قریب بیس ہزار کے ہے اس جملہ مالیت سے کیونکہ ترکہ فاطمہ بی کا جو کچھ تھا کچھ نہ دیا گیا تو متروکہ فاطمہ بی بھی اس وقت تک شامل ہے ہر سہ پسران کے حصول میں اور ترقی پارہا ہے یا اس تعداد میں جو بیالیس سو روپے کی مالیت بعد پرورش و شادی بچی اور باہم پسران زید نے تقسیم کیا ہے اس میں سے پانے کی مستحق ہوگی یا ایک ہزار مصارف شادی اور تیرہ سو مصارف خورد ونوش جملہ بیالیس سو تقسیم شدہ شامل کرکے کل چھ ہزار پانچ سو روپے ہوئے اس سے پانے کی مستحق ہے۔ جواب مع عبارات چاہئے۔

الجواب:

اگر پسران زید مقر ہوں کہ یہ تجارت مملوکہ زید تھی اور وقت وفات زید اس کی والدہ فاطمہ زندہ تھی اور اس کو حصہ نہ دیا گیا تو وارثان فاطمہ پسران زید سے اس کل مال کا چھٹا حصہ حسب شرائط فرائض پانے کے مستحق ہیں جو وقت وفات زید موجود تھا خواہ مکانات موجود ہوں یا مال تجارت یا زر نقد یا اسباب وغیرہ۔ خورد ونوش پسران میں جو صرف ہوا وہ انہیں کے حصوں پر پڑے گا حصہ فاطمہ کو اس سے تعلق نہیں دو[۲] پسران کی شادی میں جو اٹھا وہ انہیں دو پر پڑے گا حصہ فاطمہ سے مجرا نہ ہوگا بعد وفات زید تا زمان تقسیم وبعد تقسیم تاحال جو کچھ مال میں تجارت کے ترقیاں ہوئیں ان میں بھی فاطمہ کی ملک نہیں جبکہ وہ تجارت عمرو وصی زید و پسران زید بطور خود کرتے رہے اور فاطمہ اس میں شریک نہ ہوئی ہاں جبکہ حصہ فاطمہ اس میں شامل تھا تو اس کے حصہ سے جو ترقی ہوئی پسران زید کے لئے ملک خبیث ہے ان کو حلال نہیں کہ وہ اسے اپنے تصرف میں لائیں بلکہ واجب ہے کہ اس قدر مال تصدیق کردیں یا وارثان فاطمہ کو دے دیں اور یہی بہتر وافضل ہے جو مکان متروکہ زید نہ تھا بلکہ مال تجارت سے وصی زید یا پسران زید نے خود خریدا اس مکان میں حصہ فاطمہ نہیں بلکہ اس کا حصہ صرف اس قدر کا

چھٹا حصہ ہے جو بوقت وفات زید متروکہ زید تھا۔

والمسائل مبینة فی الفتاوی العالمگیریة والفتاوی الخیریة والعقود الدریة وغیرها وقد اوضحناها فی فتاوانا غیر مرة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان مسائل کو فتاوٰی عالمگیریہ، فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں کئی بار ان کو واضح کیا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: از شہر مسئولہ جناب سلطان احمد خان صاحب زید مجدہ، ۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آفتاب بیگم کا انتقال ہوا اس کے وارثوں میں ایک حقیقی چچا زاد بہن مسماۃ عمدہ بیگم کا پوتا وصی احمد اور ایک علاتی خالہ بنو بیگم اور چار اخیافی بھتیجے جن کے باپ کا انتقال آفتاب بیگم کے سامنے ہو گیا موجود ہیں وصی احمد نے تجہیز وتکفین اپنے صرف سے کی اور اس وصی احمد کو متوفیہ نے اس شرط سے اپنا وصی بھی کیا کہ بعد اخراجات تجہیز وتکفین وفاتحہ ودرود بعد جس قدر روپیہ بچے وہ سب تیرا ہے اب تقسیم ترکہ ان وارثوں کے مقابلہ میں کیونکر ہوگا اور اخراجات تجہیز وتکفین متروکہ سے نکلے گا یا نہیں؟ شجرہ ذیل میں درج ہے۔

آفتاب بیگم
۱ حقیقی چچازاد بہن عمدہ بیگم موجود ہے
۲ وصی احمد پوتا عمدہ بیگم وصی جائداد
۳ علاتی خالہ بنو بیگم موجود ہے
۴ بھائی اخیافی جس کا انتقال متوفیہ کے سامنے ہوا اسم نامعلوم
لڑکا لڑکا لڑکا لڑکا
۴ لڑکے موجود ہیں
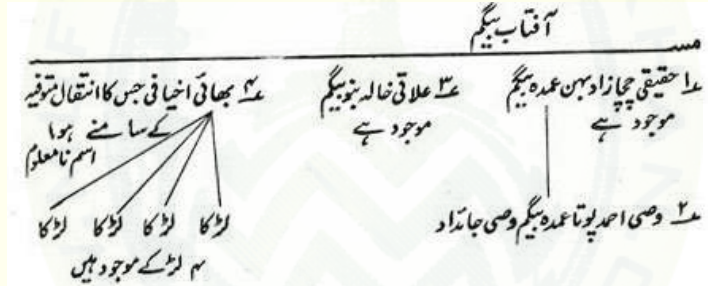
الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا آفتاب بیگم کا ترکہ چار سہم ہو کر ہر اخیافی بھتیجے کو ایک ایک ملے گا اور چچازاد اور خالہ کچھ نہ پائیں گی آفتاب بیگم کی تجہیز وتکفین کہ وصی احمد غیر وارث نے اپنے مال سے کی وہ بطور احسان وسلوک نیک واقع ہوئی اس کا معاوضہ نہ پائے گا کہ وہ نہ وارث ہے نہ وصی ہے اس کہنے سے کہ بعد از ان

مصارف کے جو بچے وہ تیرا ہے وہ موصی لہ ہوا نہ کہ وصی، ہاں اگر آفتاب بیگم نے یوں کہا ہو کہ میرے بعد میرے مصارف سے یہ یہ صرف کرنا اور جو بچے تیرا ہے تو اس صورت میں وہ وصی بھ ہو جائے گا اور اب جو تجہیز و تکفین میں اپنے مال سے صرف کیا مجرا پائے گا جس قدر کہ اس کے کفن و جہاز مثل بقدر سنت میں اٹھایا ہو اس سے زیادہ وصی کو بھی مجرانہ ملے گا۔ درالمختار میں ہے:

الوصی کفنہ من مال نفسہ اوکفن الوارث المیت من مال نفسہ فانہ یرجع ولایکون متطوعا[1]۔	وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا یا میت کے وارث نے اپنے مال سے میت کو کفن دیا تو وہ ترکہ میں سے رجوع کرے گا اور متبرع قرار نہیں پائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: ای کفن المثل[2] (یعنی کفن مثلی دیا۔ت) بلکہ اگر کفن مثل پر قیمت میں زیادت فاحشہ کی مثلاً ۸ آنے گز کا کپڑا اس کا کفن مثل تھا اس نے بلاوصیت میت روپے گز کا لگایا تو کچھ مجرانہ پائے گا۔ درمختار میں ہے:

لوزاد الوصی علٰی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ وفی القیمۃ وقع الشراء لہ وحینئذ ضمن مادفعہ من مال الیتیم ولوالجیۃ[3]۔	اگر وصی نے میت کے کفن مثلی پر شمار میں زیادتی کی تو وہ زیادتی کا تاوان دے گا اور اگر قیمت میں زیادتی کی تو خریداری وصی کی طرف سے واقع ہوگی اور اس وقت وصی پر ان ثمنوں کا تاوان لازم آئے گا جو اس نے یتیم کے مال سے دیئے، والولجیہ۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ضمن الزیادۃ الا اذا اوصی بہا وکانت تخرج من الثلث ط. قولہ وقع الشراء لہ لانہ متعد فی الزیادۃ وھی	وہ زیادتی کا تاوان دے گا مگر جب میت نے اس کی وصیت کی ہو اور وہ ایک تہائی ترکہ سے نکل سکتا ہو (تو تاوان لازم نہیں ہوگا) (ط) ماتن کا قول کہ خریداری وصی کی طرف سے واقع

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی شہادۃ الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۸

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

غیر متمیزۃ فیکون متبرعا بتکفین المیت بہ رحمتی[1]۔	ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی قیمت میں زیادتی کرکے تعدی کرنے والا ہو اس حال میں کہ وہ زیادتی ممتاز اور جدا نہیں ہے تو وہ میت کو زیادہ قیمتی کفن پہنانے میں متبرع ٹھہرا، رحمتی۔(ت)

رہی وصیت وہ بعد ادائے دیون بلااجازت ورثہ تہائی مال میں سے نافذ ہوگی اس ثلث سے جس قدر فاتحہ ودرود بطور جائز ومحمود معروف ومعہود میں صرف ہو وہ چاہیں ابھی مساکین پر خرچ کردیا جائے سال بھر کا انتظار ضرور نہیں پھر کچھ باقی بچے تو وہ وصی احمد کا ہے ورنہ کچھ نہیں۔ ہندیہ میں ہے:

فی النوازل اوصی بان یتصدق فی عشرۃ ایام فتصدق فی یوم جاز کذا فی الاخلاصۃ۔[2]	نوازل میں ہے میت نے وصیت کی کہ دس دن صدقہ کیا جائے اور وصی نے ایک ہی دن صدقہ دے دیا تو جائز ہے۔ خلاصہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی الجامع مع قال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنۃ بمائۃ درھم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنۃ الاولٰی ولایوزع علی السنۃ کذا فی فتاوٰی خانیۃ[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع میں ہے کہ موصی نے کہا میں نے اپنے تہائی مال سے ہر سال دو درھم صدقہ کرنے کی وصیت کی تو وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے گا اور اس کو کئی سالوں پر متفرق نہیں کرے گا، فتاوٰی خانیہ میں یونہی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳: ازآرہ محلّہ تری مطب حکیم عبدالوہاب صاحب مسئولہ مولوی ظفرالدین صاحب زید مجدہ مدرس اول مدرسہ حنفیّہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بشرف ملاحظہ آقائے نعمت دریائے رحمت حضور پرنور متع اللہ المسلمین بطول بقائہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بدعائے والا مع الخیر رہ کر خواہان عافیت سرکار کے

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۵۴

[2] الفتاوی الھندیۃ الباب الثامن(مسائل شتی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۳۴

[3] الفتاوی الھندیۃ الباب الثامن(مسائل شتی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۳۵

جملہ خدام ہوں ایک بات دریافت طلب ہے وہ یہ کہ سراجی بیان مناسخہ میں تصحیح مسئلہ اور مافی الید کہ چار نسبتوں میں تین کو بیان کیا اور تداخل کو بالکل چھوڑ دیا اگرچہ اس کی وجہ اس کی اظہریت معلوم ہوتی ہے اور صورت اس کی یہی ہوگی کہ اس کی دو۲ صورتیں ہیں یا تصحیح زائد ہو اور مافی الید کم یا برعکس، اگر اولٰی ہے تو جزء تداخل کو اوپر کی تصحیح میں ضرب دیں اور ورثائے پیشین کے حصوں کو اسی حساب سے زیادہ کردیں اس میت کے ورثاء کے انصباء میں زیادتی کی ضرورت نہیں، اور اگر تسحیح کم اور مافی الید زائد ہے تو جز تداخل کے انصباء وارثین اس میت کو ضرب دیں اوپر والوں کے حصوں میں زیادتی نہ ہوگی یا اس کی اور کوئی صورت ہے فرضًا اس کی تقدیر عربی زبان میں تحریر فرمائی جائے تو بعید شان بندہ نوازی سے نہیں۔

الجواب:

اعلم ان التداخل لیس الا قسما من التوافق وانما یجعل قسما عندالتفصیل بل التحقیق ان لیس ھٰھنا الاقسمان ولھما حکمان وذٰلك لان العددین ان عدھما ثالث ای عدد ولو مثلا لھما او لاحدھما و الواحد لیس بعدد فمتوافقان والا فمتبائنان و لیسمی ذٰلك الثالث مابه التوافق وحاصل قسمة کل من التوافقین علیه وفقه فمن صور التوافق اربعة و اربعة یعدھما اربعة وفق کل واحد، وھذا یخص باسم التماثل، ومنھا اربعة	تو جان لے کہ تداخل تو محض ایک قسم ہے توافق کی صرف تفصیل کے وقت اس کو الگ قسم بنادیا جاتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں اور ان کے دو حکم ہیں، یہ اس لئے ہے کہ دو عدد دو حال سے خالی نہیں ہوں گے کہ ان دونوں کو اگر کوئی تیسرا یعنی تیسرا عدد فنا کردے اگرچہ وہ ان دونوں یا ان میں سے ایک کی مثل ہو اور ایک (کاہندسہ) عدد نہیں ہوتا، تو اس صورت میں وہ دونوں عدد متوافقان کہلاتے ہیں ورنہ (یعنی اگر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا نہ کرے تو) تو وہ متبائنان ہوں گے۔ اس تیسرے عدد کو مابہ التوافق (جس کے ذریعے سے باھم موافقت حاصل ہوئی) کہا جاتا ہے اور متوافقین میں سے ہر ایک کی مابہ التوافق پر تقسیم سے جو حاصل ہو وہ اس عدد کا وفق ہے۔ توافق

وثمانية يعدهما اربعة وفق الاول واحد والثانی اثنان ويخص باسم التداخل، و منها اربعة وستة يعدهما اثنان وفق الاول اثنان والثانی ثلثة وهو التوافق بالمعنی الاخص وحيث ان الوفق فی التماثل ليس الا واحدا ولااثرلضرب شيئ فی واحد فاذا كان فی التصحيح و ما فی اليد تماثل لايحتاج الی الضرب اصلا ولما كان فی التداخل وفق الاصغر واحدا لانه حاصل قسمة الشيئ علٰی نفسه ابدا فان كان التصحيح اصغر لم يحتج فی التصحيح العالی و الانصباء السابقة الی الضرب و ضرب فی انصباء هذا البطن بوفق مافی اليد الاكبر وان كان مافی اليد الاصغر انعكس الحكم وفی صورة التوافق الاخص	کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور چار ہوں تو ان کو چار فنا کرتا ہے، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وفق ایک ہوا اور یہ تماثل کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور آٹھ ہوں، ان دونوں کو چار فنا کر دیتا ہے۔ پہلے کا وفق ایک اور دوسرے کا دو ہے اور یہ تداخل کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور چھ ہوں، ان کو دو فنا کر دیتا ہے۔ پہلے کا وفق دو اور دوسرے کا تین ہے۔ اور یہی توافق بالمعنی الاخص ہے۔ چونکہ تماثل میں وفق سوائے ایک کے نہیں ہوتا اور ایک میں کسی شے کو ضرب دینے کا کوئی اثر نہیں ہوتا لہٰذا جب تصحیح اور مافی الید (جو کچھ قبضہ میں ہے) میں تماثل ہو تو ضرب کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور جبکہ تداخل میں چھوٹے عدد کا وفق ایک ہوتا ہے کیونکہ کسی شیئ کو اپنے آپ پر تقسیم کرنے سے ہمیشہ ایک ہی حاصل ہوتا ہے لہٰذا اگر تصحیح کا عدد (مافی الید سے) چھوٹا ہے تو اس کو اوپر والی تصحیح اور پہلے والے وارثوں کے حصوں میں ضرب دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ اس بطن کے وارثوں کے حصوں کو بڑے مافی الید کے وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ اور اگر مافی الید (تصحیح سے) چھوٹا ہوا تو حکم اُلٹ جائے گا۔ توافق اخص کی صورت میں چونکہ متوافقین میں سے

لماکان لکل من المتوافقین وفق فوق الواحد احتیج الی ضربین وھذا ھو التحقیق لان الاقسام انما تعتبر للاحکام وماثم الا حکمان الضرب بکل العدد فی التباین ویوفقه فی التوافق وان استغنی عنه عند کون الوفق واحدا کما فی التماثل فی الجانبین و فی التداخل فی جھة الاصغر وان شئت ثلثت فقلت العددان ان تساویان فتماثل وان اختلفا فان عدھما ثالث فتوافق والا فتبائن وحکم الاول ان لاضرب و الثانی الضرب بالوفق والثالث بالکل،وان شئت ربعت وقلت العددان ان تساویا فتماثل والافان عد الاصغر الاکبر فتداخل والا فان عدھما ثالث فتوافق والا فتبائن وحکم الاول ان لاضرب اصلا و الثانی عدم الضرب فی جھة الاصغر والضرب بالوفق فی جھة الاکبر	ہر ایک کا وفق ایک سے اوپر ہوتا ہے لہٰذا دو ضربوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی تحقیق ہے کیونکہ اقسام کا اعتبار احکام کے لئے کیا جاتا ہے اور یہاں صرف دو ہی حکم ہیں (۱) تباین کی صورت میں کل عدد کے ساتھ ضرب دینا (۲) توافق کی صورت میں عدد کے وفق کے ساتھ ضرب دینا، اگرچہ وفق ایک ہونے کی صورت میں دونوں جانبوں میں ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ تماثل میں ہوتا ہے اور تداخل کی صورت میں چھوٹے عدد کی جانب ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تو تین قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل اور اگر مختلف ہیں پھر تیسرا عدد ان کو فنا کر دیتا ہے تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرب نہیں ہوگی، دوسری کا حکم وفق میں ضرب اور تیسری کا حکم کل میں ضرب ہے۔ اگر تو چار قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر چھوٹا عدد بڑے کو فنا کرتا ہے تو تداخل ہے اور اگر نہیں کرتا تو پھر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کرتا ہے یا نہیں، اگر کرتا ہے تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرب نہ ہوگی۔ دوسری کا حکم یہ ہے کہ چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوگی اور بڑے کے جانب وفق میں ضرب دی جائے گی۔

والثالث الضرب بالوفق فی الجهتین والرابع الضرب بالکل فیھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تیسری کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور چوتھی کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں کل کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از محل مذکور مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور پرنور آقائے نعمت دریائے رحمت متع اللہ المسلمین بطول بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خادم بارگاہ مع الخیر رہ کر خواہان عوافی مزاج اقدس ہیں مع متعلقین کرام ہے تقریر پر تنویر نے شرف ورود فرما کر معزز ومشرف فرمایا قول مبارک بل التحقیق ان لیس ھناك الاقسمان پر ایک بات سمجھ میں آئی گزارش کرتا ہوں:

قولہ مدظلہ بل التحقیق ان لیس ھناك الاقسمان، **اقول** بل فی ظنی ان لاتعددھنا اصلالافی التقسم ولافی الحکم بل شیئ واحد ولہ حکم واحد لان العددین لابد ان یعدھما ثالث والواحد عدد لانہ نصف مجموع حاشیتیہ فان فی اعلاہ اثنین وفی تحتہ صفر مجموعھما اثنان فقط اذلا اثر لحط الصفر من عدد ولالزیادتہ فیہ ونصفھما واحد فامّا ان یعدھما واحد فھما متبائنان اوعدد مثلھما فمتماثلان اومثل الاصغر فمتداخلان	مصنف مدظلہ، کاقول "تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں" **میں کہتا ہوں** بلکہ میرے گمان کے مطابق یہاں بالکل تعدد نہیں ہے۔ نہ تقسیم میں اور نہ ہی حکم میں بلکہ یہاں ایک ہی چیز ہے اور اس کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ دو عددوں کے لئے کسی ایسے تیسرے عدد کا ہونا ضروری ہے جو ان کو فنا کرے اور ایک بھی عدد ہے کیونکہ وہ اپنی دونوں طرفوں کے مجموعے کا نصف ہے اس لئے کہ اس کے اوپر دو اور نیچے صفر ہے جن کا مجموعہ فقط دو ہے کیونکہ صفر کو کسی عدد سے گھٹانے یا اسے کسی عدد میں جمع کرنے سے کوئی اثر نہیں ہوتا، اور دو کا نصف ایک ہے، چنانچہ دو عددوں کو فنا کرنے والا یا تو ایک ہوگا اس صورت میں وہ متبائنان ہوں گے یا ایسا عدد ہوگا جو ان دونوں عددوں کی مثل ہے۔ اس صورت میں وہ متماثلان ہوں گے یا چھوٹے عدد کی مثل ہوگا،

اولامثل احد فمتوافقان ویسمی ذٰلك العاد مابہ التوافق والحکم فی الکل الضرب فی الوفق لکن لماکان وفق المتباینین ھما العدد ان بانفسھما فانھما حاصل قسمتھا علی مابہ التوافق ای الواحد لان کل عدد یقسم علٰی واحد یحصل ذٰلك العدد بعینہٖ یضرب کل التصحیح فی کل التصحیح وکل مافی الید فی کل السھم لکل من الورثۃ ولان الوفق فی التماثل من الجانبین وفی التداخل من الاصغر لیس الا واحدا او لایظھر اثر الضرب فی واحد لان کل عدد اذا ضرب فی واحد یحصل ذٰلك العدد بنفسہٖ اشتھر عند الناس انہ لایضرب فی التماثل وفی جانب الاصغر من التداخل وفی المتوافقین وفی جھۃ الاکبر من التداخل الضرب بالوفق کما ھو المشھور والعلم بالحق عند العلیم الغفور۔	اس صورت میں وہ متداخلان ہوں گے یا ان دونوں میں سے کسی کی مثل نہ ہوگا تواس صورت میں وہ متوافقان ہوں گے۔ اس فنا کرنے والے عدد کو مابہ التوافق کہاجاتاہے ان سب صورتوں کاحکم وفق میں ضرب دیناہے لیکن جب متبائنین کا وفق بذات خود وہی دونوں عدد ہیں کیونکہ انہیں جب مابہ التوافق یعنی ایک پر تقسیم کیاجائے توخود وہی حاصل ہوتے ہیں لہٰذا کل تصحیح کو کل تصحیح کو میں اور کل مافی الید کوہر وارث کے کل حصے میں ضرب دی جائے گی۔اور اس لئے کہ بصورت تماثل دونوں جانبوں میں اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب میں وفق صرف ایک ہی ہوتاہے اورایک ہی ضرب کاکوئی اثرنہیں ہوتاکیونکہ کسی بھی عدد کو جب ایک میں ضرب دی جائے توحاصل ضرب خود وہی عدد ہوتاہے لہٰذا لوگوں میں مشہور ہوگیاکہ بصورت تماثل بالکل ضرب نہیں ہوتی اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوتی جبکہ بصورت توافق دونوں جانب اور بصورت تداخل بڑے عدد کی جانب وفق میں ضرب دی جاتی ہے جیساکہ مشہورہے اور حق کاعلم اس ذات کے پاس ہے جوعلم والی اور مغفرت فرمانے والی ہے(ت)

اور یہیں سے صورت تربیع کی ایک اور تقریر بھی ظاہر ہوئی،

لان العددین ان عدھما اواحد	اس لئے کہ دوعددوں کویاتوایک فنا کرے گا

فتباین اوعدد مثلهما فتماثل او مثل الاصغر فتداخل والا فتوافق، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس صورت میں ان کے درمیان تباین ہوگا یا ایسا عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو یہ تماثل ہوا یا وہ چھوٹے عدد کی مثل ہوگا تو یہ تداخل ہوا، اور اگر مذکورہ تینوں صورتیں نہ ہوئیں تو توافق ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اس کی صحت وسقم سے مطلع فرمایا جائے۔ والسلام بالوف التعظیم ولا کرام (آپ پر ہزاروں تعظیم وتکریم کے ساتھ سلام ہو۔ ت)

الجواب:

| وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاته یاولدی حفظك اللہ الٰی یوم الدین وادام بك ظفرالدین اتیت التدقیق واعملته وابیت التحقیق واهملته **اما اولًا** فلان الواحد لیس بعدد عندالمحققین وماقررہ اصحابنا رحمهم اللہ تعالٰی فی انت طالق کم شئت کما فی الفتح وغیرہ فمبنی علی العرف **اقول** والدلیل القاطع علیه ان العدد کم والکم عرض یقبل القسمة لذاته والواحد لیستحیل ان یفرض فیه شیئ دون شیئ والا لتعدد فلم یکن واحدا، وبعبارة اخری انما التحلیل الٰی مامنه | اور تم پر بھی سلام، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں اے میرے بیٹے اللہ تعالٰی آپ کو روز قیامت تک محفوظ رکھے اور آپ کے ذریعے دین کی کامیابی کو ہمیشہ رکھے، آپ نے تدقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر عملدرآمد کیا اور تحقیق سے منہ موڑتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا ہے **وجہ اول** اس لئے کہ محققین کے نزدیک ایک عدد نہیں ہے اور ہمارے اصحاب علیہم الرحمہ نے "انت طالق کم شئت" میں جو تقریر کی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے وہ عرف پر مبنی ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ عدد کم ہے اور کم ایسا عرض ہوتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تقسیم کو قبول کرتا ہے جبکہ واحد میں ایک شیئ کو فرض کرنا سوائے دوسری شیئ کے محال ہے ورنہ وہ متعدد ہو جائے گا اور واحد نہیں رہے گا۔ دوسری عبارت کے ساتھ یوں کہ شیئ کی تحلیل اس کی طرف ہوتی ہے |

التركيب فلوانفسهم لكان شيئين لاواحدا وبعبارة اظهر ودفع للمقال لا انقسام هنا الا الى الوحدات والوحدة ليستحيل ان تصير وحدتين والا لم تكن وحدة بل كثرة فيلزم الانقلاب فان صارت فماكانت الاوحدتين اخذنا واحدة بالاعتبار فكان اثنين لا واحد،وبعبارة اخصرما ثم الاوحدات محضة فالواحد وحدة والاثنان وحدتان وهكذا ولايعقل للوحدة بعض اصلا اما الكسور فليس معنى ۲ /۱ مثلا جزء من جزئ واحد حقيقي بل اعتباري اي واحد من اثنين فرض واحدا كما حققناه في رسالة الارثما طيقي،**وامّا ثانيًا** فلان الصفر لايمكن ان يكون حاشية عدد فانه محض سلب اذهو عبارة عن خلو المرتبة فليس معناه ان	جس سے وہ شیئ مرکب ہے،اگرواحد منقسم ہوجائے تو وہ دو چیزیں بن جائے گا اور واحد نہیں رہے گا،زیادہ ظاہراور گفتگو کا زیادہ دفاع کرنے والی عبارت کے ساتھ یوں کہاجائے گا کہ یہاں منقسم ہونا نہیں ہے مگر وحدتوں کی طرف اورایک وحدت کادو وحدتیں ہوجانا محال ہے ورنہ وہ وحدۃ نہیں رہے گی بلکہ کثرۃ بن جائے گی تو اس طرح حقیقتوں میں انقلاب لازم آئے گا،اگروہ وحدت ہو بھی تو حقیقت میں دو وحدتیں ہی ہوں گی جن کو ایک وحدت اعتبار کرلیاگیاہے تو وہ دو ہوئیں نہ کہ ایک۔زیادہ مختصر عبارت کے ساتھ یوں کہاجائے گا کہ یہاں تو محض وحدتیں ہیں،چنانچہ واحد ایک وحدت اور اثنان دووحدتیں ہوں گی،اوراسی طرح باقی میں ہوگا۔اور وحدت کے لئے بعض بالکل متصور نہیں۔لیکن کسریں توان میں مثال کے طورپر ۲ /۱کا معنی یہ نہیں ہے کہ واحد حقیقی کی دوجزؤں میں سے ایک بلکہ واحد اعتباری کی دوجزؤں میں سے ایک یعنی ایسے دومیں سے ایک جن کوایک فرض کیا گیا ہے جیساکہ ہم نے اس کی تحقیق رسالہ ارثماطیقی میں کر دی ہے۔**وجہ دوم** اس لئے کہ صفر کا کسی عدد کیلئے حاشیہ (طرف) بنناممکن نہیں کیونکہ صفر تو محض نفی ہے اس لئے کہ وہ مرتبہ کے خالی ہونے کانام ہے تواس کایہ معنی نہ ہوگا کہ

هناك شيئا يسمى صفرا بل معناه ان لاشيئ هناك اصلا ولهذا لا اثر لحطه من عدد ولاضمه اليه كما ذكرت ولوكان شيئا لاستحال ان يكون شيئ دون شيئ اوشيئ مع شيئ مساويا لشيئ نفسه فيتساوى الكل والجزء بل كل الكل وجزء الجز كما لايخفى وبه تبين **وجه ثالث** وهو ان الصفر مع اثنين مثلا ليس مجموع شيئين بل الشيئ وحده ومعنى جمع الصفر مع عدد ان لم يجمع معه شيئ فليس الواحد نصف مجموع حاشيتيه بل نصف حاشية واحدة **واما رابعًا** فلانه لوسوغ كون العدم حاشية لكان العدم المضاف الى شيئ معين مثل ا و ۲ وغيرهما اولى بذٰلك فكان الصفر ايضا عدد الان احدى حاشيتيه واحد والاخرى ـ او مجموعهما صفر نصفه صفر وكونه مثل المجموع لاينفى كونه نصفه لانه معتبر فى الحساب قطعا الاترى ان نصف

وہاں کوئی ایسی شیئ موجود ہے جس کا نام صفر ہے بلکہ معنی یہ ہوگا کہ وہاں بالکل کوئی شیئ نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ صفر کو کسی عدد سے گھٹائیں یا اس کے ساتھ ملائیں کوئی اثر نہیں ہوتا جیسا کہ تونے ذکر کیا ہے۔اگر وہ شیئ ہو تو اس کاایک شیئ ہونا سوائے دوسری شیئ کے اور کسی شیئ کے ساتھ اس طرح شیئ ہوناکہ وہ شیئ خود اس کے مساوی ہوجائے محال ہوگا کیونکہ اس طرح تو کل جزء کے بلکہ کل کا کل جزء کے جزء کے برابر ہوجائے گا جیسا کہ پوشیدہ نہیں،اوراسی سے **وجہ سوم** واضح ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ صفر کا دو کے ساتھ اکٹھا ہونا دو چیزوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔صفر کے عدد کے ساتھ جمع ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس عدد کے ساتھ کوئی شیئ جمع نہیں ہوئی تو اس طرح واحد اپنی دونوں طرفوں کا نصف نہ ہوا بلکہ ایک طرف کا نصف ہوا۔**وجہ چہارم** اس لئے کہ اگر عدد کو عدد کا حاشیہ(طرف) قرار دے دیا جائے تو کسی معین شیئ کی طرف مضاف ہونے والا عدم بدرجہ اولٰی طرف قرار پائے گا جیسے ا اور ۲ وغیرہ تو اس طرح صفر بھی عدد بن جائے گی کیونکہ اس کے ایک طرف واحد اور دوسری طرف ا (ایک) ہے جن کا مجموعہ صفر ہے اور اس کا نصف بھی صفر ہے۔اس کا مجموعے کی مثل ہونا اس کے نصف ہونے کی نفی نہیں کرتا کیونکہ حساب میں یہ قطعی طور پر معتبر ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ ۲۰ کا

۲۰ = ۱۰ ویکفی لصدق المحدود صدق الحد وان صدق علیه ماسواه ایضا وعددیة الصفر باطلة ببداهة العقل لان العددشیئ والصفر لاشیئ، **واما خامسا** لوتنزلنا عن هذا کله وسلمنا ان الصفر ایضا عدد لعاد التدقیق علٰی مقصوده بالنقض فان المراد نفی القسمة وارجاع الکل الی التوافق والآن یستحیل ذٰلك لان الصفر کلما قیس مع واحد اوشیئ من الاعداد لم یمکن ان یعدهما ثالث فان الصفرلا یعده الا الصفروالصفرلایعدالاالصفرفالصفر وکل عدد سواه متباینان وکل باقیین فیما بینهما متوافقان فوجب التقسم وذهب الانکار ولزم الوقوع فیما عنه الفرار هذا،وقولك اما ان یعدهما واحد فمتبائنان اوعدد مثلهما فمتماثلان ماتقول فی واحد مع واحد أهمامتبائنان ومتماثلان معا بل قل ان عدهما	نصف ۱۰ ہے، محدود کے صدق کے لئے حد کا صادق آنا کافی ہے اگرچہ اس پر حد کا غیر بھی صادق آتا ہو اور صفر کا عدد ہونا بداہت عقل کے ساتھ باطل ہے کیونکہ عدد شیئ ہے اور صفر کوئی شیئ نہیں ہے۔ **وجہ پنجم** اگر ہم اس سب کچھ سے نیچے اتر کر مان لیں کہ صفر بھی عدد ہے تو تدقیق اپنے مقصود پر بطور نقض وارد ہوگی کیونکہ تدقیق سے مقصود تو تقسیم کی نفی اور سب کو توافق کی طرف لوٹانا تھا جو اس صورت میں محال ہو جائے گا اس لئے کہ صفر کو جب واحد یا کسی عدد کے ساتھ ملایا جائے تو ممکن نہیں کہ کوئی تیسرا ان دونوں کو فنا کر دے، کیونکہ صفر کو صرف صفر ہی فنا کرتی ہے اور صفر صرف صفر کو ہی فنا کرتی ہے لہٰذا صفر اور ہر وہ عدد جو صفر کے ماسوا ہے متبائنین ہوں گے۔ ان کے علاوہ ہر دو عدد آپس میں متوافقین ہوں گے تو اس طرح تقسیم کا انکار گیا اور تقسیم ضروری ہوگئی اور اسی میں گرنا لازم آیا جس سے فرار اختیار کیا تھا۔ اس کو یاد کرلو۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ ان دونوں عددوں کو یا تو واحد فنا کرے گا تو وہ متبائنین ہوں گے یا ایسا عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو وہ متماثلین ہوں گے تو واحد اور واحد جمع ہونے کی صورت میں تو کیا کہے گا، کیا وہ دونوں بیک وقت متبائنین اور متماثلین ہوں گے؟

مثلهما فتماثل او مثل احدهما فتداخل اولاولا فان كان العادفوق الواحد فتوافق او واحد فتبائن وهذا هو معنى التربيع الذى ذكرت سابقا واما ماذكرت انت قبل هذا فى كتاب منك وسألت عن صحته ان العددين ان كان احدهما هو الآخر بعينه فتماثل والا فينقص الاصغر من الاكبر مرة اومرارا من جانب او جانبين فان انتهى الى التماثل فتداخل او الى واحد فتبائن والا فتوافق ففيه ان النهاية فى التداخل الى النفاد لاالى بقاء مثل الاصغر فليس ان اربعة تسقط من عشرين اربع مرات فتبقى اربعة مماثلة للاصغر بل تسقط خمس مرات فلايبقى شيئ وذٰلك لانه يتعرف بالتقسيم واذا قسمنا عشرين على اربعة حصل خمسة ومابقى شيئ لاانه يحصل اربعة وتبقى اربعة بل النهاية فى الكل	بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عددوں کو وہ عدد فنا کرے جو ان دونوں کی مثل ہے تو تماثل ہے اور اگر ان میں سے ایک کی مثل ہے تو تداخل، اور اگر ایسا نہیں یعنی نہ تو وہ دونوں کی مثل ہے اور نہ ان میں سے ایک کی مثل ہے تو پھر اگر فنا کرنے والا عدد ایک سے اوپر ہے تو توافق، اور اگر ایک تو تباین ہوگا۔ یہ معنی ہے چار قسمیں بنانے کا جس کا آپ پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ رہا وہ جس کا ذکر آپ نے اس سے پہلے اپنے خط میں کیا اور اس کے صحیح ہونے کے بارے میں سوال کیا کہ دو عددوں میں سے ایک اگر بعینہٖ دوسرا ہو تو تماثل، ورنہ اگر چھوٹے عدد کو بڑے سے ایک یا کئی بار کم کرنے سے وہ تماثل تک پہنچ جائے تو تداخل، اور اگر ایک تک پہنچ جائے تو تباین، ورنہ توافق ہے۔ اس میں یہ اعتراض ہے کہ تداخل میں انتہا ختم ہونے پر ہے نہ کہ چھوٹے عدد کی مثل باقی رہنے پر۔ ایسا نہیں ہے کہ چار کو بیس میں سے چار مرتبہ ساقط کیا جائے گا تو چار باقی بچے جو چھوٹے عدد کی مثل ہے بلکہ چار کو بیس میں سے پانچ مرتبہ ساقط کیا جائے گا تو اس طرح کچھ بھی باقی نہیں بچے گا کیونکہ یہی تقسیم کی پہچان ہے۔ جب ہم بیس کو چار پر تقسیم کریں تو پانچ حاصل ہوگا اور باقی کچھ نہیں بچے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ چار حاصل ہو اور چار باقی بچے بلکہ کل میں

الی النفاد الاتری انك ذکرت فی الکل العد وما العد الا الانفاد فنسقط ثلثة من خمسة یبقی اثنان فنسقطهما من ثلثة یبقی واحد نسقطه من اثنین لا یبقی شیئ وهنالك یتحقق العدوان ترك العمل بعد خروج الواحد للعلم بانه یعد کل شیئ بل قل ان تساویا فتماثل والا فینقص الاصغر من الاکبر فان افناه فتداخل والایسقط الباقی من الاصغر فان بقی فالباقی من الباقی وهکذا الی ان یحصل النفاد فان کان بواحد فتباین اوبعدد فتوافق ثم لیس حاصله الا ماقدمت فی التربیع اما ذکر الاسقاطات فبطریق استخراج النسبة الصق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

انتہا اس کے ختم ہونے پر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ آپ نے کل میں عدّ کو ذکر کیا ہے اور عدّ نہیں ہے مگر ختم کرنا۔ چنانچہ ہم تین کو پانچ سے ساقط کریں گے باقی دو بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے باقی ایک بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے تو باقی کچھ نہیں بچے گا تو وہاں پر عدّ (ختم کرنا) متحقق ہوگا۔ اگرچہ ایک کے نکلنے کے بعد عمل کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ایک ہر شیئ کو ختم کردیتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عدد باہم مساوی ہیں تو تماثل ہے ورنہ چھوٹے کو بڑے سے کم کیا جائے گا اگر چھوٹا بڑے کو فنا کردے تو تداخل اور اگر فنانہ کرے تو باقی کو چھوٹے عدد سے کم کیا جائے گا پھر اگر کچھ باقی بچا تو اس کو باقی سے کم کریں گے اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک ختم ہونا حاصل ہوجائے۔ اگر ختم ہونا واحد سے حاصل ہوا تو تباین اور اگر کسی عدد سے حاصل ہوا تو افق ہے۔ پھر اس کا حاصل نہیں مگر وہی جو میں چار قسمیں بناتے ہوئے ذکر کرچکا ہوں۔ رہا اسقاطات کا ذکر تو اس کو نسبت کے استخراج کے طور پر ملحق کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ۸/جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

جب زید کی بی بی کا انتقال ہوا تو اس کے زیور یعنی جہیز میں سے اس کی تجہیز و تکفین کی اس واسطے کہ زید خود دست نگر دوسرے کا ہے صرفہ میت اور فاتحہ وغیرہ کا اس کے جہیز سے کیا گیا، اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس کے جہیز واپس کرنے میں یہ صرفہ مجرا ہو یا نہیں؟

الجواب:

فاتحہ کا صرف اصلاً مجرا نہ ہوگا وہ ایک ثواب کی بات ہے جو کرے گا اس کے ذمہ ہوگا

اور عورت کا کفن دفن شوہر پر واجب ہے اسے عورت کے ترکہ سے نہیں کر سکتا، درمختار میں ہے:

فتوٰی اس پر ہے کہ عورت کا کفن اس کے شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ مال چھوڑ کر فوت ہوئی ہو۔ (ت)	الفتوی علٰی وجوب کفنہا علیہ وان ترکت مالا[1]۔

ردالمحتار میں ہے:

شوہر پر بیوی کی شرعی تجہیز و تکفین واجب ہے چاہے کفن سنت ہو یا کفن کفایت۔ خوشبو، غسل کی اجرت، جنازہ اٹھانے کی اجرت اور دفن کی اجرت بھی شوہر پر واجب ہے الخ (ت)	الواجب علیہ تکفینہا وتجہیزہا الشرعیان من کفن السنۃ اوالکفایۃ وحنوط واجرۃ غسل وحمل و دفن[2] الخ۔

تو یہ جس قدر شوہر نے صرف کیا ہے سب شوہر پر پڑے گا، نصف جہیز تمام و کمال اسے واپس کر دینا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶: ۱۰/ماہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں، زید نے عمرو کے پاس انتقال کیا اور عمرو ہی زید کا کھاتا یا زید کو کھلاتا رہا، اب زید نے انتقال کیا تو زید کے مال کو زید کے وارث پائیں گے یا عمرو کو دلایا جائے گا؟

الجواب:

عمرو کے پاس رہنے یا انتقال کرنے یا زید کا کھانے یا زید کو کھلانے سے نہ عمرو زید کا وارث ہوگیا نہ زید کے وارث اس کے مال سے محروم ہوگئے،

بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔ (ت)	ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[3]۔

ہاں اگر زید عمرو کا کھایا کرتا ہو اور حسب قرار داد وہ کھانا اسے بطور قرض دیتا ہو تو زید اس مقدار

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱
[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱
[3] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

میں عمرو کامدیون ہوگا اور ادائے دین تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پہلے وہ اور جو اور دین ہو ادا کرکے باقی میں میراث جاری ہوگی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو بلاوجہ شرعی زید کی جائداد پر قابض ہوجائے اسے اپنے دین کا مطالبہ پہنچتا ہے اگر واقع میں دین ہو اور اگر عمرو اس کے پاس یابطور مہمان غرض قرضًا کھلانے کاقرار داد نہ تھا تو عمرو ایک حبہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور جائداد سے وارثان شرعی کو محروم کرنا ظلم وغصب ہے **والظلم ظلمات یوم القیمة**[1] (اور ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث بنے گا۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: ازکانپور چوک صرافہ بردکان محمد عمر محمد قمر سوداگر مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۹ صفر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خاندان طوائف میں جولڑکے کے نکاح پر بیوی اس کو اس کی والدہ اور والد اور ماموں وغیرہ کا حق متروکہ میں ملے گا یا خالد کی لڑکی کے لڑکے کو بوجہ کمائی پیشہ طوائفی کے حق ملے گا خلاصہ یہ کہ خاندان طوائف میں نکاح کرنے سے حق زائل ہوجاتا ہے یا شرع شریف کے مطابق حق ملتا ہے **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

نکاح کرنے سے حق زائل نہیں ہوتا ہے خصوصًا اس فرقہ کا نکاح کہ وہ تو گناہ عظیم سے توبہ ہے مگر طوائف کے لئے بے نکاحی اولاد صرف اپنی ماں اور مادری رشتہ والوں کا حصہ پائیں گے شرعًا اس کے لئے کوئی باپ نہیں کہ اس سے یا پدری رشتہ والوں سے حصہ پائیں۔**واللہ تعالٰی تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸: ازاحمد آباد گجرات مرسلہ مولوی علاؤالدین صاحب زید مجدہ ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

اس ملک گجرات میں ایک قوم ہے جو میمن وبورے کرکے مشہور ہیں ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اپنے مال متروکہ سے اپنی لڑکی کو محروم رکھتے ہیں اور جس قدر مال واسباب ہوتا ہے وہ کل لڑکوں کا حصہ مقرر کرکے جاتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہوں کہتے ہیں، اور سرکاری دفتروں میں دستخط

---

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب الظلم ظلمات اوریوم القیمة قدیمی کتب کراچی ۱/ ۳۳۱

کر چکے ہیں کہ ہم ہنود لوگوں کے طریق میراث تقسیم کرنے میں راضی ہیں اسلام وشریعت کے موافق راضی نہیں ہیں وہ لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے ہیں کل مال لڑکے کو دیتے ہیں اور وہ لوگ مسلمان ہیں حج وزکوۃ ونماز وروزہ ودیگر کل احکام کو حق جانتے ہیں اور مانتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت)

ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرمن میراثه وارثه قطع الله میراثه من الجنة[2]۔	جو اپنے وارث کو میراث پہنچنے سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔

اور جنہوں نے یہ لفظ کہے یا لکھے ہیں کہ وہ رسم ہنود پر راضی ہیں اور حکم شریعت پر راضی نہیں ہوہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔ غمز العیون والبصائر میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے کافروں کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا قرار دیا اسکی تکفیر پر مشائخ کا اتفاق ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹: مسئولہ محمد عبدالحلیم خان صاحب مدرس ومہتمم مدرسہ انجمن ظفر الاسلام ضلع بھنڈارہ ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی نے اپنی دختر کا نکاح مع کل لوازمات شادی کے کرادیا، بعد چند عرصہ کے داماد شخص مذکور کا فوت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن ابن ماجۃ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

ہوگیا دختر نے اپنا نکاح ثانی کاارادہ غیر کفو سے کرنے کا کیا، باپ نے دختر مذکور کو کہا کہ میں تمہارا نکاح ثانی کسی عمدہ جگہ کفو میں کرادیتاہوں مگر دختر مذکور نے نہیں سنااور نکاح ثانی غیر کفو میں کرلیا۔ باپ نے ناراض ہو کرلڑکی کو عاق کردیااو کہا کہ اب تجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہا، کیونکہ تم نے غیر کفو میں اپنا نکاح بغیر میری اجازت کے کیااور تحریر کردیا کہ بعد میرے مرنے کے لڑکی کو میرے مال سے کوئی حق نہ دیا جائے اس کاجو حق تھاوہ میں نے شادی کرکے ادا کردیا ہے،اب بعد مرنے کے شخص مذکور کی دختر مذکور کو مع دیگر ورثاء کے حق ملے گا یا نہیں؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اولاد کاعاق ہونا یہ ہے کہ ماں باپ کی ناحق نافرمانی کریں یا انہیں ایذادیں ماں باپ کے عاق کرنے سے کوئی اثر نہیں پیداہوتا عوام کے خیال میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کوطلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے یونہی اولاد عاق کئے سے اولاد ہونے سے خارج ہوجاتی ہے یہ محض غلط ہے، نہ اس کے سبب اولاد ترکہ سے محروم ہوسکے،ہاں لڑکی نے باپ کی نافرمانی کی اس سے وہ گنہگار ہوئی، پھر اگر غیر کفو کے معنی یہ ہیں کہ جس سے نکاح ہواوہ مذہب یانسب یاچال چلن یا پیشہ میں ایساکم ہے کہ اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ نکاح سے سے ہوا ہی نہیں محض باطل ہے اگر قربت ہوگی زنا ہوگی ان دونوں مرد وعورت پر فوراً جداہوجانا لازم ہے بایں ہمہ لڑکی ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔

قال اللہ تعالٰی "یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ"[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتاہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کاحصہ دوبیٹیوں کے برابر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۰: ۵/ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ مسئولہ حکیم ضمیر احمد صاحب از شاہجہانپور محلّہ متالی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کی اور کچھ جائداد چھوڑی، زید کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، زید نے اپنی زوجہ کامہر بھی نہیں اداکیااور

[1] القرآن الکریم ۴/۱۱

نہ اس بارہ میں کوئی وصیت کی، بعد انتقال زید کے اس کی زوجہ ۳۶ سال سے اس کی ملکیت پر قابض ہے، تو اب یہ اس ملک میں بیع وہبہ وغیرہ کا پورا تصرف اپنی مرضی کے موافق کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور بعد انتقال اس زوجہ زید کے اس کی ملکیت کے وارث اور مالک زید کے رشتہ دار ہوں گے یا زوجہ کے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مسئلہ بہت کثیر الشقوق والمباحث ہے بقیہ ورثہ کی رضا سے کل متروکہ پر بعوض مہر قابض ہوئی، اور وہ سب عاقل بالغ تھے جب تو بالاتفاق وہ کل متروکہ کی مالک ہوگئی اور اگر بے ان کی اجازت کے ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ مہر مقدار جائداد سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے تو بے ان کی رضا کے زرمہر کے عوض جائداد بطور خود لے لینا اصل مذہب میں جائز نہ ہوگا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا، اور اگر ان میں بعض نابالغ ہیں تو ان کی اجازت بھی کافی نہ ہوگی، اور اگر مہر برابر یا زائد ہے تو اگرچہ ورثہ کے لئے جائداد میں ملک نہیں مگر ان کو حق استخلاص حاصل ہے کمانص علیہ فی جامع الفصولین والاصباح وغیرھا (جیسا کہ جامع الفصولین اور اصباح وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور اب وہ مسئلہ وارد ہوگا کہ غیر جنس سے استیفائے حق مثلاً روپے کے عوض اور مال کہ اس سے زائد کی حیثیت کا نہ ہو لے لینا جائز ہے یا نہیں، ہمارا مذہب عدم جواز ہے اور اب بوجہ فساد زمان متأخرین نے جواز پر فتوٰی دیا کما ذکرہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں اس کو ذکر کیا ہے۔ت) پھر یہ بحث پیش آئے گی کہ جائداد سے استیفائے مہر عورت کو مطلقاً جائز ہے اگرچہ وہ میت کی وصی ہو کما فی الخانیۃ (جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ت) مگر ان سب مباحث سے قطع نظر کرکے جب چھتیس سال گزر گئے اور کوئی مدعی نہ ہوا اور وہ تصرفات مالکانہ رکھتی ہے اور ورثاء دیکھا کئے اور معترض نہ ہوئے تو اسی پر حمل کیا جائے گا کہ عورت بروجہ صحیح مالک کل جائداد ہے کما بینہ فی مواضع کثیرۃ من عقود الدریۃ وفصلناہ فی فتاوانا (جیسا کہ عقود الدریہ کے متعدد مقامات پر اس کو ذکر کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) لہٰذا بعد موت زن وراثت صرف ورثہ زن کو پہنچے گی نہ کہ ورثہ زید کو۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: مرسلہ احمد خان صاحب صابری قادری از تلونڈی رائے ڈاک خانہ خاص ضلع لدھیانہ ملک پنجاب ۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک شخص ایک متوفی کو چھٹی پشت پر ملتاہے اور متوفی اولاد نرینہ نہیں رکھتاہے صرف اولاد دختری ہے اور وہ شخص جو کہ متوفی کو چھٹی پشت پر ملتاہے اپنے حق کو حق دختری پر فائق بیان کرتاہے، آیا وہ شخص غاصب ہے یا کہ نہیں اور امامت کے لائق ہے؟ دوسرے اس کے گھر کا خورد ونوش کیساہے؟ یہ شخص رشید احمد گنگوہی کا مرید اور ہمارے گاؤں میں گروہ وہابیہ کذابیہ کاسرغنہ ہے یوں تو نام کو مولوی کہلاتاہے لیکن مولوی تو درکنار اس میں جاہلوں سے بھی بڑھ کر برے اوصاف ظہور میں آتے ہیں جو کہ ایک کافر وفاسق میں بھی نہیں پائے جاتے۔

الجواب:

جو صرف اولاد دختری رکھتاہو اس کے بعد اس کی اولاد ذکور میں جو مرد کتنے ہی فاصلہ پر جاکے ملتاہو وہ اس کا عصبہ ہے کہ اصحاب فرائض سے جو باقی بچے اس کا مستحق ہے جبکہ اس سے قریب تر دوسرا عصبہ موجود نہ ہو تو یہ شخص کہ مورث سے چھٹی پشت میں ملتاہے ضرور اس کا وارث اور باقی بعد الفروض کا مستحق ہوتاہے جبکہ صالح وراثت ہوتا اور اس سے اقرب اور عصبہ نہ ہوتا اس حالت میں اس کا دعوی استحقاق باطل نہ ہوتا اگرچہ اپنا حق حق بنات پر فائق کہنا بہر حال غلط تھا کہ عصبہ کا حق اہل فرائض کے برابر بھی نہیں بلکہ متأخر ہے۔

لانہ لیس لہ الاما ابقتہ اصحاب الفرائض حتی لولم یبق شیئًا لم یکن لہ شیئ۔	کیونکہ عصبہ کو سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا جو اصحاب فرائض سے باقی بچاہو یہاں تک کہ اگر کچھ باقی نہ بچا تو اس کے لئے کوئی شیئ نہیں ہوگی۔ (ت)

یہ غلطی ایسی نہ تھی جس کے سبب وہ قابل امامت نہ رہتا یا غاصب ٹھہرتا یا اس کے گھر کا خورد ونوش ممنوع ہوتا لیکن یہ سب اس صورت میں تھا کہ وہ مسلمان ہوتا، طائفہ گنگوہیہ کی نسبت علمائے حرمین شریفین کا فتوی ہے کہ وہ کفار مرتدین ہیں اور اسی میں شفائے امام قاضی عیاض وبزازیہ ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا کتب معتمدہ کے حوالہ سے فرمایاہے:

من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر [1]۔	جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا کافر ہوگیا۔ (ت)

[1] الدر المختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

جو شخص گنگوہی اور اس کے مثال کے کافر ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے نہ کہ جو اس کا مرید اور اس کے گروہ کا سرغنہ ہو ایسے مرید کے پیچھے کے نطفے ضرور اوپر ہو جائیں گے اور مرتد کسی کا وارث نہیں ہوسکتا اور اس کی امامت کے کیا معنی، جو اس کی اس حالت پر آگاہ ہو کر اسے قابل امامت جانے گا اس کی نماز درکنا ایمان بھی نہ رہے گا **لان من شك فی عذابه و کفره فقد کفر**[1] (اس لئے کہ جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ت) اور ایسے سے میل جول اور اختلاط بلاشبہہ حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[2]۔ وقال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾"[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(ت) اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دادا کے سامنے سب بہن بھائی بالکل محروم ہیں اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما سگے سوتیلے بہن بھائیوں کو دادا کے ساتھ ترکہ دلاتے ہیں، شریفیہ میں فرمایا: مفتی کو اختیار ہے جیسا موقع دیکھے فتوٰی دے۔ اس "موقع" کی کیا صورت ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مفتٰی بہ امام ہی کا قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتی اسی پر فتوٰی دے، متون نے قول امام ہی اخذ کیا اور عامہ ائمہ فتوٰی نے اسی پر فتوٰی دیا صرف مبسوط شمس الائمہ سرخسی سے قول صاحبین پر فتوٰی منقول ہوا اور زاہدی نے مجتبٰی میں کہ تصنیف و مصنف دونوں نامعتبر ہیں اور مصنف سراجیہ نے اپنی شرح میں اس کا اتباع کیا تو فتوٰی احق واقعی قول امام ہی پر ہے۔ صاحب شریفیہ نے بیان لحاظ موقع نہ لکھا نہ اور کسی معتمد کے کلام سے یہاں ایسا خیال میں ہے کہ مفتی جیسا موقع دیکھے

---

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳، الدالمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

فتوٰی دے بلکہ صاحب شریفیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اس پر بنائے کار کی ہے کہ جب امام ایک طرف اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے جس طرف چاہے فتوٰی دے مگر تحقیق یہ کہ یہ صرف اس مفتی کے لئے ہے کہ منصب اجتہاد رکھتا ہو، مفتی مقلد پر لازم ہے کہ ہمیشہ قول امام پر فتوٰی دے مگر یہ کہ ائمہ فتوٰی نے اس کے خلاف پر اختلاف کیا ہو،

كما فى البحر الرائق [1] وتنوير الابصار والفتاوى الخيرية و الدر المختار وغيرها من معتمدات الاسفار۔	جیسا کہ البحرالرائق، تنویرالابصار، فتاوٰی خیریہ اور در مختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔(ت)

تو یہاں موقع کی بحث ہی فضول ہے نہ یہاں اختلاف موقع کی کوئی وجہ چنداں معقول ہے ہاں کہہ سکتے ہیں **اوّلاً** اگر دادا مفلس اور بھائی غنی ہوں تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

ثانیاً: بھائیوں میں کوئی فاسق و مسرف ہو کہ اسے مال دینا فسق پر اعانت کرنا ہے اور دادا صالح تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس تو مقاسمہ۔

ثالثاً: اگر دادا اپنا حصہ لے کر امور خیر واشاعت علم دین میں وقف کر دینا چاہتا ہے نہ بھائی تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع دین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

رابعاً: جد جواد و سخی ہے اور اس کا مال اکثر امور خیر میں صرف ہوتا ہے اور بھائی ایسے نہیں تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع مساکین مسلمین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ مگر ان میں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ مذہب مفتٰی بہ سے عدول چاہے عمل ہمیشہ اسی پر ہے جو مفتٰی بہ ہو۔ **واللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کسی وارث کے **کان لم یکن** (کالعدم) کرنے کی مثالیں ارشاد ہوں جن سے اس کے مواقع پر روشنی پڑے۔ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] البحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹-۲۷۰، الفتاوی الخیریۃ کتاب الشھادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳، الدر المختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

الجواب:

پہلی مثال: زید تین بھائی حقیقی یا تینوں علاتی چھوڑ کر مرگیا پھر ان میں ایک بھائی نے قبل تقسیم ترکہ یہ ہی دو بھائی اپنے وارث چھوڑ کر انتقال کیا اس صورت میں اس میت دوم کو کان لم یکن (کالعدم) کرکے مسئلہ صرف دو سے تقسیم کردیں گے اس شکل پر:

مسئلہ ۲ زید

اخ	اخ	اخ
عمرو	بکر	خالد
کان لم یکن (کالعدم)	۱	۱

دوسری مثال: ایک شخص مرا اور ماں اور زوجہ اور بیٹا چھوڑے اور تقسیم ترکہ سے پہلے زوجہ مرجائے پھر اس کا وارث یہی بیٹا رہے تو زوجہ کو کان لم تکن (کالعدم) کردیں گے اس طرح:

مسئلہ ۶

زوجہ	ام	ابن
کان لم تکن (کالعدم)	۱	۵

تیسری مثال: اسی صورت میں اگر ماں قبل تقسیم ترکہ مرجائے تو وہ کان لم تکن (کالعدم) ہوگی اس طرح:

مسئلہ ۸

زوجہ	ام	ابن
۱	کان لم تکن (کالعدم)	۷

چوتھی مثال: مسئلہ ۴

زوجہ	ام	اخ متوفی
۱	۳	

اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے ایک زوجہ اور ماں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کیا پھر قبل تقسیم ترکہ اس بھائی نے انتقال کیا اور اس کے وارث یہی ماں رہی تو ازانجا کہ اس کی موت وحیات سے صورت تقسیم نہیں بدلتی کہ حی مان کر دوسرا بطن قائم کریں جب بھی حاصل وہی ہوگا

کہ زوجہ کو ربع اور باقی ماں کو، سدس پہلی میت سے اور باقی دوسری میت سے، اور دوسرے سے کان لم یکن (کالعدم) مانیں جب بھی حاصل یہی ہوگا اس لئے کہ زوجہ اہل رَد سے نہیں اس کا حصہ ربع سے نہ بڑھے گا اور باقی ماں ہی کو ملے گا لہٰذا کان لم یکن (کالعدم) ہی کرنا اولٰی ہوا۔

(۱) مسئلہ ۶ ۱۲×۵ ۶۰×۵ ۳۰۰ ہندہ

زوج ام اخ اخت اخت

زید لیلٰی عمرو

(۲) مسئلہ ۶ تروالی ۵ عمرو تبائن مص ۲

اخت اخت

$\frac{6}{30}$ $\frac{150}{}$ ، $\frac{2}{10}$ $\frac{50}{}$ ، (۲) ، $\frac{1}{5}$ ، $\frac{1}{5}$ $\frac{25}{}$ ، $\frac{1}{2}$ $\frac{10}{}$ ، $\frac{2}{4}$ ، $\frac{2}{4}$ $\frac{20}{}$

(۳) مسئلہ ۶ تروالی ۵ سلمٰی تبائن مص ۹

ام اخت

لیلٰی سعاد

$\frac{2}{18}$ $\frac{3}{27}$

(۴) مسئلہ ۱ سعاد مص ۲۷

ام لیلٰی

$\frac{1}{27}$

$\frac{1}{1}$

مبلغ ۳۰۰

الاحیا (زندے)

زید لیلٰی

۱۵۰ ۱۵۰

اس کی صورت یہ ہے کہ اول ہندہ نے شوہر زید اور ماں لیلٰی اور ایک بھائی حقیقی عمرو اور دو بہنیں حقیقی سلمٰی، سعاد چھوڑ کر وفات پائی پھر عمرو مرا اور اس کے ورثہ یہی ماں اور دونوں بہنیں رہیں پھر سلمٰی مری اور اس کے وارث یہی ماں اور بہن ہوئی پھر سعاد مری اور اس کی وارث صرف ماں رہی، اب اگر اس طریقہ پر مناسخہ کرتے جو لوگوں میں رائج ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی:

اس میں کس قدر تطویل ہوئی اور وہ ہی ہوا کہ نصف زوج نصف ماں کا، لہٰذا اول ہی سے بھائی بہنوں تینوں کو **کان لم یکن** (کالعد) کر دینا چاہئے، ہمارے اس بیان سے واضح ہوا کہ عام کتابوں میں جو **کان لم یکن** (کالعدم) کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ جو وارث مرا اس کے سب ماورا اس کے وارث ہوں یہ قید ہرگز لازم نہیں اور بعض کتابوں میں جو یہ شرط کی کہ وہ ورثہ سب ایک جنس کے ہوں یہ بھی غلط ہے اس کی بھی حاجت نہیں صرف دو باتیں درکار ہیں ایک یہ کہ وارث کا وارث وارثان مورث کے سوا اور نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ تقسیم بدلے نہیں بلکہ حقیقۃً صرف یہی شرط ہے پہلی شرط بھی ہر جگہ لازم نہیں مثلاً مثال ثالث میں ام مری اور اپنی ایک بنت اور وارث چھوڑے کہ وہ ورثہ مورث اول کے سوا ہیں لیکن پھر یہ بنت مری اور ابن الاخ مذکور کے سوا وارث نہ چھوڑا تو حاصل وہی ہوا کہ ثمن زوجہ کے بعد باقی سب ابن کا۔ مناسخہ یوں ہوگا:

مسئلہ ۲۴ زید

زوجہ	ام	ابن
سعیدہ	حمیدہ	عمرو
۳	(۴)	۱۷

مسئلہ ۲ حمیدہ مصہ ۴

بنت	ابن الابن
رشیدہ	عمرو
(½)	(½)

مسئلہ رشیدہ مصہ ۲

ابن الاخ
عمرو
½

مبلغ ۲۴ الاحیاء (زندے)

سعیدہ	عمرو
۳	۲۱

مبلغ ۸ الاختصار

سعیدہ	عمرو
۱	۷

مآل وہی رہا یہاں اُم کو **کان لم یکن** (کالعدم) یوں لکھا جائے گا:

مسئلہ — زید

زوجہ سعیدہ	ام حمیدہ	ابن عمرو
۱	کان لم تکن لانها خلفت ابن ابنها عمر او بنتا ماتت فلم تخلف الا ابن اخیها عمر (وہ کالعدم ہے کیونکہ اس نے ایک پوتا عمر چھوڑا اور ایک بیٹی چھوڑی جو مرگئی اور سوائے ایک بھتیجے عمر کے کوئی وارث نہیں چھوڑا)	۷

۱

یہ تمام بیان ہمارے فتاوٰی میں مشرح ہے اور اس میں صور کان لم یکن (کالعدم کی صورتوں) میں عجیب عجیب تصرفات بدیعہ ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گے ازانجملہ ایک صورت تشحیذ اذہان فرائض دانان کے لئے لکھتے ہیں ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ کو سوال آیا تھا کہ محمد یار نے ایک زوجہ حافظ جان اور پانچ بیٹے نیاز علی، محمد علی، کلن، محمد حسین، امیر علی اور چار بیٹیاں احمدی، بی جان، بنی جان، حسین وارث چھوڑے، پھر حافظ جان مری اور یہی بیٹے بیٹیاں وارث رہے، پھر نیاز علی مرا اور یہی بہن بھائی وارث ہوئے۔ پھر محمد علی نے ایک زوجہ محبوبن اور دو بیٹے وزیر علی، احمد علی چھوڑ کر انتقال کیا جن میں محبوبن مری اور یہی دو بیٹے چھوڑے۔ پھر وزیر علی مرا اور یہی بھائی وارث رہا۔ پھر امیر علی مرا اور باقی دو بھائی اور چاروں بہنیں وارث ہوئیں۔ پھر حسین پھر بنی جان نے انتقال کیا اور یہی بقیہ بہن بھائی وارث چھوڑے۔ پھر احمدی نے شوہر وپسر ودختر محمدی چھوڑ کر انتقال کیا پھر شوہر کے وارث یہی بیٹا بیٹی ہوئے۔ پھر پسر کی وارثہ یہی ہمشیرہ محمدی رہی۔ پھر محمد حسین ایک زوجہ آسودہ اور بیٹا علی حسین اور بیٹیاں بنی، بتولا چھوڑ کر مر گیا۔ پھر بی جان مری اور صرف کلن اس کا وارث ہوا۔ پھر کلن نے زوجہ مونگا اور دو ابن واحد یار و حامد یار اور ایک بنت بسم اللہ چھوڑ کر وفات پائی اس مسئلہ کو جس میں پندرہ میت ہیں صرف پانچ بطن سے تقسیم کیا ہے تصحیح اخیر ۵۷۶ ہے اور بطن اول یوں بانٹا ہے:

مسئلہ ۳۶ — محمد یار

ابن محمد علی	ابن کلن	ابن محمد حسین	بنت احمدی
۶	۱۵	۱۰	۵

باقی سب کان لم یکن (کالعدم) فرائض دان حضرات اس پر غور فرما کر بتائیں ورنہ فتاوائے فقیر کی طرف رجوع فرمائیں کہ اس میں اس کی توضیح کر دی ہے۔

مسئلہ ۱۴۴: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

فرائض میں قوانین وہ رکھے گئے ہیں کہ تقسیم چھوٹے سے چھوٹے عدد ممکن سے ہو ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ باوصف اس کے تصحیح اخیر مناسخہ کبھی پھر قابل اختصار ہو جاتی ہے اگر ہو جاتی ہے تو وہاں خلاصہ عمل کہ آخر مناسخہ میں لکھا جاتا ہے کس طرح تحریر کیا جائے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

ہاں بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ بطون میں تقسیم مسائل جس طرح کی گئی ان سے کمی ناممکن تھی مگر جب زیر مداحیاء ہر ایک کے سہام مقبوضہ جمع کرکے لکھے تو ان میں باہم توافق ہو گیا کہ ہر ایک کو ایک عدد کاٹ سکتا ہے اس عدد کو مابہ التوافق کہتے ہیں اور فرائض میں حتی الامکان عدد اقل ہی لیا جاتا ہے ولہٰذا ہر نسبت میں مقدم علیہ اعظم اور ہر تصحیح میں ذو اضعاف اقل کا لحاظ رہتا ہے تو ہر بطن میں کم از کم دو وارثوں کے سہم میں تباین ضرور ہوتا ہے جس کے سبب اختصار ناممکن مگر تباین متباین مل کر بھی متوافق ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مداحیاء کے بعد ایک مداختصار کھینچے اور اسمائے ورثہ ثبت کرکے ہر ایک کے سہم مکتوب مداحیاء اس مابہ التوافق مشترک پر تقسیم کرکے درج کرے یونہی مبلغ کو اوپر تقسیم کرکے یہ مبلغ دوم بالائے مداختصار لکھے اور آخر کی معمولی عبارت جو لکھی جاتی ہے کہ جب شرائط فرائض ترکہ فلاں اتنے سہام پر منقسم ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بمد احیاء اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے اس میں بجائے سہام مخرج بالاسہام مبلغ دوم تحریر کرے اور مداحیاء کے عوض مداختصار کا نام لے اس کی مختصر مثال دو ہی بطن میں اختصار کی ضرورت ہو یہ ہے:

(۱) مسئلہ ۲۴ × ۴ = ۹۶ زید

زوجہ	ام	بنت	اخت عینیہ
حسنی	اسماء	شیریں	نسرین
۳ / ۱۲	۴ / ۱۶	۱۲ / ۴۸	۵

ان کو دیکھا تو تمام اعداد توافق بالثلث رکھتے ہیں لہٰذا مبلغ وسہام سب کو تین پر تقسیم کرکے مداختصار یوں لکھا:

یہاں نقشہ کی امیج بنانی ہے جلد ۲۶ ص ۳۲۵

حسب شرائط فرائض ترکہ زید کا بتیس سہام ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بعد اختصار اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

حسب شرائط فرائض ایک مجمل لفظ ہے تفصیل یوں لکھتے ہیں، بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا من ثلث الباقی بعد الدین (قرض کی ادائیگی کے بعد باقی کے تہائی میں سے وصیتوں کو نافذ کرنا۔ت) ترکہ زید کا الخ اور اس کا اختصار یہ ہے، بر تقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر وصحت ترتیب اموات وتقدیم مہر ودیون ووصایا ترکہ الخ ذکر تجہیز وتکفین کی اس لئے حاجت نہیں کہ سوال غالبًا بعد تجہیز وتکفین ہوتا ہے تو اس کی تقدیم خود ہولی، اور اگر وہ ترکہ پر قرض لے کر کی گئی ہے تو دیون میں آگئی مہر کا ذکر اس وقت چاہئے جب اصل مورث خواہ مناسخہ میں کسی میت نے زوجہ یا زوجات چھوڑی ہوں جیسا کہ صحت ترتیب کی قید صرف مناسخہ میں ہے نہ کہ بطن واحد میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از قصبہ بڑاودہ علاقہ ریاست مالوہ جاورہ مسئولہ محمد یٰسین خاں صاحب ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو تھا اس کے مادر اور ایک زوجہ دو دختران ودو پسران تھے عرصہ چار سال کا ہوا کہ زید مذہب ہندو میں بقضائے الٰہی فوت ہوا اور اس کی مادر وزوجہ ودو دختران ودو پسران بقید حیات رہے،

زید کی زوجہ مسلمان ہو گئی اور دو پسران بھی کہ جن کی عمر ۸ و ۴ سال کی ہے ان کو بھی مسلمان کیا اور دو دختران ومادر زید نے اسلام ناقبول کرکے زوجہ زید سے علیحدگی اختیار کی بعد انتقال زید کے زوجہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر قابض ومتصرف رہی اور اب بھی قابض ہے مادر زید نے زوجہ زید کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے عدالت مجاز میں دعوی کیا ہے کہ مال منقولہ وغیر منقولہ اور دونوں پسر میرے سپرد کئے جائیں کیونکہ زوجہ زید مسلمان ہوچکی جب کہ زوجہ زید ودونوں پسران مسلمان ہو کر اسلام قبول کرچکے ہیں تو ایسی حالت میں کیا زوجہ زید شوہر کی جائداد سے محروم ہوسکتی ہے اور دونوں پسران جو اسلام لاچکے ہیں وہ سپرد زید کی مادر جو ہندو ہے ہو سکتے ہیں اور ان پسران کی پرورش کا اب اہل اسلام کو حق ہے یا اہل ہنود کو؟ اور کیا مسلمان ہونے کے بعد ہندو پسران کے حقدار ہو سکتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تقریر سوال سے صراحۃً ظاہر ہے کہ عورت بعد مرگ زید مسلمان ہوئی ہے اس لئے وہ اور اس کی اولاد ترکہ سے محروم نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کے بعد مسلمان ہوگئے، درمختار میں ہے:

الکافر یرث بالنسب والسبب کالمسلم [1]۔	کافر مسلمان کی طرح نسب اور سبب کی وجہ سے وارث ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معلوم انہ حین موت مورث لم یکن مسلماً فلم یوجد المانع حین استحقاقہ الارث وانما وجد بعدہ فکان کمن اسلم بعد موت مورثہ الکافر فلم یکن فی الحقیقۃ ارث مسلم من کافر بل ھو ارث کافر من کافر [2]۔	یہ معلوم ہے کہ وہ مورث کی موت کے وقت مسلمان نہیں تھا تو میراث کا مستحق ہونے کے وقت مانع نہیں پایا گیا بلکہ بعد میں پایا گیا تو گویا وہ اس شخص کی طرح ہوگیا جو کافر مورث کے مرنے کے بعد مسلمان ہوا، تو یہ درحقیقت مسلمان کا کافر کی میراث پانا نہ ہوا بلکہ کافر کا کافر کی میراث پانا ہوا۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۹

ماں کے مسلمان ہونے دونوں نابالغ بچے مسلمان ہوگئے، ہدایہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

الولد یتبع خیر الابوین دینا[1]۔	بچہ والدین میں سے بہتر دین والے کے تابع ہوتا ہے۔(ت)

زید کی ماں یا کسی ہندو کا ان میں کچھ حق نہیں، قرآن عظیم میں ہے:

"لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنین پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی قاری محمد نور صاحب معرفت مولوی فضل حسن صاحب نائب ایڈیٹر دبدبہ سکندری ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ مسماۃ ہندہ نے وفات کی، وارثان دو پسر ایک دختر مادر چھوڑی کچھ عرصہ کے بعد ہندہ سے ہندہ کے پسر خورد نے وفات کی، اس نے اپنے وارثان میں زید مذکور اور نانی اور ایک بھائی ایک بہن چھوڑی، بعد گزرنے عرصہ آٹھ سال ہندہ متوفیہ سے ہندہ کی مادر اور ہندہ کے پسر متوفی کی نانی ہوتی تھی وفات پائی اس نے اپنا وارث ایک پسر یعنی عمرو چھوڑا، بعد گزرنے دو سال ہندہ متوفیہ کے زید نے اپنا عقد نکاح ثانی بدین مہر پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ روپیہ زبیدہ سے کیا اور اسی قدر مہر زوجہ اولٰی ہندہ متوفیہ تھا عرصہ سہ ماہ کا ہوا کہ زید نے وفات کی، زوجہ ثانیہ زبیدہ اور دو ۲ پسر جو زبیدہ سے ہوئے ہیں چھوڑے، آیا شرعاً ترکہ زید مکان واثاثہ تقریباً آٹھ سو روپے کی مالیت کا ہے وارثان ہندہ متوفیہ و پسر ہندہ متوفی ہر ایک کو حصہ کس قدر پہنچے گا اور زید کے زوجہ ثانی یعنی زبیدہ مع ہر دو پسران کو متروکہ زید دین مہر میں کس قدر پہنچے گا تشریحاً وتفصیلاً ارشاد فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔ فقط

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کہ مہر وترکہ سے زائد اور دونوں مہروں کی مقدار مساوی ہے اگر زید پر کوئی اور دین نہ ہو تو کل متروکہ زید دو سو اسّی ۲۸۰ سہم ہو کر حسب شرائط فرائض یوں تقسیم ہو:

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/۱۴۱

مسئلہ ۲۸۰ (دوسو اسّی) زید			
زوجۂ ثانیہ	برادر ہندہ زوجۂ اولیٰ	پسر زندہ ہندہ	دختر ہندہ
زبیدہ	عمرو	بکر	لیلیٰ
۱۸۰	۳۷	۴۲	۲۱

اور اگر زید پر اور دین بھی ہو تو دین مہر زبیدہ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰، اور دین مہر ہندہ تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی (۱۳۸۸۸) روپیہ چودہ آنے ۲۔۳/ ۲ پائی، اور دین جو کچھ ہو ان سب پر متروکہ زید کو حصہ رسد تقسیم کریں پھر جو حصہ مہر ہندہ ہو وارثان ہندہ پر اسی طرح سو حصے ہو کر بٹے، ۳۷ برادر اور ۴۲ پسر ۲۱ دختر کو۔ اور بہر حال پسران زبیدہ کہ وارثان ہندہ نہیں اور زبیدہ خود زندہ ہے کچھ نہ پائیں گے۔ یہ مسئلہ وہاں اکثر علمائے زماں کی سمجھ میں سہل آنے کا نہیں اگرچہ ہمارے یہاں سے طریقہ مسلوکہ واضح ہے۔ ذرا غور کو کام فرمائیں جلدی نہ کریں۔ حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: من استعجل اخطأ[1] جو جلدی کرتا ہے خطاء میں پڑتا ہے، والعیاذ باللہ۔ اور اب بھی سمجھ میں نہ آئے تو فتاوائے فقیر میں اس کا ایضاح ہے اس کی طرف رجوع لائیں وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ جب ہندہ نے انتقال کیا اس کے وارث شوہر زید اور ماں سلمٰی اور وپسر بکر وخالد اور ایک دختر لیلٰی ہوئے، ربع کہ حق زید تھا اوپر سے ساقط ہو گیا تو بقیہ کی تقسیم یوں رہی:

بقیہ ۴۵ ہندہ			
ام	ابن	ابن	بنت
لیلیٰ	بکر	خالد	لیلیٰ
۱۰	۱۴	۱۴	۷

پھر خالد کا انتقال ہوا اس کا سدس اُم الام نے پایا اور باقی زید نے تو سہم خالد کے پانچ سدس زید پر سے اور ساقط ہو گئے، ۱۴ کو ۶ سے توافق بثلث تھا لہذا بقیہ کا مسئلہ یوں ہوا:

---

[1] نوادر الاصول الاصل التاسع والثمانون والمائتان فی تمثیل الحرص الخ دار صادر بیروت ص ۲۲۳، الجامع الصغیر حدیث ۸۴۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۵۱۲

بقیۃ ۱۳۵ ہندہ

سلمٰی	بکر	خالد	لیلٰی
۳۰	۴۲	۴۲	۲۱

خالد کے ۴۲ سے ۳۵ بحق زید ساقط ہوئے اور سات سلمٰی کو گئے جو اس کی موت پر اس کے بیٹے عمرو کو ملے اور حاصل یہ ہوا:

مسئلہ ہندہ

عمرو	بکر	لیلٰی
۳۷	۴۲	۲۱

تو مسئلہ ہندہ کہ ۱۸۰ سے ہو تو ۱۰۰ سے رہ گیا ۱۸۰/۸۰ یعنی چار تسع بحق زید ساقط ہوئے تو پچیس ہزار سے تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی دو آنے ۲۔۳/۲ پائی کا مطالبہ رہا۔ قنیہ میں ہے:

قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتین واخ لاب وام ولامال لہا سوی مہر علی زوجہا مائۃ دینار ثم مات الزوج ولم یترك الاخمسین دینارا فقلت یقسم بین الابنتین والاخ اتساعا بقدر سہامہم لانہ ذکر فی کتاب العین والدین اذاکان علی بعض الورثۃ دین من جنس عین الترکۃ یحسب ماعلیہ من الدین کانہ عین ویترك حصتہ علیہ وتترك العین لانصباء غیرہ من الورثۃ فحسبنا علی الزوج من المہر خمسۃ وعشرین دینارا کانہ عین	ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر فوت ہو گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا خاوند صرف پچاس دینار چھوڑ کر مر گیا۔ تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین

وبقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین والاخ فتکون بینهم علٰی سهامهم من اصل المسئلة وقد افتی به کثیر من مفتی زماننا انه یقسم الخمسون بینهم اثلاثا وانه غلط فاحش[1] اھ **اقول:** معنی حسبان ماعلیه عینا وترك حصته علیه ان یجعل کانه وجد هذا بسهمه فیضرج من البین علی رسم التخارج فتصحح المسئلة معه ثم یسقط سهمه و یقسم الباقی علی الباقی بقدر سهامهم من اصل التصحیح لاان یجعل کأن لم یکن وتصحح المسئلة بدونه کما فعل اولئك وکما غلط مثله بعض الکبراء فی مسئلة التخارج کما ذکره فی الدر المختار وبه ظهر ان ماسقط منه لایورث عنه لان الساقط غیر مملوك و لامتروك فلاموروث الا تری ان لو ورث الربع من الزوج لکانت المسئلة

ہے۔ مقروض وارث کا حصہ اس قرض پر چھوڑ دیا جائے گا اور عین دیگر وارثوں کے حصوں کے لئے چھوڑ دیا جائے گا چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کرلئے گویا کہ وہ عین ہیں اور بیٹیوں اور بھائی کے حصے کے لئے پچاس دینار باقی بچے تو وہ اصل مسئلہ میں سے ان کے حصوں کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بنا کر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) وارث پر جو قرض ہے اس کو عین شمار کرنے اور مقروض وارث کے حصہ کو اس پر چھوڑنے کا معنٰی یہ ہے کہ اس وارث کے بارے میں یہ فرض کیا جائے گا گویا کہ وہ اپنا حصہ لے کر تخارج کے طریقہ پر درمیان سے نکل گیا۔ لہٰذا مسئلہ کی تصحیح اس وارث سمیت کی جائے گی پھر اس کے حصہ کو تصحیح میں سے ساقط کیا جائے گا اور باقی کو باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا ان حصوں کے مطابق جو ان کو اصل تصحیح میں سے ملے ہیں یوں نہیں ہے کہ اس وارث کو کالعدم قرار دے کر اس کے بغیر مسئلہ کی تصحیح کی جائے جیسا کہ ان مفتیوں نے کیا اور جیسا کہ بعض اکابر نے مسئلہ تخارج میں ایسی ہی غلطی کی ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ ساقط ہو جائے اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا کیونکہ ساقط نہ تو مملوک ہے اور نہ ہی متروک (ترکہ میت) ہے لہٰذا اس کو میراث نہیں بنایا جائے گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر (صورت مذکورہ میں) خاوند کو چوتھے حصے کا وارث بنایا جاتا

[1] القنیة المنیة لتتمیم الغنیة کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

من ۲۴ لکل بنت ۱۱ وللاخ ۲ ولیس ھٰکذا بل ھو من ۹ لکل بنت ۴ وللاخ واحد فھذا ھو الفقہ فی المسئلۃ و باللہ التوفیق، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو مسئلہ ۲۴ سے بنتا گیارہ گیارہ ہر بیٹی کو اور دو بھائی ملتے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسئلہ نو سے بنا کر چار چار ہر بیٹی کو اور ایک حصہ بھائی کو دیں گے۔ چنانچہ مسئلہ میں یہی فقہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۸، ۱۴۷: از قصبہ بہار ضلع بھنڈ ریاست گوالیار مرسلہ قاضی یعقوب علی ۷ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال اوّل: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم امّا بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین کہ

ترکہ سسر میں بموجودگی دیگر ورثاء بلاواسطہ براہ مستقیم داماد کا کیا حق ہے یا نہیں ہے؟ بیّنوا توجروا۔

امید کہ جواب سے بغور ملاحظہ بصیغہ بیرنگ مشرف فرمائے۔ والسلام

الجواب:

داماد یا خسر ہونا اصلاً کوئی حق وراثت ثابت نہیں کرسکتا خواہ دیگر ورثاء موجود ہوں یا نہ ہوں ہاں اگر اور رشتہ ہے تو اس کے ذریعہ سے وراثت ممکن ہے مثلاً داماد بھتیجا ہے خسر چچا ہے تو اس وجہ سے باہم وراثت ممکن ہے ایک شخص مرے اور دو وارث چھوڑے ایک دختر اور ایک بھتیجا کہ وہی اس کا داماد ہے تو داماد بوجہ برادرزادگی نصف مال پائے گا اور اگر اجنبی ہے تو کل مال دختر کو ملے گا داماد کا کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال دوم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

متبنّٰی کرنا اور وارث بنانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

متبنّٰی کرنا اسلام میں کچھ اصل نہیں رکھتا نہ وہ وارث ہوسکے۔

قال اللہ تعالٰی "اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم

فِی الدِّیۡنِ وَ مَوَالِیۡکُمۡ "[1]۔	نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔ (ت)

وارث بنانے کی دو صورتیں ہیں، **ایک** حقیقۃً، وہ یہ کہ مثلاً کوئی نو مسلم عاقل بالغ جس کا کوئی وارث نسبی نہیں اپنے مسلمان کرنے والے خواہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ تو میرا مولٰی ہے میں مرجاؤں تو تو میرا وارث ہو اور میں جرم کروں تو تو میری طرف سے جرمانہ دے اور وہ قبول کرلے تو یہ قبول کرنے والا اس کا شرعاً وارث ہوجاتا ہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو یہ اس کا ترکہ پاتا ہے۔

دوم حکماً وہ یہ کہ زید کسی کی نسبت اپنے ایسے رشتہ کا اقرار کرے جس سے وہ اس مقر کے کسی عزیز کی اولاد قرار پاتا ہو خود اپنی اولاد نہ بتائے مثلاً کہے میرا بھائی ہے یا بھتیجا ہے یا چچا ہے یا چچا کا بیٹا ہے اور جس سے اس کا نسب قرار دیا ہے اس سے نسب ثابت ہوجائے مثلاً بھائی کہا اور باپ نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، تو وہ حقیقی بھائی ہوگیا اور یہ مقر اپنے اس اقرار سے کبھی پھرے نہیں تو اس صورت میں یہ شخص اس مقر کا ترکہ پائے گا جبکہ اس کا نہ کوئی رشتہ دار ہو نہ پہلی صورت کا حقیقی وارث بنایا ہوا۔ بس یہ دو صورتیں وارث بنانے کی ہیں اور کوئی نہیں۔ والمسائل مصرح بها فی الکتاب (اور ان مسائل کی کتاب میں تصریح کردی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۹ تا ۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسماۃ عائشہ بیگم بنت نامدار خاں (زوجہ غلام احمد خاں ساکن بریلی محلّہ قلعہ) نے بسبب لاولد ہونے کے اپنے حقیقی بھائی وزیر خاں ولد نامدار خاں ساکن بدایون کے بیٹے مولوی یعقوب علی خاں کو بحالت شیر خواری بطور اپنے بیٹے کے پرورش کرکے تعلیم و تربیت میں کماحقہ کوشش کی اور شادی بیاہ وغیرہ کے تمام رسومات مثل اولاد خود انجام دیئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کے زوجہ اولٰی سے علی مظفر خاں پیدا ہوئے، علی مظفر خاں کی ماں کا انتقال ہوگیا جبکہ مولوی یعقوب علی خاں نے دوسری شادی کا قصد کیا تو ان کی پھوپھی مسماۃ عائشہ بیگم نے بنظر دور اندیشی اپنی نصف جائداد بنام مولوی یعقوب علی خاں (بلفظ مولوی یعقوب علی خاں خلف غلام احمد خاں) اور نصف جائداد بنام علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں منتقل کردی بموجب اس کے سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہو کر اس جائداد پر قبضہ مالکانہ مولوی یعقوب علی خاں اور

---
[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کا ہوگیا، مولوی یعقوب علی خاں پسر محمد وزیر خاں اپنے پھوپھا نواب غلام احمد خاں کو بطور اپنے باپ کے مانتے تھے اور اپنے نام کو مولوی یعقوب علی خاں خلف نواب غلام احمد خاں جیسا کہ ان کی پھوپھی نے کہلایا تھا تحریر کرتے تھے مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد ان کی دو بیویاں مسماۃ الطاف بیگم اور مسماۃ نادر النساء اور ایک لڑکا علی مظفر خاں باقی تھے۔ علی مظفر خاں اپنی اور اپنے باپ مولوی یعقوب علی خاں کی تمام جائداد کے مالک و قابض ہوگئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کی ایک بیوی مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا دوسری بیوی مسماۃ نادر النساء موجود ہے۔ علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، علی مظفر خاں نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی مسماۃ حسینی بیگم کا دین مہر ادا کر دیا۔ اب علی مظفر خاں کا انتقال ہوگیا مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں کی موجود ہے۔ مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں نے بحق زوجیت اور نواب عبدالقادر خاں نے بدعوی اس کے کہ نواب غلام احمد خاں میرے دادا کے بھائی تھے جائداد متروکہ علی مظفر خاں کو نصف نصف کرکے آپس میں تقسیم کرلیا اور اپنے اپنے حصوں پر قابض ہوگئے۔

سوال اول: اس صورت میں مولوی یعقوب علی خاں پسر وزیر خاں متصور ہوں گے یا نواب غلام احمد خاں کے اور (الف) لفظ خلف سے کیا مراد ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان صحیح ہے تو مولوی یعقوب علی خاں صاحب وزیر خاں کے پسر ہیں نواب غلام احمد خاں سے کوئی تعلق نہیں، متبنّٰی بنانے کا مسئلہ ہنود کے یہاں ہے شریعت مطہرہ نے اسے باطل فرمادیا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْؕ "[1]۔ وقال اللہ تعالٰی "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمہارے مردوں

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ "[1] وقال تعالٰی "لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ "[2]	میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیویوں میں۔ (ت)

خلف بمعنی جانشین ہے، اور بیٹے کو بھی کہتے ہیں جبکہ اپنے باپ کے بعد رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال دوم: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا باپ کہے تو وہی شخص اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:

ہرگز نہیں مگر اس صورت میں کہ یہ شخص مجہول النسب ہو اور بلحاظ عمر اس کا بیٹا ہوسکتا ہو اور اسے اپنا باپ بتائے اور وہ قبول کرے کہ واقعی یہ میرے نطفہ سے ہے تو وہ اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال سوم: متروکہ علی مظفر خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں کے سمجھے جائیں گے یا خاندان نواب غلام احمد خاں ساکن بریلی کے؟

الجواب:

جب کہ علی مظفر خاں لاولد تھے اور کوئی بھائی بھتیجا بھی نہ تھا تو ان کے وارث وزیر خاں کے بیٹے پوتے ہوں گے نہ کہ خاندان نواب غلام احمد خاں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور رشتے والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

حدیث میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فرائض اہل فرائض کو دو، جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

سوال چہارم: اگر علی مظفر علی خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں سے متصور ہوں تو جائداد متروکہ علی مظفر خاں حسب تفصیل مندرجہ شجرہ آپس میں کس طرح تقسیم ہوگی؟ امید کہ جواب باصواب بآیات قرآن وحدیث مرفوعہ موافق مذہب حنفیّہ مع عبارات وحوالہ کتاب صحیح صحیح طور پر صاف صاف لفظوں میں بمصداق آیہ کریمہ:

"وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾"[2]	اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔ (ت)

مرحمت فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل نے نہ لکھا کہ علی مظفر خاں کے بعد ان کے پانچوں چچوں میں کوئی زندہ تھا یا نہیں۔ علی مظفر خاں کے ترکہ سے حسب شرائط فرائض چہارم حسینی بیگم کا ہے باقی حسین علی خاں کا ہے اگر وہ زندہ رہا ہو تو سوتیلے چاروں چچوں میں ایک یا زائد جتنے علی مظفر خاں کے بعد زندہ رہے ہوں وہ باقی ان سب کا بحصہ مساوی ہے اور اگر کوئی زندہ نہ تھا تو باقی ان دسوں چچازاد بھائیوں کا ہے ولایتی بیگم واولاد افراد بیگم کا بہرحال کچھ نہیں۔ اسی طرح باقی آٹھوں دختران اعمام علاتی کچھ نہ پائیں گی۔ یہ سب جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل نے پوری صحیح بات لکھی ہو، حق نہ چھپایا ہو، نہ سچ میں جھوٹ ملایا ہو، ورنہ وبال اس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(شجرہ اگلے صفحہ پر)

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/ ۳۴ و جامع الترمذی کتاب الفرائض ۲/ ۳۱ مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۴۲

جناب مولوی یعقوب علی خاں کی تین بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے علی مظفر خاں تھے، علی مظفر خاں کی ماں کاانتقال ہوگیا، اس لئے مولوی صاحب موصوف نے دوسری شادی بمقام چھاؤنی اشرف خاں بانکے میں مسماۃ الطاف بیگم بنت زور باز خاں کے ساتھ کی، ان سے اولاد نہیں ہوئی اس لئے تیسری شادی مولوی یعقوب علی خاں نے شہر بریلی میں مسماۃ نادرالنساء کے ساتھ کی ان سے اولاد ہوئی مگر زندہ نہ رہی۔ مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا۔ تیسری بیوی مسماۃ نادرالنساء ہنوز موجود ہے۔

مسئلہ ۱۵۳: ۱۸شعبان ۱۳۳۲ھ

ہندہ نے انتقال کیا اور ایک زوج (جو کہ متوفیہ کاابن الخال بھی ہے)، ایک بنت العمہ اور ایک بنت الخال کو چھوڑا، اس صورت مسئولہ میں ترکہ متوفیہ کاازروئے فقہ احناف کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مذکورہ میں ترکہ ہندہ حسب شرائط فرائض اٹھارہ[۱۸] سہام ہو کر گیارہ[۱۱] سہم زوجہ کو **تسعۃ للزوجیۃ واثنان للرحم** (نو[۹] بیوی ہونے کی وجہ سے اور دوذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے۔ت) اور ایک[۱] بنت الخال اور چھ[۶] بنت العمہ کو ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴: ازانولہ گھیرانوخاں مرسلہ حاجی اللہ بخش صاحب ۸ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے انتقال کیا اور اس قدر وارث چھوڑے: شوہر، ماں، دو[۲] بہنیں، ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ اور جو مال کہ ہندہ کے پاس تھا اس میں بعض مال تو ایسا تھا کہ اس کو جہیز میں ملا تھا اور بعض مال اس کو بوقت شادی شوہر کی جانب سے بطور چھڑاوے کے ملا تھا اور بعض مال بعد شادی کے شوہر نے اس کو پہنادیا تھا اور بعض مال انتظام خانگی سے پس انداز کرکے اس نے جمع کیا تھا اب ان اموال مذکورہ سے کون سامال ہندہ کی ملکیت میں شرعاً متحقق ہے اور کون سا ہندہ کی ملکیت سے خارج ہے اور درصورت ہندہ کے مابلکہ نہ ہونے کے اس مال کا کون مالک ہے اور ہندہ کی قوم میں رواج ایسا بھی ہے کہ بعد انتقال کے لڑکی والے جہیز اپنا دیا ہوا جو کہ اس وقت موجود ہوتا ہے واپس کرلیتے ہیں اور لڑکے والے اپنا چڑھاوا موجود لے لیتے ہیں بعد معافی دین مہر کے، اور دَین مہر شوہر پر اگر باقی ہے وہ کس کو ملنا چاہئے، اور جس مال کی ہندہ شرعاً مابلکہ ہے اس کی تقسیم وارثوں مذکورہ بالا پر کتنے سہام کے منقسم ہونا چاہئے اور نابالغوں کا

ورثہ باپ کے پاس رہنا چاہئے یا نانی کے پاس اولٰی مستحق کون ہے اور بچوں کی پرورش وخدمت کا حق کس کے ذمہ ہے اور میت کی قضا نمازوں اور روزوں کا کفارہ کس کے ذمہ ہونا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جہیز میں عام عرف یہ ہے کہ عورت اس کی مالک ہوتی ہے۔ ردالمحتار باب النفقہ میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة وانه اذا طلقها تاخذه كله واذا ماتت يورث عنها[1]۔	ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے، جب خاوند اس کو طلاق دے دے تو سارا جہیز لے لیتی ہے اور جب وہ مرجائے تو بطور میراث (عورت کے وارثوں میں) تقسیم کیا جاتا ہے۔ (ت)

ہندہ کی قوم میں بھی اگر یہی عرف ہے اور بعد موت جہیز موجود کا واپس لینا اس گمان پر ہے کہ لڑکی کو تاحین حیات اس کا مالک کرتے ہیں بعد موت جو باقی رہا اپنی ملک سمجھ کر واپس لیتے ہیں تو یہ سخت غلطی ہے جو چیز تاحین حیات کسی کی ملک کرکے اس کے قبضہ میں دے دی گئی وہ اس کا مالک مستقل ہوجاتا ہے بعد موت اس کا واپس لینا ممکن وحرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العمری میراث لاھلھا۔ رواہ مسلم[2] عن جابر۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کی میراث ہے جس کو وہ دیا گیا ہے۔ اس کو امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ (ت)

دوسری روایت میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

العمری لمن وھبت لہ۔ رواہ عن جابر وابوداؤد[3] و النسائی۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کے لئے ہے جس کو ہبہ کیا گیا۔ اس کو امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نیز ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] صحیح مسلم کتاب الھبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸

[3] صحیح مسلم کتاب الھبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸، سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب العمرٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۴۴

درمختار میں ہے:

جاز العمرٰی للمعمر لہ ولورثتہ بعدہ لبطلان الشرط[1]۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) جائز ہے اس کے لئے جس کے لئے ہبہ کیا گیا اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لئے، کیونکہ اس میں شرط باطل ہے۔(ت)

ہاں اگر قوم ہندہ میں یہ رواج ہے کہ جہیز عاریۃً دیا جاتا ہے عورت کو اس کا مالک نہیں سمجھا جاتا تو بیشک وہ مِلک ہندہ نہ ہوگا اور جس نے دیا تھا اس کو واپس ملے گا،

فان العاریۃ مودّاۃ وعلی الید ما اخذت حتی تردّھا[2]۔	عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی اور ہاتھ کے ذمے ہے جو اس نے لیا یہاں تک کہ اس کو لوٹادے۔(ت)

یوں ہی چڑھاوے میں اگر اس قوم کا عرف دلہن کو مالک کردینا ہے اگرچہ تاحین حیات تو چڑھاوا بھی ہندہ کی ملک ہے ورنہ جس نے چڑھایا تھا اس کا ہے فان العادۃ محکمۃ (کیونکہ عادت مستحکم ہے۔ت) بعد شادی جو زیور شوہر نے پہنایا وہ شوہر کی ملک ہے مگر یہ کہ صراحۃً یا عرفاً ہندہ کو مالک کردینا مفہوم ہوا ہو۔

فی احکام الصغار والھندیۃ عن الملتقط وفی ردالمحتار عن العلامۃ بیری عن خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک[3]۔	احکام الصغار اور ہندیہ میں ملتقط سے اور ردالمحتار میں علامہ بیری سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب کسی نے اپنے بیٹے کو کچھ مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کردیا تو وہ باپ کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ وہاں کوئی تملیک پر دلالت کرنے والی دلیل پائی جائے۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ موداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

[3] احکام الصغار مسائل الھبۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۷۴، الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲، ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

جومال ہندہ نے خرچ خانگی سے پس انداز کرکے جمع کیا اس کی دو۲ صورتیں ہیں اگر شوہر انتظامات خانگی کے لئے اسے روپیہ دیتا ہے جس سے سارے گھر کاخوردونوش ہوتا ہے جس میں خود شوہر بھی داخل، اس میں نوکروں کی تنخواہیں وغیرہ بھی شامل۔ جیسا کہ غالب رواج یہی ہے جب تو اس مال کامالک شوہر ہے اور عورتیں جو اس میں سے خفیہ بچاکر جمع کرلیتی ہیں یہ جائز نہیں، اور اگر شوہر نے نفقہ زن میں کوئی مقدار مثلاً دس۱۰ بیس۲۰ یاسو۱۰۰ دوسو۲۰۰ روپے ماہوار مقرر کردی ہے کہ وہ خاص عورت کو دی جاتی ہے اس میں سے عورت نے پس انداز کیاتو وہ عورت کی ملک ہے۔ درمختار میں ہے:

وقالوا مابقی من النفقۃ لہا فیقضی باخرٰی[1]۔	مشائخ نے کہاجو نفقہ سے بچ جائے وہ عورت کی ملکیت ہے اور قاضی مزید نفقہ اس کو دلائے گا۔(ت)

طحاوی میں ہے:

ویتفرع علیہ مالوقررلہا کل یوم مثلا قدرامعینا من الفضۃ فامرتہ بانفاق البعض وارادت ان تمسك الباقی فمقتضی التملیك ان لہا ذٰلك وقدمناہ[2]۔	اسی پر متفرع ہے کہ اگر عورت کے لئے یومیہ چاندی کی ایک خاص مقدار معین کی گئی عورت نے اس میں سے بعض کو خرچ کرنے کاکہا اور ارادہ کیا کہ باقی کو روک رکھے توتملیک کا تقاضایہ ہے کہ وہ ایسا کرسکتی ہے اور ہم اس کو پہلے ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

پس ان سب باتوں سے حسب تفصیل بالاجومال کی ملک ہندہ سمجھاجائے مع مہر ہندہ حسب شرائط فرائض سب کے چھتیس۳۶ سہام ہو کرنو۹ سہم شوہر اور چھ۶ سہم مادر اور چودہ۱۴ پسر اور سات دختر کو ملیں گے، بہنوں کا کچھ نہیں، نابالغوں کاحصہ ان کے باپ کے قبضہ میں رہے گا، نانی سے کچھ تعلق نہیں، لڑکا سات برس اور لڑکی نوبرس کی عمر تک نانی کے پاس رہیں گے پھر باپ لے لے گا۔ نمازروزوں کے کفارہ کی اگرہندہ نے وصیت کی ہے تو وہ قبل تقسیم ترکہ بعد ادائے

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقہ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲/ ۲۶۰

دین اگر ذمہ ہندہ تھا تہائی مال تک وجوبًا جاری کی جائے گی اور اگر وصیت نہ کی تو وہ کسی وارث پر واجب نہیں جو اپنی طرف سے کرے گا ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۵: مسئولہ محمد حسین ازجودھ پور ملک مارواڑہ امام مسجد محلّہ نائکان متصل جونی بال زیر قلعہ بروز چہار شنبہ بتاریخ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔ ازراہ عنایت مندرجہ ذیل کے استفتاء کا جواب مدلل تحریر فرماکر مشکور کریں۔ چونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے لہذا بہت ممنون فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ کو اپنی زندگی میں کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ ہبہ کرکے اس کا قبضہ کردیا جواب تک قابض ہے کیونکہ سوائے ہندہ کے اور کوئی اولاد زید کے نہیں ہے، زید کا انتقال ہوئے قریبًا آٹھ دس برس کا عرصہ گزرچکا ہے، اب زید کے ایک چچا اور چچیرے بھائیوں نے اس کی اور دختر ہندہ پر مکان سکنی کے بابت عدالت میں دعوی کیا ہے اور محض اپنے فائدے کے واسطے خلاف واقعہ اپنے بیان میں یہ لکھایا ہے کہ یہ خاندان ہندو دھرم شاستری ہے اسی حق بازگشت کا پابند ہے، جو مسلمان اپنے فائدہ کی غرض سے شرع شریف کے احکامات سے انحراف کرکے ہندو شاستر کا پابند بنے تو اس کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ مع حوالہ کتب کے جواب دیں۔

الجواب:

اپنے دنیوی فائدے مال حرام خلاف شرع ملنے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکام قرآن مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا معاذ اللہ اپنے کفر کا اقرار کرنا ہے اور اپنے سارے خاندان کی طرف اسے نسبت کرنا سارے خاندان کو کافر بنانا ہے، ایسے لوگوں کو تجدید اسلام کا حکم ہے، پھر اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾" [1]، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

مسئلہ ۱۵۶: بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۲ محرم ۱۳۳۴ھ

کیاحکم ہے شرع متین کا اس مسئلہ میں، زید نے انتقال کیا، ایک زوجہ، ایک دادی حقیقی کا بھائی، ایک والد کی سوتیلی ہمشیرہ کا لڑکا یعنی حقیقی دادا کا حقیقی نواسہ اور دو والد کے پھوپھیرے بھائی یعنی دادا کی بہن کے لڑکے۔ ترکہ زید کا اس صورت میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ مذکورین کے سوا کوئی غیر وارث نہیں ہے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ ترکہ چار حصے ہوگا ایک حصہ زوجہ اور تین زید کی سوتیلی پھوپھی کے پسر کو ملیں گے، باپ کا ماموں اور باپ کے پھوپھی زاد بھائی اس کے آگے محجوب ہیں کہ وہ خود زید کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تو پدر زید کے ماموں، پھوپھی اور ان کی اولاد پر مقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم جزء جدیه او جدتیه وھم الاخوال والخالات ثم عمّات الاباء والامھات واخوالھم وخالاتھم واولاد ھٰؤلاء [1]۔ (ملتقطًا)	پھر میت کے دونوں دادوں (دادا اور نانا) کی جزء یا اس کی دونوں دادیوں (دادی اور نانی) کی جزء جو کہ ماموں اور خالائیں ہیں۔ پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں اور ان کی اولادیں ہیں بالالتقاط (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله انه اذالم یوجد عمومة المیت وخؤولته و اولادھم انتقل حکمھم المذکور الی ھٰؤلاء ثم اولادھم [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میت کے چچے، ماموں اور ان کی اولادیں موجود نہ ہوں تو مذکورہ بالا حکم ان لوگوں (میّت کے آباء وامّہات کی پھوپیوں، ماموؤں اور خالاؤں) کی طرف پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴۔۳۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۸

مسئلہ ۱۵۷، ۱۵۸: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ بروز پنجشنبہ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ جلیسن بی بی و صحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال ۱: جناب والد صاحب مرحوم نے (یعنی شیخ امیر حسن صاحب مرحوم نے) جو مال و متاع منقولہ یا غیر منقولہ چھوڑ کر قضا کر گئے ان میں حصہ نثار حسین کا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا ہمارے بھائیوں کو شرعًا جائز ہے کہ ہم بہنوں کا حصہ شرعی ہضم کرکے نثار حسین کو مساوی یا اپنے سے کم و بیش حصہ دے دیں کاش وہ لوگ غلطی سے اگر ایسی کارروائی کر گزرے ہوں تو کیا یہ غلط تقسیم خلاف شرع اور قابل استرداد نہیں ہے؟ اور کیا اس غلط کارروائی سے شرعًا ہم لوگوں کا شرعی حصہ سوخت ہوسکتا ہے؟

الجواب:

باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق بنص قرآن قطعی قرآن ہے جسے کوئی رد نہیں کرسکتا، بیٹوں نے اگر بیٹیوں کو حصہ نہ دیا کل آپ نے لے لیا یا بعض کسی غیر وارث کو دے دیا تو یہ ضرور ظلم ہے اور وہ تقسیم واجب الرد۔ نثار حسین اس مسئلہ میں محجوب الارث ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال ۲: شیخ امیر بخش مرحوم نے جس وقت اپنے فرزند اصغر حسین کو جدا کیا تجارتی مال میں پانچواں حصہ دیا، اس عملی کارروائی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب مرحوم کو اپنے فرزند زادہ یعنی نثار حسین کو باوجود محجوب ہونے کے حصہ دینا منظور تھا ورنہ اصغر حسین کو پانچواں حصہ نہ دیتے بلکہ چوتھائی حصہ دیتے کیونکہ لڑکے چار ہی موجود تھے و نیز بعد وفات امیر بخش صاحب کے جب نثار حسین کے چچا لوگوں نے ترکہ تقسیم کیا تو نثار حسین کا بھی ایک حصہ اپنے برابر دے دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ امیر بخش مرحوم کے ارادہ کو ان کے لڑکوں نے باوجود خود مختار ہونے کے قبول اور منظور کرلیا۔ اس صورت میں جو حصہ نثار حسین کے قبضہ میں آگیا وہ اس کے شرعًا مالک ہوگئے یا نہیں؟

الجواب:

وراثت میں نہ نیت وارادہ مورث کو دخل ہے نہ بعض ورثہ کے عمل کو، **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ**[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے۔ ت) بہنوں کے

---

[1] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ المؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

حصہ کا نثار حسین بے ان کی اجازت کے کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا، اور بھائیوں کے حصہ کی تفصیل وہ ہے جو ابھی گزری۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹: از ضلع کانپور ڈاکخانہ موسٰی نگر موضع چاندپور مسئولہ عبدالحق کاشت کار موروثی بتاریخ ۷اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ
بعد مرجانے عورت کے مہر کا روپیہ کس کو دینا چاہئے کس کا حق ہوتا ہے اور اگر حق تحریر کیا جائے تو افضل کون شخص ہوتا ہے جس کو مہر ادا کیا جائے؟

الجواب:

مہر میراث ہے اور میراث میں افضل وغیر افضل نہیں دیکھے جاتے جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے الارث جبری لایسقط بالاسقاط (میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) لہٰذا ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰تا۱۶۲: مرزا بیگ مسئولہ محمد محی الدین موضع چاندیانہ ضلع بلند شہر روز یک شنبہ بتاریخ ۲۵صفر المظفر ۱۳۳۴ھ
ایک مسلمان بدمذہب حنفی قتل ہوا اور قاتل ایک مرد اور دوسری اس کی زوجہ قرار دیئے، مرد کے ذمہ قتل کرنا اور عورت کے ذمہ قتل کرانے کا الزام عائد ہو کر قاتل کو حکم موت اور عورت کو بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی، چونکہ عورت حاملہ متروکہ مقتول پر شمول پسران متوفی کے زوج کے نام بھی حصہ شرعی درج کاغذات ہوا، کیافرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زوج مقتول کو محض شبہہ میں بلاشہادت عینی کے عدالت سے سزا ہوئی تو کیا ترکہ مقتول میں حصہ شرعی ومہریابی کے مستحق ہے یا نہیں؟
دوم: قتل کے واسطے شہادت چشم دید یا شبہہ کے حالات میں شرعًا گواہی واجب ہے کیا؟
سوم: بعد مقتول جو لڑکا زوجہ کے پیدا ہوا وہ بھی مستحق ترکہ مقتول سے حصہ یابی کا ہے یا نہیں فقط؟

الجواب:

بچہ اگر موت پدر سے دو برس کے اندر پیدا ہوا وارث ہوگا، یہ تو پانچ ہی مہینے کے اندر

پیدا ہوا ضرور وارث ہے، اور عورت اگر قتل بھی کرتی مہر نہ ساقط ہوتا لانہ دین واجب لایسقط بالقتل (کیونکہ وہ دین واجب ہے جو قتل کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ت) ہاں اگر خود قتل کرتی تو میراث نہ پاتی۔ رہا اس کے ثبوت گویا عورت کا اقرار ہونا یا دوسرے ثقہ عادل کی شہادت معائنہ بغیر اس کے ثبوت قتل نہ ہوتا یہاں تو اسے سزا بھی قتل کرنے کے جرم میں نہ ہوتی بلکہ قتل کرانے کے، اگر واقع میں اس نے قتل کرایا بھی ہو تو قتل کرنا میراث سے محروم کرتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

التسبب الی القتل لایحرم المیراث۔[1]	قتل کا سبب بننا میراث سے محروم نہیں کرتا۔ (ت)

بہر حال بچہ بھی وارث ہے اور عورت بھی مہر پائے گی اور بعد مہر و دیگر دیون ترکہ سے آٹھواں حصہ میراث بھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: مسئولہ عبداللہ از بریلی محلّہ گلاب نگر ۱۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز سہ شنبہ

کیا حکم فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اسلام ادام اللہ برکاتہم مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ زبیدہ مطلقہ نے اپنا عقد ثالث ساتھ مسمّٰی عبداللہ کے بمہر شرعی جس کی تعداد چار سو درھم چاندی وقت عقد وکیل نے قائم کردی تھی کیا۔ مسمّٰی عبداللہ مبلغ پانچسو روپیہ کا پہلے سے قرضدار تھا جب مسماۃ زبیدہ کو حال مقروضی شوہر معلوم ہوا تو اپنا مہر بخشنے پر از خود آمادہ ہوئی شوہر نے آئندہ وقت پر ملتوی رکھا، مسماۃ ساڑھے تین ماہ عبداللہ کے گھر زندہ رہی جب بیمار ہوئی عبداللہ کو روپیہ قرض لے کر علاج کرانے سے منع کرتی تھی، علاج ہوا مگر مر گئی، متوفیہ کے وارث ایک شوہر ایک بیٹی جوان جو دوسرے شوہر سے پیدا تھی اور ایک بہن دو حقیقی بھائی ہیں۔ قبل وفات اپنے شوہر سے چھ روزہ کا کفارہ دے دینے کو کہا اور باوجود دریافت اپنے مہر کی بابت کچھ وصیت نہ کی اور اپنی بیٹی اپنی بہن کے سپرد کی اس کا باپ اسی شہر میں موجود تھا وقت وفات اس کے ایک بہن ایک بیوی موجود تھی بعد وفات انہوں نے کہا کہ گور و کفن فاتحہ خیرات اچھی طرح ہونا چاہئے، عبداللہ نے کہا کہ میں مقروض ہوں مگر مہر اس کا میرے ذمہ ضرور چاہئے مقدار مہر تم چاہو تو میں روپیہ قرض لے کر گور و کفن اور فاتحہ خیرات حسب مرضی تمہاری کردوں تو انہوں نے رضامندی اپنی ظاہر کی تو عبداللہ نے روپیہ قرض لے کر گور و کفن و کفارہ و خیرات بروز دفن (۱۰/عہ) اور فاتحہ سوم میں (۸/ہہ) اور

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس فی الموانع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۴

فاتحہ چہلم میں (۲/عہ) اور سہ ماہی اور شش ماہی میں (۰۱۵/لعہ) صرف کرکے کھانا پکا کر قبروں پر، یتیموں اور مساکین کو دیا گیا اور دو جوڑے پارچہ جدید تیار کرکے دیئے گئے جملہ (۰۱۱/صہ لعہ) فاتحہ وخیرات میں بہ نیت ادائے دین مہر صرف کیا (۰۱۲عہ) منجملہ ایک سو بارہ روپے آٹھ آنہ دین مہر باقی ہیں اور متوفیہ نے قبل وفات یہ کہا تھا کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا چنانچہ (۱۱صہ للعہ) کا پارچہ پوشیدنی جو وقت ولیمہ نکاح متوفیہ کی قرض لے کر بنایا تھا اور کچھ پارچہ اور جو اس کو دیا تھا جملہ (ال ہہ صہ) بمنشائے متوفیہ اس کی بیٹی کو دے دیا اور دیگر پارچہ فحاجان کو دیئے گئے متوفیہ کا ترکہ صرف چار سو درھم چاندی جس کے (ماعہ ۳عہ) ہوتے ہیں تھا اور کچھ زیور ونقد نہ تھا۔ فتوٰی یہ طلب ہے کہ مہر کے ترکہ میں ورثاء کا کتنا کتنا حصہ شرعی تھا اور صرفہ گور وکفن وفاتحہ وخیرات میں جو شوہر نے بمرضی بہن وبیٹی متوفیہ قرض لے کر مبلغ (معہ لعہ ۰۱۱) صرف کیا اس قدر ذمہ شوہر سے دین مہر ادا ہوا یا نہیں، اس کے وارثان نے ایک پیسہ فاتحہ خیرات میں صرف نہیں کیا بلکہ اپنا خرچ بھی عبداللہ پر ڈالا تھا فقط۔

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بیٹی اور بہن نے اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ مہر میں سے یہ مصارف کردو، اور ان کی اجازت سے یہ صرف ہوئے تو یہ مصارف شوہر اور بیٹی اور بہن کے حصص مہر پر پڑیں گے بھائی کہ اس اجازت سے الگ ہیں ان کے حصہ پر نہ پڑیں گے اور (لہ صہ) کا کپڑا جو زبیدہ کی دختر کو دیا وہ صرف عبداللہ کے حصہ پر ہیں چار سو درھم چاندی یہاں کے سکہ سے پورے ایک سو بارہ (ماعہ عہ) روپے بھر ہے آٹھ (۸/) اوپر زائد نہیں سائل نے دین مہر حساب میں گور وکفن وخیرات۔ بر قبر وتوشہ کفارہ ۶/روزہ رمضان المبارک میں (عہ ۱۱/) بتایا اس میں سے قبر کی خیرات اور توشہ منہا کیا جائے گا باقی ضروری تھا کہ وارثوں پر تقسیم سے پہلے لازم تھا اس کے بعد جو کچھ بچا اس کے بیس حصہ ہوں گے پانچ شوہر کے، دس [۱۰] دختر کے، دو [۲] دو [۲] ہر بھائی کے، ایک بہن کا، اب جو توشہ وخیرات وسوم وچہلم وغیرہ میں صرف ہوا وہ جب کہ بیٹی اور بہن کی اجازت سے ہوا تو ان کے اور شوہر کے حصوں پر پڑے گا دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ پورا پورا دیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار بروز چہار شنبہ تاریخ ۱۲/رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

مسلمان سنی المذہب ورثہ لیتے وقت بجائے قانون شریعت مطہرہ کے ہندو یعنی مطابق

احکام مذہب ہنود کے جس سے بہت حقوق شرعی باطل ہوتے ہیں ورثہ لے یا دے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

قال اللہ عزوجل: " اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝۶۰ "[1]	(اللہ عزوجل نے فرمایا:) کیا تم انہیں نہیں دیکھتے جن کا زبانی دعوٰی تو یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا پھر فیصلہ چاہتے ہیں کفر کا اور انہیں حکم تو یہ تھا کہ اس سے انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں گمراہ کرکے دور پھینک دے۔

جولوگ شریعت مطہرہ کے خلاف میراث مانگیں یالیں یا بخوشی دیں یا اس میں سعی کریں سب گمراہ ہیں اور عذاب شدید کے سزاوار، اور اگر اسے پسند کریں تو کھلے کفار، بہرحال وہ مال ان کے لئے حرام و قطعہ نار، اور جو مجبور ہو کردے وہ مظلوم و معذور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۵: از کوہ شملہ کفایت حسین یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک پھوپھی کا ترکہ دو بھتیجوں کو برابر ملا جس میں سے ایک بھتیجے نے پھوپھی کی بیماری کا خرچ اور تجہیز و تکفین کا خرچ مع برسی تک کا خرچ اپنے پاس سے کیا قریب ایک سو روپیہ کے اب نصف روپیہ دوسرے بھتیجے کو ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

یہ اس نے اپنی خوشی سے اٹھایا دوسرے بھتیجے پر اس کا نصف یا کوئی جزء دینا لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶: از بمبئی پوسٹ مانڈوی مکان چمنا جی راجو بھائی پان والا نمبر ۲۸۔۱۳۲ ناگدیوی سٹریٹ مرسلہ مانک بھائی باپو بھائی ۱۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص چمنا جی دکھنی مسلمان فوت ہوگیا اس نے ایک عورت ایک لڑکا حسین میاں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

ایک لڑکی لال بائی یہ تین وارث چھوڑے پھر عورت بھی گزر گئی اور کچھ عرصہ کے بعد لڑکا بھی مر گیا حسین میاں مرحوم کے مرنے پر اس کی بی بی شرعی طور پر اپنا حصہ لے کر الگ ہو گئی اس کے ماسوا اور جو حقدار نکلے سب کو ان کے حق کے مطابق ورثہ ملا لال بائی جو چمناجی کی بیٹی تھی وہ بھی اپنا حصہ لے کر الگ ہو گئی پہلے لال بائی کا شوہر مر گیا پھر وہ مر گئی اس نے اپنا وارث ایک لڑکا ابراہیم چھوڑا ابراہیم بھی دو سال بعد مر گیا ابراہیم کے دو بیبیاں ہیں ایک بسم اللہ ایک مریم نیز چمناجی کا سالا ڈھونڈھی بھائی لال بھائی کے مرحوم مرد کا ماموں قاسم حاشہ یا یہ دونوں دعوی کرتے ہوئے مر گئے، اب ان دونوں کے دو لڑکے دعوی کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں کیا حکم شرع ہے آخر وارث ابراہیم ہوا اس نے کوئی اولاد یا بھائی بہن وغیرہ نہ چھوڑا صرف دو[۲] بی بی ہیں لہٰذا کس طرح حق ہوتا ہے اور فی ہزار کیا ہر حقدار کا نکلے گا۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سوال میں رشتے بہت بعید الفاظ مجمل محتمل سے لکھے ہیں ڈھونڈھی بھائی کو چمناجی کا سالا لکھا ممکن کہ وہ لال بائی کا ماموں ہو اور ممکن کہ چمناجی کی کسی اور عورت کا بھائی ہو جسے لال بائی سے کوئی علاقہ نہیں یوں ہی قاسم حاشہ کو لال بی کے شوہر کا ماموں لکھا۔ محتمل کہ وہ ابراہیم کے باپ کا ماموں ہو یا کسی دوسرے شوہر کا مگر سوال میں نہ چمناجی کی کوئی اور عورت لکھی ہے۔ نہ لال بائی کا دوسرا نکاح بتایا جس سے ظاہر یہی ہے کہ ڈھونڈھے بھائی ابراہیم کی ماں کا ماموں ہے اور قاسم حاشہ ابراہیم کے باپ کا ماموں، اگر واقعہ اسی طرح ہے اور ان کے سوا اور کوئی وارث نہیں تو بعد تقدیم حقوق مقدمہ مثل مہر ہر دو زوجہ وغیرہ ابراہیم کا ترکہ آٹھ سہم ہو کر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور چار سہم قاسم حاشہ اور دو سہم ڈھونڈے بھائی کو ملیں گے یعنی دونوں عورتوں کا مہر جس قدر ذمہ ابراہیم لازم رہا اور اس کے سوا اور جو دین ابراہیم پر ہو اول ادا کریں۔ پھر جو بچے اس کے تہائی سے ابراہیم نے اگر کوئی جائز وصیت کی ہو نافذ کریں باقی مال میں فی ہزار ایک سو پچیس روپے ایک بی بی کو، ایک سو پچیس روپے دوسری بی بی کو اور پانچ سو پچیس[۵۲۵] روپے قاسم حاشہ کو ڈھائی سو ڈھونڈے بھائی کو دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** درمختار میں ہے:

ثم عمات الاباء والامھات واخوالھم وخالاتھم واذا استووا فی درجۃ واتحدت الجھۃ قدم	پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں ہیں۔ جب ذوی الارحام درجے میں برابر ہوں اور قرابت

ولدالوارث فلو اختلف فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث[1]۔	کی جہت بھی متحد ہوتو وارث کی اولاد مقدم کی جائے گی، اور اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت والوں کے لئے میت کے ترکہ میں سے دو تہائی اور ماں کی قرابت والوں کے لئے ایک تہائی ہوگی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۶۷: از علی گڑھ محلّہ سرائے بی بی مرسلہ حافظ عبداللطیف صاحب مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی المذہب اپنے لڑکے مسلمان حافظ قرآن پابند صوم وصلٰوۃ کو کسی وجہ سے عاق کردے تو یہ حافظ قرآن عاق ہوجائے گا یانہیں؟ اور اپنے والد کا ترکہ پائے گا یانہیں؟ اور بہ تقدیر پانے اور نہ پانے کے اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے بیان فرمائیے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عاق ہونا نہ ہونا اولاد کے فعل پر ہے جو بلاوجہ شرعی ماں یا باپ کو ایذا دے وہ عاق ہے اگرچہ ماں باپ اس سے راضی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ ماں باپ بلاوجہ اس سے ناراض ہوں۔ ماں یا باپ کا عاق کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عوام کے خیال میں یہ ہے کہ اولاد کو عاق کرنا ایسا ہے جیسا عورت کو طلاق دینا، طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، یونہی ماں باپ کے عاق کرنے سے اولاد اولاد ہونے سے خارج اور ترکہ سے محروم ہوجاتی ہے، یہ محض باطل ہے، اولاد کسی طرح اولاد ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی سوا کفر کے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔** اور کسی طرح ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتی سوا موانع خمسہ معلومہ کے کہ دین مختلف ہو یا دار مختلف یا مملوک ہو یا معاذاللہ مورث کو قتل کرے یا دونوں کا اس طرح انتقال ہو کہ معلوم نہ ہو ان میں پہلے کون مرا ان کے سوا وہی عام حکم ہے کہ:

"یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتاہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دوبیٹیوں کے حصے کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴
[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

مسئلہ ۱۶۸: از قصبہ سانگود سوائے بادھپور مدرسہ انجمن اسلامیہ ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں مہتمم انجمن ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

ایک شخص متوفی کی جائداد قیمتی (سہ ۳۰۰) روپے ایک شخص کے پاس ایک صدر روپے میں رہن ہے اور متوفی کا کوئی اصلی وارث نہیں ہے تو کارروائی بیع کی کس کے ساتھ کی جائے گی؟

الجواب:

بحکم حاکم شرع فقراء کے ساتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹ تا ۱۷۳: مرسلہ مولوی محمد ظہور حسین صاحب فاروقی رام پوری ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے اپنی زندگی کے وقت دو نکاح کئے، زوجہ اولٰی کا انتقال زید کے سامنے ہوا، بعد عقد ثانی زید نے انتقال کیا اور ایک مکان قیمتی تین چار سو روپے کا چھوڑا۔ زوجہ اولٰی کا دین مہر ڈھائی ہزار روپے کا تھا اور زوجہ ثانیہ کا نو سو روپے کا۔ زوجہ ثانیہ خود موجود ہے اور زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تین بھائی، ایک بہن، دو بھتیجیاں، ایک زوج یعنی زید مرحوم کا کہ جس کی وارث اس وقت زوجہ ثانیہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا مکان مذکور کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اولًا دونوں دین مہروں میں مکان نصف نصف ہو جائے گا من بعد نصف ثانی جو زوجہ اولٰی کا حصہ ہے اس میں سے بحق زوجیت زید کو نصف ملے گا اور یہ نصف زوجہ ثانیہ کی طرف منتقل ہو جائے گا باقی ایک رُبع جو رہے گا وہ زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تقسیم ہو جائے گا۔

(۲) ایسی حالت میں کہ مکان متروکہ زید دونوں دین مہر سے قیمتًا کم ہے کل مکان دونوں دین مہروں میں مستغرق ہو کر نصف نصف ہوگا یا جس زوجہ کا دین مہر نو سو کا ہے اس کو مکان مذکور میں سے ایک حصہ اور جس کا دین مہر ڈھائی ہزار کا ہے اس کے ورثہ کو باقی مکان ملے گا تقسیم ورثہ کی اس وقت کیا صورت ہوگی؟

(۳) یہ کہ زید کی تجہیز و تکفین اور زوجہ ثانیہ کی عدت و چار ماہ تک فاتحہ وغیرہ کا خرچ جو مجموعہ تین سو روپیہ کا ہوا وہ اسی مکان سے لیا جائے گا یا نہیں؟

(۴) زید نے اپنے حین حیات جو کچھ خرچ اور روپیہ زوجہ ثانیہ کے ہاتھ میں دیا وہ اس کے واسطے ہبہ تھا یا نہیں اور اس روپے سے جو اسباب زوجہ ثانیہ اپنے استعمال کا جیسے کپڑا،

زیور وغیرہ جو خاص عورتوں کے استعمال کا ہے کیا اس کی بھی تقسیم ہوگی؟

(۵) زید کی زوجہ اولیٰ کا اسباب اس قسم کا تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ اولیٰ جو جہیز لائی وہ اس کا متروکہ ہے حسب شرائط فرائض اس میں سے نصف شوہر کا ہے، جو کچھ روپیہ زید نے زوجہ اولیٰ یا ثانیہ کو دیا اگر تملیکاً دیا اس کی مالک زوجات ہیں اور اس سے جو اسباب خریدا انہیں کا ہے اور اگر تملیکاً نہ دیا گھر کے خرچ کے لئے دیا اور عورات کو حسب دستور اسباب خانگی خریدنے کی اجازت دی تو وہ اسباب اور جتنا روپیہ بچا ہو سب ملک زید ہے۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ تجہیز و تکفین میں صرف پندرہ [۱۵] روپے خرچ ہوئے باقی فاتحہ وخرچ عدت ہے خرچ عدت تو زوجہ کسی سے مجرا نہیں لے سکتی کہ معتدہ وفات کے لئے نفقہ نہیں یوں ہی جو کچھ فاتحہ میں اٹھایا تبرع ہے اس کا بھی معاوضہ نہیں پاسکتی، ہاں وہ پندرہ [۱۵] کہ تجہیز و تکفین میں اٹھے ازانجا کہ زوجہ وارثہ ہے اور وارث کہ تجہیز و تکفین کرے مجرا پاتا ہے یہ پندرہ پائے گی مگر اس وجہ سے کہ تجہیز و تکفین جو ہر حق پر مقدم تھی ہوچکی زوجہ کا مطالبہ باقی رہا تو یہ پندرہ [۱۵] بھی دَین میں آگئے اور اس کا دین نوسوپندرہ [۹۱۵] روپے ہوئے اور زوجہ اولیٰ کا نصف مہر بحق شوہر ساقط ہو کر اس کا دین ساڑھے بارہ سو [۱۲۵۰] روپے ہوئے مجموع دین اکیس سو پینسٹھ [۲۱۶۵] روپے ہیں متروکہ زید کہ تین چار سو کا مکان ہے اگر اس زر واسباب وغیرہ سے مل کر جو اُسے ترکہ زوجہ اولیٰ سے ملا یا دونوں زوجہ کے پاس اس کی اپنی ملک تھا اگر اس مجموع کے برابر ہو اور زید پر اور کوئی دَین نہ ہو تو ۱۲۵۰ زوجہ اولیٰ کے ورثہ کو دَین اور ۹۱۵ زوجہ ثانیہ کو۔ اور اگر اس سے زائد ہے تو دونوں دَین پورے ادا کرکے جو بچے اس کے ثلث سے وصیت اگر زید نے کی ہو نافذ کرکے باقی سے ایک ربع زوجہ ثانیہ کو دیں اور تین ربع اور جو کوئی وارث زید عصبات یا ذوی الارحام سے ہو اسے دیں اور کوئی نہ ہو اور کسی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی ہو اس کی وصیت کی تکمیل کریں اگرچہ یہ تین ربع کل اس وصیت میں چلے جائیں اور اگر موصی لہ بھی کوئی نہ ہو تو یہ تینوں ربع اور اگر ہو اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد بھی کچھ بچے تو وہ باقی سب زوجہ ثانیہ کو دے دیں فان الازواج یرد علیھا عند عدم انتظام بیت المال (بیت المال منظّم نہ ہونے کے وقت خاوند اور بیوی پر رَد کیا جائے گا۔ت) اور اگر کل متروکہ زید اس مجموع دین ۲۱۶۵ سے کم ہے اور زید پر اور دین نہیں تو اس کا کل متروکہ چار سو تینتیس [۴۳۳] سہام کرکے دو سو پچاس [۲۵۰] سہم وارثان زوجہ اولیٰ کو دیں اور ایک سو تراسی [۱۸۳] سہم زوجہ ثانیہ کو۔ اور

اس صورت میں اگر یہ چاہیں کہ ورثہ زوجہ اولیٰ پر بھی ساتھ ہی تقسیم ہوجائے تو کل متروکہ زید تین ہزار اکتیس ۳۰۳۱ سہم کرکے زوجہ اولیٰ کے ہر بھائی کو پانچ سو سہم بہن کو دوسو پچاس ۲۵۰، زوجہ ثانیہ کو بارہ سو اکیاسی ۱۲۸۱ دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۴: ازاحمد آباد محلّہ مرزاپور مرسلہ شاہ محمد مورخہ ۱۶/ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

جناب مخدومنا و مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب، السلام علیکم! واضح رائے عالی ہو کہ شہر احمد آباد میں جماعت گاؤقصابوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی اور بہن کو ورثہ مال متروکہ میت سے کبھی کچھ نہیں دیا کرتے اور ان کا مقولہ یہ ہے کہ لڑکی اور بہن کا ورثہ میت کے مال میں سے کسی چیز میں نہیں پہنچتا۔ لہذا آپ پر فرض ہے کہ فتوٰی لکھ کر روانہ کریں تاکہ وارث اس شخص کی اپنا پورا حق عدالت سے لڑکر وصول کریں لہذا ٹکٹ (/۳) کی اس رجسٹری لفافہ میں ملفوف ہیں، مولانا صاحب تخمیناً پندرہ ۱۵ سال کا عرصہ ہوا کہ ایک رجسٹری سوال سود کے بارہ میں حضور کے یہاں روانہ کیا تھا مگر بالکل جواب سے آپ نے مجھے محروم رکھا تھا شاید کہ آپ سے وہ استفتاء گم ہوگیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کیافرماتے ہیں علمائے دین و فقہائے متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گزرگیا اس نے ایک لڑکی اور دو بہنیں حقیقی اور چار بھتیجے اور ایک زوجہ چھوڑے۔ اب ان میں کون کون سے وارث کو حق پہنچتا ہے اور کون سے وارث محروم رہتے ہیں **بیّنوا حکم الکتاب توجروا بیوم الحساب** (کتاب کا حکم بیان کرو قیامت کے دن اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ اس شخص کا سولہ سہام ہو کر دو سہم اس کی زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین سہم ہر بہن کو ملیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ"[1]	پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

"وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط"[1]	اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ آدھا ہے (یعنی ترکہ کا نصف)۔ (ت)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة[2]۔	بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنادو (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ط"[3]	اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے قرآن مجید کے خلاف ہیں، اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا جس کے ظاہر معنٰی یہ ہیں کہ ان کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا یہ صریح کلمہ کفر ہے، ایسوں پر توبہ فرض ہے نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۵، ۱۷۶: از کراچی جھونہ مارکیٹ مرسلہ سید کریم شاہ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصہ سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون شریعت وراثت کے بالکل منکر ہیں اور اپنے آباء قدیم ہنود کے قانون کو صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباء ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے اور کچہری میں بیان کیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وراثت کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہندولا یعنی قانون وراثت اہل ہنود کو اپنا قانون تسلیم کرتے ہیں اور کچہری سے خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے احکام وراثت ہندو قانون پر ہونے چاہئیں۔

اس جماعت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، یہ لوگ منکر نص قرآن ہیں یا نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن الدارمی کتاب الفرائض باب فی بنت واخت حدیث ۲۸۸۴ دار المحاسن للطباعۃ القاھرہ ۲/ ۲۵۱، السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۶

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

اور جو نص قرآن کو جان بوجھ کر نہ مانے وہ دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ قال اللہ تعالٰی:

"وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴" [1]۔	اور جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ (ت)

سوال دوم: وہ لوگ جن کا سوال اول میں ذکر ہے مسلمانوں کے اوقاف یا مسجد دونوں کے متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

یہ لوگ ہرگز مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوئے بھی تھے تو دربارہ وارثت احکام شرعیہ ماننے سے انکار کرکے مرتد ہوگئے، وہ نہ مسجد کے متولی کئے جاسکتے ہیں نہ اوقاف مسلمین کے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۝۶۵" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۷: ازترگہ گوری ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ ملانذیر احمد صاحب مورخہ ۸/ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک بیوی کی، اس کے ساتھ ایک لڑکی آئی اور لڑکی ایک اسی بیوی سے زید کی پیدا ہوئی، بعد چند روز کے زید کا انتقال ہوگیا اب یہ دو لڑکیاں ایک تو زید کی ہے اور ایک جو بیوی اگلے خاوند کی ساتھ لائی تھی، بعد وفات زید کے بھتیجانے یعنی حقیقی تایا کے بیٹے نے اپنا حق معاف کردیا اور بیوی نے بھی معاف کرکے وہ جائداد دونوں لڑکیوں پر تقسیم کردی، اب زید کی بیوی اپنا مہر لینا چاہتی ہے اب یہ تقسیم جائز ہے یا نہیں؟ شرع شریف سے آگاہی

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴
[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

بخشی جائے۔

الجواب:

مہر معاف کرنے سے معاف ہوگیا اب دوبارہ نہیں لے سکتی مگر ترکہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا اگر وارث یہی ہیں تو حسب شرائط فرائض زید کا ترکہ آٹھ حصہ ہو کر ایک حصہ بی بی کو اور چار حصہ زید کی لڑکی کو اور تین بھتیجے کو ملیں گے اور اگلے شوہر کی بیٹی کچھ نہ پائے گی، بھتیجا اگر نہ لینا چاہے تو لے کر تقسیم کراکر پھر زید کی دختر کو ہبہ کرکے قبضہ دے دے یا یوں ہی بلا تقسیم اپنا حصہ اس کے ہاتھ بیچ کر قیمت اسے معاف کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۸: از گوندیا ضلع بھنڈارا ملک متوسط ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک مسماۃ نے اپنی کچھ رقم مالی کے لئے اپنے حین حیات میں وصیت کی کہ بعد وفات میرے ایک فرزند میرا جو نابالغ ہے یہ رقم اس کو دی جائے اگر فرزند میرا انقضا کر جائے تو یہ رقم مالی مکہ مدینہ کے کسی کارِ خیر میں بھیج دی جائے، بعد وفات مسماۃ اس کا فرزند بالغ ہو کر فوت ہوا تو اب اس کی وہ رقم کس کو دی جائے چونکہ اس کا ایک چچازاد زندہ ہے مگر لڑکے کی پرورش بعد اس کی والدہ کے ماموں نے کی اور ایک اس کی مدد میں شریک رہا، اس کا چچا مالدار ہے اس کے کسی امر میں مونس بھی نہیں ہوا بجز ماموں کے، لہٰذا ہم اس لڑکے کی رقم کو اس کے ماموں کو دینا چاہتے ہیں چونکہ اس کا ماموں بہت غریب مفلس معذور شخص ہے محض اس کے عزیز واقارب اس کی اعانت کیا کرتے ہیں لہٰذا یہ رقم ہم اس کے ماموں کو دینا پسند کرتے ہیں چونکہ شرعًا بھی مفلس عزیز کو مدد دینا لازم ہے۔

الجواب:

فرزند کے لئے وصیت تو بیکار تھی وہ خود ہی مالک ہوا جبکہ عورت کا اس کے سوا اور کوئی وارث نہ تھا جیسا کہ ظاہر سوال ہے اب اس کے انتقال کے بعد اس کے جو وارث ہیں ان کو پہنچے گی اگر صرف یہی چچا وارث ہے تو یہی پائے گا وارث ہونے کے لئے کچھ یہ شرط نہیں کہ وہ اس کے کسی امر میں شریک ہوا ہو، ماموں کتنا ہی محتاج ہو نہ بہن کے ترکہ میں اس کا کچھ حق ہے کہ بیٹا موجود تھا نہ بھانجے کے ترکہ میں کہ اس کا چچا موجود ہے قریبی غریب کی اعانت کا بیشک حکم ہے مگر اپنے مال سے نہ پرائے مال سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: از چتیرہ ڈاکخانہ امال پور پرگنہ سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ عبداللہ خان صاحب ۲۶ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

زید سے وقت مناکحت مہر معجّل قرار پایا اور بعد از مدت دراز وولادت طفل یازدہ سالہ مرحوم

حیات طفل مرحوم میں زید نے بواسطہ کچہری وہ مہر ادا کر دیا بعدہ زید کا انتقال ہو گیا اب زوجہ اپنے حق ربع کی مدعیہ ہے مقدمہ کچہری میں زیر بحث ہے کوئی تحریری تقریری ثبوت طلاق نہیں ہے نہ قبل از ادائے مہر نہ مابعد آں، پس حکم شرع شریف سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

ہر معجّل کا ادا کرنا پیش رخصت ضرور ہوتا ہے اور اگر عورت قبل رخصت نہ مانگے تو جب طلب کرے اس کا ادا کرنا کسی طرح طلاق دینے کی دلیل کیا شبہہ بھی نہیں ہو سکتا اور بے ثبوت شرعی طلاق ہر گز نہیں مانی جاسکتی عورت ضرور مستحق میراث ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم ۚ مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکال کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۰: از لکھنؤ بلوچ دروازہ مسجد متصل اکھاڑہ مرسلہ مولوی محمد عثمان طالب علم ۵ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

بعد تحیّۃ سلام گزارش ہے کہ یہاں علماء مسائل ذوالارحام میں مختلف ہیں بعض امام ابویوسف کے قول کے موافق جواب دیتے ہیں بعض امام محمد کے قول کے موافق جناب کی رائے میں کس قول کے موافق عمل درآمد ہونا چاہئے اور جناب کا معمول کیا ہے

الجواب:

اصل فتوی قول امام محمد علیہ الرحمۃ پر ہے فقیر کا اسی پر عمل ہے مگر اس کے استخراج میں قدرے دشواری ہوتی ہے لہذا بعض مشائخ نے بغرض آسانی قول امام ثانی علیہ الرحمہ پر فتوی دیا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱: ۱۴/ شعبان ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ایک دادی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

اور ایک نانی اور باپ اور بہن وارث چھوڑے تو از روئے شرع شریف ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ چھ سہم ہو ایک سہم نانی اور پانچ باپ کو پہنچیں گے اور دادی اور بہن کو کچھ نہیں، هذا هو قضية النظر الفقهی وان كانت الروايات فيه مختلفة (نظر فقہی کا تقاضا یہی ہے اگرچہ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ ت) اختیار شرح مختار پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوترك ابا وام اب وام ام فام الاب محجوبة بالاب واختلفوا ماذا لام الام قيل لها السدس وقيل لها نصف السدس[1] اھ **اقول**: مامنزع القول الاخر الا القياس على مسئلة اب وام واخوين فانهما محجوبان بالاب و يحجبانها من الثلث الى السدس كذالك ام الاب محجوبة بالاب وتحجب الامية من السدس الى نصفه وهذا ليس شيئ۔اما **اولًا** فلان حجب النقصان يكون من فرض الٰی فرض دونه ولافرض للجدّة الا السدس وماكان التنصيف	اگر کسی شخص نے باپ، دادی اور نانی چھوڑی تو دادی باپ کی وجہ سے میراث سے محروم ہوگی، اور نانی کے بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا۔ایک قول ہے کہ اس کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور دوسرا قول ہے کہ اس کو بارھواں حصہ ملے گا الخ۔ **میں کہتا ہوں** دوسرے قول کا ماخذ تو فقط باپ، ماں اور دو بھائیوں کے مسئلہ پر قیاس ہے کیونکہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے اور وہ دونوں ماں کو تہائی سے محروم کرکے چھٹے حصے کی طرف منتقل کردیں گے۔اسی طرح دادی باپ کی وجہ سے محروم ہوگی حالانکہ وہ نانی کو چھٹے حصے سے بارھویں حصے کی طرف منتقل کردے گی۔اور یہ بوجوہ کوئی شیئ نہیں۔وجہ اول کیونکہ حجب نقصان ایک مقررہ حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف ہوتا ہے جو پہلے حصے سے کمتر ہو جبکہ جدّہ کا مقررہ حصہ صرف چھٹا ہے اور اس کو

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الرابع فی الحجب نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۳

لان فرضها اذ ذاك نصف السدس بل ليس فرضها الا السدس وكانت كل منهما تدعيه لنفسها كملا فجعلناه بينهما نصفين على سبيل المنازعة لعدم المرجح كما اذا اقام كل من الخارجين على ان الارض له فانها تنصف بينهما كذلك ههنا فاذا سقطت مزاحمة الابوية لحجب الاب اياها بقيت دعوى الامية بلامعارض فكان لها السدس كملا كما اذا كان لدار شفيعان متساويان وادعى كل منهما جميع الدار المشفوعة ثم عرض لاحدهما مايسقط حقه كانت الدار كلها للثاني لزوال المزاحمة۔ واما **ثانيا** فلان الله سبحانه و تعالٰی قد اعطی کل ذی حق حقه[1] فلايجوز ان ينقل من فرض احد شيئ الٰی غيره وقد

نصف نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں جدّہ کا مقررہ حصہ چھٹے کا نصف (بارھواں حصہ) ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے تو ان دونوں (دادی اور نانی) میں سے ہر ایک اپنے لئے پورے چھٹے حصے کا دعوی کرے گی۔ چنانچہ ہم نے منازعت کے باعث اور مرجح نہ ہونے کی وجہ سے اس چھٹے حصے کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف کر دیا۔ جیسا کہ بائع اور مشتری کے علاوہ دو اجنبی مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کر دیئے کہ فروخت شدہ زمین اس کی ہے تو وہ زمین دونوں کے درمیان نصف نصف کر دی جائے گی۔ ایسا ہی یہاں بھی ہوگا۔ جب دادی کی مزاحمت اس وجہ سے ختم ہو گئی کہ باپ نے اس کو محروم کر دیا ہے تو نانی کا دعوی بلا منازعت رہا للذا اس کو مکمل چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ جیسے کسی گھر کے دو مساوی شفیع ہوں اور ہر ایک شفعہ والے پورے گھر کا دعوی کرے پھر ان میں سے ایک کو ایسا عارضہ لاحق ہو جس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہو جائے تو مزاحمت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے پورا گھر دوسرے کو ملے گا۔ وجہ دوم کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے للذا یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی کے مقررہ حصے سے کوئی شے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے۔ بیشک

[1] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ مؤسسة الرساله بیروت ۱۶/ ۶۱۴

ہمارا اس پر اجماع ہے کہ جدہ کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے۔ اگر یہاں ہم اس کو نصف کردیں (یعنی بارھواں بنادیں) حالانکہ دادی کا یہاں کوئی حق نہیں تو یقینا چھٹے کا نصف (بارھواں حصہ) باپ کی طرف لوٹے گا تو اس طرح وہ جدہ کے مقررہ حصے میں شریک ہوجائے گا اور شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی تو واضح ہوگیا کہ پہلے قول کو ہی ترجیح دی جائے گی گویا اسی وجہ سے اختیار میں اس کو مقدم کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)	اجمعنا ان فرض الجدۃ السدس فان نصفناہ ھٰھنا ولاحق للابویۃ یرجع النصف لامحالۃ الی الاب فیشارك الجدۃ فی فرضہا ولانظیر لہ فی الشرع فتبین ان الاول ھو المرجح وکانہا لھذا قدمہ فی الاختیار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مفصلہ ذیل میں:

ناصر علی

اکبر علی مرحوم — برہان علی

یار علی مرحوم — جعفر علی و مسماۃ خیرن زوجہ میر سلطان علی مرحوم والدہ مولوی مہدی حسن مرحوم

تفضل حسین مرحوم — ارشد علی و نجم النساء۔ زوجہ مولوی مہدی حسن مرحوم و نیز والدہ مولوی عبدالعلیم عرف شہرو
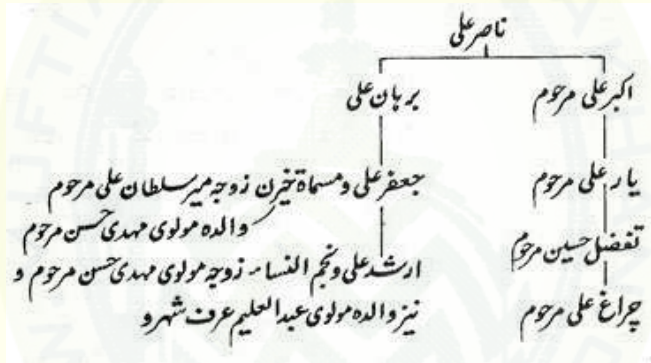
چراغ علی مرحوم

اور چراغ علی مرحوم کے محمد مسیح اپنے خلیرے بھائی اور مسماۃ فاطمہ زہرا اپنی خلیری بہن بھی ہیں، اب چراغ علی مرحوم کا متروکہ کس کو ملے گا عبدالعلیم عرف شہرو کو ملے گا یا خلیرے بھائی و بہن کو ملے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض چراغ علی کا کل ترکہ تین حصہ ہو کر دو حصے اس کے

خالہ زاد بھائی کو اور ایک حصہ اس کی خالہ زاد بہن کو ملے گا عبدالعلیم کچھ نہ پائے گا کہ وہ بہت دور رشتہ دار ہے ایک رشتہ پر ابن بنت ابن عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے پردادا کے باپ ناصری کے پوتے کا نواسہ ہے اور دوسرے رشتہ پر ابن ابن بنت عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے باپ کے پردادا کے پوتی کا پوتا ہے بہر حال ذوی الارحام سے ہے خود عصبہ وارث نہیں اور اولاد خالہ سے درجے میں بعید ہے لہٰذا ان کے سامنے اسے کچھ نہ ملے گا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر صنف میں زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا، اگر وہ درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۳: از بہٹ ضلع سہارنپور مرسلہ مشتاق حسین ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے بعد معاف کرنے مہر شرعی جن کے شاہد اس کی ماں اور بہن نیز ماموں حقیقی ہیں انتقال کیا اور ایک لڑکی سہ سالہ اور خاوند چھوڑے اسباب جہیزی میں سے کچھ زیور اور کپڑا اس کے شوہر کے یہاں سے اس کی ماں اور بہن لے گئے باقی کی ایک فہرست اس کے شوہر کو دی اور کہا کہ اس کو بیچ کر ایصال ثواب اور فاتحہ میں خرچ کریں، بس کیا حکم شرعی ہے اس بارے میں پسماندہ اسباب کا کون مالک اور مصرف ہے اور ماں باپ اور بہن کو اس کی واپسی کا کیا حق ہے؟

الجواب:

جہیز وغیرہ جو کچھ عورت کی ملک تھا صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض اگر وارث صرف یہی ہیں ہر ہر چیز کے بارہ ۱۲ حصے ہوں گے تین ۳ حصہ شوہر کے، دو ۲ ماں کے، چھ بیٹی کے، ایک بہن کا۔ ماں بہن جو کچھ لے گئیں واپس لا کر سب ملا کر بارہ حصہ کر کے اپنے تین حصے لے کر ان کو فاتحہ وغیرہ جس میں چاہیں صرف کریں شوہر کے تین حصوں کا اختیار شوہر کو ہے اور دختر کے چھ ۶، تو کوئی بھی فاتحہ وغیرہ میں صرف نہیں کرسکتا وہ اس کے باپ کے قبضے میں رہ کر خود

---
[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

اس کے خوردونوش میں صرف ہوں گے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۴: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو بھائی کافر میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو اب وہ بھائی کافر اس کا اس کو حق حصہ نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ہمارے مذہب سے نکل گئے تمہارا حق کیسا آیا اس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

اگر مثلاً باپ کا ترکہ دونوں بھائیوں نے پایا تھا اب ایک مسلمان ہوگیا تو وہ اپنے حصے کا مالک ہے مسلمان ہوجانے سے ملک زائل نہ ہوئی ہاں اس کے اسلام کے بعد ان کافروں میں جو مرا اس کا ترکہ اسے نہ ملے گا لاختلاف الدین (دین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵: از دربھنگہ قلعہ گھاٹ مرسلہ غلام اکبر ۱۴رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو مرا اور اس کی بی بی مرنے کے بعد اس کی کل جائداد پر قابض ودخیل ہوئی اور اپنا اندراج نام بھی دفاتر گورنمنٹی میں کرایا۔چند سال کے بعد وہ مسلمان ہوگئی تو اب جائداد مذکورہ بعد تبدیل مذہب زن نو مسلمہ کو شرعاً ملے گی یا نہیں؟

الجواب:

جو چیز اس وقت اس کی ملک سمجھی جاتی تھی وہ بعد اسلام بھی اس کی ملک رہے گی،اسلام قاطع ملک نہیں،واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۶: از حجہ کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور براستہ چھانگامانگا سب آفس بلوکی مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۱۵/شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بھائی خورد عمرو کو بصد محنت تعلیم کتب دینیہ کی دے کر اچھا خاصہ اہل علم بنادیا اور دیگر حقوق خورد ہونے کے بھی ادا کئے مگر عمرو اس جوہر کا نکلا کہ جملہ حقوق پر خاک ڈال کر بے مروّتی پر کمر باندھ لی اور اپنے بڑے بھائی واستاد وہمسایہ کی ایذارسانی پر کوئی دقیقہ نہ اٹھار کھا حتی کہ فی الحال بلااولد زید کے

عمرو زید کی موت کا ملتجی ہے اور زید نے ان حرکات ناشائستہ سے تخمیناً عرصہ سات برس تک صبر کیا مگر جب طاقت بشری تحمل کی نہ رہی تو مجبوراً زید کو عمرو کا عاق کرنا پڑا، کیا یہ عمرو عاق کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ اور عاق ہونے کے بعد وراث ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں عمرو ضرور عاق و فاسق و مستحق عذاب النار ہے مگر عقوق بمعنی ارث نہیں۔

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے۔ (ت)

نہ عاق کردینا شرع میں کوئی اصل رکھتا ہے نہ اس سے میراث ساقط ہو، ہاں اگر زید چاہے تو اپنی جائداد وقف اہلی کردے اور اس میں عمرو کے لئے شرط لگادے کہ اگر وہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور ان ان باتوں کا پابند ہو تو اس قدر پائے ورنہ نہ پائے، یوں مقصود زید حاصل ہوسکتا ہے، اور اگر امید اصلاح نہ ہو اور بالکل محروم کردے جب بھی حرج نہیں کہ فاسق کو میراث سے محروم کردینے کی اجازت ہے یہ تو وقف ہے۔ فتاوٰی خلاصہ ولسان الحکام وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھٰذا خیر من ترکہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کردے اور فاسق اولاد کو اس سے محروم کردے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑ جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷: از شہر سیالکوٹ بازار پینج پورہ زیر قلعہ مرسلہ امام الدین صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید تین لڑکے چھوڑ کر مرگیا دو[۲] بڑے

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

عمرو بکر شادی شدہ تھے اور تیسرا خالد کم سن غیر شادی شدہ تھا عمرو بکر نے جو قرضہ والد کا تھا وہ اپنے ذمے لے لیا اور مکان کا تیسرا حصہ اور مبلغ دوصد روپیہ شادی کے واسطے اس چھوٹے بھائی خالد کو دے دیئے اور قرضہ اور جائداد دونوں بڑے بھائیوں نے نصف نصف کرلیا اس کے بعد بڑا بھائی عمرو فوت ہوا اور اس کی عورت کو چھوٹے بھائی خالد نے اپنے ساتھ نکاح کرلیا، عمرو کی دو لڑکیاں تھیں چونکہ وہ کم سن غیر شادی شدہ ہیں اس واسطے وہ بھی اپنی والدہ کے ہمراہ خالد اپنے چچا کے پاس آئیں۔ اس نے اپنی مرضی سے بڑی لڑکی کا نکاح کردیا اس کے بعد دونوں لڑکیاں فوت ہوگئیں، اب اس کے پاس عمرو کی سب جائداد معہ عورت موجود ہے اور دوسرے بھائی بکر کو کچھ نہیں دیتا اور جو رقم مبلغ دوصد روپیہ کی اس کو قبل تقسیم اس کی شادی کے واسطے دیئے گئے تھے وہ بھی اس کے پاس ہے کیونکہ اس کی شادی پر وہ خرچ نہیں ہوئے کیونکہ رانڈ بھاوج سے نکاح کرلیا ہے اب کس طرح اس جائداد کو تقسیم کیا جائے نیز ان تینوں بھائیوں کی نانی حقیقی کو ان کے والد مرحوم زید نے کچھ حصہ مکان کا بیع کردیا ہوا تھا وہ بھی مرگئی وہ بھی اسی خالد کے قبضے میں ہے اس میں سے بھی عمرو بکر کو حصہ آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال میں کچھ نہ بتایا کہ مکان کے علاوہ زید کی باقی جائداد منقولہ وغیر منقولہ وجنس ترکہ کس قدر تھا اور اس پر قرض کتنا، نہ یہ کہ دونوں لڑکیوں میں پہلے کون مری، اور جس کی شادی ہوگئی تھی اس کے بعد اس کا شوہر یا کوئی بچہ رہا یا نہیں، اور دوسری کی شادی ہوئی تھی یا نہیں ہوئی، تو اس کے وارث کون کون سے رہے، ان کی ماں ان کی نانی سے پہلے مری یا بعد، اس کے کون کون ورثہ رہے، تقسیم جائداد کا جواب بے تفصیل کامل ورثہ وترتیب اموات نہیں ہوسکتا، اتنا اجمالاً کہا جاسکتا ہے کہ اگر بعد ادائے قرضہ زید اس کا متروکہ چھ سو روپے سے زیادہ کا تھا اور خالد کو صرف دو سو پہنچے تو عمرو بکر کے پاس خالد کا حق رہا اور جائداد باہم بانٹ لینا اور خالد نابالغ کو روپیہ دینا یہ بھی ناجائز تھا پھر خالد کا جتنا حق عمرو کے پاس رہا وہ تو خالد کے قبضے میں آہی گیا جتنا بکر کو گیا تھا اگر وہ ان حصوں کے برابر ہے جو بکر کو دختران عمرو اور اپنی نانی کے مال سے پہنچتے ہیں تو برابر ہوگئے ورنہ بکر یا خالد جس کے پاس پہنچا ہوا ہے وہ دوسرے کو دے کہ حق العباد سے پاک ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: ۲۶/رمضان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکااور تین لڑکیاں ہیں اور لڑکے کی ولایت ثابت ہوچکی ہے لڑکا بد چلن اور بدوضع ہے اور اپنی ہمشیرگان وپدر کو نہایت تکلیف دہ ہے زید اسے عاق کرنا چاہتا ہے کہ وہ آئندہ میری لڑکیوں کے اور میرے متروکہ میں اگر کچھ میرے پاس باقی بچے تو وہ اس حق سے جو مجھ سے پہنچے اور لڑکیوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے عاق کرنا کس حد تک جائز ہے؟

الجواب:

عاق کرنا شرع میں کوئی چیز نہیں، نہ وہ اس کے سبب ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں اگر وہ واقعی فاسق وآوارہ ہے تو یہ جائز ہے کہ اپنا سب مال بذریعہ وقف علی الاولاد یا بذریعہ بیعنامہ یا جداجدا تقسیم کرکے قبضہ دے کر بذریعہ ہبہ نامہ اپنی بیٹیوں کے نام کر دے یوں بیٹے کو آپ ہی کچھ نہ پہنچے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۹: از شہر بریلی محلّہ گندانالہ مسئولہ حافظ محمد جان صاحب ۱۱ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیا اس نے دولڑکے چھوڑے، ایک لڑکے کو اپنی زندگی میں جو کچھ اس کے پاس چیز تھی وہ دے دی اور اس پر اس کو قابض کر گئی، لڑکے نے والدہ کی زندگی میں اس میں سے صرف بھی کیا اپنے اختیار سے، اور جو کچھ باقی رہا وہ اس کے قبضہ میں ہے، پس اس صورت میں شریعت مطہرہ دوسرے لڑکے کو کچھ دلاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر مرض الموت سے پہلے دے کر قبضہ تامہ دے گئی تھی تو دوسرے لڑکے کا اس میں کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۰: از شاہجہانپور مرسلہ شیخ علی حسین صاحب ۱۹ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہ کوئی وراثت کا نہیں حق رکھتا اور شرعاً ترکہ کا بوجہ من الوجوہ ذی استحقاق نہیں ہوسکتا، اب بحالت مول لینے جائداد ترکے کے ترکہ دین مہر پانے کا جو حق بیچنے والے وارثوں کا ہے کیا یہ خریدنے والا دعوی کرسکتا ہے کہ جائداد ترکہ لینے سے مجھ کو ترکہ دین مہر پانے کا حق حاصل ہے اور دعوی اس کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہر گز خریدار ترکہ کو کوئی استحقاق دعوی مہر کا نہیں مہر کی مالک عورت ہے نہ کہ یہ مشتری متروکہ بلکہ اگر قبل ادائے دین مہر و دیگر دیون (اگر ہوں) ورثہ غیر زوجہ نے جائداد بیع کر دی اور مہر تنہا یا مع دیگر دیون جائداد متروکہ کو محیط یعنی اس کے مساوی یا زائد ہے تو زوجہ و دیگر دائنان کو اختیار ہے کہ یہ بیع رَد کر دیں اور اپنے مہر و دیون اس سے وصول کریں،

فان الترکة المستغرقة بالدیون لاتصیر ملکا للورثة کما فی الاشباہ[1] وغیرھا۔	جس ترکہ کو قرضوں نے گھیر رکھا ہو وہ وارثوں کی ملکیت نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر متروکہ کے ساتھ عورت سے اس کا مہر بھی مشتری نے خرید لیا ہے جب بھی اس کا دعوی باطل ہے کہ دین غیر مدیون کے ہاتھ بیع نہیں ہو سکتا، اشباہ و در مختار وغیرہا میں تصریح ہے کہ:

بیع الدین ممن لیس علیه باطل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قرض کی بیع اس شخص کے ہاتھ کرنا جس پر وہ قرض نہیں ہے باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۱: از ہلدوانی ضلع نینی تال مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ اسرار الحق صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج زوجہ کا انتقال ہو گیا بعد انتقال کے روپیہ نقد اور زیور چھوڑا، روپیہ اور زیور کو برادری نے جمع کر لیا شخص مرنے والے کی ایک بھتیجی حقیقی یعنی حقیقی بھائی کی لڑکی بیوہ اور یتیم بچے ہمراہ، اور برادری یہ بات کہتی ہے کہ یہ روپیہ اور زیور مسجد کو دے دینا چاہئے اور بھتیجی کو نہ دینا آیا اس صورت میں بھتیجی بیوہ کا حق نکلتا ہے یا نہیں یا کہ مسجد کو دے دیں، اس صورت میں مسجد کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ زوجہ مرنے والی کے بھائی بھانجے ہیں وہ بھی اس روپیہ زیور میں سے حصہ کے دعویدار ہیں یا نہیں؟ مگر یہ بھائی بھانجے حقیقی نہیں ہیں اور دور رشتہ کے ہیں ان کا بھائی حق روپیہ زیور میں سے نکلتا ہے یا نہیں؟

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[2] الدر المختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵-۱۶۶

الجواب:

برادری کا کہنا قابل سماعت نہیں، وہ مال وارثوں کا ہے، زوج یا زوجہ جس کا مال ہے۔ اس کے جو وارث ہوں اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتہ کے بھائی یعنی دادا پر دادا کی اولاد کے بھائی ان میں جو قریب تر ہے وہ وارث ہوگا اس کے ہوتے بھتیجی بھی وارث نہیں، نہ بے اجازت وارث، ایک حبّہ اس میں سے مسجد میں لگانا جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۲: از چتورگڑھ میواڑ مرسلہ فتح محمد ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قوم میں تقسیم ترکہ کا رواج نہیں تو ایسے مال سے کہ جس میں بالغ اور نابالغ وارث ہیں کھانا لینا دینا خیرات کا ہونا جائز ہے یا ناجائز جب کہ بالغ بھی وارث مال ہیں اور وہ کریں جیسے کا کو کریم بخش کی صورت کہ تقسیم ترکہ ہوتا ہی نہیں اناث تو متروک الارث سمجھے جاتے ہوں اور ذکور ہی صرف وارث بنے جاتے ہیں ہمارے یہاں تو بالغین کا صرف کرنا کیسا؟

الجواب:

اناث کو محروم کرنا حرام قطعی ہے ہنود کا اتباع اور شریعت مطہرہ سے منہ پھیرنا ہے جبکہ اس میں نابالغوں کا حق مخلوط ہے اور معلوم ہے کہ یہ خالص اپنے حصے سے نہیں کرتے بلکہ کل کو اپنا ہی حصہ جانتے ہیں تو اس میں سے نہ کھانا جائز نہ کچھ لینا۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۟ " [1] ۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نہیں بھرتے مگر آگ اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از دفتر صدر اول بزم حنفیہّ لاہور خواجگان منزل مرسلہ مولوی حکیم عبدالحمید صاحب صدر اول ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل اسلام مفتیان حنفیہ کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت متشرع فوت ہوا۔ زید عمرو، بکر، خالد اور زبیدہ وہندہ یہ چھ اولادیں چھوڑیں۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

نے اس کے ترکہ کو بقوانین شرع تقسیم پر صاف انکار کیا، نمبر ۳ کی طرف سے اس پر ڈیڑھ سال تک اعتراض اور انکار ہوتا رہا بالآخرانہوں نے جو ثالث کیا اس نے بھی فیصلہ بحق ہر سہ بالا بخلاف شریعت کردیا۔ اس فیصلہ میں نمبر ۳ کا بہت سا حق زائل کرلیا گیا زبیدہ بھی خلاف شرع حصہ پاچکی ہے مگر ہندہ جو بعد متوفی فوت ہوگئی، اب فریق نمبر ۳ اپنے قلیل حصہ سے بھی جو اس کو وراثۃً ملا ہے اپنی ہمشیرہ مرحومہ کے شرعی حصہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے مرحومہ کی سسرال اور بالخصوص خاوند فاسق فاجر عقائد میں صلح کل جس کا پسر الولد سرٌّ لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا بھید ہوتا ہے) ہے پس فریق نمبر ۳ حیرت میں ہے کہ مرحومہ کا ورثہ کس کو ادا کیا جائے اس کا ارادہ ہے کہ یہ حصہ بنام بزم حنفیہ کردیا جائے اور وہ بتدریج اشاعت مذہب حنفیہ وحمایت کلام مجید صرف کرے، اب استفسار ہے کہ کیا اس صورت میں جب کہ لڑکا بھی فاسق فاجر کے قبضہ میں ہے اگر یہ روپیہ اس کو دے دیا جائے تو فسق وفجور اور بدمذہبی میں صرف ہوگا تو کیا اس ترکہ کو (جو یک صدروپے کے اندر اندر ہوگا) بزم حنفیہ حمایت کلام مجید اور اشاعت مذہب اہلسنت میں صرف کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال زائد باتوں سے بہت مفصّل اور ضروری باتوں سے نہایت مجمل ہے کیسی تقسیم خلاف شرع ہوئی اگر اس شیطانی مسئلہ پر عمل ہوا جو آج کل شیاطین الانس میں ہے کہ بنات کو ترکہ نہیں دیتے تو زبیدہ کو کیسے ملا اور پسر سوم کا حق کیسے زائل ہوا اور اگر یہ ہے کہ تینوں بیٹوں اور ایک بیٹی نے باہم لے لیا اور ایک دختر کو کچھ نہ دیا اور پسر سوم کو اس کے حصہ سے بہت کم دیا اس صورت میں اس دختر کے حصہ کا اس پسر پر کیا بار ہے؟ اس نے اس کا کیا دبایا ہے جس سے سبکدوشی چاہتا ہے؟ ترکہ کیا چیز ہے اور تقسیم کس طرح؟ صاف تحریر فرمائیں کہ جواب دیا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۴تا۱۹۶: از کانپور نئی سڑک دکان حاجی رحیم بخش وحاجی فہم بخش مرسلہ کاظم حسین صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید فوت ہوگیا اور اپنی بیوی اور ایک نابالغہ لڑکی چھوڑی، عمرو جو زید کا باپ ہے اس وجہ سے کہ اس نے ایک غیر کفو کی عورت سے بعد وفات والدہ زید نکاح کرلیا تھا ہمیشہ زید سے علیحدہ رہا۔ اب بعد وفات زید زید کی جائداد پر ناجائز صورت سے قابض ہوگیا ہے اور اتلاف جائداد کی نیت سے لڑکی نابالغہ کا ولی بننا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اوّل: زید کی متروکہ جائداد زید کی لڑکی وبیوی پر تقسیم ہونے کی کیا صورت ہے؟

دوم: زید کے متروکہ میں عمروکا اور زید کے علاتی بھائی خالد کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنا؟

سوم: ایسی حالت میں جبکہ عمرو کی ولایت سے جائداد کے تلف ہوجانے کا احتمال ہے تو نابالغہ کی ماں ولیہ نابالغہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعد ادائے مہرودیگر دیون حسب شرائط فرائض متروکہ زید کے آٹھ حصوں سے ایک حصہ اس کی زوجہ اور چار سہم دختر اور تین سہم عمرو کو ملیں گے فرضًا وعصوبۃً (بطور فرض اور بطور عصبہ) اور علاتی بھائی کا کوئی حق نہیں شریعت مطہرہ نے پدرووصی پدر کے بعد نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے ماں کسی طرح ولی مال نہیں، نہ کہ دادا پر اس کو ترجیح ہو۔ درمختار میں ہے:

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نابالغ کا ولی اس کے مال میں اس کا باپ پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا پھر دادا کا وصی ہوتا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مرسلہ حافظ جان محمد صاحب ساکن گندہ نالہ شہر بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیا اور ایک مکان واسطے ادائیگی مہر اپنی بیوی کے چھوڑا ایک لڑکا پانچ لڑکیاں اولاد چھوڑی ایک لڑکی کی شادی والد نے خود کردی ۴ لڑکیاں رہیں ان لڑکیوں کی والدہ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم اپنی کمائی سے ان کے عقد نکاح کا انتظام کردو اس مکان کا تم کو مالک کیا چنانچہ لڑکے نے حسب فرمان اپنی والدہ کے چاروں کا عقد نکاح کردیا بعد کو والدہ نے انتقال کیا اس کے بعد دو لڑکیاں انتقال کرگئیں بعد اس کے اس لڑکے نے بھی انتقال کیا اس نے تین ہمشیرہ اور اپنی بیوی اور دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں بعد کو ایک ہمشیرہ اور انتقال کرگئی لیکن ان سب کی اولاد موجود ہیں کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور ایک وہ ہمشیرہ جس کی شادی خود والد نے کی، زندگی میں نہ کسی نے مکان پر قبضہ کیا نہ طلب کیا اور اس لڑکی کے ذمہ قرضہ دینا ہے جتنے کا مکان کا حصہ ہے اتنا قرضہ بھی ہے،

[1] الدرالمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

پس اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟ آیا لڑکی یا ان کی اولاد کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اور لڑکے کی بیوی کو اور اولاد کو حق پہنچے گا یا قرض ادا کیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ماں نے جو لفظ لڑکے سے کہے تھے کہ ان کا نکاح کردو تمہیں مکان کا مالک کیا اس سے ہبہ خواہ بیع کہ ٹھہرائیں جبکہ ماں بلکہ لڑکا بھی قبل قبضہ مکان انتقال کرگئے لڑکا کسی طرح اس مکان کا مالک نہ ہوا ہبہ میں توظاہر کہ قبل قبضہ ان میں ایک کی موت سے باطل ہوتا ہے اور بیع میں یوں کہ یہ بیع بوجہ جہالت ثمن باطل تھی اور بیع فاسد میں قبل قبضہ مشتری مالک نہیں ہوتا۔ در مختار میں ہے:

اذا قبض المشتری المبیع برضاء بائعه فی البیع الفاسد ولم ینهه ملکه[1]۔(ملتقطا)	جب مشتری بیع فاسد میں بائع کی رضامندی سے مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع اس کو منع نہ کرے تو وہ مبیع کا مالک ہوجائے گا۔ (بالالتقاط)۔(ت)

تو مکان کہ ماں کے مہر میں تھا اسی کی ملک رہا اس کے لڑکے اور پانچوں لڑکیوں سب کا اس میں حصہ ہوا جو موجود ہیں ان کو اور جن کا انتقال ہوگیا ان کی اولاد ورثہ کو حصہ پہنچے گا، جو حصہ اس پسر کا ہوگا اس سے جو قرضہ اس پر ہے ادا کیا جائے گا اگر کچھ بچا تو اس کی زوجہ اور بیٹے بیٹیاں پائیں گے ورنہ کچھ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۸: از پولیس لائن ضلع سیتاپور مرسلہ عرفان خاں کانسٹیبل محرر ۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

اصغری بیگم کا خاوند مرگیا، اصغری بیگم کے ایک لڑکا بالغ عرفان خاں اور ایک نابالغہ لڑکی مظہری بیگم ہے، مسمّاۃ بیوہ نے مظہری کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہا اور عرفان خاں کو خط لکھا کہ میں تمہاری بہن مظہری بیگم کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں تمہاری کیا رائے ہے۔ عرفان خاں نے اپنی ماں کو جواب دیا کہ بکر بدچلن اور خلاف شرع شخص ہے مجھے اپنی بہن کا عقد اس سے منظور نہیں باوجود ممانعت عرفان خاں ماں نے بولایت خود خلاف مرضی عرفان خاں بکر کے ساتھ مظہری کا عقد کردیا اور پندرہ دن بعد بذریعہ خط عرفان خاں کو عقد مذکور کی اطلاع دی عرفان خاں نے جواب دیا کہ تم نے میری بلااجازت اور خلاف مرضی جو نکاح مظہری کا بکر کے ساتھ کردیا ہے میں اس کو ہرگز نہ مانوں گا اور مظہری کی رخصت بکر کے ساتھ نہ کروں گا نکاح کو ڈھائی سال ہوئے مظہری اب بالغہ ہے اور

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

اس نکاح سے اپنی نارضامندی ظاہر کرتی ہے اور فسخ کرانا چاہتی ہے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان صحیح ہے تو عرفان خاں نے جس وقت نکاح کی اطلاع پانے پر اس نکاح کے ماننے سے انکار کیا اسی وقت وہ نکاح رَد ہوگیا اور مظہری کو بکر سے کچھ علاقہ نہ رہا فسخ کی کیا حاجت کہ وہ سرے سے نہ رہا مظہری کو اختیار ہے جس مناسب جگہ چاہے نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹: از مدرسہ عین العلوم پوسٹ برتلہ ۲۴ پرگنہ مرسلہ محمد سراج الدین صاحب ۱۲/ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے انتقال کیا اور زوجہ واب وام وایک اخت عینی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ کیا ہوگا اگر اس صورت میں ام کو ثلث ما بقے ملے تو سراجی کی عبارت ذیل کا کیا مطلب ہوگا:

وثلث مابقی بعد فرض احد الزوجین وذٰلك فی مسألتین زوج وابوین اوزوجۃ وابوین [1] ۔بیّنوا توجروا۔	ماں کو زوج یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد باقی کا تہائی ملے گا اور وہ دو مسئلوں میں ہوتا ہے: (۱) میت نے خاوند اور والدین چھوڑے ہوں۔ (۲) میت نے بیوی اور والدین چھوڑے ہوں۔ بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب:

ہاں اس صورت میں ام کو ثلث باقی ملے گا اور یہ عبارت سراجیہ کے مخالف نہیں، وہی صورت زوجہ وابوین کی ہے کہ اخت عینیہ کا وجود وعدم یکساں ہے کہ خود محجوب بالاب ہے اور ام کو حاجبہ عن الثلث نہیں، ہاں دو عینیہ ہوتیں تو ام کو سدس ملتا زوجہ کو ربع باقی اب کو عصوبۃً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: لکھنؤ محلّہ رکاب گنج گڈھیا متصل احاطہ کمال خاں ۲ مکان مرسلہ مہدی حسن خاں صاحب مورخہ ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر اول سے دو پسر زید وبکر اور ہندہ کے شوہر ثانی سے ایک پسر خالد ہے، اور ہندہ کے شوہر ثانی کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر ولید ہے۔ خالد فوت ہوا اس نے ورثہ ذیل چھوڑے ایک بیوہ لاولد

---

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۸

اور زید وبکر برادران اخیافی اور برادر علاتی ولید جو کہ رافضی المذہب ہے۔ تو ایسی صورت میں تقسیم ترکہ کن کن ورثہ پر ہوگا؟ دیگر یہ کہ متوفی نے جو جائداد چھوڑی ہے وہ متوفی کی خاص قوت بازو سے حاصل کی ہوئی ہے کسی مورث قدیم کا کچھ ترکہ اس میں شامل نہیں ہے اور بیوہ لاولد متوفی کی کسی وارثان استحقاق شدہ کو کچھ حصہ نہیں دیتی ہے بلکہ آمادہ جنگ وجدال ہے تو اس صورت میں نزدیک شرع شریف کے عنداللہ گنہ گار ہوگی یا نہیں؟ فقط۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بیوہ کا مہر واجب الادا اگر قدر متروکہ سے زائد یا برابر ہے اور وہ اس دعوی سے کسی وارث کو کچھ دینا نہیں چاہتی تو گنہ گار نہیں، وارث اگر مہر میں جائداد دینا نہ چاہیں مہر ادا کریں اس کے بعد جائداد میں حصہ لیں، اور اگر مہر نہیں یا قدر متروکہ سے کم ہے تو بیوہ کا کل جائداد پر قبضہ کرنا اور وارثوں کو نہ دینا ظلم ہے اور وہ گنہ گار۔ خالد کا ترکہ حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر ودیگر دیون و انفاذ وصایا وانحصار ورثہ فی المذکورین آٹھ سہم ہو کر دو سہم زوجہ اور تین تین سہم دونوں اخیافی بھائیوں کو ملیں گے اور ولید برادر علاتی کو بوجہ اختلاف دین کچھ نہ ملے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے دربارہ روافض ہے:

احکامھم احکام المرتدین[1]۔	رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام کی طرح ہیں۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

واختلاف الدین یمنع الارث[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۱: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ کوٹ غربی متولیان مسئولہ سید محمد علی صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص سنی المذہب کا انتقال ہوا اور اس نے اپنی دو بہنیں سنی المذہب اور ایک بیٹی شیعی المذہب چھوڑیں، شرعًا اس صورت

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس ۶/ ۴۵۴

میں ترکہ متوفی کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان کرو حساب کے روز اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض متوفی کا ترکہ نصف نصف دونوں بہنوں کو پہنچے گا اور بیٹی کو کچھ نہ ملے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

احکامھم احکام المرتدین کذا فی الفتاوی الظھیریۃ[1]۔	رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام جیسے ہیں۔ فتاوٰی ظہیریہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

المرتدین لایرث من مسلم ولامن مرتد مثلہ کذا فی المحیط[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرتد نہ تو مسلمانوں کا وارث بنتا ہے اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا۔ ایسا ہی محیط میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از شہر بہار چوک بازار پٹنہ دکان پارچہ حاجی ناصر علی محمد ابراہیم ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

زید نے انتقال کیا، تین لڑکے چھ لڑکیاں چھوڑیں جن میں چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں اور دو نابالغہ اور ایک لڑکا نابالغ، اور احد و محمود دو لڑکے بالغ، یہ پانچوں اور ان کی والدہ ایک ساتھ رہے، اور کل متروکہ انہیں کے قبضہ میں رہا۔ وہ چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں، وقت انتقال زید حق پدری کی طالب نہ ہوئیں، متروکہ پدری سے احد و محمود نے تجارتیں کیں کچھ ایسے ہی اور کچھ میں مضارب بن کر جس سے عظیم کاروبار ہوگیا وہ چاروں دختر اب پدری حق چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جو کچھ تجارتوں میں زیادتی ہوئی ہے وہ بھی ہمارے ہی باپ کا مال ہے اس میں بھی ہمارا حق ہونا چاہئے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت) اور اگر نفع میں بھی ان کو حصہ دیا جائے تو کیا اس نفع سے بھی حصہ ملے گا جس میں احد و محمود مضارب ہوئے تھے؟

---

[1] الفتاوی الهندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الهندیۃ کتاب الفرائض الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

الجواب:

جبکہ نہ ان لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطور خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وہ چاروں لڑکیاں اصل متروکہ میں اپنا حصہ طلب کر سکتی ہیں تجارت سے جو نفع ہوا وہ لڑکیاں اس کی مالک نہیں، ہاں ان کے حصہ پر جو نفع ہوا لڑکوں کے لئے ملک خبیث ہے لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں، ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تصدق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ افضل واولٰی ہے اور ان لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انہیں کی ملک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعاً حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دلجوئی ہو صلہ رحم ہو صاحب حق کی ملک کا نفع اسی کو پہنچے، **واللہ تعالٰی اعلم**

اور اس میں برابر ہے وہ نفع کہ انہیں مال متروکہ کی تجارت پر ملا اور وہ جس میں احد و محمود مضارب ہے کہ ان چار لڑکیوں نے نہ حصہ طلب کیا نہ ان کو مضارب کیا، بطور خود مضارب بن جانا مہمل محض ہے اور اگر ماں نے مضارب کیا تو ان چار لڑکیوں کے حصوں پر اسے بھی کوئی اختیار نہ تھا بہر حال ان کا حصہ ان کے ہاتھ میں بطور غصب رہا اور اس پر نفع جس طرح بھی حاصل ہوا خبیث ہوا اور اس کا وہی حکم ہے جو گزرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: از بمبئی محلہ کماٹی پورہ دوسری گلی مسئولہ محمد عثمان صاحب سنی حنفی قادری ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک نادار شخص ہے جس کی اہلیہ اور ایک دختر تین سال کی ہے قرض لے کر اپنی زوجہ ودختر کو زیور بنادیا اور اب بھی مقروض ہے اس کی خوشدامن بغیر اجازت زید اپنی لڑکی اور نواسی کو اپنے مکان پر لے گئی اور آنے نہ دیا اس درمیان میں زوجہ زید بیمار ہوگئی اور حالت بیماری میں اپنے شوہر کو دو آدمیوں کے روبرو بلوا کر مہر معاف کر دیا۔ زید نے قرض لے کر تجہیز و تکفین کر دی اب خسر زید زیور اور نواسی کو دینے سے انکار کرتا ہے کہ تمہارا اب کوئی حق نہیں اور نہ تمہاری ہمشیرہ کو لڑکی کے پرورش کرنے کا کوئی حق ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں زیور اور نواسی کو نہ دینا کیا حکم شرع رکھتا ہے؟ **بیّنوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا** (تسلی بخش طور پر بیان کرو پھر پورا اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

اگر زوجہ ودختر کو زیور کامالک نہ کردیا تھانہ وہاں کے عرف ورواج سے مالک کردینا مفہوم ہوتا ہو تو اس زیور کامالک خود زید ہے عورت کاماں باپ کو اس کے رکھ لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر مالک کردیا تھاجب بھی لڑکی کازیور وہ نہیں رکھ سکتے کہ نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے نہ کہ نانانانی۔ رہاعورت کازیور اس کے تیرہ حصوں میں سے چار حصے اس کے ماں باپ کے اور تین حصے شوہر اور چھ حصے لڑکی کے، عورت کے والدین اپنے چار حصے لے سکتے ہیں، باقی نوحصے لینے اور رکھنے کا مستحق اس کا شوہر ہے۔ یوں ہی مہر کے تیرہ حصوں میں سے تین حصے بحق شوہر ساقط ہوگئے اور چھ حصے کہ حق دختر ہیں نانانانی ان کامطالبہ نہیں کرسکتے اپنے چار حصے مانگ سکتے ہیں، اگر عورت کا معاف کرنا کہ مرض الموت میں تھا منظور نہ رکھیں اور اگر بعد مرگ زن اس معافی کو منظور کرچکے ہوں تو ان کامہر میں کوئی حق نہ رہالڑکی نوبرس کی عمر ہونے تک نانی کے پاس رہے گی پھر باپ لے لے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: از جحبہ شریف ریاست بہاولپور مرسلہ جناب احمد بخش صاحب چشتی سجادہ نشین ۱۳ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موجب روایت متون سراجی وہدایہ وکنزوملتقی الابحر عنداختلاف الجہۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ وبکون الاصل وارثا معتبر نہیں یعنی بنت العم وابن الخال میں سے کسی کو ترجیح نہیں بلکہ بنت العم کو دوحصہ ابن الخال کوایک حصہ دیاجائے گا اور اسی روایت کو صاحب فتاوٰی حامدیہ نے مفتی بہ قرار دیاہے **بقولہ المعتبر مافی المتون لانہا موضوعۃ لنقل المذہب**[1] (اپنے اس قول کے ساتھ کہ معتبر وہی ہے جو کچھ متون میں ہے کیونکہ وہ نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ت) اور صاحب فتاوٰی خیریہ نے روایت شمس الائمہ سرخسی کو بہت نقول کے ساتھ مؤید کرکے مفتی بہ قراردیا یعنی عنداختلاف الجہۃ ولد عصبہ کو ترجیح ہے، علامہ شامی نے بھی اسی روایت کی بڑی تائید کرتے ہوئے اپنی کتاب تنقیح حامدیہ میں مفتی بہ قراردیا مگر **عنداختلاف الجھۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ** (اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت کے ساتھ ترجیح۔ت) میں اضطراب کرکے امر بمراجعۃ کتب کیاہے،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

بقوله بقی ماأذا اختلفت الجهة فهل يرجح بقوة القرابة امر لا. اماعلی رواية انه لاترجيح لولد العصبة علی ولد ذی الرحم فقد صرحوا بانه لاترجيح ايضًا بقوة القرابة فلايرجح ولدالعمة لا بوين علی ولد الخال اوالخالة لاب، قالوا وانما يعتبر ذٰلك فی كل فريق بخصوصه فالمدلولون بقرابة الاب يعتبر فيما بينهم قوة القرابة ثمر ولد العصبة ای فيقدم ولدالعمة لابوين علی ولد العمة اوالعمر لاب، وكذا المدلولون بقرابة الامر فيعتبر فيهم قوة القرابة ولاتتصور عصوبة فی قرابة الامر فولد الخالة لابوين مقدم علی ولد الخال لاب، واماعلی رواية ترجيح ولد العصبة عنداختلاف الجهة فلمر ارمن ذكرانه يرجح بقوة القرابة، بل ظاهر اطلاق هذه الرواية ترجيح بنت العمر لاب علی ابن الخال لابوين وان كان ابن الخال اقوی منها، ومقتضی مامرعن السيد من التعليل بان

اپنے اس قول کے ساتھ، باقی رہی اختلاف جہۃ کی صورت کہ کیا اس میں قرابت کی قوت سے ترجیح ہوگی یا نہیں۔ اس روایت کی بنیاد پر کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر کوئی ترجیح نہیں مشائخ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قوت قرابت کے ساتھ بھی ترجیح نہیں ہوگی۔ چنانچہ حقیقی پھوپھی کی اولاد کو علاتی ماموں یاعلاتی خالہ کی اولاد پر ترجیح نہ ہوگی۔ مشائخ نے کہاکہ قوت قرابت کااعتبار ہر فریق میں علیحدہ ہوگا۔ لہٰذا جورشتہ دار باپ کی قرابت سے میت کی طرف منسوب ہیں ان کے درمیان قوت قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونا معتبر ہوگا یعنی سگی پھوپھی کی اولاد علاتی پھوپھی یاعلاتی چچاکی اولاد پر مقدم ہوگی۔ یونہی ماں کی قرابت سے میت کی طرف منسوب ہونے والوں کے درمیان قرابت کی قوت معتبر ہوگی مگران میں عصبہ ہونا متصور نہیں ہے۔ چنانچہ حقیقی خالہ کی اولاد علاتی ماموں کی اولاد پر مقدم ہوگی۔ لیکن اس روایت کی بنیاد پر کہ جہت مختلف ہونے کے باوجود عصبہ کی اولاد کوترجیح ہوگی میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے قوت قرابت کے ساتھ ترجیح کا ذکر کیا ہو بلکہ اس روایت کے اطلاق کاظاہر تو یہ ہے کہ حقیقی ماموں کے بیٹے پر علاتی چچا کی بیٹی کوترجیح حاصل ہوگی حالانکہ ماموں کابیٹا چچا کی بیٹی سے اقوی ہے۔ اور سید کے حوالے سے جودلیل پہلے گزری کہ کسی شخص کو اس معنی کے

ترجیح شخص بمعنی فیه اقوی من الترجیح بمعنی فی غیرہ یقتضی ترجیح ابن الخال فی المثال المذکور، ویؤیدہ ان الترجیح بقوۃ القرابۃ اقوی من الترجیح بکون الاصل وارثا فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمه ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضاً لانها اقوی فتامل وراجع[1] اھ۔	اعتبار سے ترجیح جو اس کی ذات میں پایا جاتا ہے اقوی ہے اس ترجیح سے جو اس کو غیر میں پائے جانے والے معنی کے اعتبار سے حاصل ہو اس کا مقتضٰی تو مثال مذکور میں ماموں کے بیٹے کی ترجیح کو چاہتا ہے، اس کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ قرابت کی قوت سے حاصل ہونے والی ترجیح اس ترجیح سے اقوی ہے جو اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جس نے کہا کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر ترجیح ہے۔ اس کے لئے قوت قرابت سے ترجیح دینا بھی لازم ہوگا کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ غور کر اور مراجعت کر الخ (ت)

الغرض آپ کے نزدیک روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ یا متون، اگر روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ ہے تو ترجیح قوت قرابت بھی کی جائے گی،

کماھو رأی الشامی بقوله ویؤیدہ الخ یانه کما ھو الظاھر من اطلاق روایۃ السرخسی۔	جیسا کہ شامی کی رائے ہے اس قول کے ساتھ کہ اس کی تائید کرتا ہے الخ یا نہیں، جیسا کہ سرخسی کی روایت کے اطلاق سے ظاہر ہے۔ (ت)

پس بموجب متون قاعدہ اولاد صنف رابع اس طرح ہے:

یرجعون بقرب الدرجۃ ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق علیحدۃ الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بولد العصبۃ۔	وہ قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دوتہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا پھر ہر فریق میں علیحدہ قوت قرابت، پھر اولاد عصبہ ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب ظاہر اطلاق سرخسی قاعدہ یہ ہے:

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۱

يرجحون بقرب الدرجة ثم بكون الاصل وارثا ثم يعطى لفريق الاب الثلثان ولفريق الام الثلث ثم يعتبر فی كل فريق الترجيح بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثا۔	وہ قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں۔ پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ پھر ہر فریق میں قوت قرابت پھر اصل کے وارث ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب مذاق شامی قاعدہ یہ ہے:

يرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم بكون الاصل وارثا اتحدت الجهة اواختلفت ثم يعطى لفريق الاب الثلثان ولفريق الام الثلث۔	وہ قرب درجہ، پھر قوت قرابت، پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں چاہے جہت متحد ہو یا مختلف، پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا(ت)

پس ان میں سے کس قاعدہ کو معمول بہ کیا جائے؟ بیّنوا توجروا۔

بخدمت حضرت مولانا صاحب علامۃ الدہر مولوی احمد رضا خاں سلمہ الرحمٰن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

چونکہ یہ خاکسار اس وقت ایک ایسے رسالہ علم میراث کی تصنیف میں لگا ہوا ہے جو نہایت سہل، مختصر اور منضبط قواعد پر مشتمل ہو، تقلید قواعد قدیمہ کی بالکل ترک کرکے جدید قواعد ایسے ایجاد ہوچکے ہیں جو ایک ہی عمل کے ذریعے سے مناسخہ تک مسئلہ جاتا ہے کہ دوسرے عمل رد، عول تصحیح وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ علٰی ہذا القیاس ذوی الارحام اور اس کے مناسخہ کی تسہیل بھی پرلے درجہ تک کی گئی ہے، امید کہ بعد تکمیل وہی رسالہ بنابر تقریظ حضور کی خدمت میں بھی ارسال کیا جائے گا، چونکہ اولاد صنف رابع کے قاعدہ تحریمی میں سخت اختلاف ہے لہذا حل ہونا اس مشکل کا بغیر امداد آں حل المشکلات صاحب کمال کے سخت مشکل ہے اور کوئی دوسرا اہل فن باکمال میری رائے میں موجود نہیں کہ حل کرسکے، پس بہر حال دوسرے شغل کو بالفعل بند فرماکر مکمل قاعدہ مفتٰی بہ بمع نقل عبارات فقہیہ لکھ کر ارسال فرمائیں تاکہ بعینہٖ آپ کے فتوٰی کو درج رسالہ کیا جائے میرے پاس کوئی اور کتاب بجز شامی ودُرو

فتاوٰی تنقیح الحامدیہ کے نہیں ہے تاکہ صریح جزئی کامسئلہ حاصل کرسکوں، جوابی لفافہ مرسل خدمت ہے، جب تک جواب نہیں آئے گامیں سخت انتظار میں مضطرب رہوں گااور رسالہ بھی ناقص رہے گا،

ختم ۲۸مارچ ۱۹۱۸ء راقم خادم الشرع سراج احمد مدرس علوم عربیہ جھجہ ریاست بہاولپور از طرف فقیراحمد بخش چشتی سجادہ نشین جھجہ شریف۔ تاکید مزید بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بخدمت جناب ابوالعلامہ امجد صاحب سلمہ المذہب السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مسئلہ قاعدہ تحریم صنف رابع ذوی الارحام مندرجہ لفافہ ہمارے علماء گردونواح کامختلف فیہ واقع ہواہے کوئی متون کوترجیح دیتے ہیں دیوبندیوں کافتوی بھی یہ ہے حتی کہ کتاب مفید الوارثین میں بالتصریح مذکور ہےاور کوئی فتاوٰی خیریہ کو مقدم سمجھتے جس کی شامی نے بھی تائید کی۔اب مسئلہ معرکہ آرابن گیا ہے ایک نقل اس استفتاء کامولوی عبدالغفور ہمایونی کو بھیجا گیا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ فوت ہوگئے ہیں باقی دیوبندی علماء غیر مقلد ہیں ان کے فتوے پراعتبار نہیں آتا۔آج کل فقہ حنفی کاعالم متبحر بغیر مولوی صاحب مولوی احمد رضاخاں صاحب کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا،ایک خط پہلے درباره استفتائے مذکور مولوی احمد رضاخاں صاحب کے پاس بھیجاگیا سب علماء اس جگہ والے منتظر جواب ہیں اس لئے آج دوسرا استفتائے مذکور کی نقل آپ کی وساطت سے بجناب مولوی صاحب بھیجی جاتی ہے براہ عنایت واعانت دین آپ بنفس نفیس یہ استفتاء مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کرکے جواب لکھواکر واپس فرمائیں اللہ تعالٰی جل شانہ،آپ کو اس تکلیف کانعم البدل عطافرمائے گامگرجواب صرف نعم اور لامیں نہ ہوبلکہ بہ نقول وحوالہ کتب فقہ حنفی مستدل ومبرہن لکھوادیں ایسے اختلاف عظیم کامٹانااور حق دریافت کرنا جس میں علامہ شامی جیسا محقق بھی عاجز ہوکر دوسروں کو فیصلہ پرامر بمراجعہ کتب فرمارہاہے بجز مولوی صاحب جیسے علامہ متبحر کے اور کوئی قادرنہ ہوسکے گا۔آج مولوی صاحب جیسی شمع روشن ہے کل کوخدانخواستہ کوئی شخص اس کو حل نہ کرسکے گا۔مولوی صاحب کے ہاں ذخیرہ کتب موجود ہےامید ہے کہ کسی عالم مصریاشام نے اپنے فتاوٰی میں ذکراس جزئی کاکیاہو وہ ضرور نقل فرمائیں فقط ۱۱/اگست ۱۹۱۸ء راقم فقیراحمد بخش سجادہ نشین شہر جھجہ ریاست بہاولپور

الجواب:

یہاں دو [۲] مسئلے ہیں: **اوّل** [۱]: بحالت اختلاف حیز بھی ولدالوارث کوترجیح ہے یانہیں۔

دوم: اگر ہے تو قوت قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولٰی کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ کہا گیا اور ترجیح متون التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات، تو معتمد یہ ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریہ سائل فاضل سلمہ اللہ تعالٰی کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا اس کی عبارات بتمامہا عقود میں منقول ہے ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیہ میں ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی وصاحب ہدایہ ومتن کنز وملتقی واکثر شروح کنز وہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے۔ علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسے اختیار کیا

اقول: اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس اورنہ نے اپنی کتاب "حل المشکلات" تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی۔

حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام [1] اھ بالتخصیص۔	جہاں فرمایا کہ حقیقی چچا کی بیٹی اور اخیافی ماموں کی بیٹی میں مال تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا (اول الذکر کو دو تہائی اور موخر الذکر کو ایک تہائی) کیونکہ باپ کے فریق اور ماں کے فریق کے درمیان قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونا معتبر نہیں اھ تلخیص (ت)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین بن عبدالواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ وزبدۃ الفرائض مولوی عبدالباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف جانا ہی چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے، **اول** کی عبارت یہ ہے:

وان کان واسطۃ قرابتہم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام والاعتبار	اور اگر ان کی قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی ماں باپ کی قرابت اور ایک تہائی ماں کی قرابت کے لئے ہوگا۔ ان کے درمیان قوت قرابت

[1] حل المشکلات فی الفرائض

بقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ بینھا کما لوترك اخت الاب لاب وام واخت الام لاب لیس للاولٰی ترجیح علی الثانیۃ وان کانت الاولی ولد العصبۃ وایضا لھا قوۃ القرابۃ کذا ھذا[1]۔	اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ جیسے کسی نے باپ کی حقیقی بہن اور ماں کی علاتی بہن چھوڑی ہو تو پہلی کو دوسری پر ترجیح نہیں ہوگی حالانکہ پہلی عصبہ کی اولاد ہے اور اسے قوت قرابت بھی حاصل ہے۔ (ت)

دوم میں ہے:

واگر ہم بدرجہ قرابت برابر باشند ودر حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اب بوند وبعض از جانب ام دریں ہنگام در ظاہر الروایۃ مر قوت قرابت وولد عصبہ رااعتبار نہ باشد پس ولد عمہ اعیانی از ولد خال یاخالہ علاتی یا اخیافی اولٰی نبود کہ قوت قرابت ولد عمہ رااعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یاخالہ اعیانی اولٰی نباشد کہ ولد عصبہ رااعتبار نیست بر قیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علاتی یااخیافی اولٰی نہ بود باوجود آنکہ عمہ اعیانی ذو قرابتین است و ولد وارث از جہتین یعنی از جہت اب وام زیراکہ پدر او جد صحیح است ام او جدہ صحیحہ[2]۔	اگر قرابت کے درجہ میں برابر ہوں اور جہت قرابت میں مختلف یعنی باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو اس وقت ظاہر الروایہ میں قوت قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ لہٰذا حقیقی پھوپھی کی اولاد علاتی یا اخیافی ماموں یا خالہ کی اولاد سے اولٰی نہ ہوگی کیونکہ پھوپھی کی اولاد کے لئے قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح حقیقی چچا کی بیٹی حقیقی ماموں یا خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہ ہوگی کیونکہ عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ حقیقی پھوپھی، علاتی یا اخیافی خالہ سے اولٰی نہیں ہوتی باوجودیکہ حقیقی پھوپھی دو قرابتوں والی ہے اور دو جہتوں سے وارث کی اولاد ہے یعنی باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی کیونکہ اس کا باپ میت کا جد صحیح اور اس کی ماں میت جدّہ صحیحہ ہے۔ (ت)

[1] مختصر الفرائض

[2] زبدۃ الفرائض

اسے ظاہر الروایہ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے، اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار رکھا یوں کہ قول متن:

واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث۔	جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ (ت)

میں واتحدت الجهة[1] (اور جہت متحد ہو۔ت) کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا:

فلواختلفت فلقرابة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث[2]	اگر جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت کو دو تہائی اور ماں کی قرابت کو ایک تہائی ملے گا (ت)

علامہ سید احمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ:

ان اختلف حیز القرابة فلا عبرة للاقوٰی ولا لولد العصبة[3]۔	اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو اقوی اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

یونہی علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقی پر تقریر کی۔

یہ ہیں وہ عبارات جو اس قول پر نظر حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔

فاقول: ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ و کنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی و سراجیہ اسی پر ہیں لہٰذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا مگر **اوّلاً:** وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

هذا ظاهر الرواية كما فى السراجية والفرائض العثمانية لصاحب الهداية[4]۔	یہ ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ سراجیہ اور صاحب ہدایہ کی فرائض عثمانیہ میں ہے۔ (ت)

ثانیاً: شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی و عنایہ امام اکمل و بنایہ امام عینی و غایۃ البیان

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۴۰۱

[4] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث فی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۷

امام اتقانی ونتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہیں۔ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔غالبًا یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلًا اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر حذف فرمادیا توظاہرًا اغالب شروح ہدایہ کہنا خیر یہ کا سبق قلم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

ثالثًا: کنز کی عبارت یہ ہے:

وذورحم وھو قریب لیس بذی سھم وعصبۃ(الٰی ان قال)وترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام[1]۔	ذورحم وہ قریبی رشتہ دار ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو(یہاں تک کہ فرمایا)او ان کی ترتیب عصبات کی ترتیب کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے سے ہے جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔(ت)

حضرت علامہ شامی اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کااطلاق اوراسی بناء پر اسے متون وشروح کی طرف نسبت کیاجانا بتاتے ہیں۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفًا ہے:

وھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ[2]۔	وہ متون وشروح کاظاہر اطلاق ہے جہاں مشائخ نے فرمایا کہ جہت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کوماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔چنانچہ انہوں نے عصبہ کی اولاد اوراس کے غیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔(ت)

اقول: یہ جملہ دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعًا ان سے مقید ہے ورنہ اختلاف جہت کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے وعلی التنزیل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف واتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق سے معارض ہے۔

---

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۷۔۸

رابعًا: مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں:

واذا استوی وارثان فی درجة واحدة فاولٰهم من ادلٰی بوارث واقربهم اولٰی من ابعدهم [1]۔	جب دو وارث ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے میت کی طرف منسوب ہونے والا اولٰی ہوگا اور ذوی الارحام میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔(ت)

خامسًا: اسی طرح متن تنویر میں تمام اصناف ذکر کرکے فرمایا:

واذا استووافی درجة قدم ولد الوارث واذا اختلفت الاصول اعتبر محمد من الاصول وقسم علیهم اثلاثا [2] الخ۔(ملتقطًا)	جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا، اور جب اصول مختلف ہوں تو امام محمد علیہ الرحمہ اصول کا اعتبار کرتے ہوئے مال کے تین حصے بناکر ان پر تقسیم کرتے ہیں الخ (ملتقطًا)۔(ت)

اس نے بھی صاف کردیا کہ بعد استواء درجہ تقدم ولد وارث کا حکم عام ہے اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ میں یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری وکنز وتنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی کہ منظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (حیز) سے خاص **هكذا ينبغی ان يفهم كلام الكرام** (بزرگوں کے کلام کو یوں ہی سمجھنا چاہئے۔ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ **واذا استووافی درجة** (جب درجہ میں برابر ہوں۔ت) کے بعد درمختار کا "**واتحدت الجهة**" [3] (اور جہت متحد ہو۔ت) کی طرف خود ان کا میل برخلاف متن ہے۔

سادسًا: ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر نہیں۔

---

[1] القدوری کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

قدوری، کنز وتنویر کا حال معلوم ہوا سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں اس کا مرتبہ فتاوٰی یا غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ واشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہر گز نہیں بلکہ فتاوی میں کما بیّنّاہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لئے لکھتے ہیں جیسے مختصرات طحاوی وکرخی وقدوری اور سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ بعض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے، لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ در حقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔

ان المصنف لما خرج من فرغانة الی بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبة الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحالھا[1]۔	مصنف علیہ الرحمہ جب فرغانہ سے بخارا گئے تو وہاں قاضی امام علاء الدین السمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دو ورقوں میں پایا جو انہیں پسند آئے تو ان کی شرح کے طور پر اس کتاب (سراجیہ) کو لکھنا شروع کیا (ت)

تو نہ رہی مگر ایک ملتقی، اس میں بیشک یہ قول مصرح ہے:

حیث قال یرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم یکون الاصل وارثا عند اتحاد الجھة[2]۔	جہاں فرمایا کہ اتحاد جہت کے وقت وہ قرب درجہ پھر قوت قرابت پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں (ت)

تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی ہی پر ہیں۔ **سابعًا:** شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا اور شروح کنز نے مسئلہ متن کو مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہولیا وللہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی وفتاوٰی امام تمرتاشی ومجمع الفتاوٰی وفتاوٰی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ ومذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصروتاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے: علیہ الفتوی[3]۔ جامع المضمرات میں ہے: ھو الصحیح[4]۔ معراج الدرایہ میں ہے: ھو الاولی بالاخذ للفتوی[5] (فتوی کے لئے اخذ

---

[1] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام مطبع علیمی لاہور ص ۹۶

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل ذوالرحم قریب مؤسسة الرسالہ بیروت ص ۳۵۱

[3] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[4] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[5] العقود الدریة کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

کرنے کے زیادہ لائق یہ ہے۔ت) علامہ محقق خیر الدین رملی [1] نے اسی پر فتوٰی دیا۔

اقول: بلکہ مبسوط امام سرخسی جلد ثلاثین ص ۷ میں ہے:

اجمعنا انه لوکان احدھما ولد عصبة اوصاحب فرض کان اولی من الاٰخر [2]۔	ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو تو وہ دوسرے سے اولٰی ہوگا(ت)

اسی کے صفحہ ۵ میں ہے:

من کان منھم ولد عصبة اوصاحب فرض فانه یقدم علی من لیس بعصبة ولاصاحب فرض [3]۔	ان میں سے جو عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو وہ مقدم ہوگا اس پر جو عصبہ یا صاحب فرض نہیں۔(ت)

اسی طرح علامہ سید شریف نے زیر قول مصنف **اولٰھم بالمیراث اقربھم** [4] (ان میں میراث کا زیادہ حقدار وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہے۔ت) نقل فرمایا اور مقرر رکھا۔

پھر مبسوط امام سرخسی کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انہوں نے کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے اس میں انہوں نے صرف اسے ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے نیز ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے:

ان کان احدھما ولد عصبة اوولد صاحب فرض فعند اتحاد الجھة یقدم ولدالعصبة وصاحب الفرض و عند اختلاف الجھة لایقع الترجیح بھذا بل یعتبر المساواة فی الاتصال بالمیت،	اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوات کا اعتبار کیا جائے گا اس کا بیان یہ ہے کہ مثلاً کوئی

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲
[2] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دار المعرفة بیروت ۳۰/ ۷
[3] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دار المعرفة بیروت ۳۰/ ۵
[4] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام فصل فی الصنف الاول مطبع علیمی لاہور ص ۱۰۰

بیانه فیما اذا ترك ابنة عم لاب وامٍ اولابٍ وابنة عمة فالمال کله لابنة العم لانها ولد عصبة، ولوترك ابنة عم و ابنة خال اوخالة فلابنة العم الثلثان ولابنة الخال اوالخالة الثلث لان الجهة مختلفة هنا فلا یترجح احدهما بکونه ولد عصبة وهذا فی روایة ابن ابی عمران عن ابی یوسف فاما فی ظاهر المذهب ولدالعصبة اولٰی سواء اختلفت الجهة اواتحدت لان ولدالعصبة اقرب اتصالا بوارث المیت فکان اقرب اتصالا بالمیت فان قیل فعلٰی هذا ینبغی ان العمة تکون احق بجمیع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهو اب الاب، والخالة لیست بولد عصبة ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام، قلنا لا کذٰلك فان الخالة ولدام الام وهی صاحبة فرض فمن هذا الوجه تتحقق المساواة بینهما فی الاتصال بوارث المیت، الا ان اتصال الخالة بوارث وهی امّ، فتستحق فریضة الام واتصال العمة بوارث وهو اب

شخص حقیقی یاعلاتی چچاکی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا توتمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔اوراگرچچا کی بیٹی اورماموں یاخالہ کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہواتو چچاکی بیٹی کودو تہائی اورماموں یاخالہ کی بیٹی کوایک تہائی ملے گا، کیونکہ یہاں جہت مختلف ہے۔دونوں میں سے ایک کوعصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ابن ابی عمران کی روایت ہے۔لیکن ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یامتحد، کیونکہ عصبہ کی اولاد کامیت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔اگرکہاجائے اس بناء پر چاہئے کہ پھوپھی خالہ کی بنسبت تمام مال کی زیادہ حقدار ہو کیونکہ پھوپھی عصبہ یعنی دادا کی اولاد ہے جبکہ خالہ نہ توعصبہ کی اولاد ہے اورنہ ہی صاحب فرض کی، کیونکہ وہ نانا کی اولاد ہے۔توہم کہیں گے کہ اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اوروہ صاحب فرض ہے۔اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگرخالہ کاجس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہٰذا

فتستحق نصیب الاب، فلھذا کان المال بینھما اثلاثا[1]۔	ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ باپ (دادا) ہے لہٰذا وہ باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لئے ان میں مال تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا (دو حصے پھوپھی کے اور ایک حصہ خالہ کا)۔ (ت)

بعینہٖ یہی مضمون تمام وکمال تکملہ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ **اتصالا بالمیت** تک۔ اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول سے جواب کا بھی افادہ فرمادیا:

| اقول: ولایقدح فی تحقق المساواۃ ان العمۃ اذا کانت لاب وام کانت ولد الوارث من کلا الجھتین و یستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولانظر الیھا عند اختلاف الحیز کما صرحوا بہ قاطبۃ نعم رایتنی کتبت علی ھامش تکملۃ البحر مانصہ۔ **اقول**: لایتمشّٰی اذا کانت الخالۃ اخت الام لاب اھ ای فانھا لاحظ لھا من ولدیۃ وارث اصلا۔ لایقال نصوا انھا اقوٰی من الخالۃ لام فاذا مات عن خالۃ بالاب و اخرٰی لام احرزت الاولٰی جمیع المال ولاشیئ للاخرٰی والخالۃ لام لاتحجبھا العمۃ لاستوائھا معھا فی ولدیۃ الوارث فاذا لم تحجب | میں کہتا ہوں مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ پھوپھی جبکہ حقیقی ہو تو وہ دونوں جہتوں سے وارث کی اولاد ہے اور یہ بات خالہ میں محال ہے (کیونکہ وہ صرف ایک جہت سے وارث کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قرابت کی قوت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا جیساکہ تمام مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے تکملہ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ **میں کہتا ہوں** یہ جواب اس وقت نہیں چلے گا جب خالہ ماں کی علاتی بہن ہو الخ کیونکہ وہ بالکل وارث کی اولاد نہیں۔ یوں نہ کہا جائے کہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہے کہ علاتی خالہ اخیافی خالہ سے اقوی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص علاتی خالہ اخیافی خالہ چھوڑ کر مرا تو سارا مال پہلی خالہ لے گی دوسری کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ پھوپھی اخیافی خالہ کو محروم نہیں کرسکتی کیونکہ وارث کی اولاد ہونے میں وہ اس کے ساتھ شریک ہے۔ جب پھوپھی |

---
[1] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دارالمعرفۃ بیروت ۲۱/۳۰

الاضعف وجب ان لاتحجب الاقوٰی لانی اقول انما قوتها قوة قرابتها فان الانتماء بالاب اقوی من الانتماء بالام وھٰذہ قوة لانظر الیها عنداختلاف الجهة فتبقی ولدیة العمة للوارث قوة بلامعارض فیلزم ان تحجب الخالة لاب وھو باطل فعلم ان ولدیة الوارث ایضا لاتلاحظ فی الحیز المختلفة۔ **اقول**:وباللہ التوفیق توریث الخالة مع العمة اثلاثا عند الفقهاء رضی اللہ تعالٰی عنهم لاقامة العمة مقام العم والخالة مکان الام قال الامام شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم عندنا والخالة بمنزلة الام ،وقال اھل التنزیل العمة بمنزلة الاب و الخالة بمنزلة الام ،قالوا اتفقت الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم علی ان للعمة الثلثان وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولاوجه لذلك الا بان تجعل العمة کالاب باعتباران قرابتها قرابة الاب

اضعف کو محروم نہیں کر سکتی تو ضروری ہے کہ اقوی یعنی علاتی خالہ کو بھی محروم نہ کرے اس لئے کہ میں کہتا ہوں پہلی خالہ کی قوت قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہونا ماں کے ذریعے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔لہٰذا پھوپھی کے اولاد وارث ہونے والی قوت کسی معارض کے بغیر باقی رہے گی۔اور لازم آئے گا کہ پھوپھی علاتی خالہ کو محروم کردے،حالانکہ یہ غلط ہے۔معلوم ہوا کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں وارث کی اولاد ہونے کا بھی اعتبار نہیں۔میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماں کے قائمقام رکھا جاتا ہے،امام شمس الائمہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک پھوپھی،چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے۔اہل تنزیل نے کہا کہ پھوپھی بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔مشائخ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس پر متفق ہیں کہ جب خالہ اور پھوپھی جمع ہوں تو پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی ہوگا۔اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتی کہ پھوپھی کو باپ کے قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ کی

والخالۃ کالام باعتبار ان قرابتھا قرابۃ الام، وجہ قول علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی ان الاصل ان الانثٰی متی اقیمت مقام ذکرفانھا تقوم مقام ذکر فی درجتھا۔والذکر الذی فی درجۃ العمۃ العم و ھو الوارث فتجعل العمۃ بمنزلۃ العم، والخالۃ لو اقمناھا مقام ذکرفی درجتھا وھو الخال لم ترث مع العمۃ فلھذہ الضرورۃ اقمناھا مقام الام فالعمۃ ترث الثلثین وللخالۃ الثلث بھذا الطریق بمنزلۃ مالو ترك امّا وعمّا[1] اھ(مختصرًا)فاذاکان الامر علی ھذا سقط تقدم العمۃ لولدیۃ العصبۃ فانّھا قداقیمت مقام العصبۃ فضلا عن الوالدیۃ ولم تحجب الخالۃ لاقامتھا مقام الام والام لاتحجب بالعم وفی ھذہ الحالات کلھن سواء قدرأینا ان مثل الاقامۃ تمنع الحجب بما ھو اقوی اسبابہ وھو قرب درجۃ، الاتری ان من

قرابت کی وجہ سے ہے۔اور خالہ کوماں کے قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت ماں کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ہمارے علماء کے قول کہ "خالہ ماں کی طرح ہے" کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ کی رو سے عورت کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیاجائے تو اپنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کاہم مرتبہ مرد چچا ہے جوکہ وارث ہے لہٰذا اسے چچا کے قائم مقام کیاجاتاہے اور خالہ کو اگر اس کے ہم درجہ مرد یعنی ماموں کے قائم مقام کیاجائے تو وہ پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی۔اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا، لہٰذا اس طرح پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کوایک تہائی ملے گا جیساکہ ماں اور چچا کو چھوڑ کر فوت ہونے کی صورت میں ہوتا(اختصار)جب معاملہ اس طرح ہے توپھوپھی کو عصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اس کو عصبہ کی اولاد کے بجائے خود عصبہ کے قائم مقام قرار دیاگیاہے پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کرسکے گی کیونکہ خالہ کوماں کی جگہ رکھاگیاہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ تحقیق ہم نے دیکھاکہ قائم مقام قرار دینے کی وجہ سے قرب درجہ جیسا قوی ترین سبب بھی محروم نہیں کرسکتا۔کیاتونہیں دیکھتاکہ کوئی شخص اگر

[1] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث العمات والاخوال والخالات دارالمعرفۃ بیروت ۳۰/ ۱۸و۱۹

خلف بنتا وبنات ابن فلهن السدس تكملة للثلثين لاقامتهن مقام بنت فلم يحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وكذلك اذا مات عن بنتين وبنت ابن وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لم يحجب بنت الابن وبنت ابن الابن لانهما اقيمتا فی درجة الذکر کی تتعصب به فهذا هو السرفی وراثة الخالة لاب مع العمّات والله تعالٰی اعلم ثم اقول: لایذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر علی الذوات ولاتتعدی الی الاولاد فاولاد الخالة لایجعلون کاولادالام الاتری ان ذکورهم لایساوون اناثهم بل للذکر مثل حظ الانثیین وهذا کولدیة العصبة لاتسری من الولد الی ولد الولد کما فی ردالمحتار وغیره عن سکب الانهر وغیره فا بنت العم لایقدم علی بنت ابن العمة او الخال اوالخالة فاحفظ۔

ایک بیٹی اور چند پوتیاں چھوڑ کر مرجائے تو دوتہائی کی تکمیل کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا، کیونکہ انہیں بیٹی کے قائم مقام رکھا گیا ہے لہٰذا بیٹی کے درجہ سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو بیٹیاں، ایک پوتی، ایک پوتے کی بیٹی اور ایک پوتے کا بیٹا چھوڑ کر مرگیا تو پوتی اور پوتے کی بیٹی محروم نہ ہوں گی کیونکہ ان کو مرد کے درجے میں رکھا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ عصبہ بن جائیں۔ علاتی خالہ کے پھوپھیوں کے ساتھ وارث بننے میں یہی راز ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں تجھے ہرگزیہ نہ بھولے کہ قائم مقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہے اولاد کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہوتا۔ لہٰذا خالہ کی اولاد کو ماں کی اولاد کی طرح نہیں بنایا جائے گا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خالہ کی اولاد میں مذکر و مؤنث آپس میں برابر نہیں بلکہ لڑکے کا حصہ دولڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ یہ عصبہ کی ولدیت کی طرح ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں سکب الانہر وغیرہ سے منقول ہے۔ چنانچہ چچا کا نواسہ، پھوپھی، ماموں یا خالہ کی پوتی سے مقدم نہ ہوگا۔ پس اس کو یاد کرلے۔ (ت)

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر الروایۃ اور مذہب بتایا اور

تصحیحات صریحہ اسی کے لئے ہیں، خصوصاً آکد تصحیحات علیہ الفتوی، تواسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب۔ درمختار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم [1]۔واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔	ہم پر ان کی ترجیح و تصحیح کی اتباع ضروری ہے جیساکہ وہ اپنی زندگی میں ہمیں فتوی دیتے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثانیہ: جبکہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتٰی بہ میں ولدیت وارث معتبر ہے، آیا قوت قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاق روایت بتایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوت قرابت ولدیت وارث سے اقوی ہے جب یہ معتبر تو اس کا اعتبار بدرجہ اولٰی ہے۔ عبارت عقود دسائل فاضل کے پیش نظر ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے نسخہ عقود پر یہاں یہ حاشیہ لکھا تھا:

| قولہ رحمہ اللہ تعالٰی یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانھا اقوی **اقول:** قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لانظر بقوۃ القرابۃ مع اختلاف الحیز فلا تقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولا الخالۃ العینیۃ عل العمۃ الام۔ وکون قوۃ القرابۃ اقوی من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لایوجب اعتبارھا مع اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل | مصنف علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ وہ (عصبہ کی اولاد ہونے سے) زیادہ قوی ہے۔ **میں کہتا ہوں** روایات ظاہرہ میں مشائخ اس پر متفق ہیں کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہوتا لہذا حقیقی پھوپھی کو اخیافی خالہ پر ترجیح نہیں ہوگی اور نہ حقیقی خالہ کو اخیافی پھوپھی پر ترجیح ہوگی۔ جہت واحدہ میں قوت قرابت کے ولدیت عصبہ سے زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلاف جہت کے وقت بھی اس کا اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قوت قرابت کا اعتبار ساقط ہوتا ہے۔ چنانچہ اضعف کے بر محل معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں |

[1] الدر المختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

جریانہ لایستلزم جریان الاقوی فیه مع انعدام المحلیة له،والحق ان لامعنی لقوة القرابة فی حیز الاکون قریب ذاجهتین کالعینی او ذاجهة اقوی کالعلاتی مع الاخیافی وظاهر ان اجتماع الجهتین فی حیز لایلغی الحیز الآخر واذاکان نفس احد الحیزین اعنی الاب اقوی من الآخر اعنی الام ثم لم تورث قوته الغاء الحیز الآخر فکیف تورث قوة جهته الغاء الاٰخر وتعلیل قوة القرابة انما هو فی الحیز الواحد لا تقدیم ذی حیز علی ذی حیز آخر لقوة القرابة فی حیزه والایقدم الحیز الابوی مطلقاً علی الامی وایضاً لونظر الٰی قوة القرابة لعاد نقضاً علی المقصود فان الاقوی غیرمعتبر مع اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاهرة فکیف تعتبرون فیه الاضعف و یؤول الامر الی الغاء کلا الترجیحین وهو خلاف ما قررتم انه صحیح مفتی به وانما الجواب ماقدمت ان الاقوی لم یعتبر لعدم المحل

اقوی بے محل بھی معتبر ہو۔اور حق یہ ہے کہ ایک جہت میں قوت قرابت کا معنی فقط یہ ہے کہ ایک قریبی رشتہ دار دو جہتیں رکھتاہو جیسے سگا رشتہ داریاایک زیادہ قوی جہت رکھتاہو جیسے علاتی رشتہ دار اخیافی رشتہ دار کے ساتھ۔ظاہر ہے کہ ایک جانب میں دوجہتوں کااجتماع دوسری جانب کو محروم نہیں کرتا۔جب خود ایک حیز یعنی باپ جوکہ اقوی ہے دوسرے حیز یعنی ماں سے۔اس کے باوجود اس کی قوت دوسرے حیز کو محروم نہیں کرتی تواس کی جانب سے حاصل ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم کرسکے گی۔قوت قرابت فقط ایک جہت میں معتبر ہے۔اس کی وجہ سے ایک جانب کو دوسری پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ باپ کی جانب کو مطلقًا ماں کی جانب پر تقدیم حاصل ہو،نیز قوت قرابت کا اعتبار مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ اختلاف جہت کے وقت تمام روایات ظاہرہ کے مطابق اقوی معتبر نہیں توتم اس میں اضعف کااعتبار کیسے کرتے ہو۔چنانچہ معاملہ دونوں ترجیحوں کو لغو قرار دینے کی طرف لوٹ آئے گا اوریہ خود تمہاری تقریر کے خلاف ہے کہ وہ(ولد عصبہ سے ترجیح) صحیح اور مفتٰی بہ ہے۔اس کاجواب وہ ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیاکہ اقوی کااس لئے اعتبار نہیں ہے کہ اس کا محل نہیں۔

فلایلغی الآخر مع حصول المحلیة وذٰلك لان ولدیة العصبة تسقی من العصوبة والعصوبة تقضی علٰی غیرھا مطلقا وان کان من غیر حیزھا کالعدم یحجب الخال فکذا ولدیة العصبة وبھٰذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقوٰی کما ذھب الیه العلامة الشامی ووجوب اسقاط الاضعف لسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالٰی اعلم ولی الانعام۔	لہٰذا دوسری ترجیح بر محل ہونے کی وجہ سے لغو نہ ہوگی۔ یہ اس لئے ہے کہ عصبہ کی اولاد کو عصوبت سے حصہ ملتاہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقًا ترجیح ہوتی ہے اگرچہ جہت مختلف ہو مثلًا چچا(جوکہ عصبہ ہے) ماموں کو محروم کردے گا اسی طرح عصبہ کی اولاد بھی محروم کردیتی ہے۔ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہوجاتے ہیں یعنی اقوی کے اعتبار کا وجوب جیساکہ علامہ شامی اس کی طرف گئے ہیں اور اقوی کے سقوط کی وجہ سے اضعف کو ساقط کرنے کا وجوب جیساکہ ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔ اور اللہ تعالٰی ہی انعام عطافرمانے والا ہے۔(ت)

اس حاشیہ نے بحمدہٖ تعالٰی کشف شبہہ کردیا اس وقت تک مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط شریف کا نص ملخص یہ ہے:

فی ظاھر المذھب ولد العصبة اولٰی سواء اختلفت الجھة او اتحدت، فان کان قوم من ھٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال اوالخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام اوالعمات لام، فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا، سواء من کل جانب ذوقرابتین	ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگران میں سے ایک جماعت ماں کی طرف سے ہو مثلًا ماموں یا خالاؤں کی بیٹیاں اور ایک جماعت باپ کی طرف سے ہو مثلًا اخیافی پھوپھیوں یا اخیافی چچوں کی بیٹیاں، تومال دونوں فریقوں میں تین حصے بناکر تقسیم کیا جائے گا چاہے ہر جانب دوقرابتیں ہوں

او من احد الجانبین ذو قرابۃ واحدۃ ثم ما اصاب کل فریق فیما بینھم یترجح جھۃ ذی القرابتین علی ذی قرابۃ واحدۃ[1]۔	یا ایک جانب فقط ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کو جو ملا ہے وہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا درانحالیکہ دو قرابتوں والے کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔ (ت)

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تو اولاد صنف رابع کا قانون صحیح ومعتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقاً ثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابۃ ثم ولد الوارث و بعد ھذہ الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث، واللہ تعالٰی اعلم۔	اقرب ہر حال میں مقدم ہوگا پھر اگر جہت مختلف ہو تو عصبہ کی اولاد کو اور اگر متحد ہو تو پہلے اقوی کو پھر عصبہ کی اولاد کو ترجیح ہوگی۔ ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مبسوط امام السرخسی کتاب الفرائض فصل فی میراث اولاد العمات الخ دار المعرفۃ بیروت ۳۰/ ۲۱

کتاب الشّتّی (حصّہ اوّل)

(متفرق موضوعات)

تاریخ وتذکرہ وحکایات صالحین

مسئلہ ۲۰۵: از توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبہ دار مدرسہ فیض احمدی کانپور بروز چہار شنبہ بتاریخ ۷ اذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مولوی عبیداللہ صاحب

یہ مسئلہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقر کے ختم فرمانے کے شکریہ میں دعوت فرمائی؟ اور نسیم الریاض کے کس جلد کے کس صفحہ میں ہے کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کے علم کو حضرت سید السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم کے علم سے اشرف واوسع کہے گا؟

الجواب:

وہ عبارت نسیم الریاض کی جلد رابع ص ۳۷۷ طابع قسطنطنیہ میں ہے:

من قال فلان اعلم منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقد عابه ونقصه (الٰی قوله) فھو ساب ای کالساب و الحکم فیه	جس شخص نے کہا فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہے اس نے آپ کو عیب لگایا اور تنقیص کی (مصنف کے اس قول تک) چنانچہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دینے والا ہے یعنی گالی دینے والے کی مثل ہے اس کا حکم گالی

حکم الساب من غیر فرق بینهما[1]۔	دینے والے کی طرح ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔(ت)

خطیب نے رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر فاروق علیہما الرضوان سے روایت کی:

قال تعلم عمر البقرة فی اثنتی عشرة سنة فلما ختمها نحر جزورا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ سیکھی، جب مکمل کرلی تو (شکرانے کے طورپر) اونٹ ذبح فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶، ۲۰۷: از بمبئی مرسلہ مولوی محمد عثمان صاحب بوساطت ضیاء الاسلام پیلی بھیت ۱۸/رجب ۱۳۲۴ھ

(۱) شیطان کے انڈا دینے کا ثبوت۔

(۲) نماز خمسہ معراج میں نہیں فرض ہوئیں۔

الجواب:

(۱) مفسرین نے ذریت شیطان میں چند اقوال لکھے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ انڈے دیتا ہے اس سے اس کی نسل پھیلتی ہے۔

(۲) یہ محض غلط ہے، صحیحین[3] وغیرہما کی احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ شب معراج ہی میں پانچوں نمازیں فرض ہوئیں۔

مسئلہ ۲۰۸: از شہر کہنہ مرسلہ منشی قاضی عبدالحق صاحب ۳۰/ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

بشرف ملاحظہ خدامان بارگاہ شریعت پناہ، صاحب حجۃ قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، حامی ملت، حضرت عالم اہلسنت مد ظلہم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کمترین عقیدت گزیں عبدالحق عرض پرداز ہے کہ اگر خادمان عالی کا حرج اوقات نہ ہو تو تفصیل اس امر کی فرمادی جائے کہ ہاروت وماروت جو چاہ بابل میں قید ہیں فرشتے ہیں یا جن یا انسان؟ اگر ان کو فرشتہ مانا جائے تو عصمت فرشتوں کی کس دلیل سے ثابت کی جائے؟ اور اگر جن وانس کہا جائے تو درازی عمر کے واسطے کیا حجت پیش کی جائے؟ اور جلال الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ آسمان میں ایک دروازہ پیدا ہوا

---

[1] نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اہلسنت برکات رضا ۴/ ۳۳۵

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی بحوالہ مالك باب کیفیۃ التعلم والفقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰

[3] صحیح البخاری باب کیف فرضت الصلٰوۃ فی الاسراء ۱/ ۵۱ و صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ ۹۱

اور ایک فرشتہ طوق وزنجیر پہنے ہوئے وسط میں حاضر ہوا، اور منادی نے ندا کی کہ اس فرشتہ نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کی یہ سزا ملی، کہاں تک صحیح ہے؟ چونکہ قدیم سے میرے تمام اسقام کا چارہ اسی آستانے سے ہوتا رہا ہے اس واسطے اس سمع خراشی کی جرأت پڑ گئی۔ والسلام

الجواب:

جناب من! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قصہ ہاروت وماروت جس طرح عام میں شائع ہے ائمہ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے، جس کی تفصیل شفاء شریف اور اس کی شروح میں ہے، یہاں تک کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

ھذہ الاخبار من کتب الیھود وافترائتھم [1]۔	یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اور ان کی افتراؤں سے ہیں۔

ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازی عمر مستبعد نہیں۔ سیدنا خضر وسیدنا الیاس وسیدنا عیسٰی صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ ہاروت وماروت دو فرشتے ہیں جن کو رب عزوجل نے ابتلائے خلق کے لئے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ:

"اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ فَلَا تَكۡفُرۡ ؕ" [2]	ہم تو آزمائش ہی کے لئے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کر۔

اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔

بہ قال اکثر المفسرین علی ماعزا الیھم فی الشفاء الشریف [3]۔	اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے جیسا کہ شفا شریف میں ان کی طرف منسوب ہے (ت)

اور یہ روایت کہ تاریخ الخلفاء کی طرف نسبت کی قطعاً باطل اور بے اصل محض ہے، نہ اس وقت تاریخ الخلفاء میں اس کا ہونا یادِ فقیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹: مسئولہ از مولوی نور احمد کانپوری ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع ریواں ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

ماقولکم یاعلماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفاتی الشریعۃ الغراء فی ھذہ (اے ملت مقدسہ نورانیہ کے علماء کرام اور روشن شریعت کے مفتیان عظام آپ کا کیا ارشاد ہے اس بارے میں کہ۔ت) مولوی غلام امام شہید نے

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی القول فی عصمۃ الملائکۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی العقول فی عصمۃ الملائکۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۱۷۱

ص ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھاہے کہ شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک نے حاضر ہو کر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا کہ میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ تو محی الدین ہے اور جس طرح آج میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔ اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منازل اثناء عشریہ بھی تحفہ قادریہ سے لکھتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص ۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا یہ کیا بے حرمتی ہے تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے، خلاصہ ہیجدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ براق نے کہا اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس کرنی ہے۔ فرمایا بیان کرو۔ عرض کیا آج میں دولت زیارت سے مشرف ہوں، کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپ کی سواری کے واسطے آئیں گے امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے التجا اس کی قبول فرمائی۔ صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔

میرا استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث میں وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن سیَر میں موجود ہے یا نہ؟ بیّنوا توجروا ببیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتمدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیر الجزأ (قابل اعتبار واعتماد اسانید کے ساتھ مکمل وضاحت وتفصیل کی روشنی میں تسلی بخش طور پر بیان فرمائیں اجر پاؤ گے۔ اللہ تعالٰی تمہیں بہترین صلہ عطافرمائے۔ ت)

الجواب:

کتب احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثناعشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری، نہ کہیں اس کا تذکرہ دیکھا۔ تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے، میں اس کا مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا جو میری نظر سے گزرا اس میں یہ روایت اصلاً نہیں۔

باایں ہمہ اس زمانے کے بعض مفتیان جہول یعنی دیوبندیان نامعقول اور مخطیان غفول نے جو اس کا بطلان اس طرح ثابت کرنا چاہا ہے کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیسا اور اس میں معاذاللہ حضور اقدس وانور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بوئے تفضیل نکلتی ہے، یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رَد فقیر نے ایک مفصل فتوی میں سترہ سال ہوئے کہ کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو کھٹور ضلع سورت سے اس کا سوال آیا تھا، ہاں فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی اہلی نے کتاب تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید ابن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی کتاب "حرز العاشقین" سے نقل کیا، اور ایسے امور کو اتنی ہی سند بس ہے۔ اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوی میں ہے جس کا سوال ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا **وباللہ التوفیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی سے حاصل ہوتی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع ٹپوراکاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

اعراب قرآنی کی ایجاد کس سنہ میں ہوئی اور اس کا بانی کون ہے؟ یہ بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ اگر بدعت حسنہ ہے تو "**کل بدعۃ ضلالۃ**" (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) کے کیا معنی؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

زمن عبدالمالک بن مروان میں اس کی درخواست سے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے شاگرد رشید حضرت ابوالاسود دُئلی نے یہ کار نیک کیا، بدعت حسنہ تھا، اور تمام ممالک عجم میں یقینا واجب کہ عام لوگ بے اس کے اس کی صحیح تلاوت نہیں کرسکتے۔ بدعت ضلالت وہ ہے کہ رَدّ و مزاحمت سنت کرے، اور یہ تو مؤید و معین سنت، بلکہ ذریعہ ادائے فرض ہے،

فان اللحن حرام بلاخلاف کما فی العٰلمگیریۃ[1] فترکہ فرض وھذا سبیلہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ لحن بلاخلاف حرام ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ لہٰذا اس کا چھوڑنا فرض ہے اور یہ اس سے بچنے کا راستہ ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

مسئلہ ۲۱۱: از بھوپال مکان منشی سید سعید احمد صاحب متصل نور محل مرسلہ سید احمد علی

مکرم و معظم بعد آداب نیاز کے گزارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان واقعات کے جن کی بناء پر حضرت منصور کے بارے میں فتوٰی دیا گیا تھا، مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں۔ اگر فتوٰی میں کسی آیت شریف کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا۔ اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے گا۔ ایک معاملہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

الجواب:

حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اوران کا اسم گرامی حسین عـــہ، اکابر اہل حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدر جہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یاد الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتانہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہو لئے، دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر یاقوت کا جام اُترا اوران کے دہن مبارک کے برابر آگا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمہیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے۔ انہوں نے کہنا شروع کیا "اَنَا لَاَحَق" بیشک میں سب سے زیادہ اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا "انا الحق" (میں حق ہوں۔ت)، وہ دعوی خدائی سمجھے، اور یہ کفر ہے۔ اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بدل دینه فاقتلوه، رواه احمد[1] والستة الامسلما عن	جواپنادین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے

عـــہ: فی الاصل منصور

---

[1] جامع الترمذی ۱/ ۱۷۶ و سنن ابی داؤد ۲/ ۲۴۲ و سنن ابن ماجه باب المرتد عن دینه ص ۱۸۵، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۱۷ و ۲۸۲ و ۲۸۳، صحیح البخاری کتاب المغازی باب لایعذب بعذاب اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۲: از بریلی بازار لال کرتی مرسلہ حاجی غلام نبی صاحب ساکن پاکپتن شریف معرفت حاجی ابوالحسن صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آپس میں کیا رشتہ ہے اور ان دونوں کو اللہ تعالٰی نے کس کس کام پر مختار کیا ہے اور کیا کیا مرتبہ دیا ہے؟ فقط

الجواب:

سیدنا الیاس علیہ السلام نبی مرسل ہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک الیاس (علیہ السلام) مرسلین میں سے ہیں۔ (ت)

اور سیدنا خضر علیہ السلام بھی جمہور کے نزدیک نبی ہیں اور ان کو خاص طور سے علم غیب عطا ہوا ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَعَلَّمۡنٰہُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا ﴿۶۵﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا۔ (ت)

یہ دونوں حضرات ان چار انبیاء میں ہیں جن کی وفات ابھی واقع ہی نہیں ہوئی، دو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے، سیدنا ادریس وسیدنا عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں دریا سیدنا خضر علیہ السلام کے متعلق ہے اور خشکی سیدنا الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ دونوں صاحبان حج کو ہر سال تشریف لاتے ہیں، بعد حج آب زمزم شریف پیتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے۔ دونوں صاحب اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۶۵

الانبیاء بنو علات[1]۔	سارے نبی آپس میں بھائی ہیں۔(ت)

اس کے سوا ان دونوں صاحبوں کا اور کوئی رشتہ معلوم نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۳: ۱۷/رجب ۱۳۳۲ھ

حائکہ کا پیشہ کون سے اولیاء وعلماء نے کیا ہے؟ مع حدیث حوالہ کتاب سے تحریر فرمایئے گا۔

الجواب:

بعض اولیاء وعلماء نے جس طرح بضرورت جوتا سینے کا پیشہ کیا ہے جیسے امام خصاف۔یوں ہی بعض نے بضرورت کپڑا بھی بنا ہے جیسے ابوالخیر نسّاج وعلامہ اسمٰعیل حائک مفتی دمشق وشام رحمہم اللہ تعالٰی،مگر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ قوم کے جلاہے تھے جہالت ہے ویظھر الفرق بمطالعۃ رسالتنا ارائۃ الادب لفاضل النسب ف (اور ہمارے رسالے "ارائۃ الادب لفاضل النسب کے مطالعہ سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۴: از ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ ڈاکخانہ دبانوں مسئولہ محمد قاسم کھوکھر مدرس مدرسہ دبانوں روز دوشنبہ ۱۹/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

نسب نامہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اولاد سلاطین کیان سے ہیں اور ان کا مرتبہ اس سے اجل واعظم ہے کہ نسب سے انہیں فخر ہو۔ان کا یہ شرف نہیں کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی اولاد ہیں،ان کا یہ فضل ہے کہ وہ ہزارہا دینی بادشاہوں کے باپ ہیں۔سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

الفقھاء کلھم علی عیال	تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۳،۴۳۷،۳۱۹،۵۴۱،صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۹،صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عیسٰی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۴و۲۶۵

ف: رسالہ "ارائۃ الادب لفاضل النسب" فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور، کی تئیسویں جلد کے صفحہ ۲۰۱ پر موجود ہے۔

ابی حنیفۃ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بال بچوں کی طرح ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۵: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جبزل مرچنٹ اتواری چوک ناگپور بروز پنجشنبہ بتاریخ ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نہر فرات پر ہوئی یا نہیں؟ علمائے حنفیّہ کا اس پر اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب:

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت ضرور برحق ہے،نہ فقط حنفیّہ بلکہ جملہ اہلسنت کا اس پر اجماع ہے،اس کا منکر مبتدع گمراہ ہے۔

مسئلہ ۲۱۶: از علی گڑھ مرسلہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ۲۵ صفر ۱۳۳۸ھ

مولانا المعظم وبرادر محترم مولانا مصطفٰی رضاخاں صاحب ارفع اللہ شانہم،السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،،کالج کا ایک کام آگیا ہے جس میں ضرورت ہے چند اسماء ان علمائے کرام کے لکھے جانے کی،جو سندھ کے تھے یا سندھ میں آئے کم از کم پانچ نام ہونا چاہئے۔انساب سمعانی میں بعض اسماء ملے لیکن صرف نام،اس کی خبر نہ ملی کہ انہوں نے کیا خدمت انجام دی۔طبقات حنفیّہ کی فہرست میں کوئی نام نہ ملا۔آنجناب براہ کرم اعلٰی حضرت سے استفسار فرمائیں۔متقدمین یا متاخرین علماء اہلسنت،محدثین میں ہوں یا فقہاء میں۔اگر اس قدر فرصت نہ ہو تو صرف ان کتابوں کے نام لکھ بھیجئے جن میں تلاش کروں۔آپ کی خدمت میں نیاز نامہ اس لئے لکھا کہ آپ کو اعلیحضرت کی حضوری حاصل ہے۔فقیر کا سلام وقدمبوسی فرمادیجئے۔ مستحق دعا ہوں اور بڑا محتاج ہوں۔

الجواب:

(۱) مولانا رحمت اللہ سندھی تلمیذ امام ابن ہمام مصنف منسک کبیر،منسک صغیر ومنسک متوسط معروف بہ لباب المناسک جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے المسلک المتقسط فی شرح المنسک المتوسط۔

(۲) مولانا محمد عابد سندھی مدنی محدث صاحب "حصر الشارد"۔

(۳) مولانا محمد حیات سندھی شارح کتاب الترغیب والترھیب۔

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر فی ثناء الائمۃ علیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۷،تاریخ بغداد ترجمہ ۷۲۹۷ نعمان بن ثابت دار الکتاب العربی بیروت ۱۳/ ۳۴۶

(۴) مولانا محمد ہاشم سندھی، یہ بھی فقہ میں صاحب تصنیف ہیں۔
(۵) علامہ محمد ابن الہادی سندھی محشّیٰ فتح القدیر وصحاح ستہ ومسند امام احمد، استاذ علامہ محمد حیات سندھی متوفی ۱۱۳۸ھ
(۶) شیخ نظام الدین سندھی نزیل دمشق تلمیذ جلیل ومحبوب حضرت قدوۃ العارفین سید صبغۃ اللہ بروحی
(۷) علامہ سندھی مصنف غایۃ التحقیق جن سے سید علامہ طحطاوی مصری نے حاشیہ درمختار باب الامامۃ میں استناد کیا۔
(۸) شیخ محمد حسین انصاری سندھی عم شیخ عابد سندھی محدثین ورجال اسانید حصر الشارد سے ہیں۔اس وقت یہی نام خیال میں آئے۔

رسالہ
نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال
(حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

فصل اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۱۷: اولٰی استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس ماہ وتاریخ میں ہوا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بعض غرہ رجب کہتے ہیں رواہ الخطیب عن سیّدنا سھل التستری قدس سرہ (اس کو خطیب نے سیدنا سہل تستری قدس سرہ سے روایت کیا۔ت) اور بعض دہم محرم،

اخرج ابونعیم وابن عساکر عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدة قال حمل برسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی عاشوراء المحرم وولد	اس کو ابونعیم اور ابن عساکر نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا استقرار حمل دس محرم ہوا اور ولادت

یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من رمضان[1] **اقول:** فیہ مسیب بن شریك ضعیف جدا۔	باسعادت بروز پیر دس رمضان المبارک کو ہوئی۔ **میں کہتا ہوں** اس میں مسیب بن شریک ہے جوانتہائی ضعیف ہے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ ماہ عـــہ حج کی بارھویں تاریخ ھکذا صححہ فی المدارج کماسیأتی (مدارج میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اس کی مؤید ہے حدیث ابن سعد وابن عساکر کہ زن خثعمیہ نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف بلایا، رمی جمار کا عذر فرمایا، بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی، اور حمل اقدس مستقر ہوا، پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہمبستری کی؟ فرمایا ہاں، کہا کہ وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجئے کہ ان کے حمل میں افضل اہل زمین ہے۔

قال ابن سعد انا وھب بن جریر ابن حازم ثنا ابی سمعت ابایزید المدینی قال نبئت ان عبداللہ ابارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی امرأۃ من خثعم فرأت النور بین عینیہ نوراساطعا الی السماء فقالت ھل لك فیّ قال نعم حتّی ارمی الجمرۃ[2] الحدیث۔	ابن سعد نے کہا ہمیں وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے میرے باپ نے بتایا کہ میں نے ابویزید مدینی کو کہتے ہوئے سنا مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والد ماجد سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور آسمان تک بلند دیکھا اور کہا کہ کیا آپ کو مجھ میں کوئی رغبت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہاں تک کہ میں جمرات کو رمی کرلوں، حدیث۔ (ت)

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۸: ثانیہ دن کیا تھا؟

الجواب:

کہا گیا روز دوشنبہ ذکرہ الزبیر بن بکار وبہ جزم

عـــہ: اس کی تحقیق مسئلہ پنجم میں آتی ہے۔ ۱۲منہ

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر مولد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹

[2] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر طھارۃ مولدہ وطیب اصلہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۲۸

فی مجمع البحار[1] (اس کو زبیر نے ذکر کیا اور مجمع البحار میں اسی پر جزم فرمایا۔ت) اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی، اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت و کرامت و سعادت جو اس میں اُتری اس کے ہمسر نہ کبھی اُتری نہ قیامت تک اُترے، وہاں "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا"[2] (اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ت) یہاں مولائے ملائکہ و آقائے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ مدارج النبوۃ میں ہے:

استقرار نطفہ زکیّہ در ایّام حج بر قول اصح در اوسط ایام تشریق شب جمعہ بود، وازیں جہت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الجمعہ را افضل تراز لیلۃ القدر داشتہ[3] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم	اصح قول کے مطابق نطفہ مطہرہ کا استقرار حج کے دنوں میں ایام تشریق کے درمیان جمعہ کی رات کو ہوا۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل سمجھتے ہیں الخ (ت)

مسئلہ ۲۱۹: ثالثہ مدت حمل شریف کس قدر تھی؟

الجواب:

دہ۱۰ و نہ۹ ہفت و شش۶ ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو۹ مہینے ہیں،

فی شرح الزرقانی للمواہب اختلف فی مدۃ الحمل بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیل تسعۃ اشھر کاملۃ و بہ صدر مغلطائی قال فی الغرر وھو الصحیح[4] الخ و اللہ تعالٰی اعلم بالصواب و الیہ المرجع و المآب۔	مواہب کی شرح زرقانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدت حمل میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا کہ پورے نو ماہ ہے۔ مغلطائی نے اسی قول کو مقدم کیا۔ غرر میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے الخ، اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ (ت)

[1] مجمع بحار الانوار بیان نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۵/ ۲۶۵

[2] القرآن الکریم ۹۷/ ۴

[3] مدارج النبوۃ باب اول نور مصطفی استقرار نطفہ زکیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ملتان ۲/ ۱۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبد اللہ و آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۶

مسئلہ ۲۲۰: رابعہ ولادت شریف کا دن کیا ہے؟

الجواب:

بالاتفاق دوشنبہ صرح بہ العلامۃ ابن حجر فی افضل القری (علامہ ابن حجر نے افضل القری میں اس کی تصریح فرمائی۔ ت)

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں:

ذٰلك یوم ولدت فیه، رواہ مسلم [1] عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں اسی دن پیدا ہوا ہوں (اس کو امام مسلم نے ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱: خامسہ کیا مہینہ تھا؟

الجواب:

رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور و قول جمہور ربیع الاول ہے، مدارج میں ہے:

مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود [2]۔	مشہور یہ ہے کہ ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔ (ت)

شرح الہمزیہ میں ہے:

الاصح فی شهر ربیع الاول [3]۔	اصح یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (ت)

ربیع الاول، مواہب میں ہے: **وھو قول جمهور العلماء** [4] (اور وہ جمہور علماء کا قول ہے۔ ت) پھر کہا **فی شهر ربیع الاول علی الصحیح** [5] (صحیح قول کے مطابق ربیع الاول میں ہے۔ ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۸

[2] مدارج النبوۃ باب اول ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الھمزیۃ قولہ لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

[4] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول یوم الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۰

[5] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول شہر الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

شرح زرقانی میں ہے:

قال ابن کثیر ھو المشھور عند الجمھور[1]۔	ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے(ت)

اسی میں ہے: وعلیہ العمل[2] (اور اسی پر عمل ہے۔ت) علماء نے باآنکہ اقوال مذکرہ سے آگاہ تھے محرم ورمضان ورجب کی نفی فرمائی، مواہب میں ہے:

لم یکن فی المحرم ولا فی رجب ولا فی رمضان[3]۔	ولادت مبارکہ نہ تو محرم میں ہوئی اور نہ ہی رجب میں اور نہ رمضان میں۔(ت)

شرح ام القرٰی میں ہے:

لم یکن فی الاشھر الحرم اور مضان[4]۔	حرمت والے مہینوں یا رمضان میں ولادت مبارکہ نہیں ہوئی(ت)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی وابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔ نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے:

اتفقوا علٰی انہ ولد یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول[5]۔	اس پر علماء متفق ہیں کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیر کے روز پیدا ہوئے۔(ت)

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے، کما للزرقانی ثم عزاہ ایضا لابن الجزار (جیسا کہ زرقانی کا قول ہے، پھر اس کو ابن جزار کی طرف منسوب کیا۔ت) پس اس کا انکار اگر ترجیحات علماء واختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر، فقیر کہتا ہے مگر اس تقدیر پر استقرار حمل ماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود اوپر گزرا کہ مدت حمل شریف نہ ماہ ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں کیونکر مطابق ہوں لکنی اقول: وباللہ التوفیق (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی تقدیم

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[3] المواہب اللدنیہ المقصد الاول یوم ولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

[4] شرح ام القرٰی

[5] نسیم الریاض فصل ومن ذٰلک ماظھر من الآیات عند مولدہ مرکز اہل سنت برکات رضا ۳/ ۲۷۵

تاخیر کرلیتے جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کرجاتا،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَہٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَہٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّۃَ مَا حَرَّمَ اللہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللہُ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ان کا مہینے پیچھے ہٹنا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا، اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہوجائیں جو اللہ تعالٰی نے حرام فرمائی (ت)

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولٰی علی کرم اللہ وجہہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینا واقع عـــہ میں ذیقعدہ تھا سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا:

ان الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض الحدیث۔رواہ الشیخان[2]۔	یعنی زمانہ دورہ کرکے اسی حالت پر آگیا جس پر روز تخلیق زمین وآسمان تھا اس حدیث کو امام بخاری وامام مسلم نے روایت فرمایا ہے۔ت)

عـــہ: اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق ومرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اعلان احکام الٰہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے "وَ اَذَانٌ مِّنَ اللہِ وَ رَسُوْلِہٖۤ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَکْبَرِ اَنَّ اللہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۬ۙ وَ رَسُوْلُہٗ ؕ"[3] (اور منادی پکاردیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت) فرمایا اگر وہ ذی الحجہ نہ ہوتا ایسا نہ فرماتا۔اقول: وفیہ نظر بوجوہ فتامل منہ غفرلہ (میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے نظر ہے پس غور کرو۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ براۃ باب قولہ ان عدۃ الشھور الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۲، صحیح مسلم کتاب القسامۃ باب تغلیظ تحریم الدماء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳

اس دن سے نسی نسیًا منسیا ہوا اور یہی دورہ دوازدہ ماہہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ کہ ذی الحجہ سے، اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔ **اقول:** اب مسئلہ ثالثہ وخامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولٰی کا جواب ۱۲ جمادی الاٰخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دور نسیئی اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینا ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الاٰخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲، ۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذی القعدہ اور پہلا سال شوال، ولادت شریفہ رمضان ۱۱ ور سال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن ان نا منتظموں کی کوئی بات منظّم نہ تھی جب جیسی چاہتے کرلیتے، لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے اور مہینا ان کے حسابوں اشہر حرم سے ہوتا، اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینا حلال کردے، وہ حلال کردیتا، اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرادیتا **کما رواہ ابناء جریر والمنذر ومردویہ**[1] **وابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما** (جیسا کہ اس کو جریر، منذر، مردویہ اور ابو حاتم کے بیٹوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تو اس سال جمادی الاٰخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

فائدہ: سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو۲، آٹھ۸، دس۱۰، بارہ۱۲، سترہ۱۷، اٹھارہ۱۸، بائیس۲۲، سات۷ قول ہیں مگر اشہر واکثر وماخوذ ومعتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں **کما فی المواھب**[2] **والمدارج** (جیسا کہ مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ت) اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی فرماتے ہیں:

المشھور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ[3]۔	مشہور یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے، امام المغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (ت)

[1] الدر المنثور تحت الآیۃ ۹/ ۳۷ ۴/ ۱۷۳

[2] المواھب اللدنیہ المقصد الاول ۱/ ۱۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے:

هو المشهور عند الجمهور [1]۔	جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔(ت)

اسی میں ہے: **هو الذی علیه العمل** [2] (یہی وہ ہے جس پر عمل ہے۔ت) شرح الہمزیہ میں ہے: **هو المشهور وعلیه العمل** [3] (یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل ہے۔ت) اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی۔

وان کان اکثر المحدثین والمؤرخین علی ثمان خلون وعلیه اجمع اهل الزیجات واختاره ابن حزم والحمیدی وروی عن ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی الله تعالٰی عنهم وبالاول صدر مغلطائی و اعتمده الذهبی فی تهذیب التهذیب تبعا للمزی و حکم المشهور بقیل وصحح الدمیاطی عشرا خلت **اقول:** وحاسبنا فوجد ناغرة المحرم الوسطیة عام ولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم الخمیس فکانت غرة شهر الولادة الکریمة الوسطیة یوم الاحد والهلالیة یوم الاثنین فکان یوم الاثنین الثامن من الشهر، ولذا اجمع	اگرچہ اکثر محدثین ومورخین کا نظریہ ہے کہ ولادت باسعادت آٹھ تاریخ کو ہوئی، اہل زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔ ابن حزم وحمیدی کا یہی مختار ہے اور ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے۔ مغلطائی نے قول اول سے آغاز فرمایا اور امام ذہبی نے مزی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیب التہذیب میں اسی پر اعتماد کیا اور قیل کے ساتھ مشہور کا حکم لگایا اور دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح قرار دیا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرہ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہ ولادت کریمہ کا غرہ وسطیہ بروز اتوار اور غرہ ہلالیہ بروز پیر ہوا اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے۔ یہ وجہ

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوّج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوّج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الہمزیۃ تحت قولہ لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

علیه اصحاب الزیج ومجرد ملاحظة الغرة الوسطیة یظهر استحالة سائر الاقوال ماخلاالطرفین والعلم بالحق عند مقلب الملوین۔	ہے کہ اہل زیجات کااس پر اجماع ہے۔ محض غرّہ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اقوال کامحال ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور حق کا علم شب وروز کو بدلنے والے کے پاس ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لئے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفطر یوم یفطر الناس والاضحٰی یوم یضحی الناس، رواہ الترمذی[1] عن امّ المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها بسند صحیح۔	عیدالفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عیدالاضحٰی اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں (اس کو امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون۔ رواہ ابوداؤد[2] والبیهقی فی السنن عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح ورواہ الترمذی وحسنه فزاد فی اوله "الصوم یوم تصومون والفطر"[3] الحدیث وارسله الشافعی فی مسندہ والبیهقی فی سننه عن عطاء فزاد فی اُخرہ "وعرفة یوم تعرفون"[4]	تمہاری عیدالفطر اس دن ہے جس دن تم عید الفطر کرو اور تمہاری عیدالاضحٰی اس دن ہے جس دن کو تم عید الاضحٰی سمجھو۔ اس کو ابو داؤد اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کرکے حسن قرار دیا اور اس کے شروع میں یہ بڑھایا کہ روزہ کادن وہی ہے جس کو تم سب روزے کا دن قرار دو اور عید الفطر کادن وہ ہے (حدیث کے آخر تک)۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں اس کو بطور ارسال ذکر فرمایا۔

[1] جامع الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی الفطر والاضحی متی یکون امین کمپنی دہلی ۱/ ۹۹
[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذا اخطأ القوم الهلال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۸
[3] جامع الترمذی ابواب الصیام باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۸
[4] السنن الکبرٰی کتاب الحج باب خطأ الناس یوم عرفه دار صادر بیروت ۵/ ۱۷۶

	بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ اضافہ کیا کہ یوم عرفہ وہ ہے جس کو تم یوم عرفہ سمجھو۔(ت)

یعنی مسلمانوں کا روز عید الفطر و عید الاضحٰی روز عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں اسے وان لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری (اگرچہ وہ واقع کے مطابق نہ ہواس کی نظیر قبلہ تحری ہے۔ت) لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے فلاوفق العمل ماعلیہ العمل (بہترین ومناسب ترین عمل وہی ہے جس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہو۔ت) یہ ہے ان مسائل میں کلام مجمل، اور تفصیل کے لئے دوسرا محل۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجوع والمآب۔

مسئلہ ۲۲۲: سادسہ شمسی تاریخ کیا تھی؟

الجواب:

ولادت اقدس ہجرت مقدسہ سے ترپین ۵۳ برس پہلے ہے، مرفوع ۶۰ سال ۵ نداک، مرفوع ۷ سال مرکا۔ ۵ لح اکہ ۱۸۷۸۱ یوم ہوئے یعنی اس سال کا محرم وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا، سات پر تقسیم کئے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چارشنبہ تھا اور جبکہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا، اور جب اس سال کا مدخل پنجشنبہ ہوا تو اس ربیع الاول کا مدخل یکشنبہ تو دوشنبہ کو نویں تھی یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب مابین التاریخین ہماری تحقیق میں اح ح لط ہے ۵ لح ا۔ نرھ لح۔ محرم وصفر نط۔ ط ربیع الاول۔ نرنا مو۔ ۵۰۰۵ سال ھ ح مط ررضر ۷۰ سال روراھ مارچہ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۵۷۱ء معرفت یوم ہماری جداول سے ۵۷۱۔ ۳۳۶۔ ۲۳۵۔ ۲۸ باقی ۱۱ پس جدول ر میں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ پنجشنبہ ہوا اور مدخل اپریل چارشنبہ پس بستم اپریل دوشنبہ، وھو المطلوب واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل دوم

مسئلہ ۲۲۳: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وفات شریف حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ کیا ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قول مشہور ومعتمد جمہور دوازدہم ربیع الاول شریف ہے، ابن سعد نے طبقات میں بطریق عمر بن علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کی:

قال مات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من ربیع الاول[1]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات شریف روز دوشنبہ بارہویں تاریخ ربیع الاول شریف کو ہوئی۔

شرح مواہب علامہ زرقانی آخر مقصد اول میں ہے:

الذی عند ابن اسحٰق والجمہور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول[2]۔	امام ابن اسحاق اور جمہور کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال اقدس ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوا۔ (ت)

اسی میں آغاز مقصد دہم میں ہے:

قول الجمہور انہ توفی ثانی عشر ربیع الاول[3]۔	جمہور کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔ (ت)

خمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین نصف النہار لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول سنۃ احدی عشرۃ من الھجرۃ ضحٰی فی مثل الوقت الذی دخل فیہ المدینۃ[4]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ بروز پیر دوپہر کے وقت ہوا جس وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ (ت)

---

[1] الطبقات الکبرٰی ابن سعد ذکر کم مرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار صادر بیروت ۲/ ۲۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد العاشرہ دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۵۰

[4] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس ذکر وقت موتہ علیہ السلام موسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۱۶۶

اسی میں امام ابوحاتم رازی وامام رزین عبدری وکتاب الوفاء امام ابن جوزی سے ہے:

مرض فی صفر لعشر بقین منه وتوفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاثنتی عشرۃ لیلة خلت من ربیع الاول یوم الاثنین [1]۔	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیس صفر کو بیمار ہوئے اور بارہ ربیع الاول پیر کے روز آپ کا وصال ہوا۔(ت)

کامل ابن اثیر جزری میں ہے:

کان موته صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلة خلت من ربیع الاول [2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال بارہ ربیع الاول پیر کے روز ہوا۔(ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

وصل بالحق فی نصف نهارہ لاثنی عشر من ربیع الاول وقیل لمستهله وقیل للیلتین خلتا منه والاول اکثر من الاخیرین [3]۔	آپ بارہ ربیع الاول کو واصل بہ حق ہوئے، ایک قول یکم ربیع الاول کو واصل بہ حق ہوئے، ایک قول دو ربیع الاول کا ہے مگر پہلا قول (۱۲ ربیع الاول) آخری دونوں سے اکثر ہے۔(ت)

اسعاف الراغبین فاضل محمد صبان میں ہے:

توفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی بیت عائشة یوم الاثنین قبیل الزوال للیلتین مضتا من ربیع الاول وقیل لیلة مضت منه وقیل لاثنتی عشرۃ لیلة مضت منه وعلیه الجمهور [4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں دو ربیع الاول شریف بروز پیر زوال سے تھوڑی دیر پہلے وصال فرمایا۔ ایک قول میں یکم اور ایک قول میں بارہ ربیع الاول ہے اور جمہور اسی قول پر ہیں۔(ت)

[1] تاریخ الخمیس ابتداء مرضه علیه الصلوٰۃ والسلام مؤسسة شعبان بیروت ۲/ ۱۶۱

[2] الکامل فی التاریخ ابن اثیر ذکر مرض رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۳۲۳

[3] مجمع بحار الانوار فصل فی السیر من سیرنا المختصر فی سبب قدوم الحبشه الخ مکتبه دار الایمان المدینة المنورہ ۵/ ۲۹۴

[4] اسعاف الراغبین

اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسب رؤیت مکہ معظّمہ ربیع الاول شریف کی تیرہویں تھی مدینہ طیبہ میں رؤیت نہ ہوئی لہٰذا ان کے حساب سے بارہویں ٹھہری وہی رواۃ نے اپنے حساب کی بناپر روایت کی اور مشہور ومقبول جمہور ہوئی، یہ حاصل تحقیق امام بارزی وامام عماد الدین بن کثیر وامام بدرالدین بن جماعہ وغیرھم اکابر محدثین ومحققین ہے، اس کے سواد و قول ایک یکم ربیع الاول شریف ذکرہ موسٰی بن عقبۃ واللیث والخوارزمی وابن زبیر[1] (اس کو موسٰی بن عقبہ، لیث، خوارزمی اور ابن زبیر نے ذکر کیا۔ت) دوسرا دوم ربیع الاول شریف کہ دورافضیان کذاب ابو مخنف وکلبی کا قول ہے،

ففی الزرقانی بعد عزوالاول الٰی من ذکرنا وعندابی مخنف والکلبی فی ثانیہ[2]۔	زرقانی میں یکم ربیع الاول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کے بعد جن کا ہم نے ذکر کیا ہے فرمایا کہ ابومخنف اور کلبی کے نزدیک دور بیع الاول کو وصال ہوا۔(ت)

یہ دونوں اقوال محض باطل ونامعتبر بلکہ سراسر محال ونامتصور ہیں،

وان میل الٰی کل نظرالی الحساب لامن حیث ان روایتھا اثبت فی الباب وانما یقضی الحساب علی القولین بالبطلان والذھاب کما ستعرف بعون الملك الوھاب، ووقع فی الکامل حکایۃ ثالث حیث قال بعد ما اعتمد قول الجمھور کما نقلنا وقیل مات نصف النھار یوم الاثنین للیلتین بقیتا من ربیع الاول[3] **اقول**: وھو	ان دونوں قولوں میں سے ہرایک کامیلان نظر حساب کی طرف ہے، اس حیثیت سے نہیں کہ ان کی روایت اس باب میں اثبت ہے، جبکہ حساب تو ان کے بطلان کا تقاضا کرتا ہے جیساکہ عنقریب تواس کی مدد سے جان لے گا جو بہت عطافرمانے والا بادشاہ ہے۔ کامل میں ایک تیسری حکایت واقع ہوئی ہے جہاں صاحب کامل نے جمہور کا معتمد قول جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھائیس ربیع الاول

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] الکامل فی التاریخ ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارصادر بیروت ۲/ ۳۲۳

وھم وکانہ شبہ علیہ خلتا بقیتا فان الحفاظ انما یذکرون ھٰھنا سوی المشھور قولین لاغیر۔	بروز پیر وصال فرمایا اقول: (میں کہتاہوں) یہ وہم ہے گویا کہ قائل کو خَلَتَا کے بجائے بقیتا کا اشتباہ ہوا کیونکہ حفّاظ نے یہاں پر قول مشہور کے علاوہ فقط دو ہی قول ذکر کئے ہیں (ت)

تفصیل مقام وتوضیح مرام یہ ہے کہ وفات اقدس ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ میں واقع ہوئی، اس قدر ثابت ومستحکم ویقینی ہے جس میں اصلاً جائے نزاع نہیں۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ومواہب لدنیہ وشرح زرقانی میں ہے:

(ثم ان وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی یوم الاثنین) کما ثبت فی الصحیح عن انس ورواہ ابن سعد باسانیدہ عن عائشۃ وعلی وسعد وعروۃ وابن المسیب وابن شھاب وغیرھم (من ربیع الاول بلا خلاف) کما قال ابن عبدالبربل کادیکون اجماعًا[1]۔ الخ	(پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال پیر کے روز ہے) جیسا کہ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے۔ اس کو ابن سعد نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ سیدنا عائشہ صدیقہ، علی مرتضٰی، سعد، عروہ، ابن مسیب اور ابن شہاب وغیرہ سے روایت کیاہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ربیع الاول میں وصال مبارک کے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا بلکہ تقریبًا اس پر اجماع ہے الخ (ت)

ادھر یہ بلاشبہ ثابت کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ذی الحجہ تھا اس کی پہلی روز پنجشنبہ تھی کہ حجۃ الوداع شریف بالاجماع روز جمعہ ہے،

وقد ثبت ذٰلک فی احادیث صحاح لامنازع لھا فلاحاجۃ بنا الی اطالۃ الکلام بسردھا۔	تحقیق یہ ایسی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوچکاہے جن کا کوئی مزاحم نہیں لہٰذا ہمیں اس کی تفصیل میں طویل کلام کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ت)

اور جب ذی الحجہ ۱۰ھ کی ۲۹ روز پنجشنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲ کسی طرح روز دوشنبہ نہیں آتی کہ اگر ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰ کے لئے جائیں تو غرہ ربیع الاول روز

[1] المواہب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۹، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۱

چار شنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی اور تیر ہویں، اور اگر تینوں ۲۹ کے لیں تو غرہ روز یکشنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں، اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجئے تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے اور پیر کی ساتویں چودھویں، اور اگر ایک کامل دو ناقص مانئے تو پہلی پیر کی ہوتی ہے پھر پیر کی آٹھویں پندرھویں، غرض بارہویں کسی حساب سے نہیں آتی، اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں، قول جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انہوں نے قول یکم اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول فرمایا۔

فی المواہب بعد ذکر القول المشہور (استشکله السھیلی وذٰلك انھم اتفقوا ان ذا الحجه کان اوله یوم الخمیس) للاجماع ان وقفة عرفة کانت الجمعة (فمهما فرضت الشھور الثلٰثة توام اونواقص اوبعضها لم یصح) ان الثانی عشر من ربیع الاول یوم الاثنین (قال الحافظ ابن حجر وھو ظاھر لمن تامله وقد جزم سلیمٰن التیمی احد الثقات بان ابتداء مرضه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یوم السبت الثانی والعشرین من صفر ومات یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول فعلی ھذا یکون صفر ناقصا ولایمکن ان یکون اول صفر السبت الا ان یکون ذوالحجه والمحرم ناقصین فیلزم منه نقص ثلٰثة	مواہب لدنیہ میں قول مشہور کے ذکر کے بعد ہے۔ سہیلی نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء ذوالحجہ کے جمعرات کو شروع ہونے پر متفق ہیں کیونکہ وقوف عرفہ بروز جمعہ ہونے پر اجماع ہے۔ تو اب اگر تینوں مہینے (ذوالحجہ، محرم، صفر) کامل (تیس تیس دن کے) فرض کئے جائیں یا تینوں ناقص (انتیس انتیس دن کے) فرض کئے جائیں یا بعض کامل اور بعض ناقص فرض کئے جائیں کسی صورت میں یہ صحیح نہ ہوگا کہ بارہ ربیع الاول شریف پیر کے دن ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اشکال اس شخص پر ظاہر ہے جو تامل کرے۔ سلیمان تیمی جو کہ ثقہ ہیں قطعی طور پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز بائیس صفر بروز ہفتہ ہوا اور آپ کا وصال دو ربیع الاول شریف کو ہوا، اس حساب سے ماہ صفر ناقص ہوگا اور جب تک ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہوں صفر کا آغاز ہفتہ کے روز ہونا ممکن نہیں۔ اس طرح تین مسلسل مہینوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا جو کہ مسلسل

اشھر متوالیۃ)وھی غایۃ مایتوالی قال الحافظ واما من قال مات اول یوم من ربیع الاول فیکون اثنان ناقصین وواحد کاملا ولذا رجحہ السھیلی(والمعتمد ماقالہ ابو مخنف)الاخباری الشیعی قال فی المیزان وغیرہ کذاب تالف متروک،وقد وافقہ ابن الکلبی (انہ توفی ثانی ربیع الاول وکان سبب غلط غیرہ انھم قالوا مات فی ثانی شھر ربیع الاول فغیرت فصارت ثانی عشر واستمر الوھم بذٰلک یتبع بعضھم بعضا من غیر تامل[1] اھ)مختصرا۔مزیدا من الشرح **اقول:** و یظھر لمن تامل ھذا الکلام منشأ اختلاف نظر الامامین فی المیل الی القولین فکان السھیلی نظر ان قول ابی مخنف لایتأتی الا ان تتوالی الاشھر الثلثۃ ذو الحجۃ ومحرم وصفر نواقص وھذا فی غایۃ الندرۃ

ناقص ہونے کی آخری حد ہے۔حافظ نے فرمایا جس شخص نے کہا ہے کہ آپ کا وصال یکم ربیع الاول کو ہے تو اس حساب سے دو مہینے ناقص اور ایک کامل ہوگا۔اسی لئے سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے۔اس باب میں ابو مخنف مؤرخ شیعہ کا قول معتمد ہے۔میزان وغیرہ میں ہے کہ وہ کذاب،تالف اور متروک ہے۔ابن کلبی نے اس کی موافقت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ۲ ربیع الاول کو ہوا۔ابو مخنف کے غیر کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ علماء نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا وصال شہر(ربیع الاول)کی ثانی(دو)کو ہے،اس میں تغیر کردیا گیا تو یہ اس طرح ہوگیا کہ آپ کا وصال ربیع الاول کی ثانی عشر(بارہ ۱۲)کو ہے(یعنی لفظ شہر کی بجائے لفظ عشر ہو گیا)پھر یہ وہم چلتا رہا اور اس میں بعض علماء بعض کی بلاتامل پیروی کرتے رہے اھ اختصار شرح میں کچھ اضافے کے ساتھ۔ **اقول:**(میں کہتاہوں)اس کلام میں تامل کرنے والے پر دونوں اماموں کے دو قولوں کی طرف میلان کے بارے میں نقطہ نظر کے اختلاف کا منشا ظاہر ہوجاتا ہے،سہیلی نے دیکھا کہ ابو مخنف کا قول تب ہی متحقق ہوسکتا ہے جب تینوں مہینے یعنی ذو الحجہ،محرم اور صفر پے درپے ناقص ہوں اور یہ انتہائی نادر ہے

[1] المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۸۔۶۴۹،شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰ و ۱۱۱

بخلاف القول الاول فان علیه یکون شهرا کاملا و شهران ناقصین وهذا کثیر فترجح ذٰلك فی نظره مع انه اشد ثبوت بالنسبة الی ذٰلك وکان الحافظ نظران علی القول الاول لایبقی للجمهور عذر فی الباب فالمیل الی مایکون فیه ابداء عذر لهم کما ذکر من وقوع تصحیف شهر بعشر احسن او امتن۔	بخلاف قول اول کے کہ اس پر ایک مہینہ کامل اور دوناقص ہوتے ہیں اور یہ کثیر الوقوع ہے۔ چنانچہ سہیلی کی نظر میں یہ راجح ہے باوجودیکہ یہ ثبوت میں اس کی بنسبت اقوی ہے جبکہ حافظ نے اس بات کو ملحوظ رکھاکہ قول اول پر جمہور کے لئے اس باب میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس قول کی طرف میلان کرنا جس میں ان کے لئے عذر کااظہار ہوزیادہ بہتراورزیادہ قوی ہے جیساکہ لفظ شھر کے لفظ عشر کے ساتھ تبدیل ہوجانے کاذکر گزرچکاہے۔(ت)

مگرامام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ اثنی عشر خلت سے بارہ دن گزرنا مراد ہے نہ کہ صرف بارہ راتیں، اورپرظاہر کہ بارہ[۱۲] دن گزرنا تیرہویں ہی تاریخ پر صادق آئے گا اور دوشنبہ کی تیرہویں بے تکلف صحیح ہے جبکہ پہلے تینوں مہینے کامل ہوں کما علمت، اورامام بارزی وامام ابن کثیر نے یوں توجیہ فرمائی کہ مکہ معظّمہ میں ہلال ذی الحجہ کی رؤیت شام چارشنبہ کو ہوئی پنجشنبہ کاغرہ اورجمعہ کاعرفہ مگرمدینہ طیبہ میں رؤیت دوسرے دن ہوئی تو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ کی ٹھہری اور تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے تو غرہ ربیع الاول پنجشنبہ اور بارہویں دوشنبہ آئی ذکرها الحافظ فی الفتح(اس کو حافظ نے فتح میں ذکرکیا۔ت)

اقول: مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے اگرچہ طول میں غربی اور عرض میں شمالی ہے،

اما الثانی فظاهر معروف لکل من حج وزار واما الاول فثابت مثبت کالثانی فی الزیجات والاطالس من قدیم الاعصار۔	لیکن قول ثانی ہراس شخص کے لئے ظاہر اور معروف ہے جوحج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہواجبکہ قول اول قول ثانی کی طرح زمانہ قدیم سے زیجات واطلس میں ثابت ومثبت ہے۔(ت)

اوران دونوں اختلافوں کواختلاف رؤیت میں دخل بیّن ہے کہ اختلاف طول سے بعد نیرین کم وبیش ہوتاہے اوراختلاف عرض سے قمر کے ارتفاع مدار کے انتصاب اور بالائے افق

اس کی بقامیں تفاوت پڑتا ہے اور کثرت بعدو زیادت انتصاب مدار وارتفاع قمر وطول مکث سب معین رویت ہیں اوران کی کمی مخل رؤیت، مگر بلدین کریمین کے طول وعرض میں چنداں تفاوت کثیر نہیں اور جو کچھ ہے یعنی طول میں دو ۲ درجے اور عرض میں تین درجے وہ مانحن فیہ میں ہر گز یہ نہ چاہے گا کہ مکہ معظّمہ میں تو رؤیت ہو اور مدینہ طیبہ میں نہ ہو بلکہ اگر مقتضٰی ہوگا تو اس کے عکس کا کہ مقام جس قدر غربی تر ہو امکان رؤیت بیشتر ہوگا کہ دورہ معدّل میں مواضع غربیہ پر نیرین کا گزر مواضع شرقیہ کے بعد ہوتا ہے اور حرکت قمر توالی بروج بر غرب سے شرق کو ہے تو جب موضع شرقی میں فصل قمرین حد رؤیت پر ہو غربی میں اور زیادہ ہوگا کہ وہاں تک پہنچنے میں قمر نے قدرے اور حرکت شرق کو کی اور شمس سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا یوں ہی جب عرض مرئی قمر شمالی ہو جیسا کہ یہاں تھا تو عرض بلد کا شمالی تر ہونا موجب زیادت تعدیل الغروب زائد ہو کر زیادت بعد معدل وطول مکث قمر ہوگا مگر ہے یہ کہ موانع رؤیت حد انضباط سے خارج ہیں تو دفع استحالہ وتوجیہ مقالہ کے لئے احتمال کافی اور قواعد پر نظر کیجئے تو واقعی وہ دن مدینہ طیبہ میں رؤیت عادیہ کا نہ تھا سلخ ذی القعدہ وسطیہ روز چارشنبہ کو غروب شرعی شمس کے وقت افق کریم مدینہ منورہ میں مؤامرہ رؤیت کے مقدمات یہ تھے۔

ما ج ے ا	تقویم شمس
ما ئح مد	تقویم مرئی قمر
حصح الب	عرض مرئی قمر شمالی
ط قہ	تعدیل الغروب
ما لح الح	قمر معدّل
طص لو لح	بُعد معدّل
ح ص لح	بُعد سوا

پر ظاہر کہ جب بُعد معدّل وبعد سوا دونوں دس درجے سے کم ہیں تو یہ حالت حالت رؤیت نہیں قریب قریب اسی حالت کے مکہ معظّمہ میں تھی مگر ازانجا کہ وہ نو درجے یہ آٹھ درجے سے زائد ہے رؤیت پر حکم استحالہ بھی نہ تھا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکات بے نہایات کے حضور یہ کیا بات تھی کہ ایسے امکان غیر متوقع کی حالت میں فضل وقفہ جمعہ ملنے کے لئے بحکم الٰہی مکہ معظّمہ میں شام چارشنبہ کو رؤیت واقع ہو گئی افق مدینہ طیبہ میں حسب عادت معہودہ نہ ہوئی پھر روز رؤیت ایام حمل ثور

وجوزا خصوصًا ان بلاد گرم سیر میں گرد وغبار ہونا کوئی نامتوقع بات نہیں۔یہ تحقیق کلام علما ہے مگر امام عسقلانی نے ان توجیہوں پر قناعت نہ کی، پہلی پر مخالفت محاورہ سے اعتراض فرمایا کہ اہل زبان جب یہ لفظ بولتے ہیں بارہ" راتیں ہی گزرنا مراد لیتے ہیں، نہ بارہ دن کہ یہ تیرہویں پر صادق ہو اور اول ودوم دونوں میں یہ استبعاد بتایا کہ چار مہینے متواتر تیس دن کے ہوئے جاتے ہیں۔

فی المواھب عن الفتح ھذا الجواب بعید من حیث انہ یلزم منہ توالی اربعۃ اشھر کوامل[1]۔	مواہب میں فتح سے منقول ہے کہ یہ جواب اس لئے بعید ہے کہ اس سے چار مہینوں کا پے در پے کامل ہونا لازم آتا ہے۔(ت)

اقول: اگر ندرت مقصود تو الزام مفقود کہ دفع استحالہ کو احتمال کافی، خود امام عسقلانی نے جو قول اختیار فرمایا اس پر تین مہینے متوالی ناقص آتے ہیں یہ کیا نادر نہیں، اور اگر امتناع مراد تو ظاہر الفساد تین سے زیادہ متواتر ۲۹ کے مہینے نہیں ہوتے تیس کے چار تک آتے ہیں ہاں پانچ نہیں ہوتے۔ تحفہ شاہیہ علامہ قطب الدین شیرازی وزیج الغ بیگی میں ہے:

واللفظ لہ "اہل شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رؤیت ہلال گیرند وآں ہر گز از سی روز زیادہ نباشد واز بست ونہ روز کمتر نے وتا چہار ماہ متوالی سی سی آید وزیادہ نے وتا سہ ماہ متوالی بست ونہ بست ونہ آید وزیادہ نے۔[2]	اور لفظ اس کے ہیں۔ اہل شرع اس تاریخ کے مہینوں کو چاند کی رؤیت سے لیتے ہیں اور وہ ہر گز تیس دن سے زائد اور انتیس سے کم نہیں ہوتے اور چار ماہ تک متواتر تیس تیس کے ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں، اور تین ماہ تک متواتر انتیس انتیس کے ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں۔(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ت) قول جمہور سے قول مہجور کی طرف عدول نامقبول ہونے کے لئے اسی قدر بس تھا کہ اس کے لئے توجیہ وجیہ موجود ہے نہ کہ جب وہ اقوال مہجور ودلائل قاطعہ سے باطل ہوں کہ اب تو ان کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اوپر واضح ہوا کہ ان دونوں حضرات کا منشائے عدول تمسک بالحساب ہے کہ پیر کا دن

---

[1] المواھب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۹

[2] زیج الغ بیگ

یقینی تھااور وہ بارھویں پر منطبق نہیں آتا پہلی دوسری پر آسکتا ہے مگر حساب ہی شاہد عدل ہے کہ اس سال ربیع الاول شریف کی پہلی یادوسری پیر کو ہونا باطل و محال ہے، فقیر اس پر دو حجت قاطعہ رکھتا ہے۔

دلیل اوّل: غرہ وسطیہ کہ علماء زیج بحساب اوسط لیتے ہیں نیرّین کے اجتماع وسطی سے اخذ کرتے ہیں اور بداہۃً واضح کہ رؤیت ہلال اجتماع قمرین سے ایک مدت معتد بہاکے بعد واقع ہوتی ہے تو غرہ ہلالیہ کبھی غرہ وسطیہ سے مقدم نہ آئے گاوانماغایۃ التساوی (اس کی غایت تو محض تساوی ہے) اوراجتماع ورؤیت میں کبھی اتنا فصل بھی نہیں ہوتا کہ قمر ڈیڑھ دوبرج طے کرجائے لہٰذا تقدم وسطیہ کی نہایت ایک دودن ہے وبس، **کل ذٰلك ظاھر من له اشتغال بالفن** (یہ سب ظاہر ہے اس شخص کے لئے جو فن کے ساتھ مشغولیت رکھتا ہے۔ت) اور آشنائے فن جانتا ہے کہ ۱۱ھ ہجریہ میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف کاغرہ وسطیہ روز سہ شنبہ تھاتوغرہ ہلالیہ یک شنبہ یادوشنبہ کیونکر متصور کہ اگریہ سہ شنبہ متاخر ہے توہلالیہ کاوسطیہ پر تقدم لازم آتا ہے اور اگر مقدم ہے تواجتماع سے چار پانچ روز تک رؤیت نہ ہونے کالزوم ہوتا ہے اور دونوں باطل ہیں،

وبعین الدلیل یستحیل ماتقدم عن سلیمٰن التیمی من کون غرۃ صفر یوم السبت فان غرته الوسطیة یوم الاثنین فکیف یمکن ان تتقدمها الهلالیة بیو مین او تتاخر عنها بخمسة ایام وبه یظهر استحالة ما اعتمده الحافظ بوجه اٰخر فان مبناه انما کان علی هذا کما علمت۔	اوراسی دلیل سے سلیمان تیمی کے اس قول کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے جو پہلے گزرچکا یعنی ماہ صفر کاآغاز بروز ہفتہ ہوا اس لئے کہ جب اس کا غرہ وسطیہ بروز پیر ہے تو غرہ ہلالیہ کا اس پر دودن مقدم ہونا یا اس سے پانچ دن مؤخر ہونا کیسے ممکن ہے اور اسی سے حافظ کے قول معتمد کا محال ہونا ایک اور وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی اسی دلیل پر ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔(ت)

دلیل دوم: فقیر نے شام دوشنبہ ۲۹ صفر وسطے ۱۱ھ کے لئے افق کریم مدینہ طیبہ میں نیرّین کی تقویمات استخراج کیں اور حساب صحیح معتمد نے شہادت دی کہ اس وقت تک فصل قمرین حد رؤیت معتادہ پر نہ تھا آفتاب جوزا کے ۶ درجے سترہ دقیقے باون ثانیے پر تھا اور چاند کی تقویم مرئی جوزا کے پندرہ درجے ستائیس دقیقے اکتیس ثانیے، فاصلہ صرف ۹ درجے ۹ دقیقے

۳۹ ثانیے تھا، اور حسب قول متعارف اہل عمل رؤیت کے لئے کم سے کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہئے۔ حاشیہ شرح چغمینی للعلامہ البرجندی میں ہے:

المذکور فی الکتب المشھورۃ انه ینبغی ان یکون البعد بین تقویمی النیرین اکثر من عشرۃ اجزاء وقیل ینبغی ان یکون مابین مغاربیھا عشرۃ اجزاء اواکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدار ثلثی ساعۃ اواکثر والمشھور فی ھذا الزمان بین اھل العمل انه ینبغی ان یتحقق الشرطان حتی تمکن الرؤیۃ ویسمون البعد الاول بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدل[1]۔	مشہور کتابوں میں مذکور ہے کہ نیریّن (شمس وقمر) کی تقویموں کے درمیان دس درجے سے زائد فاصلہ نہ چاہئے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کی مغربوں کے درمیان دس درجے یا اس سے زائد فاصل ہونا چاہئے یہاں تک کہ چاند غروب آفتاب کے بعد دوتہائی ساعت یا اس سے زائد مقدار پر زمین سے اوپر ہو۔ اور اس زمانہ میں اہل عمل کے درمیان مشہور یہ ہے کہ دونوں شرطیں متحقق ہونی چاہئیں تاکہ رؤیت ممکن ہو۔ بعد اول کا نام بعد سواء اور بعد ثانی کا نام بعد معدل رکھتے ہیں۔ (ت)

شرح زیج سلطانی میں ہے:

باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یازیادہ وبعد میان دو تقویم ایشاں از دہ زیادہ باشد تاہر دوشرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان ایں ست[2]۔	بُعد معدل دس درجے یا اس سے زائد ہونا چاہئے اور ان کی دو تقویموں کے درمیان بُعد دس سے زائد ہوگا۔ جب تک دونوں شرطیں موجود نہ ہوں چاند دکھائی نہیں دے گا۔ اس زمانہ میں یہی متعارف ہے۔ (ت)

[1] حاشیۃ شرح چغمینی

[2] شرح زیج سلطانی

جزئیاتِ مؤامرہ کی جدول یہ ہے

وقت غروب شرعی بعد نصف النہار وسطے زیجی	وتم
تقویم حقیقی شمس بوقت مذکور	ج وسرنب
تقویم حقیقی قمر بوقت مذکور	ج لوے الـ
عرض حقیقی قمر شمالی	حـــم
اختلاف منظر قمر طولی جدولی	مت قه نا ....
اختلاف منظر قمر عرضی جدولی	الح قرح ......
تقویم مرئی قمر	ج مه الرلا
عرض مرئی قمر شمالی	ج محلب
تعدیل الغروب	آحر ....
قمر معدل	ج سولدلا
مطالع نظیر جزء الشمس	زند حه لح
مطالع نظیر جزء القمر المعدل	زسو لود
بعد معدل	ما مه لح
بعد سوائے	طط لط
حکم رویت ہلال	غیر متوقع

جب شب سہ شنبہ تک نیرّین کا یہ حال تھا کہ وقوع رؤیت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا تو اس سے دو ایک رات پہلے کا وقوع بداہۃً محال تھا جب اس رات قمر صرف نو درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ کو قطعًا کئی درجے اس سے غربی تھا اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹے پہلے ڈوبا اور شام شنبہ کو تو عصر کا اعلٰی مستحب وقت تھا جب چاند حجلہ نشین مغرب ہو چکا پھر رات کو رؤیت ہلال کیا ز مین چیر کر ہوئی۔ غرض دلائل ساطعہ سے ثابت ہے کہ اس ماہ مبارک کی پہلی یا دوسری دو شنبہ کی ہر گز نہ تھی اور روز وفات اقدس یقینا دو شنبہ ہے تو وہ دونوں قول قطعًا باطل ہیں اور حق وصواب وہی قول جمہور بمعنی مذکور ہے یعنی واقع میں تیرہویں اور بوجہ مسطور تعبیر میں بارہویں کہ بحساب شمسی نہم

جزیران ۹۴۳ سنہ رومی نوسو تینتالیس رومی اسکندر رانی ہشتم عـــہ جون ۶۳۲ چھ سو بتیس عیسوی تھی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۴: از فیروزپور محلّہ پیراں والا مسئولہ غیاث اللہ شاہ دبیر انجمن تعلیم الدین والقرآن علی مذہب النعمان ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

مشہور ہے کہ حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بارہویں ربیع الاول [1] کو ہوئی ہے چنانچہ تواریخ حبیب الٰہ اور مولود برزنجی میں یہی لکھا ہے اور اذاقۃ الآثام کے ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ:

"مولٰینا رفیع الدین خاں مراد آبادی اپنے سفر کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ بارہویں تاریخ ربیع الاول کو حرمین شریفین میں یہ محفل منعقد ہوتی ہے" [2]

مگر زید کہتا ہے کہ دراصل پیدائش کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے اور سال فیل کے حساب کرنے سے ۹ تاریخ ربیع الاول کی آتی ہے اس لئے ۱۲ ربیع الاول جو روز وفات ہے عید میلاد کرنی ممنوع ہے اور ایک کتاب رحمۃ للعالمین ایک شخص نے پٹیالہ میں حال میں لکھی ہے اس میں بھی ۹ تاریخ ولادت بحساب سال فیل تحریر کیا ہے اور شبلی نعمانی نے بھی اپنی سوانح میں ایسا درج کیا ہے تو اب ان میں صحیح اور معتبر کون سی تاریخ ہے؟ اور اگر دراصل ۹ تاریخ ولادت تو کیا عید میلاد ۹ کو کی جایا کرے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لئے وقعت عظیم ہے اور مشہور عندالجمہور ہی ۱۲ ربیع الاول ہے اور علم ہیأت و زیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں۔ تعامل مسلمین حرمین شریفین و

عـــہ: یعنی اس وقت جو شمار رائج تھا اس کے حساب سے ۸ جون اور اصلی حساب سے ۱۲ تھی زیج بہادر خانی سے بستم جون آتی ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقات سال مسیحی میں واضح کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۳۱

[2] اذاقۃ الاثام

مصروشام بلاداسلام وہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے اس پر عمل کیاجائے، اور روزولادت شریف اگرآٹھ یابفرض غلط نو یاکوئی تاریخ ہوجب بھی بارہ کو عید میلاد کرنے سے کون سی ممانعت ہے وہ وجہ کہ اس شخص نے بیان کی خود جہالت ہے، اگر مشہور کااعتبار کرتاہے توولادت شریف اوروفات شریف دونوں کی تاریخ بارہ ہے ہمیں شریعت نے نعمت الٰہی کاچرچا کرنے اور غم پر صبر کرنے کاحکم دیا، لہٰذااس تاریخ کوروزماتم وفات نہ کیاروزسرورولادت شریفہ کیا **کما فی مجمع البحار الانوار** (جیساکہ مجمع البحارالانوار میں ہے۔ت) اوراگرہیأت وزیج کاحساب لیتاہے توتاریخ وفات شریف بھی بارہ نہیں بلکہ تیرہ ربیع الاول **کماحققناہ فی فتاوٰنا** (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) بہرحال معترض کااعتراض بے معنی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۵: مرسلہ جناب قاضی ارشاد علی صاحب از بیلپور ضلع پیلی بھیت ۱۵ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ استن حنانہ یعنی وہ چوب خشک جس سے حضور پر نور علیہ الصلوۃ والسلام تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اور جس کاقصہ مولانا روم رحمہ اللہ تعالٰی نے مثنوی شریف میں تحریر فرمایاہے، کیااس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دفن کیااوراس کی نماز جنازہ پڑھی؟

الجواب:

نماز جنازہ پڑھناغلط ہے اور منبر شریف کے نیچے دفن کرناایک روایت میں آیاہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: ازپورسہ پوسٹ آفس نیت پور ضلع دیناج پور مرسلہ محمد حافظ علی صاحب، ام ام رجسترار پورسہ ۷ ۲ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

شخصے می گوید کہ سوائے قصہ ابن الصیاد رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم با دجال ملاقات کردہ بودند ودجال برصورت خود کہ بوقت خروج باشدہ بود وحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ممانعت آنحضرت گوش نہ کردہ برآں دجال تلوار زدہ بودند اما بردجال نہ افتادہ برپیشانی مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اوفتادہ بودبنابرآں ازآں	ایک شخص کہتاہے کہ ابن صیاد کے قصہ کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دجال کے ساتھ ملاقات کی جبکہ دجال اپنی اصلی صورت پر تھاجیساکہ خروج کے وقت وہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ممانعت پرکان نہ دھرتے ہوئے دجال کو تلوار ماردی جواس کونہ لگی بلکہ خود حضرت عمر

پیشانی مبارک بے انتہا خون جاری شدہ بود وہم برآں نشانے باقی ماندہ ایں روایتش صحیحہ است یا غلط؟	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مبارک پیشانی پر جالگی جس سے بہت زیادہ خون جاری ہوا اور پیشانی پر زخم کا نشان باقی رہا، کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

ایں کذب وافترائے محض ست ماناکہ از مختلقات اہل رفض ست "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰" [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ خالص جھوٹ اور افتراء ہے۔یقینا رافضیوں کی من گھڑت روایتوں میں سے ہے۔اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: از شہر محلّہ قلعہ مرسلہ حامد حسین خاں مؤرخہ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

مخدومی مکرمی محتشمی دامت برکاتہ سلام علیکم۔جناب مہربانہ توجہ مبذول فرماکر تحریر فرمائیں کہ مفتیان ذیل کس مذہب وملت واعتقاد کے لوگ ہیں اور ان کے افعال واقوال کس درجہ تک قابل تسلیم ہیں؟ خادم نوازی سے ممنون ہوں گا۔اور یہ ان کی کتب مندرجہ ذیل بطور استدلال ہیں کس پایہ کی سمجھی جاتی ہیں؟ زیادہ والسلام،علامہ طبرانی،صاحب عقد الفرید،صاحب خلل ایام فی الخلفاء الاسلام۔

الجواب:

وعلیکم السلام،محمد بن جریر طبرانی دو گزرے ہیں:ایک مفسر،محدث،سنی،شافعی المذہب،ان کی تاریخ کبیر کمیاب ونادر الوجود ہے۔دوسرا رافضی مصنف مطاعن صحابہ وایضاح المسترشد۔اکثر لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے اس کے اقوال کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں،پھر تاریخ کسی کی تصنیف ہو مدار عقیدہ نہیں ہو سکتی،مورخ رطب،یابس،مسند،مرسل،مقطوع،معضل سب کچھ بھر دیتے ہیں۔ایک عقد الفرید تو در بارہ تقلید علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تالیف ہے یہ گیارہویں صدی کے ایک متاخر سنی عالم فقیہ حنفی ہیں،فقہ حنفی میں نور الایضاح ومراقی الفلاح وامداد الفتاح وغیرہ بہت کتب و رسائل ان کی تصنیف ہیں،عقد الفرید میں ان کی رائے نہ محققین کو قبول نہ خود ان کی معمول۔دوسرا رسالہ اس نام کا شیخ عطاء الدین علی سمہودی کا اس باب میں ہے،تیسرا انساب،چوتھا علم تجوید،پانچواں کلام،چھٹا اخلاق ہیں۔صاحب کشف الظنون نے اور ذکر کئے جن کے نام اس کتاب میں

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

دیکھے جاتے ہیں وبس۔ خلل ایام کسی کتاب کا نام بھی سننے میں نہ آیا، نہ کشف الظنون میں کوئی کتاب اس نام کی لکھی شاید حال کے کسی شخص کی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۸: از ضلع سیتاپور محلّہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بارہ امام جن کے نام عوام میں مشہور ہیں ان میں باستثنائے جناب امام علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسن وحضرت امام حسین وحضرت امام مہدی کے کسی اور امام کی نسبت صحیح حدیثوں میں اشارۃً یا صراحۃً کوئی خبر آئی ہے؟ امامت ان کی ولایت کے درجے پر ماننا چاہئے ان کے عقائد واحکام واعمال وغیرہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مشابہ تھے یا سب سے الگ؟ یہ خود مجتہد تھے یا مقلد؟ بعض اعمال وجفر وغیرہ کی کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ صحاح کی کتابوں میں ان کی روایتیں بہت کم لی گئی ہیں حالانکہ ان کا خاندانی علم تھا ان سے زیادہ دوسرے کو کہاں تک واقفیت ہو سکتی ہے اہلسنّت کی کتابوں میں ان کے حالات کم لکھنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:

امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں ہے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا کہ ان سے ہمارا سلام کہنا۔ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ طلب علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان کی غایت تکریم کی اور کہا: **رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسلّم علیک**[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور **اخرج منکما الکثیر الطیب**[2] (اللہ تعالٰی تم دونوں کو کثیر پاکیزہ اولاد عطا فرمائے) میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔ امامت اگر بمعنی مقتدی فی الدین ہونے کے ہے تو بلاشبہہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدی فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں عبدالملک و عبدالرب، انہیں امامین کہتے ہیں، تو بلاشبہہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے۔ اور اگر امامت بمعنی خلافت عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المومنین مولٰی علی وسیدنا امام حسن مجتبٰی کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۶۹۰۱ محمد بن علی بن حسین دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۷/ ۲۱۶،۲۱۵

[2] تنزیہ الشریعۃ باب فی مناقب السبطین وامہما وآل البیت دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۱۱

وہ خاصہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے جس کو فرمایا "اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا"[1] (میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ت) وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی، "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"[2] (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ ت) ہر غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جسے فرمایا: "وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا"[3] (اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ ت) مگر اطیعوا الرسول کے مرتبے تک نہیں ہوسکتی اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت وبے دینی ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ تک تو بلاشبہہ یہ حضرات مجتہدین وائمہ مجتہدین تھے، اور باقی حضرات بھی غالبًا مجتہد ہوں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

یہ نظر بظاہر ہے ورنہ باطنی طور پر کوئی شک کا مقام نہیں کہ یہ سب حضرات عین الشریعۃ الکبرٰی تک واصل تھے، جو بسند صحیح ثابت یا کسی فقہ معتمد کی نقل ہے اس کا ثبوت مانا جائے گا ورنہ مجاہیل یا عوام یا ایسی کتاب کی نقل جو رطب ویابس سب کی جامع ہوتی ہے کوئی ثبوت نہیں۔ صحاح میں صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایات بھی بہت کم ہیں، رحمت الٰہی نے حصے تقسیم فرمادیئے ہیں کسی کو خدمت الفاظ، کسی کو خدمت معانی، کسی کو تحصیل مقاصد، کسی کو ایصال الی المطلوب، نہ ظاہری روایت کی کثرت وجہ افضلیت ہے نہ اس کی قلّت وجہ مفضولیت۔ صحیحین میں امام احمد سے صدہا احادیث ہیں اور امام اعظم وامام شافعی سے ایک بھی نہیں، اور باقی صحاح میں اگر ان سے ہیں بھی تو بہت شاذونادر، حالانکہ امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بلکہ امام احمد کا منصب بھی بہت ارفع واعلٰی ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں رُبع اسلام کہا ہے۔ ہزاروں محدثین جو فقیہ تک نہ تھے ان سے جتنی روایات صحاح میں ملیں گے صدیق وفاروق بلکہ خلفائے اربعہ سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ ملے گا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ یہ محض غلط وافتراء ہے کہ ان کے احوال اہلسنت کی کتابوں میں کم ہیں، اہلسنّت کی جتنی کتابیں بیان حالات اکابر میں ہیں سب ان پاک مبارک محبوبان خدا کے ذکر سے گونج رہی ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۷۳

خود ان کے ذکر میں مستقل کتابیں ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۹: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب قادری برکاتی رضوی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت مولائے مسلمین امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نجف اشرف میں قبر شریف کے اندر پردہ پوش ہیں یا آنجناب رضی اللہ تعالٰی عنہ مدفون نہیں ہوئے اور نجف شریف میں آپ کی قبر شریف نہیں ہے؟ بر تقدیر ثانی حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیت سے نجف اشرف جانا کیسا ہے؟ شیر خدا رضی اللہ تعالٰی عنہ کہاں آرام فرماتے ہیں؟

الجواب:

روایات مختلف ہیں، یہ بھی روایت آئی کہ نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی غرض سے ایک بغلہ پر رکھ کر چلے اور وہ چھوٹا اور غائب ہوگیا اور منع زیارت کے لئے عدم مزار کا یقین چاہئے اور جواز زیارت کے لئے ایک روایت واحتمال کافی ہے اور یہ لوگ اللہ کے نور ہیں انہیں جہاں سے پکاروگے فیض پہنچائیں گے۔ حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وعلٰی بعلہا وابنیہا وبارک وسلم کے مزار اطہر میں بھی دو ۲ روایتیں ہیں، بقیع شریف میں اور خاص جوار روضہ اقدس میں۔ ایک صاحب دل نے مدینہ طیبہ کے ایک عالم سے کہا میں دونوں جگہ حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہوں انوار پاتا ہوں۔ فرمایا: یہ کریم ذاتیں جگہ کی پابند نہیں تمہاری توجہ چاہئے پھر نور باری ان کا کام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۰: از ضلع خاندیش بچھم بھاگ تعلقہ ڈاک خانہ لگر منداسوستان کاٹھی مقام علاکوا مرسلہ محمد اسمٰعیل ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت پیران پیر دستگیر کے گیارہ نام کیا کیا ہیں؟

الجواب:

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسماء شریفہ یہ ہیں: سید محی الدین سلطان، محی الدین قطب، محی الدین خواجہ، محی الدین مخدوم، محی الدین ولی، محی الدین بادشاہ، محی الدین شیخ، محی الدین مولٰنا، محی الدین غوث، محی الدین خلیل، محی الدین، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۱: از مقام کاٹھیاواڑ، ترسالی احمد داد صاحب یکم جمادی الاآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ "حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب ضعیف ہوا جاتا ہے لہٰذا تم میرے مذہب میں آجاؤ میرے مذہب میں آنے سے میرے مذہب کو تقویت ہو جائے گی، اس لئے حضرت غوث پاک حنفی سے حنبلی ہوگئے۔

الجواب:

یہ روایت صحیح نہیں، حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے اور بعد کو جب عین الشریعۃ الکبرٰی تک پہنچ کر منصب اجتہاد مطلق حاصل ہوا مذہب حنبل کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے مطابق فتوٰی دیا کہ حضور محی الدین اور دین متین کے یہ چاروں ستون ہیں لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضعف آتا دیکھا اس کی تقویت فرمائی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۲: از حیدر آباد قریب ڈیوڑھی نواب نصرت جنگ بہادر مرسلہ سید غلام فضل بیابانی قاضی درنگل یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی تھی یا نہیں؟ مولانا کی تحقیقات میں جو بات ثابت ہو اس سے بھی بحوالہ کتب حسن ایما ہو۔

الجواب:

حضرت سید احمد کبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی نہ تھی حضرت کے بھانجے تھے، وفیات الاعیان میں ہے: **لم یکن لہ عقب**[1] (آپ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ت) قلائد الجواہر میں ہے:

قال العلامۃ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی سیدی الشیخ الکبیر محی الدین سلطان العارفین ابو العباس احمد بن الرفاعی لم یبلغنا انہ اعقب کما جزم بہ غیر واحد من الائمۃ المرضیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	علامہ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے فرمایا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ ہمارے سردار، شیخ کبیر، محی الدین، سلطان العارفین، ابوالعباس احمد بن رفاعی علیہ الرحمہ نے کوئی اولاد چھوڑی ہو، جیسا کہ متعدد پسندیدہ ائمہ نے اس پر جزم فرمایا ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے(ت)

[1] وفیات الاعیان ترجمہ ابو العباس احمد بن علی المعروف بابن الرفاعی ۲۰ دار الثقافۃ بیروت ۱/ ۱۷۲

[2] قلائد الجواہر فی مناقب عبدالقادر

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ غلام رسول ۱۱ شوال محلّہ بہاری پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے کہ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت میں جتنی روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کیونکہ اس وقت تمام مخالفین موجود تھے وہ ہی راوی ہوں گے لہٰذا کوئی ثقہ نہ پایا گیااور نیز اصحاب رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین موجود نہ تھے بالفرض مان لیاجائے کہ موجود تھے تواپنی اپنی جگہ، لہٰذاان کو خبر ملے توان مخالفین سے اس وجہ سے یہ بھی ضعیف ہوگی۔اور بکر کہتاہے کہ ایسے مواقع میں خبر صحیح ہوسکتی ہے۔زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ موجود تھے اور حرم محترم بھی موجود تھے اور موافقین تھے لہٰذاروایتیں صحیح ہوسکتی ہیں ان دونوں سے کون حق پر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بکر حق پر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۴۱: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی پرگنہ اجاؤں ضلع بریلوی مرسلہ امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتاہے کہ میں اولاد سید بدیع الدین صاحب عرف شاہ مدار کے ہوں اوران ہی سے ہمیں خلافت بھی ہے۔عمرو نے اس پر جواب دیاکہ سید بدیع الدین صاحب نے نہ شادی کی نہ ان کی اولاد ہوئی پھر تم کہاں سے پیدا ہوئے اور تمہیں خلافت کس نے دی۔زید نے اس پر جواب دیاکہ نہیں سیّد بدیع الدین صاحب نے دو خلیفہ کئے ہم انہیں کی اولاد میں ہیں اورانہیں سے خلافت چل رہی ہے۔

(۲) زید کہتاہے کہ ہم مدار صاحب کے بھتیجوں کی اولاد میں ہیں۔

(۳) زید کہتاہے کہ سید مدار صاحب نے ایک نقش لکھ کرایک عورت کو دکھایا کہ جس کے دیکھنے سے وہ حاملہ ہوگئی اوراس سے جواولاد پیدا ہوئی ہم اس کی اولاد میں ہیں یہاں تک کہ ایک گاؤں اس کی اولاد سے آباد ہے۔

(۴) زید کامرید مع زید یہ بات کہتاہے کہ جب ہماری خلافت ثابت نہیں توآج تک کسی عالم نے کیوں نہیں منع کیا۔

(۵) یہ کہ اب علماء فرمائیں کہ سید مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ کیایانہیں یاشادی کی یانہیں

یا کوئی بھتیجا ہمراہ آیا تھا یا نہیں، اور اگر کسی کو خلیفہ کیا تو اس کی اولاد ہوئی یا نہیں اور وہ خلیفہ کہاں گئے اور کیا ہوئے؟

(۶) سید مدار صاحب کا وصال مکن پور ہوا یا کہیں اور؟ اور وہ خلیفہ کہاں مدفون ہیں؟

(۷) یہ کہ وہ خلیفہ ہندوستان میں گئے یا عرب میں یا کہاں؟

(۸) یہ کہ وہ خلیفہ سید مدار صاحب سے پہلے رحلت کرگئے یا بعد کو؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بے اصل وبے سروپا باتیں ہیں جن کا کہیں پتا نہیں، سبع سنابل شریف میں ہے: حضرت مدار صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے:

خلافت نہ کسے دادہ ام نخواہم داد[1]، میں نے خلافت نہ کسی کو دی ہے نہ آگے دوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۲: از موصل تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

سورہ فاتحہ کا شان نزول کہیں نہیں ملتا، شان نزول بیان فرمائیں۔

الجواب:

سورۂ فاتحہ رحمت الٰہی ہے، دعا وثنا ہے کہ رب عزوجل نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی، کسی خاص واقع کے لئے اس کا نزول نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۳: حافظ نجم الدین صاحب نجم چترھائی نیب ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیات: "**اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ**"[2]

"**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ**"[3] کے مصداق کون لوگ ہیں؟ اور ان کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب:

یہ خطاب عام ہے خاص اشخاص اس سے مراد نہیں، سب مسلمانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ

---

[1] سبع سنابل مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۱

[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۹

تمہارے مال واولاد آزمائش ہیں ایسانہ ہو کہ ان کے سبب یاد الٰہی سے تم غافل ہو جاؤ اور جو ایسا کرے گا وہ نقصان پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از شہر گیا محلّہ نذر گنج مسئولہ شمس الدین احمد اللہ خاں ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خضر علیہ السلام مالک بری ہیں یا بحری؟ اور ادریس علیہ السلام اب کہاں ہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مالک بحر و بر ہر خشک وتر اللہ عزوجل ہے اور اس کی عطا سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضور کی نیابت سے خضر علیہ السلام کے تصرفات خشکی و دریا دونوں میں ہیں۔ ادریس علیہ السلام آسمان پر ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "**وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا**"[1] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۵: از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے انہوں نے سفر کیا، راستے میں ایک دریا پڑا اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے، تب ان بزرگ کامل نے کہا "تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید یا جنید کہتے چلو اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا" درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا تب وہ ڈوبنے لگا، اس وقت ان بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہہ یا جنید یا جنید کہہ، تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا۔ یہ درست ہے یا نہیں؟ اور بزرگ کامل کے لئے کیا حکم ہے اور آدمی کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا، اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا، اور یہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یا جنید کہنا خصوصًا حیات دنیاوی میں خصوصًا جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کر سکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے حکم پوچھنا کمال بے ادبی و گستاخی و دریدہ دہنی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۷

مسئلہ ۲۴۶: از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب فیض درجت خدام ذوی الاحتشام حضرت نعمان الزمان مولانا و بالفضل اولٰینا مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت شموس افاداتہ بازغہ معروض باد۔ معراج میں ایک قطار اونٹوں کی کہ ہر ایک پر دو صندوق، ہر صندوق میں انڈے بھرے، ہر انڈے میں ایک عالم مثل اس عالم کے، اس قطار کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رواں ہی دیکھا ابتداء انتہا نہیں دیکھی، حضرت کی درخواست پر منظور ہو کر اجازت دی اور انڈا کھولا گیا، حضرت ایک شہر کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک واعظ حضرت خاتم النبیین کا ذکر فرماتے تھے واعظ نے یہ بھی کہا کہ حضرت اس جہاں میں ایک بار تشریف لائیں گے، سر اٹھا کر دیکھا اور قدمبوسی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم تو بے شمار مگر خاتم ایک ہی ہے۔ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

روایت بعض کتب [1] تصوّف میں ہے، حدیث میں اس کی کچھ اصل نہیں، اور ہو تو وہ عالم مثال کی تصویریں ہیں۔

قال اللہ تعالٰی " وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىٕنُهٗ٘ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ " [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں، ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۷: از وزیر آباد محلّہ لکڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ مسئولہ نظام الدین عثمانی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سید نہیں اور نہ حسن مثنّٰی کی اولاد میں ہیں۔ مہربانی فرما کر کتب معتبرہ شیعہ و سنی سے نقل عبارت مع صفحہ و نام کتاب تحریر فرمائیں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یقینا قطعًا اجل سادات کرام سے ہیں، حضور کی سیادت متواتر ہے، حضرت سیدی امام اوحد ابوالحسن لخمی قدس سرہ کی بہجۃ الاسرار شریف

---

[1] رہبر حق ص ۴۰

[2] القرآن الکریم ۱۵/ ۲۱

اور امام جلیل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی کی اسنی المفاخر وعلامہ علی قاری کی نزہۃ النواظر اور مولینا نورالدین جامی کی نفحات الانس اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی زبدۃ الآثار وغیرہم اجلہ اکابر کی معتمدات اسفار ملاحظہ ہوں۔ فقیر بوجہ علالت تبدیل ہوا کے لئے پہاڑ پر آیا ہوا ہے ورنہ کتابوں کے حوالے اور صفحات کے نشان لکھتا۔ رافضیوں کی کتابیں میرے کتب خانہ میں نہیں، نہ مسلمانوں کو ان کی بات پر کان رکھنا جائز، میں رسالہ ردالرفضہ میں کتب معتمدہ کثیرہ ودلائل قاطعہ منیرہ سے ثابت کرچکا ہوں کہ روافض زمانہ سب کفار مرتدین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [1]۔	ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈالدیں۔(ت)

رافضیوں کے یہاں تو معیار سیادت رفض ہے، سنی کیسا ہو جلیل القدر سید ہو اسے ہر گز سید نہ مانیں گے اور کوئی کیسا ہی رذیل ذلیل قوم کا آج رافضی ہو جائے کل سے میر صاحب ہے "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ" [2] (اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

رسالہ

جمع القراٰن وبِمَ عزوہ لعثمان ۱۳۲۲ھ

(قرآن کو جمع کرنا اور اس کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف کیوں کرتے ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۲۴۸: از شہر کہنہ بریلی ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ قرآن شریف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا تھا یا ان سے پہلے بھی کسی نے جمع کیا؟ اور یہ جو سنا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا، اور ان کا جمع کیا ہوا مدفون کردیا گیا، یہ سچ ہے یا غلط؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات وتکمیل وتفصیل سُوَر زمانہ اقدس حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں بامر الٰہی حسب بیان جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وارشاد وتعلیم حضور سید المرسلین واقع ہوئی تھی، مگر قرآن عظیم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے

سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھر کی تختیوں، بکری، دنبے کی پوستوں، شانوں، پسلیوں وغیرہا میں تھا ایک جگہ سارا قرآن عظیم مجموع نہ تھا۔ جب جنگ یمامہ میں کہ مسیلمہ کذاب ملعون مدعی نبوت سے زمانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوئی صدہا صحابہ کرام حفاظ قرآن نے شہادت پائی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دل الہام منزل میں حق جل وعلا نے القاء کیا کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے۔ یونہی جہادوں میں حفّاظ صحابہ شہید ہوتے گئے اور قرآن عظیم متفرق رہا تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآن عظیم کی سب سورتیں یکجا کرلی جائیں۔ خلیفہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا کہ بحمد اللہ تعالٰی سارا قرآن عظیم یکجا ہوگیا، ہر سورت ایک جدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تاحیات صدیقی حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور ان کے بعد حضرت ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم کے پاس رہے۔ عرب میں ہر قوم و قبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفظ میں مختلف تھی، مثلاً حرف تعریف میں کوئی الف لام کہتا تھا کوئی الف میم کہ اسی لغت پر حدیث:

لیس من امبر الصیام فی امسفر[1]۔	سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ (ت)

وارد ہے علامات مضارع حروف "اتین" کو کوئی مفتوح پڑھاتا تھا کوئی مکسور، ماشبہہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا کوئی مرفوع، اِنَّ و اَنَّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا، بعض قبائل ہر جگہ (ب) کو (م) بولتے (م) کو (ب)، تاء رحمۃ ونحوہا کوئی حالت وقفی میں کوئی (ہ) کہتا کوئی (ت) منصوب منوّن پر، کوئی الف سے وقف کرتا کوئی صرف سکون سے، بعض مرفوع ومجرور پر بھی واو ویا سے وقف کرتے۔ بعض قومیں حروف مدہ حرکات موافقہ پر قناعت کرتیں اَعُوْذُ کو اَعُذُ، تَعَالٰی کو تَعَالَ وغیر ذلک کہتیں۔ اسی قسم کے بہت سے تفاوت لہجہ وطرز ادا تھے، قرآن عظیم خاص لغت قریش پر اُترا تھا کہ صاحب قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قریشی تھے۔

گلبن تو کہ زگلزار قریشی گل کرد   زان سبب آمدہ قرآن بزبان قرشی

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الصیام باب الصیام فی السفر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸۵

(آپ کا شجرہ گلاب چونکہ قریش کے باغ سے ظاہر ہوا، اسی سبب سے قرآن مجید قریش کی لغت پر آیا۔ت)

زمانہ اقدس حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں کہ قرآن عظیم نیا نیا اُترا تھا اور ہر قوم وقبیلہ کو اپنے مادری لہجہ قدیمی عادات کا دفعۃً بدل دینا دشوار تھا آسانی فرمائی گئی تھی کہ ہر قوم عرب اپنے طرز ولہجہ میں قرأت قرآن عظیم کرے، زمانہ نبوت کے بعد شدہ شدہ اقوام مختلفہ سے بعض بعض لوگوں کے ذہن میں جم گیا جس لہجہ ولغت میں پڑھتے ہیں اس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے یہاں تک کہ زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بعض لوگوں کو اس بات پر باہم جنگ وجدل وزدوکوب کی نوبت پہنچی یہ کہتا تھا قرآن اس لہجہ میں ہے وہ کہتا تھا نہیں بلکہ اس دوسرے میں ہے، ہر ایک اپنے لغت پر دعوی کرتا تھا جب یہ خبر امیر المومنین عثمان غنی کو پہنچی فرمایا ابھی سے تم میں یہ اختلاف پیدا ہوا تو آئندہ کیا امید ہے۔ لہٰذا حسب مشورہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم ودیگر اعیان صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم یہ اقرار پایا کہ اب ہر قوم کو اس کے لب و لہجہ کی اجازت میں مصلحت نہ رہی بلکہ فتنہ اٹھتا ہے لہٰذا تمام امت کو خاص لغت قریش پر جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے جمع کردینا اور باقی لغات سے بازرکھنا چاہئے، صحیفہائے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ حضرت ام المومنین بنت الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس محفوظ ہیں منگا کر ان کی نقلیں لے کر تمام سورتیں ایک مصحف میں جمع کریں اور وہ مصاحف بلاد اسلام میں بھیج دیں کہ سب اسی لہجہ کا اتباع کریں اس کے خلاف اپنے اپنے طرز ادا کے مطابق جو صحائف یا مصاحف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفع فتنہ کے لئے تلف کردیئے جائیں، اسی رائے صائب کی بناء پر امیر المومنین رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالی عنھا سے کہلا بھیجا کہ صحیفہائے صدیقی بھیج دیجئے، امیر المومنین نے زید بن ثابت و عبداللہ بن زبیر وسعید بن عاص وعبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نقلیں کرنے کا حکم دیا، وہ نقلیں مکہ معظّمہ وشام ویمن وبحرین وبصرہ وکوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی اور اصل صحیفے جمع فرمودہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے یہ نقلیں ہوئی تھیں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس دیئے ان کی نسبت معاذاللہ دفن کرنے یا کسی طرح تلف کرادینے کا بیان محض جھوٹ ہے وہ مبارک صحیفے خلافت عثمانی پھر خلافت مرتضوی پھر خلافت امام حسن پھر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم تک بعینہا محفوظ تھے یہاں تک کہ مروان نے لے کر چاک کردیئے۔

بالجملہ اصل جمع قرآن تو بحکم رب العزّۃ

حسب ارشاد حضور پُرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو لیا تھا سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کیا پھر اسی جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان غنی نے بمشورہ امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بلاد اسلام میں شائع کئے اور تمام امت کو اصل لہجہ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالٰی شانہ ہے، کما قال عزمن قائل:

"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡاٰنَهٗ ﴿ۚ۱۷﴾ "۔[1]	بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔(ت)

اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حاکم مستدرک میں بشرط بخاری ومسلم حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع[2]	یعنی ہم زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قرآن پارچوں میں جمع کرتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان شریف میں فرماتے ہیں:

قد کان القرآن کتب کلہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[3]۔	سارا قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد اقدس میں لکھا گیا تھا لیکن وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا اور سورتیں مرتب نہیں ہوئی تھیں۔(ت)

صحیح بخاری شریف میں انھیں سے مروی:

قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جنگ یمامہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق

[1] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷
[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر جمع القرآن لم یکن مرۃ واحدۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۲۹
[3] الاتقان النوع الثامن عشر فی جمعہ وترتیبہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

عندہ فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قداستحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی اخشی ان یستحر القتل بقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی ارٰی ان تامر بجمع القرآن قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لا نتّھمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال.فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر[1] ھذا مختصرًا۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں موجود تھے، ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میرے پاس حضرت عمر آئے ہیں اور کہاہے کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قراء قرآن شہید ہوئے ہیں، مجھے خوف ہے کہ اگر جنگوں میں قراء کثرت سے سے شہید ہوتے رہے توقرآن مجید کابہت سا حصہ ضائع ہوجائے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کاحکم دیں، حضرت زید نے کہاحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے فرمایا تم ایک نوجوان عقلمند مرد ہو ہم آپ کو کسی معاملے میں تہمت نہیں لگاتے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن مجید تلاش کرو اور اس کو جمع کردو، چنانچہ میں نے قرآن مجید کو ڈھونڈا اور اس کو کھجور کے پٹھوں، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا تھا وہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس رہے آپ کے وصال کے بعد سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنھا کے پاس موجود رہے (اختصار)۔(ت)

اس حدیث طویل کاخلاصہ وہی ہے کہ بعد جنگ یمامہ فاروق نے صدیق کو جمع قرآن کا مشورہ اور صدیق نے زید بن ثابت کو اس کاحکم دیا کہ متفرق پرچوں سے سب سورتیں یکجا ہو کر صدیق پھر عمر فاروق پھر ام المومنین کے پاس رہیں رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر	مصاحف میں سب سے زیادہ ثواب ابوبکر کا

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶، ۷۴۵

رحمۃ اللہ علٰی ابی بکر، ھو اول من جمع کتاب اللہ، رواہ ابن ابی داؤد المصاحف [1] بسند حسن عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول فذکرہ۔	ہے اللہ ابوبکر پر رحمت کرے سب سے پہلے انہیں نے قرآن جمع کیا۔ (اس کو ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا، پھر وہی حدیث ذکر کی۔ت)

امام اجل عارف باللہ محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں:

کتابۃ القراٰن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یأمر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخھا من مکان الی مکان مجتمعا وکان ذٰلک بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیھا القراٰن منتشر فجمعھا جامع وربطھا بخیط حتی لایضیع منھا شیئ۔ نقلہ فی الاتقان [2]۔	یعنی قرآن کالکھنا کوئی نیاکام نہیں یہ توزمانہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بحکم اقدس ہوچکاتھا مگر متفرق تھا پارچوں، شانے کی ہڈیوں اور کھجور کے پٹھوں پر لکھاہواتھا صدیق نے یکجا کردیاتو گویا کہ یہ ایساہواکہ قرآن کے اوراق جو حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کاشانہ مبارک میں منتشر تھے وہ جمع کرنے والے نے ایک ڈورے میں باندھ دیئے تاکہ اس میں سے کوئی شے ضائع نہ ہو۔ (اس کو اتقان میں نقل کیا۔ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

حدثنا موسٰی ثنا ابراھیم ثنا ابن شھاب ان انس بن مالك حدثہ ان حذیفۃ بن الیمان قدم علٰی عثمٰن وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیۃ	ہمیں موسٰی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں ابراہیم نے انہوں نے کہا ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں حدیث بیان کی کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الاتقان بحوالہ ابن ابی داؤد فی المصاحف النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

[2] الاتقان بحوالہ الحارث المحاسبی فی کتاب فھم السنن النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

واٰذربیجان مع اھل العراق فافزع حذیفۃ اختلافھم فی القرأۃ فقال حذیفۃ لعثمان یاامیر المؤمنین ادرک ھذہ الامّۃ قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیھود والنصارٰی فارسل عثمٰن الی حفصۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ان ارسلی الینا بالصحف ننسخھا فی المصاحف ثم نردّھا الیک فارسلت بھا حفصۃ الٰی عثمٰن فامر زید بن ثابت وعبداللہ بن زبیربن وسعید بن العاص وعبد الرحمٰن بن الحارث بن ھشام فنسخوھا فی المصاحف و قال عثمٰن للرھط القرشیین الثلثۃ اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیئ من القراٰن فاکتبوہ بلسان قریش فانما نزل بلسانھم ففعلوا حتّٰی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمٰن الصحف الٰی حفصۃ و ارسل الٰی کل افق بمصحف ممّا نسخوا وامر بماسواہ من القراٰن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق[1]۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے جبکہ وہ اہل شام اور اہل عراق کو آرمینیہ اور آذربیجان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کو فتح کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہے تھے، حذیفہ کو اہل شام اور اہل عراق کے قرآن پڑھنے کے اختلاف نے گھبراہٹ میں ڈال دیا تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا اے امیر المومنین! اس امت کو یہود ونصارٰی کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے سے روکیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی کو ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ صحیفے ہمارے پاس بھیج دیں ہم ان کو مصحف میں لکھ کر پھر آپ کو واپس کر دیں گے۔ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہانے صحیفے امیر المومنین کے پاس بھیج دیئے توانہوں نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم دیا، انہوں نے اس کو مصاحف میں لکھ دیا۔حضرت عثمان غنی

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶

	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قریشیوں کو حکم دیا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت کاقرآن مجید کے کسی کلمے میں اختلاف ہوجائے تو اس کو لغت قریش کے مطابق لکھو کیونکہ قرآن مجید صرف لغت قریش پر نازل ہوا۔انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حکم کی تعمیل کی حتی کہ جب انہوں نے صحیفوں کو مصاحف میں لکھ دیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیئے،اور ملک کے ہر کونے میں ایک مصحف بھیج دیا جو انہوں نے لکھا تھا اور حکم دیا اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفہ یا مصحف میں ہے اس کو جلادیا جائے۔(ت)

دیکھو یہ حدیث صحیح بخاری صاف گواہ عدل ہے کہ امیر المومنین عثمان غنی نے اختلاف لہجہ ولغات سن کر صحیفہائے صدیقی حضرت حفصہ سے منگائے اور انہیں کی نقلوں سے مصحف بناکر بلاد اسلام میں بھیجے اور وہ صحیفے بعد نقل حضرت ام المومنین کو واپس دیئے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ابن اشتہ کتاب المصاحف میں راوی:

اختلفوا فی القراءۃ علی عھد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذٰلك عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال عندی تکذبون بہ وتلحنون فیہ،فمن نأی عنی کان اشد تکذیبا واکثر لحنا یا اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجتمعوا فاکتبوا للناس اماما فاجتمعوا فکتبوا الحدیث رواہ من طریق ایوب عن ابی قلابۃ قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال لہ انس بن مالک[1]، فذکرہ۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں لوگوں میں قرآن مجید کے اندر اس قدر اختلاف پڑگیا جس کی وجہ سے پڑھنے والے بچوں اور پڑھانے والے اساتذہ میں لڑائی ہونے لگی،حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے سامنے قرآن کو جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ اس سے بھی زیادہ جھٹلاتے اور غلطی کرتے ہوں گے،اے اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! جمع ہوجاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام(قرآن) لکھو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جمع ہوکر قرآن لکھا۔اس حدیث کو ابن اشتہ نے ایوب کے طریق پر ابوقلابہ سے روایت کیا،اس نے کہا مجھ سے بنی عامر کے ایک مرد نے بیان کیا جس کو انس بن مالک کہا جاتا ہے،پھر وہی حدیث مذکور ذکر کی۔(ت)

سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشتہ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

لاتقولوا فی عثمٰن الاّخیرا فواللہ مافعل فی المصاحف الامن ملأمنا قال ماتقولون فی ھذہ القراءۃ فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیرمن قرائتك وھٰذا یکادیکون کفرا قلنا فماتری .قال اری ان یجمع الناس علٰی مصحف واحد فلاتکون فرقۃ ولااختلاف قلنا نعم مارأیت[1]۔رواہ ابوبکر بن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ قال قال علی رضی اللہ تعالٰی فذکرہ۔	یعنی عثمان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم معاملہ مصاحف میں انہوں نے جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ و اتفاق سے کیا انہوں نے ہم سے کہا کہ تم ان مختلف لہجوں میں کیا کہتے ہو مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اوروں سے کہتے ہیں میری قرات تیری قرات سے اچھی ہے اور یہ بات کفر کے قریب تک پہنچی ہوئی ہے، ہم نے کہا بھلا آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا میری رائے یہ ہے کہ سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردیں کہ پھر باہم نزاع واختلاف نہ ہو، ہم سب نے کہا آپ کی رائے بہت خوب ہے (اس کو ابوبکر بن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ سوید بن غفلہ سے ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا پھر حدیث مذکور ذکر کی۔ت)

اتقان میں ہے:

قال ابن التین وغیرہ الفرق بین جمع ابی بکر وجمع عثمٰن ان جمع ابی بکر کان لخشیۃ ان یذھب من القراٰن شیئ بذھاب حملتہ لانہ لم یکن مجموعا فی موضع واحد فجمعہ فی صحائف مرتبا لاٰیات سورہ علی ماوقفھم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وجمع عثمٰن	ابن تین وغیرہ نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جمع کرنا اس خوف سے تھا کہ قراء قرآن کی شہادت کے سبب سے قرآن کا کچھ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ قرآن مجید یکجانہ تھا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قرآن مجید کو صحیفوں میں اس طرح جمع کردیا کہ ہر ایک سورت کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان کے مطابق مرتب

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشۃ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

کان لما کثرالاختلاف فی وجوہ القرأۃ حتی قرؤوہ بلغاتھم علی اتساع اللغات فادی ذٰلك بعضھم الٰی تخطئۃ بعض فخشٰی من تفاقم الامر فی ذٰلك فنسخ تلك الصحف فی مصحف واحد مرتبا لسورہ واقتصر من سائر اللغات علٰی لغۃ قریش محتجّاباَنّہ نزل بلغتھم۔ وان کان قدوسّع فی قرأتہ بلغۃ غیرھم رفعا للحرج والمشقۃ فی ابتداء الامر فرأی ان الحاجۃ الی ذٰلك قد انتھت فاقتصر علی لغۃ واحدۃ[1]۔	کرکے درج فرمادیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس وقت قرآن مجید جمع فرمایا جب قرأت کی وجوہ میں بکثرت اختلاف واقع ہوا۔ جبکہ عربوں نے وسیع لغات کی بناء پر اپنی اپنی زبانوں میں الگ الگ قرأت میں قرآن پڑھنا شروع کردیا اور ایک زبان والے دوسری زبان والوں کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لوگوں کے درمیان معاملہ سے حد سے بڑھ جانے کا خوف محسوس ہوا اس لئے آپ نے تمام صحیفوں کو ایک مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کردیا اور تمام لغات کو چھوڑ کر صرف لغت قریش پر اکتفاء کیا۔ اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا اگرچہ حرج اور مشقت سے بچنے کے لئے شروع شروع غیر قریش کی لغات میں پڑھنے کی بھی اجازت تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سمجھا کہ اب اس کی حاجت نہیں رہی۔ لہٰذا آپ نے ایک ہی لغت پر انحصار فرمایا۔ (ت)

امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

کان ھذا سببا لجمع عثمٰن القراٰن فی المصحف، و الفرق بینہ وبین الصحف ان الصحف ھی الاوراق المحررۃ التی جمع فیھا القراٰن فی عھد ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ وکانت سورا مفرقۃ کل سورۃ مرتبۃ باٰیاتھا علٰی حدۃ، لکن	یہ تھا سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مصحف میں قرآن جمع کرنے کا۔ صحیفوں اور مصحف میں فرق یہ ہے کہ صحیفے وہ اوراق ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں قرآن مجید لکھا گیا تھا اس میں سورتیں الگ الگ تھیں، ہر سورت اپنی آیات کے ساتھ الگ مرتب تھی لیکن بعض کو بعض کے بعد

[1] الاتقان النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۔۵۹

لم یرتب بعضھا اثر بعض فلما نسخت و رتب بعضھا اثر بعض صارت مصحفا، ولم یکن مصحفا الا فی عھد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	بالترتیب نہیں رکھا گیا تھا، جب ان کو اس طرح لکھا گیا بعض سورتوں کو بعض کے بعد بالترتیب رکھا گیا تو مصحف بن گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد سے پہلے مصحف نہ تھا۔ (ت)

عمدۃ القاری واتقان شریف میں ابوبکر بن ابی داؤد سے منقول:

قال سمعت اباحاتم السجستانی یقول کتب سبعۃ مصاحف فارسل الی مکۃ و الی الشام والی الیمن والی البحرین و الی البصرۃ والی الکوفۃ وحبس بالمدینۃ واحدا۔[2]	اس نے کہا میں نے ابوحاتم سجستانی کو کہتے سنا کہ حضرت عثمان نے سات مصحف تحریر فرمائے۔ ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ میں بھیج دیا جبکہ ایک مدینہ منورہ میں رکھ لیا۔ (ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

(حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف ردعثمن الصحف الٰی حفصۃ) فکانت عندھا حتی توفیت فاخذھا مروان حین کان امیرا علی المدینۃ من قبل معٰویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فامر بھا فشققت وقال انما فعلت ھذا لانی خشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فیھا مرتاب رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ۔[3]	یہاں تک کہ جب انہوں نے صحیفے مصحف میں رکھ لئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیئے، وہ وصال تک حضرت حفصہ کے پاس رہے، پھر مروان امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا امیر بنا تو اس نے ان کو لے کر پھاڑ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے پر کوئی شک کرنے والا اس میں شک نہ کرے۔ اس کو ابن ابی داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/ ۱۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/ ۱۸

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۹

اسی میں ہے:

کان التالیف فی الزمن النبوی والجمع فی المصحف فی زمن الصدیق والنسخ فی المصاحف فی زمن عثمٰن وقدکان القراٰن کله مکتوبا فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکنه غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[1]۔ انتھی والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	قرآن مجید کی تالیف عہد نبوی میں ہوئی۔ صحیفوں میں جمع زمانہ صدیقی میں ہوا اور مصاحف میں اس کی کتابت زمانہ عثمانی میں ہوئی۔ بے شک سارا قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا لیکن وہ سارا یکجا لکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی سورتیں ترتیب وار لکھی ہوئی تھیں۔ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: از پٹنہ عظیم آباد ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جامع قرآن مجید کس رو سے کہتے ہیں؟ اس کا جواب کتب احادیث وتواریخ سے تحریر فرمائیں۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ تعالٰی ہے، قال جل وعلا:

"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَ قُرۡاٰنَهٗ ۚ﴿ۖ۱۷﴾"[2]	بے شک ہمارے ذمے ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا۔

پھر جمع عزوجل کے مظہر اول واتم واکمل حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے۔ آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مطابق ترتیب لوح محفوظ حسب تبلیغ جبریل وتعلیم جلیل صاحب تنزیل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانہ اقدس میں اپنی اپنی سورتوں میں جمع ہولیں، قرآن عظیم ۲۳ برس میں حسب حاجت عبادت متفرق آیتیں ہو کر اُترا، کسی سورت کی کچھ آیات اترتیں پھر دوسری سورت کی آیتیں آتیں پھر سورت اولٰی کی نازل ہوتیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں فلاں آیت کے بعد فلاں کے پہلے رکھی جائیں،

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۶

[2] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

اسی طرح سورہ قرآنیہ منتظم ہوتیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر حضور سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی ترتیب پر اسے نمازوں تلاوتوں میں پڑھتے، قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا، عرب میں مختلف قبائل اور ان کے لہجے باہم حرکات وسکنات وبعض اجزائے کلمات میں مختلف تھے، علامات مضارع کو قریش مفتوح رکھتے، دیگر بعض قبائل ات ن کو مکسور کرکے نِعبُد نِستعِین کہتے، لغت قریش میں "تابوت" آخر میں تائے قرشت سے تھا دوسروں کے لغت میں "تابوۃ" ہائے ہوّز سے۔ اسی قسم کے بالائی اختیارات بکثرت تھے جن سے معنی کلام بلکہ جوہر نظم کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچتا، اور مادری لہجہ زبانوں پر چڑھا ہوا دفعۃً بدل دینا سخت دشوار۔ لہٰذا حضور پرنور رحمت مہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کرکے دیگر قبائل والوں کے لئے ان کے لہجوں کی رخصت لے لی تھی، جبریل امین علیہ التحیۃ والتسلیم ہر رمضان مبارک میں جس قدر قرآن عظیم اب تک اتر چکا ہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دور کرتے جو سنت سنیہ اب تک بحمد اللہ تعالٰی حفّاظ اہلسنّت میں باقی ہے اور باقی رہے گی حتّٰی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذٰلک (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کا امر آجائے گا اور وہ اس پر قائم ہوں گے۔ت) سال اخیر میں حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ صرف اصل لغت قریش پر جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کے ساتھ دَور کیا اور اس تکرار سے اشارہ ہوا کہ وہ رخصت منسوخ اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے استقرار امر ہوا۔ سُوَر اگرچہ زمانہ اقدس میں مرتب ہوچکی تھیں مگر یکجا مجتمع نہ تھیں متفرق پرچوں، بکری کے شانوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں سوا ان مبارک سینوں کے جن میں سارا قرآن عظیم محفوظ تھا حال یہی تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نظر عوام سے احتجاب فرمایا، خلافت خلیفہ برحق صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابہ کرام حافظان قرآن شہید ہوئے، حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنا وعدہ صادقہ "وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝" [1] (اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ت) پورا فرمانے کو پہلے یہ کریم داعیہ قلب کریم حضرت موافق الرائے بالوحی والکتاب سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ڈالا حضرت فاروق نے بارگاہ صدیقی میں عرض کی کہ جنگ یمامہ میں بہت حفّاظ شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ یوں ہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حفاظ شہادت پاگئے تو بہت سا قرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا میری رائے ہے کہ حضرت جمع قرآن کا حکم فرمائیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابتداءً اس میں تامل ہوا کہ جو فعل

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا ہم کیونکر کریں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے بالآخر رائے صدیق بھی موافق ہوئی اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلا کر فرمان خلافت نسبت جمع کتاب اللہ صادر ہوا زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وہی شبہہ پیش کہ کیونکر کیجئے گا وہ کام جو حضور سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام نے نہ کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے، یہاں تک کہ صدیق و فاروق و زید بن ثابت و جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآن عظیم متفرق مواضع سے جمع کرلیا گیا، اور وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کا دار و مدار ہے کہ جو فعل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اسے کرے گا باجماع صحابہ مردود قرار پایا، والحمد للہ رب العالمین، سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہو گئی تھیں اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے:

(۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا

(۲) اس مصحف کے نسخ معظم بلاد اسلام مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزّل من اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جدا تھے دفع فتنہ کے لئے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی جامع ازلی جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدہ الٰہیہ تام و کامل ہوا اس لئے اس جناب کو جامع القرآن کہتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔
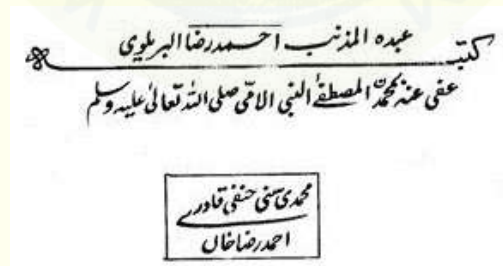
فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن

مسئلہ ۲۵۰: از مدرسہ منظر اسلام ۲۶/ جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شان نزول اس آیت شریفہ کا:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ "[1] ۔الآیۃ	اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے (ت)

حدیث ثعلبہ ابن حاطب ہے یا اور کوئی حدیث؟ حدیث ثعلبہ کی صحیح یا حسن یا ضعیف یا موضوع؟ یہ ثعلبہ ابن حاطب بدری ہے یا اور کوئی؟

الجواب:

بدری حضرت سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے اگرچہ یہ بھی قوم اَوس سے تھا۔ اور بعض نے اس کا نام بھی ثعلبہ ابن حاطب کہا۔ مگر وہ بدری خود زمانہ اقدس حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ اور یہ منافق زمانہ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مرا۔ جب اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور آیہ کریمہ اس کی مذمت میں اتری۔ حضور پرنور صلی اللہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۵

تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زکوۃ لے کر حاضر ہوا حضور نے قبول نہ فرمائی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت میں لایا انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تیری زکوۃ قبول نہ فرمائی اور میں قبول کرلوں، ہر گز نہ ہوگا۔ پھر خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر قبول نہ فرمائیں اور میں لے لوں یہ کبھی نہ ہوگا۔ پھر خلافت عثمٰن ذی النورین غنی رضی اللہ عنہ میں لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصدیق وفاروق نے قبول نہ فرمائی میں بھی نہ لوں گا۔ آخر انہیں کی خلافت میں مر گیا۔ اللہ عزوجل اہل بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرماچکا:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم[1]۔	جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا۔

اور اس منافق کے باب میں فرماتا ہے:

"فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ"[2]	اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا کہ مرتے دم تک نہ جائے گا۔

حاشاللہ نور وظلمت کیونکر جمع ہوسکتے ہیں۔ امام حافظ الشان اصابہ میں فرماتے ہیں:

ثعلبۃ بن حاطب بن عمرو الانصاری ذکرہ موسٰی بن عقبۃ وابن اسحٰق فی البدریین وکذا ذکرہ ابن الکلبی وزاد انہ قتل باحد[3]۔	ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری کو موسٰی بن عقبہ اور ابن اسحاق نے اہل بدر میں ذکر کیا۔ اسی طرح ابن کلبی نے ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ اُحد میں شہید ہوئے۔ (ت)

تفسیر امام ابن جریر میں ہے:

حدثنی محمد ابن سعد حدثنی	مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا انہوں نے کہا

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۷۹۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۷ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۸

ابی حدثنی عمی حدثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رجلا یقال لہ ثعلبۃ ابن ابی حاطب اخلف ماوعدہ فقصّ اللہ تعالٰی شانہ فی القراٰن ومنھم عاھداللہ الٰی قولہ یکذبون[1]۔	مجھ سے میرے باپ نے بیان کیااس نے کہامجھ سے میرے چچانے بیان کیااس نے کہامجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیاانہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاایک شخص کوثعلبہ بن ابی حاطب کہاجاتاہے جس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اللہ تعالٰی نے اس کے حال کو قرآن مجید میں بیان فرمایایعنی "ومنھم من عٰھداللہ" سے "یکذبون" تک۔ (ت)

تفسیر معالم میں ہے:

قال الحسن ومجاھد نزلت فی ثعلبۃ بن ابی حاطب[2] الخ۔	امام حسن اور مجاہد نے کہایہ آیت ثعلبہ بن ابی حاطب کے بارے میں نازل ہوئی الخ (ت)

تفسیر ابن جریر وثعلبی وغیرہم میں حضت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

فانزل اللہ تعالٰی فیہ ومنھم من عاھداللہ الخ وعند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل من اقارب ثعلبۃ فسمع ذٰلك فخرج حتی اتاہ فقال ویحك یاثعلبۃ قد انزل اللہ فیك کذا وکذا فخرج ثعلبۃ حتی اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	تواللہ تعالٰی نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیاتھا" الخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک شخص موجود تھاجس نے اس آیت کو سنا تووہ وہاں سے نکلا اور ثعلبہ کے پاس آکے کہااے ثعلبہ! تیرے لئے ہلاکت ہو اللہ تعالٰی نے تیرے بارے میں ایساایساحکم نازل فرمایاہے۔توثعلبہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۹/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی تحت آیۃ ۹/ ۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۴

فسألہ ان یقبل منہ صدقتہ فقال ان اللہ منعنی ان اقبل منک صدقتک، ثم اتی ابابکر حین استخلف فقال اقبل صدقتی فقال ابوبکر لم یقبلھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا اقبلھا؟ فلما ولی عمر اتاہ فقال یاامیر المؤمنین اقبل صدقتی فقال لم یقبلھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولاابو بکر وانالااقبلھا ثم ولی عثمان فاتاہ فسألہ فقال لم یقبلھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولاابو بکر ولاعمر رضوان اللہ تعالٰی علیہما وانا لااقبلھا منک فلم یقبلھا منہ وھلک ثعلبۃ فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] اھ مختصرًا۔	حاضر ہوااور درخواست کی کہ اس کاصدقہ قبول کیاجائے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے مجھے منع فرمادیا ہے کہ میں تیرا صدقہ قبول کروں۔ پھرجب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ بنے توثعلبہ نے ان کے پاس آکر کہا میرا صدقہ قبول کرلیں۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور میں قبول کرلوں؟ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے توثعلبہ نے آکر کہااے امیر المومنین! میرا صدقہ قبول فرمالیں توآپ نے فرمایارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایااور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے قبول فرمایا اور میں بھی اس کو قبول نہیں کرتا۔ پھرجب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تواس نے آکر صدقہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی آپ نے فرمایا اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے قبول فرمایا تومیں بھی اسے قبول نہیں کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے قبول نہیں فرمایا اورآپ ہی کی خلافت میں ثعلبہ مرگیااھ اختصار (ت)

یہ سب اس حدیث ثعلبہ کی تسلیم پر ہے، ورنہ وہ سرے سے ثابت الصحت نہیں۔امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا:

ان صح الخبر ولااظنہ یصح[2]۔	اگریہ خبر صحیح ہواور میں اس کو صحیح گمان نہیں کرتا (ت)

[1] جامع البیان(تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۹/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۴

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۸ دارصادر بیروت ۱/ ۱۹۸

اقول: یہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جس میں بجائے ابن ابی حاطب، ابن حاطب کہا۔ ابن جریر وبغوی وثعلبی وابن السکن وابن شاہین وباوردی سب کے یہاں بطریق معاذ ابن رفاعہ عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اور علی بن یزید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: **ضعیف**[1]۔ امام دارقطنی نے فرمایا: **متروک**[2] امام بخاری نے فرمایا: **منکر الحدیث**[3]۔ اور فرمایا:

کل من اقول: فیہ منکر الحدیث لاتحل الروایۃ عنہ[4] واللہ تعالٰی اعلم۔	جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: (سوال مذکور نہیں) ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

الجواب:

(بجواب مسئلہ مولوی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہوری)

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیش نظر رکھا جائے اور اس میں چار تبدیلیں محفوظ رہیں:

(۱) وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس ورائج الفاظ سے بدل دیئے جائیں۔

(۲) مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سردست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے، مثلاً "**غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ**"[5] کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تو نے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھّو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے "**طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ**"[6] فرمایا۔

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ علی بن یزید ۴۸۳۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۰

[2] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

[3] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ابان بن حبلہ ۳ دارالمعرفۃ بیروت ۱/

[5] القرآن الکریم ۱/ ۷

[6] القرآن الکریم ۷۳/ ۱۳

اس سے استعارہ کرکے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کرسکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں۔ مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علماء پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا: "نہ ان کی جن پر تونے غضب فرمایا، یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں" خیال کرنے سے ان کے ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۴) سب سے اہم واعظم واقدم والزم مراعات وتشابہات کہ ان میں ہمارے ائمہ کرام سے دو مذہب ہیں:

اول ہم نصوص پر ایمان لائے، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں، "**اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ**"[1] (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ت) معنی ہمیں معلوم ہی نہیں، ان سے اگر **قولہ تعالٰی ثم** "**ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ**"[2] کا ترجمہ کرائیے تو وہ فرمائیں گے: "پھر استواء فرمایا آسمان کی طرف" اگر پوچھئے **استوٰی** کے کیا معنی، تو لاندری (ہم نہیں جانتے۔ت) سے جواب ملے گا۔

دوم تاویل کہ متاخرین نے تفہیم جہال کے لئے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شان عزت پر محال نہ ہو۔ اور طرف تجویز وتجارب میں لفظ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو۔ ان سے اگر آیہ کریمہ مذکورہ کا ترجمہ کرائیے تو وہ کہیں گے: "پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی محال وظاہر کا صریح ادا کرنے والا لفظ قائم کردیں جیسے کریمہ مذکورہ کا ترجمہ "پھر چڑھ گیا آسمان کو" کہ چڑھنا اور اُترنا شان عزت پر محال قطعی اور جہال کے لئے معاذاللہ موہم بلکہ مصرح بہ جسمانیت ہے۔ یہ ہمارے ائمہ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک۔ اس سے احتراز فرض قطعی ہے۔ فقیر نے جہاں تک دیکھا ترجمہ منسوبہ بحضرت قدسی منزلت سیدنا مصلح الدین سعدی قدس سرہ العزیز اس عیب مشابہ سے پاک ومنزہ ہے، ان میں اس سے مدد لی جائے، **وباللہ التوفیق۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳/۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

مسئلہ ۲۵۲: مسئولہ جناب محمد یعقوب صاحب بریلی ۵ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو دیا اور ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس پر ارشاد ہوا: "اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝" [1] کیا تو نے تکبر کیا، کیا تو عالین سے تھا۔ یہ عالین کون لوگ ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

عالی بمعنی متکبر ہے،

قال اللہ تعالٰی: " ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ " [2]۔	پھر ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن حجت کے ساتھ فرعون اور اس کے جتھے کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی متکبر لوگ۔

تو معنی آیت یہ ہوئے کہ رب عزوجل نے شیطان لعین سے فرمایا کہ تو نے جو آدم کو سجدہ نہ کیا یہ ایک تکبر تھا کہ اس وقت تجھے پیدا ہوا، یا تو قدیم سے متکبر ہی تھا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے:

یقول تعالٰی لابلیس تعظمت عن السجود لاٰدم فترکت السجود لہ استکبارا علیہ ولم تکن من المتکبرین العالین قبل ذٰلک "ام کنت من العالین" یقول ام کنت کذٰلک من قبل ذا علو وتکبر علی ربک [3]۔	اللہ تعالٰی نے ابلیس سے فرمایا تو نے حضرت آدم کے سجدہ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور ان پر بڑائی ظاہر کرتے تو نے سجدہ ترک کیا دراصل تو متکبرین میں سے نہ تھا، یا یہ کہ پہلے ہی سے اپنے رب پر علو و تکبر ظاہر کرنے والا تھا۔

یا یہ کہ تکبر خاص تجھی میں پیدا ہوا، یا تیری قوم ہی متکبر ہے۔ معالم میں ہے:

"ام کنت من العالین" المتکبرین یقول استکبرت بنفسک ام کنت من القوم الذین	یا تو عالین متکبرین میں سے تھا۔ فرماتا ہے کہ تو نے خود ہی تکبر کیا، یا تو متکبرین کے گروہ

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۵و۴۶

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۸/ ۷۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۳/ ۲۱۷

یتکبرون فتکبرت عن السجود لکونك منھم[1]۔	میں سے تھا سجدہ سے تکبر کیا۔(ت)

یا عالین کو بمعنی بلند ورفیع المرتبت لیں، اور معنی یہ ہوں کہ تونے جو سجدہ نہ کیا یہ تیرا تکبر تھا کہ واقع میں تجھے آدم پر بڑائی نہیں اور براہ غرور آپ کو بڑا ٹھہرایا، یا واقع ہی تجھے اس پر فضیلت۔ بیضاوی میں ہے:

"استکبرت ام کنت من العالین" تکبرت من غیر استحقاق او کنت ممن علا واستحق التفوق[2]۔	تونے تکبر کیا یا عالین میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ بے استحقاق کے تو غرور میں مبتلا ہوا یا ان میں سے تھا جن کو بلندی اور تفوق حاصل ہے۔

اور یہ معنی نہیں کہ ملائکہ میں کوئی گروہ عالین ہے کہ وہ حکم سجود سے مستثنٰی تھا وان وقع فی کلام سیدنا الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ (اگرچہ ہمارے سردار شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں واقع ہوا ہے۔ت) رب عزوجل نے متعدد تاکیدوں سے مؤکد فرمایا۔ "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾"[3] تمام، جمیع، سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ فاللام للاستغراق واکدت بکل واکد باجمعون (لام استغراق کے لئے ہے پھر لفظ کل اور اجمعون کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳تا۲۵۵: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

(۱) بعد ولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم بنت عمران باکرہ تھیں یا نہیں؟

(۲) قرآن مجید میں ناسخ کی آیتیں کتنی ہیں اور منسوخ کتنی؟

(۳) آنحضرت اور حضرت عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی اور رسول تھے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت کے بعد بھی حضرت بتول طیبہ طاہرہ سیدتنا مریم بکر تھیں، بکر ہی رہیں، اور بکر ہی اٹھیں گی، اور بکر ہی جنت النعیم میں داخل ہوں گی یہاں تک کہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کے

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت آیۃ ۳۸/۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۶۰

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت آیۃ ۳۸/۷۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۳۸/ ۷۳

نکاح اقدس سے مشرف ہوں گی۔ان کی شان کریم:

"لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ "[1]	نہ مجھے کسی نے ہاتھ لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔

ظاہر ہے کہ بعد ولادت بھی صادق ہے، اور یہی معنی بکریت ہے، رہابکارت بمعنی پردہ عروق کا زوال، اولا اس ولادت معجزہ میں ہونا کیا ضرور اور اس کا کہاں ثبوت۔ جو بے باپ کے پیدا کرسکتا ہے بے زوال بکارت ولادت دینے پر بھی قادر ہے۔ بکر کے لئے بھی منفذ ہوتا ہے جس سے خون آتا ہے، اور بالفرض اس کا زوال ہو بھی تو وہ منافی بکریت نہیں۔ بہت ابکار کا یہ پردہ کسی صدمہ یا خون حیض کی حدت وغیرہ سے جاتا رہتا ہے، مگر وہ بکر سے ثیب، نارسیدہ سے شوہر دیدہ نہیں ہوجاتیں بلکہ حقیقۃً بھی بکر ہوتی ہیں، اور حکم شرع میں بھی بکر ہی رہتی ہیں۔ ان کا نکاح ابکار کی طرح ہوتا ہے اور وہ ابکار کے لئے وصیت میں داخل ہوتی ہیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

من زالت بکارتها بوثبة او درور حیض او جراحة او کبر بکر حقیقة[2]۔	جس کا پردہ بکارت کودنے، حیض آنے یا زخم یا زیادتی عمری کی وجہ سے زائل ہوا وہ عورت حقیقۃً باکرہ ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ اور ردالمحتار میں ہے:

البکر اسم لامرأة لم تجامع بنکاح ولاغیرہ[3]۔	باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے بہ نکاح یا بلانکاح صحبت نہ کی گئی ہو۔

بحر وشامی میں ہے:

حاصل کلامهم ان الزائل فی هذا المسائل العذرة ای الجلدة التی علی المحل لاالبکارة فکانت بکرا حقیقة وحکما ولذاتدخل فی الوصیة لابکار	ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ان مسائل میں عذرۃ زائل ہوئی ہے یعنی وہ جھلی جو شرمگاہ میں ہوتی ہے، تو عورت ان صورتوں میں حقیقۃً اور حکماً ہر طرح باکرہ ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کسی نے بنی فلاں کی باکرہ عورتوں کے لئے

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۰

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

بنی فلان[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	وصیت کی تو یہ بھی ان میں داخل ہوگی(ت)

(۲) اس میں اختلاف کثیرہ ہیں۔حازمی کی کتاب الناسخ والمنسوخ اور اتقان وغیرہ میں مفصل بیان ہے اور اختلاف کا بڑا منشاء اختلاف اصطلاح بھی ہے کمالایخفی علی من سیرونظروتامل وتدبر (جیسا کہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو گھوما پھرا،دیکھا اور غور وفکر کیا۔ت)واللہ تعالٰی اعلم

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الدنیا والاٰخرۃ لیس بینی وبینه نبی۔رواہ احمد[2] والشیخان وابو داؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	دنیاوآخرت میں سب سے زیادہ عیسٰی ابن مریم کا ولی میں ہوں،مجھ میں اور ان میں کوئی نبی نہیں(اس کو امام احمد،بخاری،مسلم اور ابوداؤد نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا دعوۃ ابراھیم وکان اٰخر من بشر بی عیسٰی بن مریم۔رواہ الطیالسی[3] وابن عساکر وغیرھما عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنه حدیث صحیحین اصح ماورد فی الباب،فلایعارضه مایذکر من حدیث خالد بن سنان وغیرہ۔	میں اپنے باپ ابراہیم کی دعاہوں اور سب میں پچھلے میری بشارت دینے والے عیسٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے(اس کو طیالسی اور ابن عساکر وغیرہ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔صحیحین کی حدیث اس باب میں صحیح ترین ہے،لہٰذا خالد بن سنان وغیرہ کی روایت سے مذکور حدیث اس کا معارضہ نہیں کرسکتی۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۰،۴۸۹،صحیح مسلم کتاب الفضائل ۲/ ۲۶۴و۲۶۵ وسنن ابی داؤد ۲/ ۲۸۶،مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۹

[3] کنزالعمال حدیث ۳۱۸۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۵

معہذاانبیاء علیہم السلام میں احتیاط یہ ہے کہ:

اٰمنّا بانبیاء اللہ جمیعا لانفرق بین احد من رسلہ۔	ہم تمام انبیاء پر ایمان لائے ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

کہ بعض پر ایمان لائیں اور معاذاللہ بعض پر نہیں، جیساکہ یہود و نصارٰی خذلہم اللہ تعالٰی نے کیا۔اور بالیقین کسی کو نبی ماننے کے لئے تواتر شرط ہے، یہاں احاد کافی نہیں لما تقرران الاحاد لاتفید الاعتماد فی مثل الاعتقاد واللہ الھادی الی سبیل الرشاد (کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اخبار احاد اعتقادیات جیسے امور میں اعتماد کافائدہ نہیں دیتیں اور اللہ تعالٰی ہی راہ ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۶: مسئولہ سید شرف حسین صاحب ہیڈ محرر سلطان پور ضلع سہارن پور ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

مطلع فرمایئے کہ "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" [1] (اوران کاحکم مانو جو تم میں حکومت والے ہیں۔ت) کی بابت رشید احمد صاحب "علماء وفقہاء" تجویز فرماتے ہیں اور بعض علماء نے "بادشاہ اسلام" مراد لیا ہے۔لہذا آپ اپنی رائے بابت "اولی الامر" کے تجویز فرمایئے کہ کون ہیں جن کی اطاعت قرین اطاعت جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور نیز یہ بھی تحریر فرمایئے کہ جس نے امام وقت کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت پر ہوگی، اس کا کیا مطلب ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ جس وقت یزید ملعون تخت نشین تھا آیا وہ بھی "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" میں شامل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس وقت کون "اولی الامر" تھا۔ مفصل ومشرح "اولی الامر" کے معنی اس وقت سے اس وقت تک کے تحریر فرمایئے۔

الجواب:

"اولی الامر" میں اصح القول یہی ہے کہ اس سے مراد علمائے دین ہیں کما نص علیہ الزرقانی وغیرہ (جیساکہ اس پر زرقانی وغیرہ نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ کہ سلاطین جن کے بہت احکام خلاف شرع ہوتے ہیں۔یزید پلید کے وقت میں بکثرت صحابہ کرام وتابعین اعلام تھے وہی "اولی الامر" تھے نہ کہ یزید علیہ مایستحقہ۔ہر رسالت کے زمانہ میں وہ رسول اور اس کی کتاب امام ہوتی ہے قال تعالٰی "كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً" [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: موسٰی علیہ السلام کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۲

کتاب پیشوا اور مہربانی ہے۔ت) زمانہ ختمیت میں آخر دہر تک قرآن عظیم وحضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام ہیں، جس نے انہیں نہ پہچانا ظاہر کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۷: مسئولہ جناب حافظ سید عبدالجلیل صاحب مارہروی ۱۲جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خطبہ میں ہے **لایکلّف اللہ نفسا الا دون وسعھا**۔ یہ پڑھنا کیسا ہے اور یہاں دون کا محل کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

آیہ کریمہ بدون "دون" ہے، خطبہ میں اگرچہ نہ وہ آیت ہو ناضرور، نہ قرآن عظیم سے اقتباس محذور، مگر زیادت موہومہ خلاف مراد محذور۔ دون زبان عرب میں دس معنی پر مشتمل ہے:

(۱)غیر، "اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ ۝" [1]، **ای غیرہ** [2]۔	غیر، کیا بہتان سے اللہ تعالٰی کے سوا اور خدا چاہتے ہو یعنی اس کا غیر۔(ت)
(۲)تحت [3]، **"وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ"** [4]۔	تحت، اور ہم میں سے کچھ اس سے کمتر ہیں۔(ت)
(۳)فوق، فھی اذن من الاضداد کما افادہ المجد [5]۔	فوق، تو اس صورت میں یہ اضداد کے قبیلہ سے ہوگا جیسا کہ مجد نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔(ت)
(۴)اقل، لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ [6]۔	اقل، پانچ اوقیہ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے(ت)

(۵و۶) وراء وامام، یعنی اس پار یا اس پار۔

کیف الوصول الٰی سعاد و"دونھا" قلل الجبال ودونھن حتوف [7]	وراء وامام، سعاد تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے حالانکہ اس کے سامنے بلند چوٹیوں والے پہاڑ ہیں اور ان کے پیچھے موتی ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۸۶

[2] جلالین تحت الآیۃ ۳۷/ ۸۶ اصح المطابع ص ۳۷۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۱

[5] القاموس المحیط باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۲۵

[6] صحیح البخاری کتاب الزکوۃ ۱/ ۱۸۹و۱۹۴ وصحیح مسلم کتاب الزکوۃ ۱/ ۳۱۵

[7] ابجدالعلوم علم التعابی فی الحروب ۲/ ۱۶۵

وفی الحدیث من قتل دون اھلہ فھو شھید[1] ای امامھم فی حفظھم والدفاع عنھم۔ وفی الحدیث لیس دونہ تعالٰی منتھٰی[2] ای وراہ۔ وقد جمعھا قولہ فی الخمر ع: تریك القذی من دونھا وھی دونہ[3]۔	اور حدیث میں ہے جو اپنے اہل وعیال کے سامنے قتل کیا گیا وہ شہید ہے یعنی ان کے سامنے ان کا دفاع کرتے ہوئے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالٰی سے آگے کوئی منتہی نہیں۔ (ت) اور شراب سے متعلق شاعر کے قول نے ان معانی کو جمع کردیا ہے، یہ شراب تجھے دکھاتی ہے کہ تنکا اس کے آگے ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔ (ت)

(۷) حقیر، ع:

ویقنع بالدون من کان دونا[4]۔	حقیر، حقیر چیز پر قناعت کرلیتا ہے وہ جو حقیر ہوتا ہے۔ (ت)

(۸) شریف،

حکاہ بعض النحاۃ وقال المجد علیہ ضد[5]۔	شریف، بعض نحویوں نے اس کو حکایت کیا ہے، اور مجد نے کہا کہ یہ پہلے معنی کی ضد ہے (ت)

(۹) نزدیک تر چیزے بہ نسبت مضاف الیہ۔ مضاف الیہ کی بہ نسبت زیادہ قریب چیز۔

"وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ"[6]۔ **(۱۰)** مقارب مضاف الیہ مکانا مکانۃ۔	اور اس نے ان مردوں کے قریب دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور روک رہی ہیں۔ (ت) مضاف الیہ کے قریب مکان۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فھو شھید الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۰

[2] مجمع بحار الانوار باب الدال مع الواو تحت لفظ "دون" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۲۱۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[5] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[6] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۳

هذا دونك[1] ای قریب۔	یہ تیرے قریب ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ معنی ۷ و ۸ کو تو یہاں سے تعلق ہی نہیں۔اور باقی معانی سب مخالف قرآن ہیں۔قرآن عظیم یہ حصر فرماتا یہ چاہتا ہے کہ اللہ عزوجل کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر قدرت و وسعت وطاقت۔اور یہاں یہ حصر ہوگا کہ اللہ سبحانہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے سوا، یا طاقت سے نیچے، یا طاقت کے اوپر، یا طاقت سے کم، یا طاقت سے اس پار، یا طاقت سے اِس پار۔اور یہی نیچے اور کم اور اس پار کا حاصل۔دو معنی اخیر میں نکلے گا کہ ان پانچوں معنی میں منتہی تک نہ پہنچنا ملحوظ ہے۔صحاح و صراح و مجمع البحار وغیرہا میں ہے:**معناہ تقصیر عن الغایۃ**[2] (اس کا معنی ہے کہ غایت تک نہ پہنچنا۔ت) تو ان پانچوں کا حصر صریح مخالف قرآن ہے اور ان دو یعنی اوپر اور اس پار کا شدید مناقض۔اور سِوا تو صراحۃً نقیض معنی قرآن ہے۔وبعد التیاوالتی تاویلات دور از کار کو گنجائش دی جائے تو ایہام معانی باطلہ نقد وقت ہے اور اسی قدر منع کے لئے بس ہے۔

فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع[3]۔واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں ہے کہ محض معنی محال کا ایہام ممانعت کے لئے کافی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[2] مجمع البحار تحت لفظ دون ۲/ ۲۱۶ و الصحاح تحت لفظ دون ۵/ ۱۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

رسالہ
الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ
(کاٹنے والی تلوار اس شخص کی گردن پر جو علوم ارحام سے تعلق رکھنے والی آیتوں میں شک ڈالنے والا ہے)

مسئلہ ۲۵۸: از عظیم آباد پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی قاضی محمد عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی نہم جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ مدظلہ دست بستہ تسلیم، اس کے بعد التجا ہے ایک ضروری مسئلہ جلد اندر ہفتہ مدلل ومکمل عقلی و نقلی طور پر لکھ کر ایک مسلمان کی جان بلکہ ایمان کی حفاظت کیجئے، عنداللہ ماجور ہوں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ پاک قرآن میں فرماتا ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور سے ہے یا اناث سے، حالانکہ ایک آلہ نکلا ہے جس سے سب حال معلوم ہوجاتا ہے اور پتا ملتا ہے۔

کمترین خادمان
عبدالوحید حنفی الفردوسی منتظم تحفہ عفااللہ تعالٰی عنہ

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی لایخفٰی علیہ شیئ فی الارض ولافی السماء ھوالذی یصوّرکم فی الارحام کیف یشاء، و الصّلٰوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء،الاٰتی بکتاب مبین فیہ رحمۃ و شفاء وماحظّ الکٰفرین منہ الانقمۃ وشقاء وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ البررۃ الاتقیاء،الزین ھم فی بطون امھاتھم سعداء ماجَنّ جنین فی ظلمٰتٍ ثلٰثٍ بین غشاء وغطاء،اٰمین!	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔وہ وہی ہے جو تمہاری صورت بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسے چاہے،اور درود وسلام ہو خاتم الانبیاء پر جو روشن کتاب لے کر تشریف لانے والے ہیں،جس میں رحمت وشفاء ہے،کافروں کااس سے سوائے انتقام اور بدبختی کے کچھ نہیں،اور آپ کے آل واصحاب پر جو نیک اور متقی ہیں،اور وہ ماؤں کے پیٹوں میں سعادتمند ہوئے،جبکہ جنین تین تاریکیوں میں پردے اور اندھیرے کے درمیان پوشیدہ رہے۔آمین!(ت)

مولٰینا حامی سنت ماحی بدعت اکرکم اللہ تعالٰی۔السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔اللہ تعالٰی جل وعلاسورہ آل عمران شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؕ ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝" [1]	بیشک اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں،وہی ہے جو تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسا چاہے،کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی زبردست حکمت والا۔

سورہ رعد شریف میں فرماتا ہے:

"اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى	اللہ جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵و۶

وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝"[1]	اور جتنے سمٹتے ہیں پیٹ اور جتنے پھیلتے یا جو کچھ گھٹتے ہیں اور جو کچھ بڑھتے اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے جاننے والا نہاں وعیاں کا سب سے بڑا بلندی والا۔

سورہ حج شریف میں فرماتا ہے:

"وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی "[2]	اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں مادہ کے پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک مقرر وعدے تک۔

سورہ لقمان شریف میں فرماتا ہے:

" اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ "[3]	بیشک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کسی کو اپنی خبر نہیں کہ کہاں مرے گا بیشک اللہ ہی جاننے والا خبردار۔

اور سورہ ملٰئکہ شریف میں فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰی وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ "[4]	اللہ نے بنایا تمہیں مٹی سے پھر منی سے پھر کیا تمہیں جوڑے جوڑے اور نہیں گابھن ہوتی کوئی مادہ اور نہ جنے مگر اس کے علم سے اور نہ کوئی عمر والا عمر دیا جائے اور نہ گھٹایا جائے اس کی عمر سے مگر یہ سب لکھا ہے ایک نوشتہ میں بیشک یہ سب اللہ کو آسان ہے۔

سورہ حٰمٓ السجدہ شریف میں فرماتا ہے:

" اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ	اللہ ہی کی طرف پھرا جاتا ہے علم قیامت کا

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۸و۹
[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۵
[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۳۴
[4] القرآن الکریم ۳۵ / ۱۱

"وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ" [1]	اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے اور نہ پیٹ رہے کسی مادہ کو اور نہ جنے مگر اس کی آگاہی سے۔

اور سورہ والنجم شریف میں فرماتا ہے:

"هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۟" [2]	اللہ خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے بنایا تم کو زمین سے اور جب تم چھپے ہوئے تھے ماں کے پیٹ میں۔ تو آپ اپنی جان کو ستھرا نہ کہو، اسے خوب خبر ہے کون پرہیزگار ہوا۔

آیات کریمہ میں مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی اپنے بے پایان علوم کے بیشمار اقسام سے ایک سہل قسم کا بہت اجمالی ذکر فرماتا ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے سب کا سارا حال ۱ پیٹ رہتے وقت اور ۲ اس سے پہلے اور ۳ پیدا ہوتے اور ۴ پیٹ میں رہتے اور ۵ جو کچھ اس پر گزرا اور ۶ گزرنے والا ہے، ۷ جتنی عمر پائے گا ۸ جو کچھ کام کرے گا ۹ جب تک پیٹ میں رہے گا، ۱۰ اس کا اندرونی بیرونی ایک ایک عضو ایک ایک پرزہ جو صورت دیا گیا جو دیا جائے گا ۱۱ ہر ہر رونگٹا جو مقدار مساحت وزن پائے گا، ۱۲ بچے کی لاغری، فربہی، غذا، حرکت خفیفہ زائدہ، انبساط، انقباض اور زیادت و قلّت خون، طمث و حصول فضلات وہوا و رطوبات وغیرہا کے باعث آن آن پر پیٹ جو سمٹتے پھیلتے ہیں غرض ذرّہ ذرّہ سب اسے معلوم ہے ان میں کہیں نہ تخصیص ذکورت وانوثت کا ذکر نہ مطلق علم کی نفی وحصر، تو یہ مہمل و مختل اعتراض پادر ہوا کہ بعض پادریان پادر بند ہوا کی تازہ گھڑت ہے اس کا اصل منشا معنی آیات میں بے فہمی محض یا حسب عادت دیدہ ودانستہ کلام الٰہی پر افتراء وتہمت ہے۔ قرآن عظیم نے کس جگہ فرمایا ہے کہ کوئی کبھی کسی مادہ کے حمل کو کسی طرح تدبیر سے اتنا معلوم نہیں کرسکتا کہ نر ہے یا مادہ۔ اگر کہیں ایسا فرمایا ہو تو نشان دو۔ اور جب نہیں تو بعض وقت بعض اناث کے بعض حمل کا بعض حال بعض تدابیر سے بعض اشخاص نے بعض جہل طویل وعجز مدید بعض آلات بیجان کا فقیر ومحتاج ہو کر اس فانی وزائل وبے حقیقت نام کے ایک ذرہ علم وقدرت سے (کہ وہ بھی اسی بارگاہ علیم وقدیر سے حصہ رسد چندروز سے چند روز کے لئے پائے

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۷

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

اوراب بھی اسی کے قبضہ واقتدار میں ہیں کہ بے اس کے کچھ کام نہ دیں) اگر صحرا سے ذرہ سمندر سے قطرہ معلوم کرلیاتو یہ آیات کریمہ کے کس حرف کاخلاف ہوا، وہ خود فرماتا ہے:

"یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ"[1]	اللہ جانتاہے جوان کے آگے ہے اورجوکچھ پیچھے اوروہ نہیں پاتے اس کے علم سے کسی چیز کومگر جتنی وہ چاہے۔

تمام جہان میں روزاول سے ابدالآباد تک جس نے جوکچھ جانا یاجانے گا سب اسی الا بماشاء کے استثناء میں داخل ہے جس کے لاکھوں کروڑوں سربفلک کشیدہ پہاڑوں سے ایک نہایت قلیل وذلیل وبے مقدار ذرہ یہ آلہ بھی ہے، ایسا ہی اعتراض کرنا ہوتو بے گنتی گزشتہ وآئندہ باتوں کاجو علم ہم کو ہے اسی سے کیوں نہ اعتراض کرے جو صیغہ **یعلم مافی الارحام** میں ہے کہ اللہ جانتاہے جوکچھ مادہ کے پیٹ میں ہے بعینہٖ وہی صیغہ "**یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ**"[2] میں ہے کہ اللہ جانتاہے جوکچھ گزرا اورجوکچھ ان کے پیچھے ہے۔ جب ان بے شمار علوم تاریخی وآسمانی ملنے میں کسی عاقل منصف کے نزدیک اس آیت کاکچھ خلاف نہ ہوانہ تیرہ سوبرس سے آج تک کسی پادری صاحب کوان علوم کے باعث اس آیہ کریمہ پرلب کشائی کاجنون اچھلاتواب ایک ذرا سی آلیانکال کر اس آیت کاکیابگاڑ متصور ہوسکتاہے، ہاں عقل نہ ہو تو بندہ مجبور ہے یاانصاف نہ ملے تو انکھیارا بھی کور ہے **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**۔

ثمّ اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتاہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) مفصلاً حق واضح کو واضح ترکروں۔ اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزت عزوجل سے تخصیص اوراس کی ذات پاک میں حصراوراس کے غیر سے مطلقاً نفی چندوجہ پرہے:

اوّل: علم کاذاتی ہوناکہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔

دوم: علم کاغناکہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر وفکر ونظر والتفات وانفعال کااصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم: علم کا سرمدی ہوناکہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم: علم کاوجوب کہ کبھی کسی طرح اس کاسلب ممکن نہ ہو۔

پنجم: علم کاثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر وتبدل فرق تفاوت کاامکان نہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

ششم: علم کااقصٰی غایات کمالات پر ہونا کہ معلوم کی ذات ذاتیات اعراض احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ اضافیہ ماضیہ آیتہ موجودہ ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہوسکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعًا مطلقًا منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کاایسا علم جوان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لئے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کاایسا علم ثابت کرے یقینا اجماعًا کافر مشرک ہے۔ ان تمام وجوہ کی طرف آیات کریمہ میں باطلاق کلمہ یعلم اشارہ فرمایا کہ یہاں علم کو مطلق رکھااور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف اور علم کامل بلکہ علم حقیقی حق الحقیقہ وہی ہے جوان وجوہ ستہ کا جامع ہو اسی لحاظ پر ہے وہ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ" [1]	جس دن اللہ عزوجل رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا تمہیں کیاجواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

کفار کے پاس ان محبوبان خدا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم کا تشریف لانا ہدایت فرمانا ان ملاعنہ کا تکذیب وانکار واصرار و استکبار وبیہودہ گفتار سے پیش آنا کسے نہیں معلوم مگر حضرات انبیاء عرض کریں گے لاعلم لنا ہمیں اصلاً علم نہیں، لانفی جنس کا ہے سلب مطلق فرمائیں گے یعنی وہی علم کامل کہ بحقیقت حقیقہ علم اسی کا نام ہے اصلاً اس کا کوئی فرد ہمیں حاصل نہیں، حق حقیقت تو یہ ہے جب اس سے تجاوز کرکے حقیقت عرفیہ یعنی مطلق دانستن کی طرف چلئے خواہ بالذات ہو یابغیر ہو غنی ہو یامحتاج سرمدی ہو یاحادث ابدی ہو یافانی واجب ہو یا ممکن ثابت ہو یامتغیر تام ہو یاناقص بالکنہ ہو یابالوجہ بایں معنی مطلق علم کہ ایک آدھ چیز کے جاننے سے بھی صادق زنہار مختص بحضرت عزت عزت عظمتہ نہیں، نہ معاذاللہ قرآن عظیم نے ہرگز کہیں اس کادعوٰی کیابلکہ جس طرح معنی اول کاغیر کے لئے اثبات کفر ہے اس معنے کی غیر سے نفی مطلق بھی کفر ہے کہ یہ خود صدہانصوص قرآن عظیم بلکہ تمام قرآن عظیم بلکہ تمام ملل وشرائع وعقل ونقل وحس سب کی تکذیب ہوگی قرآن عظیم نے اپنے محبوبوں کے لئے بے شمار علوم عظیمہ عطافرمائے اوران کے عطا سے منت رکھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

○ قال تعالٰی "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾ "[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور سکھادیا اللہ نے تجھے اے نبی! جو تجھے معلوم نہ تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔
○ "وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾ "۔[2]	اور فرشتوں نے ابراہیم کو مژدہ دیا علم والے لڑکے کا۔
○ "وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ "۔[3]	اور بیشک یعقوب علم والا ہے ہمارے علم عطافرمانے سے۔
○ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا "۔[4]	سکھادیئے آدم کو سب نام۔
○ "وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ "[5]	اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم واسحٰق ویعقوب قدرت والوں اور علم والوں کو۔
○ "یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ "[6]	بلند کرے گا اللہ تعالٰی تمہارے ایمان والوں کو اوران کو جنہیں علم عطاہوا درجوں میں۔

بلکہ عام بشر کو فرماتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴿۴﴾ [7]	رحمان نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی، اسے بتایا بیان۔
"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾ "[8]	سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔
"وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ "[9]	اللہ نے نکالا تمہیں ماں کے پیٹ سے نرے ناداں اور دیئے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل شاید تم حق مانو۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳
[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۸
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۸
[4] القرآن الکریم ۲/ ۳۱
[5] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۵
[6] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱
[7] القرآن الکریم ۵۵/ ۱تا۴
[8] القرآن الکریم ۹۶/ ۵
[9] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بلکہ عام تر فرماتا ہے:

" اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ "[1]	کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی پاکی بولتے ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں اور پرندے پر باندھے سب نے جان لی ہے اپنی اپنی نماز و تسبیح، اور اللہ کو خوب خبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

تو کوئی اندھے سے اندھا بھی کسی آیت کا یہ مطلب نہیں کہہ سکتا کہ بایں معنی مطلق علم کو غیر سے نفی فرمایا ہے ہاں اس معنی پر علم مطلق غیر سے ضرور مسلوب، اور یہ وجہ ہفتم حصر و تخصیص کی ہے یعنی تمام موجودات و ممکنات و مفہومات وذوات و صفات ونصب واضافات وواقعیات و موہومات غرض ہر شیئ و مفہوم کو علم کا عام وتام و محیط و مستغرق ہونا کہ غیر متناہی معلومات کے غیر متناہی سلاسل اور ہر سلسلے کے ہر فرد سے غیر متناہی علوم متعلق اور یہ سب نامتناہی نامتناہی نامتناہی علوم معًا حاصل ہوں جن کے احاطے سے کوئی فرد اصلًا خارج نہ ہو جسے فرماتا ہے:

" وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ "[2]	بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہوا۔

اور فرماتا ہے:

" عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾ "[3]	جاننے والا ہر چھپی چیز کا اس سے چھپی نہیں کوئی ذرہ بھر چیز آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے۔

ایسا علم بھی غیر کے لئے محال اور دوسرے کے واسطے اس کا اثبات کفر وضلال کما بیّنّاہ فی رسالتنا "مقامع الحدید علٰی خدالمنطق الجدید" (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "مقامع الحدید علٰی خدّ المنطق الجدید" میں بیان کر دیا ہے۔ت) مانحن فیہ میں مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے اس وجہ ہفتم کی طرف اشارہ فرمایا کل انثٰی میں کلمہ کل اور ماتحمل من انثٰی

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۱

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳

میں نکرہ منفیہ پھر تاکید بہ من اور مافی الارحام عموم مااور لام استغراق سے، وعلٰی ھذا القیاس۔ اب آلہ محدثہ کی طرف چلئے، فقیر اس پر مطلع نہ ہوا، نہ کسی سے اس کا کچھ حال سنا، ظاہر ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین رحم میں بحال "فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ"[1] تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہو جائے اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آئے کہ بعد علوق فم رحم سخت منضم ہو جاتا ہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے اور اس جائے تنگ وتار میں جنین محبوس ہوتا ہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ خود اس پر تین غلاف اور چڑھے ہوتے ہیں اور ایک غشائے رفیق ملاقی جسم مبین جس میں اس کا فضلہ عرق جمع ہوتا ہے اس پر ایک اور حجاب اس سے کثیف تر مسمّٰی بہ غشائے لفافی جس میں فضلہ بول مجتمع رہتا ہے اس پر ایک اور غلاف اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں، ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے، توظاہرًا آلے کا محصل صرف بعض علامات وامارات ممیّزہ منجملہ خواص خارجیہ کا بتاناہوگا جن سے ذکورت وانوثت کا قیاس ہوسکے، جیسے رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کئے گئے ہوں، اگراسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی بیشتر جنبش، یا حاملہ کی پستان راست یا چپ کے حجم میں افزایش، یا سرہائے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا، یا رنگ روئے زن پر شادابی یا تیرگی چھانا، یا حرکات زن میں خفت یا ثقل پانا، یا قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی، یا عورت کے خلاف عادت بعض اطعمہ جیدہ یا ردیہ کی رغبت ہونی، یا پشم کبود میں زرا دند مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی اریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کرمزہ دہن کا امتحان کہ شیریں ہوا یا تلخ، الٰی غیر ذٰلك مما یعرفہ اھل الفن ولکل شروط یراعیھا البصیر فیصیب الظن (اس کے علاوہ جس کو اہل فن جانتا ہے اور عقلمند تمام شرائط کو ملحوظ رکھتا ہے تو گمان درست ہوتا ہے۔ت)

اور عجائب صنع الٰہی جلت حکمتہ سے یہ بھی محتمل کہ کچھ ایسی تدابیر القافرمائی ہوں جن سے جنین مشاہدہ ہی ہو جاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں[عـــہ] میں بقدر حاجت کچھ توسیع و تفریح دے کر

عـــہ: ہر سہ غشاہائے مذکورہ وفوق انہا زیر و بالا دو طبقہ زہدان بر ہمد گر غلاف است ۱۲

تین مذکورہ پردے اور ان پر اوپر نیچے دو طبقے زہد کے ایک دوسرے پر غلاف ہیں۔ ۱۲(ت)

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶

روشنی پہنچا کر کچھ شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم تادیہ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یاز جاجات متخالفۃ الملاایسی وضعیں پائیں کہ اشعہ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ علم مناظر انعطاف دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں جس طرح آفتاب کا کنارہ کہ ہنوز افق سے دور اور مقابلہ نظر سے محجوب و مستور ہوتا ہے بوجہ اختلاف ملاوغلظت عالم نسیم ہمیں محاذات بصر سے پہلے ہی نظر آجاتا اور طلوع مرئی کہ وہی ملحوظ فی الشرع ہے پیشتر ہوتا ہے یوں ہی جانب غروب بعد زوال محاذات ووقوع حجاب میں کچھ دیر تک دکھائی دیتا اور غروب مرئی معتبر فی الشرع غروب حقیقی کے بعد ہوتا ہے، وللہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے جب کبھی موامرات زیجیہ سے محاسبہ کیا اور اسے مشاہدہ بصری سے ملایا ہے ہمیشہ نہار عرفی کو نہار نجومی پر اس سے بھی زائد پایا ہے جو طرفین طلوع وغروب میں تفاوت افقین حسی و حقیقی بحسب ارتفاع قامت معتدلہ انسانی وتفاضل نیم قطر فاصل میان حاجت ومرکز کا مقتضٰی ہے نیز اسی لئے فقیر کا مشاہدہ ہے کہ قرص شمس تمام و کمال بالائے افق مشہور ہونے پر بھی ظلمت شب مطلع ومغرب میں نظر آتی ہے حالانکہ مخروط ظلی وشمس میں ہر گز نیم دورسے کم فصل نہیں اور اختلاف منظر آفتاب غایت قلّت میں ہے کہ مقدار عسر قطر تک بھی نہیں پہنچتا۔ خیر کچھ بھی ہو ہم یہی صورت فرض کرتے ہیں کہ مجرد کسی امارت خارجہ کی بناپر قیاس ہی نہیں بلکہ بذریعہ آلہ اعضائے جنین باچناں وچنیں حجابات وکمیں مشہود ہوجاتے ہیں بہرحال آخر تمام منشاومبنائے اعتراض مہمل صرف اس قدر کہ جو علم قرآن عظیم نے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کے لئے خاص مانا تھا ہمیں اس آلے سے حاصل ہوجاتا ہے حالانکہ لاواللہ " كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝ "[1] کیا بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ تو نہیں کہتے مگر جھوٹ۔ ہم پوچھتے ہیں اس آلے سے تم کو اُتنا ہی علم دیا جو وجہ ہشتم عام وشامل میں ہے جس کا باری عزوجل سے خاص جاننا محال اور خود بحکم قرآن عظیم کفر وضلال تھا جب تو اعتراض کتنا مالیخولیا اور کس درجہ کا جنون ہے کہ سرے سے مبنی ہی باطل وملعون ہے اس قسم علم یعنی دانستن کو اگرچہ کیسا ہی ہو حضرت عزت عزت عظمتہ سے قرآن عظیم نے کب خاص مانا تھا اس قسم کے کروڑوں علم عام انسان بلکہ حیوانات کو روز ملتے رہتے ہیں اور قرآن عظیم خود غیر خدا کے لئے انہیں ثابت فرماتا ہے ایک اس کے ملنے میں کیا نئی شاخ نکلی کہ آیت الٰہی کا خلاف ہوگیا یہ بھی اس "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ؕ "[2] (انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

[2] القرآن الکریم ۹۶/ ۵

کے ناپید کنار صحراؤں سے ایک ذلیل ذرہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے سکھایا آدمی کو جو اسے معلوم نہ تھا، دیکھو ابھی تمہیں آیت سنا چکا ہوں کہ اللہ نے تمہیں نکالا ماں کے پیٹ سے نرے جاہل کہ کچھ نہ جانتے تھے پھر تمہیں عقل وہوش وچشم وگوش دیئے کہ اس کا حق مانو، تم نے اچھا حق مانا کہ اسی کی برابری کرنے لگے، اور اگر یہ مقصود کہ اس سے تمہیں ان سات وجوہ مخصوصہ بحضرت باری عزوجل سے کسی وجہ کا علم مل گیا تو یہ اس سے بھی لاکھوں درجہ بدتر جنون ہے۔ کیا یہ علم تمہارا ذاتی ہے، عطائے الٰہی سے نہیں؟ اہل کتاب کہلاتے ہو شاید، ایسا خدائی دعوی تو نہ کرو۔ ابھی چندروز ہوئے تم اس آلے سے جاہل تھے اللہ عزوجل نے تمہیں تمہاری بساط کے لائق عقل دی، ریاضی سکھائی، دنیا کمانے کی راہ بتائی، تمہارے ذہن میں اس کا طریقہ ڈالا، آنکھیں ہاتھ جوارح دیئے جن کے ذریعہ سے کام کرسکو، جس چیز کا کوئی آلہ بناؤ اور جس چیز پر اسے استعمال میں لاؤ انہیں تمہارے لئے مسخر کیا اسباب مہیا کرکے تمہارے دل میں اس کا خیال ڈالا پھر تمہارے جوارح کو کام کی طرف مصروف فرمایا پھر محض اپنی قدرت کاملہ سے بنادیا اور اس کا بننا تمہارے ہاتھوں پر ظاہر ہوا تم سمجھے ہم نے اپنی قدرت اپنے علم سے بنالیا اندھے ہمیشہ ایسا ہی سمجھا کرتے ہیں جو ظاہری سبب کے غلام اور حلقہ بگوش اور مسبّب وخالق وعالم وقادر حقیقی سے غافل وبیہوش ہیں "كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾"[1] (اللہ تعالٰی یونہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ت) جیسے قارون ملعون جسے اللہ عزوجل نے بے شمار خزانے دیئے دنیا بھر کی نعمتیں بخشیں جب اس سے کہا گیا "اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ"[2] بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی، تو کافر کیا بکتا ہے "اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ"[3] یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو مجھے آتا ہے۔ پھر بدلا دیکھا کس مرنے کا چکھا:

"فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾"[4]	دھنسادیا ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئے اس کے کچھ یار کہ اسے بچالیتے اللہ کی گرفت سے اور نہ وہ مدد لاسکا۔

اور اس علم کا غنی نہ ہونا خود بدیہی کہ ایک بے جان آلے کی بودگی پر ہے جب تک آلہ نہ تھا تو ڈاکٹر صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵
[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۷
[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۸
[4] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۱

کچھ نہ کہہ سکتے تھے کہ میم صاحب کے پیٹ میں مس میڈیم ہے یا باوالوگ، ازلی ابدی واجب کیسے کہہ سکتے ہو جب تم خود ہی حادث فانی باطل ہو، ازلی بڑی چیز ہے ایام حمل ہی مدتوں اپنے جہل وعجز کااقرار کرناپڑے گاجب تک نطفہ صورت نہ پکڑے پانی کی بوند یاخون بستہ یا گوشت کاٹکڑارہے، ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹری کچھ نہیں چل سکتی کہ نر نظرآتا ہے یامادہ۔ کیا تمہارا علم ثابت ونا قابل نقصان وزیادت ہے استغفراللہ قبل مشاہدہ کی حالت کو مشاہدہ اجمالی، مشاہدہ اجمالی کو نظر تفصیلی، نظر تفصیلی بالائی کو نظربعد تصریح عملی سے ملاؤ۔ حالت التفات وذہول کافرق دیکھو پھر طریان نسیان توسرے سے ارتفاع ہے۔ کیا تمہارا علم کامل ہے، حاش للہ اضافات بتانے کی کیاقدرت کہ وہ غیر متناہی ہیں مثلاً اس کے بدن کا کوئی ذرہ لے لیجئے اور اس کی ماں کے بدن اور تمام اجسام عالم میں جتنے نقطے فرض کئے جاسکتے ہیں اس کے بدن کے ہر ذرے کا اس ہر نقطہ ارضی وسماوی وشرقی وغربی وجنوبی و شمالی ونزدیک ودورو موجود وحال وماضی واستقبال سے بعد بتاؤ یہ لاتعدولاتحصٰی خطوط جوہر نقطہ جسم جنین سے تمام نقاط عالم تک نکل کر بے حدوبے شمار زاویے بناتے آئے ہر زاویے کی مقدار بولو، نہ سہی یہی بتادو کتنے خطوط پیدا ہوں گے، نہ سہی یہی کہہ دو کہ تمام اجسام جہان میں کتنے نقطے نکلیں گے، نہ سہی اتناہی کہو کہ صرف جنین کے بدن میں کس قدر نقاط مانے جائیں گے اور جب یہ ادنٰی علم جوعلوم الٰہیہ متعلقہ بجنین کے کروڑہا کروڑ حصوں سے ایک حصہ بھی نہیں ایک جنین میں بھی اس قلیل کے اقل القلیل حصے کاجواب نہیں دے سکتے اگرچہ دنیا بھر کے ڈاکٹر وپادری اکٹھے ہوجاؤ تو باقی علوم کی کیا گنتی ہے حالانکہ واللہ العظیم یہ تمام علوم تمام نسبتیں تمام خطوط تمام نقاط تمام زاویے تمام مقادیر گزشتہ وموجودہ وآئندہ تمام جن وبشر وحیوانات کے تمام حملوں میں رب العزت آن واحد میں معاً تفصیلاً ازلاً ابداً جانتا ہے اور یہ اس کے بحار علوم سے ایک قطرہ بلکہ بے شمار یم سے ادنٰی نم ہے اور یہ سب کاسب مع ایسے ایسے ہزارہاعلوم کے جن کی اجناس کلیہ تک بھی وہم بشری نہ پہنچ سکے شمارافراد درکنار سب انہیں دو کلموں کے سرخ میں داخل ہیں کہ یعلم مافی الارحام جانتا ہے جوکچھ پیٹ میں ہے۔ تمہاری تنگ نظری کوتاہ فہمی دولفظ دیکھ کر ایسے سستے سمجھ لئے کہ ایک آلے کی ناچیز وبے حقیقت ہستی پر علم ارحام کے مدعی بن بیٹھے، ہاں نصب واضافات کو جانے دو کہ نامتناہی معدود ومحدود ہی اشیاء بتاؤاوروہ بھی کسی ایک جنین کی نسبت اور وہ بھی خاص اپنے گھر کے کہ آدمی کو گھر کاحال خوب معلوم ہوتا ہے اپنا اوراپنی جوروکاواقعہ توخود اسی پر گزرا اس کے سامنے ہی گزرا اوراوپر سے مدد دینے کو آلہ موجود کوئی پادری صاحب آلہ لگا کر بولیں کہ جس وقت ان کی میم صاحب کو پیٹ رہانطفہ کتنے وزن کا گراتھا اس میں کتنے حیوان منوی تھے

گرتے وقت رحم کے کس حصہ پر پڑا، رحم میں کتنی دیر بعد کون سی خمل ونقرہ میں مستقر ہوا، جب سے اب تک کتنا خون حیض اس کے کام آیا، یہ اصل نطفہ کس کس غذا کے کس کس کے جز اور کتنے وزن کا فضلہ تھا وہ کہاں کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی کھانے کے کتنی دیر بعد اس نے صورت نطفیہ اخذ کی تھی جب سے اب تک ایک ایک منٹ کے فاصلہ پر اس کی وزن ومساحت وہیأت میں کیا کیا اور کتنا کتنا تغیر ہوا، حوادث مذکورہ بالا کے باعث جب سے اب تک میم صاحبہ کی رحم شریف کئی بار اور کتنی کتنی دیر کو اور کس کس قدر سمٹی پھیلی، بچہ کتنی دفعہ اور کس کس قدر اور کدھر کدھر کو پُھرپھرایا، ہر جنبش پر وضع اعضا میں کیا کیا تغیر ہوا، یہی سب احوال اب سے پیدا ہونے تک کس کس طرح گزریں گے منٹ منٹ پر وضع ووزن ومساحت ومکان وحرکت وسکون و غذا واحوال جنین ورحم میں کیا کیا تغیرات ہوں گے، باوالوگ رحم شریف میں کب تک بسیں گے، کس گھنٹے منٹ سکنڈر تھڈ پر برآمد ہوں گے، پہلے کون سا عضو آگے بڑھائیں گے، اس وقت کتنے فربہ کتنے دراز ہوں گے، دروازہ برآمد کی وسعت کس مقدار مخصوص تک چاہیں گے، آسانی گزر کو کتنی رطوبت کی پچکاریاں ساتھ لائیں گے، آپ کئی بار زور لگائیں گے، میم صاحبہ سے کتنے کرائیں گے، کون سی چیخ پر باہر آئیں گے، برآمد بھی ہوں گے یا کچے ہی گر جائیں گے، جی بچے تو کیا عمر پائیں گے، کہاں کہاں بسیں گے، کیا کیا کھائیں گے، کس کس مشن میں لونڈے پڑھائیں گے، **الی غیر ذٰلك ممالایعد ولایحصی** (اس کے علاوہ جن کی گنتی اور شمار نہیں کیا جاسکتا۔ت)

واللہ کہ تمام عالم کی تمام ماضی وموجود ومستقبل حملوں رحموں کے ایک ایک ذرہ احوال مذکورہ وغیر مذکورہ گزشتہ وموجودہ و آئندہ کو رب العزت عزوجل کا علم ازلاً ابداً معاً تفصیلاً محیط ہے اور یہ سب انہیں دو پاک کلمہ **یعلم ما فی الارحام** (جانتا ہے جو کچھ پیٹوں میں ہے۔ت) کی شرح میں داخل۔ تم اپنے ہی گھر کے ایک ہی پیٹ کے مختصر احوال کے کروڑوں حصوں سے ایک حصہ کا بھی ہزارواں حصہ نہیں بتا سکتے اور عالم ارحام بننے کے مدعی نہ سہی ماضیہ وآتیہ کو بھی جانے دو، صرف موجودہ ہی لو اور حالات میں بھی فقط موجودہ ہی پر قناعت کرو۔ کیا انہیں کو تمہارا علم عام ہے **سبحان اللہ اوّلاً** ان کا بھی علم بالفعل کہاں تمام عالم میں جتنے حمل اس وقت موجود ہیں سب کی گنتی تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا سب کے حال پر اطلاع کجا۔ **ثانیاً** اچھا علم بالفعل سے بھی گزر وصرف بذریعہ آلہ امکان علم ہی پر قناعت کرو کہ گو ہمیں کچھ معلوم نہیں مگر جو پاس آئے اور قدرت ملے تو آلہ لگا کر جان سکتے ہیں اگرچہ صاف ظاہر کہ یہ علم نہ ہوا کھلا جہل واقرار جہل ہوا، تاہم موجود حملوں میں آدمی کے حمل اور ہر گونہ جانور طیر ووحش وسباع وبہائم وہوام سب کے سب گابھ داخل، ذرا کوئی پادری صاحب آلہ آپ لگا کر یا کسی ڈاکٹر صاحب سے

لگوا کر بتائیں تو کہ چیونٹی کے پیٹ میں کَے انڈے ہیں، ان میں کتنی چیونٹیاں کتنے چیونٹے ہیں۔ ایک چیونٹی کیا خفاش کے سب پرند اور نیز مچھلیاں، سانپ، گرگٹ، گوہ، ناکا، سقنقور وغیرہا لاکھوں جانور کَے انڈے دیتے ہیں پادری صاحب کی حکمت سب جگہ بیکار ہے کیا یہ یعلم مافی الارحام میں داخل نہ تھے۔ **ثالثًا** اور اتروں فقط بچے ہی والوں پر قناعت سہی کیا ان سب کے پیٹ آلے کے قابل ہیں۔ **رابعًا خامسًا تا عاشرًا** وغیرہ، اس سے بھی درگزروں فقط قابل آلہ فقط انسان بلکہ فقط امریکا یا انگلستان بلکہ فقط پادریان بلکہ فقط پادری فلاں بلکہ ان کے گھر کا بھی فقط ایک ہی پیٹ بلکہ وہ بھی فقط اسی وقت جب بچہ خوب بن لیا اور اپنی نہایت تصویر کو پہنچ چکا اور وہ بھی فقط اتنی ہی دیر کے لئے جبکہ میم صاحبہ کے پیٹ میں آلہ لگا ہوا ہے کلام کروں اب لو لاکھوں عموم کے دریا سمٹ کر صرف بالشت بھر کی ایک ہی گھڑیا کی تلاش رہ گئی کیوں پادری صاحب کیا آپ کے مافی الرحم میں صرف بچہ کا آلہ تناسل داخل ہے کہ نرمادہ بتا یا اور یعلم مافی الارحام صادق آیا اس کے اعضائے اندرونی کیا رحم میں نہیں جنین کے دل ودماغ گردے شش سپرز مثانے تلخے امعا معدے رگ پٹھے عظم عضلے ایک ایک پرزے کا وزن مقدار مساحت طول عرض عمق فربہی لاغری کے اختلافات غرض سب حالات صحیح صحیح محقق مفصل نہ فقط شرابی کی زق زق یا اندھے کی اٹکل بیان کرو۔ اچھا جانے دو اندرونی اعضائے آلہ و آلہ پرست سب کورے کور ہیں بیرونی ہی سطح کا حصہ سہی۔ بولو میس میڈم جو پیٹ میں جلوہ آرا ہیں، ان کے سر پر کتنے بال ہیں، ہر بال کا طول کس قدر، عرض کتنا، عمق کس قدر، وزن کتنا، جلد میں مسام کتنے ہیں، ہر سوراخ کے ابعاد ثلثہ کیا کیا ہیں، ان میں کتنے باہم ایک دوسرے سے ۱۳/ ۹ کی نسبت رکھتے ہیں ہر ایک باقی سے کتنا متفاوت ہے بغل اور سینے اور ران اور پیر اور دونوں لب بالا چاروں لب زیرین وغیرہا جوڑوں وصلوں میں ہر ایک کا زاویہ کس حدونہایت تک پھیل سکتا ہے۔ کئی درجے دقیقے ثانیے عاشرے وغیرہا تک پہنچتا ہے دس تجاویف عــہ ظاہرہ میں طبعًا

عــہ: پنج درنصف بالا صماخین و منخرین ودہن وپنج درنصف زیریں ثقبہ در قلہ جبل الزہرہ کہ سترہ وناف تامند وسہ درداماں از انہا دو در ابرۃ الزہرہ کہ بطر د نوف خوانندہ یکے پائینش کہ مہبل گویند کہ وپنجم فرجہ پسین ۱۲۔

پانچ اوپر والے نصف میں، دو کانوں کے اندر، دو ناک کے اندر اور ایک منہ۔ اسی طرح پانچ نیچے والے نصف میں، جبل الزہرہ کے بالائی حصہ میں سوراخ جسے سرہ اور ناف کہا جاتا ہے اور تین اس کے داماں میں ہیں جن میں سے دو ابرہ زہرہ میں جن کا نام بطر اور نوف ہے اور نیچے کی طرف جسے مہبل کہتے ہیں اور پانچواں سوراخ پیچھے کی طرف۔ ۱۲۔ (ت)

وقسرًا کہاں تک پھیلنے کی قابلیت ہے کہ اس سے ذرہ بھر قسر زائد واقع ہو توقطعًا خارق ہو اور اس حد تک یقینا تحمل کے قابل ولائق ہو تجاویف حاصلہ وتجاویف صالحہ میں ہر جگہ کتنا تفرقہ ہے۔ الٰی غیر ذٰلك من الاحوال الزاھرۃ فی السطوح الظاھرۃ (اس کے علاوہ روشن احوال، ظاہر سطحوں میں۔ت) یہ تمام تفاصیل تو یعلم ما فی الارحام کے لاکھوں سمندروں سے ایک خفیف قطرہ بھی نہیں اسی کو بتادو۔

"فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُھَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾ "[1]	پھر اگر نہ بتاؤ اور ہر گز نہ بتاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پہاڑ، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

بالجملہ اس اعتراض کی ایک بہت ناقص نظیر یہ ہو سکتی ہے کہ بادشاہ تمام روئے زمین اپنی مدح کرے، میں ہوں مالک خزائن عامرہ میں ہوں صاحب اموال متکاثرہ، میرے لئے ہیں بلاد وقری کے محصول، پہاڑوں کے حاصل، صحراؤں کی کانیں، دریاؤں کے محاصل، یہ سن کر ایک بے ادب، گستاخ، فقیر، قلاش، گدیہ گر، بے معاش، لنجھا، بولا، اندھا، ہیولے چوتڑوں کے بل گھسٹتا بادشاہ ہی کے کسی گاؤں میں بادشاہ ہی کی رعیت سے ہاتھ پاؤں جوڑ کر بادشاہ ہی کے دیئے ہوئے مال سے ایک پھوٹی کوڑی مانگ لائے اور سر بازار تالیاں بجائے کہ لیجئے بادشاہ تو اپنے ہی آپ کو مالک خزائن واموال ومحاصل معادن وبحار وجبال بتاتا تھا یہ دیکھو مدتوں مصیبت جھیل کر پاپڑ بیل کر ہم نے بھی ایک کانی کوڑی پائی ہے کیوں ہم بھی مالک خزائن ومحاصل بحار ہوئے یا نہیں مسلمانوں نہ فقط مسلمانوں ہر قوم کے عاقلوں کیا اس اندھے کا ہلکا سا لقب مجنون نہ ہوگا کیا اس سے نہ کہا جائے گا کہ او بے عقل اندھے کیا بادشاہ نے کہیں یہ فرمایا تھا کہ ہمارے خزانہائے عامرہ کے سوا ممکن نہیں کسی کے پاس کوئی پھوٹی کوڑی نکل سکے اگرچہ ہماری عطا کی ہوئی ہو، حاش للہ سلطان نے تو جابجا صاف فرمادیا ہے کہ ہم نے اپنی رعایا کو بہت اموال کثیرہ عطایائے عزیزہ انعام فرمائے ہیں اور ہمیشہ فرمائیں گے، ہاں اصل مالک ہمارے سوا کوئی نہیں نہ ہمارے برابر کسی کا خزانہ ہو، او مجنون اندھے! کیا یہ بھیک کی کوڑی لاکر تو اس کا ذاتی مالک بے عطائے سلطان ہوگیا یا اس پھوٹی کوڑی سے تیرا مال خزائن شاہی کے برابر ہولیا

---
[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴

اور جب کچھ نہیں تو کس ملعون بناء پر فرمان شاہی کی تکذیب کرتا اور قہر جبّار قہار سے نہیں ڈرتا ہے۔ہاں ہاں یہ پادری معترض اس اندھے سے بھی بہت بدتر حالت میں ہے اندھا فقیر اور وہ بادشاہ کبیر دونوں ان باتوں میں کانٹے کی تول برابر ہیں کہ دونوں مالک بالذات نہیں، دونوں مالک حقیقی نہیں، دونوں کی ملک مجازی حادث، دونوں کی ملک فانی زائل، دونوں حقیقت میں نرے محتاج، دونوں بے شمار خزانوں کے مجازًا بھی مالک نہیں، پھر اس کوڑی کو اس کے خزائن سے ایک نسبت ضرور کہ دونوں محدود اور ہر متناہی کو دوسری متناہی سے کچھ نسبت ضرور دے سکتے ہیں اگرچہ نسبت نما میں ہزار صفر لگا، بخلاف علم حقیقی خالق و علم اسمی مخلوق جن میں اصلًا کوئی تناسب ہی نہیں وہ ذاتی یہ عطائی، وہ غنی یہ محتاج، وہ ازلی یہ حادث، وہ ابدی یہ فانی، وہ واجب یہ ممکن، وہ ثابت یہ متغیر، وہ کامل یہ ناقص، وہ محیط یہ قاصر، وہ ازلًا ابدًا نامتناہی در نامتناہی در نامتناہی، یہ ہمیشہ ہر وقت معدود و محدود، پھر متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت بتاہی نہیں سکتے کہ یہ اس کا فلاں حصہ ہے، بھلا اس اندھے کو تو ہر عاقل مجنون کہتا ان اندھوں کو کیا کہا جائے، یہ تو مجنون سے بھی کئی لاکھ درجے بدتر ہوئے، اور اندھے پن میں بھی اس سے کہیں بڑھ کر، اس کی آنکھیں تو باقی ہیں اگرچہ بے نور ہیں، یہاں آنکھوں کا نشان تک نہیں، ہاں ہاں کون سی آنکھیں، یہ دو چپٹی کوڑیاں نہیں جو خر و خوک سب کے منہ پر لگی ہوتی ہیں بلکہ ہیئے کی، جنہیں قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾"[1]	تو ہے یوں کہ ان کافروں کی آنکھیں اندھی نہیں وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

والعیاذ باللہ رب العٰلمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ خیر کسی کافر سے کیا شکایت مجھے تو ان ناسمجھ مسلمانوں سے تعجب آتا ہے جو مہمل و بے معنے شکوک واہیہ سن کر متحیر ہوتے ہیں، سبحان اللہ اللہ اللہ اللہ کہاں اللہ رب السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادۃ سبحٰنہ وتعالٰی اور کہاں کوئی بے تمیز بونگا ہیولی ہنقہ ناپاک ناشتہ کھڑے ہو کر مُوتنے والا ع

ببیں کہ از کہ بریدی وباکہ پیوستی

(دیکھا کہ تونے کس سے قطع تعلق کیا اور کس کے ساتھ منسلک ہوا ہے۔ت)

خدارا انصاف، وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن کہ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی

[1] القرآن الکریم ۲۲ / ۴۶

پاک باندی ستھری کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہو اسے دوسرے کا گائیں، خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے لوٹیوں کے بھوکے روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دَر دَر چبائیں، شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیایوں گزری ادھر موت کے بعد کفار کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں، لعنتی کہیں ملعون بنائیں، اے سبحان اللہ اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے۔ طرفہ خدا جس پر لعنت آئے جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے، اے سبحان اللہ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کی جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کو چھٹی بے گناہ پر آگ، امتی ناجی رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے مامون۔ تف تف وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اسی کے گوشت پر دانت رکھیں، اف اف وہ گندے جو انبیاء و رسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بیہودہ کلام گھڑیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زِہ زِہ بندگی خَہ خَہ بندگی خَہ خَہ تعظیم، پَہ پَہ تہ۔ زیب قَہ قَہ تعلیم (مثال کے لئے دیکھو بائبل پرانا عہد نامہ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۲۳ ورس [عہ۱] ۱۵ تا ۱۸) خدا کا معاذاللہ زنا کی خرچی کو مقدس ٹھہرانا اور اپنے مقربوں کے لئے اسے چن رکھا کہ کھائیں اور مستائیں۔ ایضاً کتاب پیدائیش باب ۱۹ ورس [عہ۲] ۳۰ تا ۳۸ سیدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاذاللہ اپنی دختروں سے

عہ۱: وہ عبارت یہ ہے (۱۵) اس دن ایسا ہوگا کہ صور کسی بادشاہ ایام کے مطابق ستر برس تک فراموش ہو جائیں گی، اور ستر برس کے پیچھے صور کو چھنال کے مانند گیت گانے کی نوبت ہوگی۔ (۱۶) او چھنال جو کہ فراموش ہو گئی ہے بربط اٹھالے اور شہر میں پھرا کر تار کو خوب چھیڑ اور بہت سی غزلیں گا تاکہ تجھے یاد کریں (۱۷) کیونکہ ستر برس کے بعد ایسا ہوگا کہ خداوند صور کی خبر لینے آئے گا اور پھر وہ خرچی کے لئے جائے گی اور روئے زمین کی ساری مملکتوں سے زنا کرے گی (۱۸) لیکن اس کی تجارت اور اس کی خرچی خداوند کے لئے مقدس ہوگی اس کا مال ذخیرہ نہ کیا جائے گا اور رکھ چھوڑا جائے گا بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھاکے سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں۔

عہ۲: (۳۰) اپنی دونوں بیٹیوں سمیت پہاڑ پر جا رہا (۳۱) پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا (۳۲) آؤ ہم باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں (۳۳) پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

زنا کرنا بیٹیوں کا باپ سے حاملہ ہو کر بیٹے جننا۔ ایضًا کتاب دوم اشموئیل نبی باب ۱۱ ورس [عہ۱] ۲ تا ۵ سیدنا داؤد علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا اپنے ہمسائے کی خوبصورت جورو کو ننگی نہاتے دیکھ کر بلانا اور معاذاللہ اس سے زنا کرکے پیٹ رکھانا، ایضًا کتاب حزقیل نبی باب ۲۳ ورس [عہ۲] یکم تا ۲۱ معاذاللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۳۴) دوسرے روز پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہمبستر ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جاکے اس سے ہم بستر ہو (۳۵) سو اس رات چھوٹی اس سے ہمبستر ہوئی (۳۶) سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۷) اور بڑی ایک بیٹا جنی اس کا نام موآب رکھا وہ موآبیوں کا جو اب تک ہیں باپ ہو (۳۸) اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اس کا نام بنی عمی رکھا وہ بنی عمون کا جو اب تک ہیں باپ ہو اھ مختصرًا ۱۲۔

عہ۱: (۲) ایک دن شام کو داؤد چھت پر ٹہلنے لگا وہاں سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی (۳) تب داؤد نے اس عورت کا حال دریافت کرنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا حتی اوریاہ کی جورو (۴) داؤد نے لوگ بھیج کے اس عورت کو بلالیا اور اس سے ہمبستر ہوا وہ اپنے گھر چلی گئی (۵) اور وہ عورت حاملہ ہوگئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں اھ مختصرًا۔

عہ۲: (۱) خداوند کا کلام مجھے پہنچا اس نے کہا (۲) اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں (۳) انہوں نے مصر میں زناکاری کی وے اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں ان کی بکر کے پستان چھوئے گئے (۴) ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیہ اور وے میری جورواں ہوئیں (۵) اہولیہ جن دنوں میں میری تھی چھنالا کرنے لگی اور اسوریوں پر عاشق ہوگئی (۶) وے سر لشکر اور حاکمان تھے دلپسند جوان ارغوانی پوشاک (۷) اس نے ان سب کے ساتھ چھنالہ کیا (۸) اس نے ہرگز اس زناکاری کو جو اس نے مصر میں کی تھی نہ چھوڑا کیونکہ انہوں نے اس کی بکر پستانوں کو ملا تھا اور اپنی زنا اس پر اُنڈیلی تھی (۹) اس لئے میں نے اس کے یاروں کے ہاتھ میں، ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تھی کر دیا (۱۰) انہوں نے اس کو بے ستر کیا (۱۱) اس کی بہن اہولیہ نے یہ سب کچھ دیکھا پر وہ شہوت پرستی میں اس سے (باقی برصفحہ آئندہ)

خدا کی دوجوروں کا قصہ اور سخت شرمناک الفاظ میں ان کی بے حد زناکاریوں سے شہوت رانیوں کا تذکرہ نیاعہد نامہ پورلیس رسول کاخط کلیٹوں کو باب ۳ ورس ۱۳ انصاری کے یسوع مسیح مصنوع کاملعون ہونا الٰی غیر ذٰلک ممالایعد ولایحصی۔

"اٰمَنَّابِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَاوَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ	ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد پر، اور جو عطا کئے گئے موسٰی و عیسٰی اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بدتر ہوئی، اس نے اپنی بہن کی زناکاری سے زیادہ زناکاری کی (۱۲) وہ بنی اسور جو اس کے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے اور گھوڑوں پر چڑھتے اور دل پسند جوان تھے، عاشق ہوئی (۱۳) اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوگئی (۱۴) بلکہ اس نے زناکاری زیادہ کی کیونکہ جب اس نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں کسدیوں کی تصویریں شنگرف سے کھچی تھیں (۱۵) کمروں پر پٹکے کسے سروں پر اچھی رنگین پگڑیاں (۱۶) تب دیکھتے ہی وہ ان پر مرنے لگی اور قاصدوں کو ان کے پاس بھیجا (۱۷) سو بابل کے بیٹے اس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اور انہوں نے اس سے زنا کرکے اسے آلودہ کیا اور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی تو اس کا جی ان سے بھر گیا (۱۸) تب اس کی زناکاری علانیہ ہوئی اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی تب جیسا میرا جی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھا ویسا میرا دل اس سے بھی ہٹا (۱۹) تسپر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی زناکاری پر زناکاری کی (۲۰) سو وہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا (۲۱) اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کہ جس وقت مصری تیری جوانی کے پستانوں کے سبب تیری چھاتیاں ملتے تھے یاد دلائی اھ ملخصًا۔

عـــہ۲: مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکا دیا گیا سو لعنتی ہے ۱۲۔

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ "[1]	میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔ (ت)
" اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ "[2]	ارے ظالموں پر خدا کی لعنت، جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ (ت)
" اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ "[3]	وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ "[4]	توخرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس ہے کہ ان کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں، تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔ (ت)

اللہ اللہ یہ قوم یہ قوم یہ سراسر لوم یہ لوگ یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ جنہیں جنون کا روگ، یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو بلندی وعظمت والا ہے۔ت) یہ پہلی اپنی ساختہ بائبل تو سنبھالیں قاہر اعتراض باہر ایراد اس پر سے اٹھالیں، انگریزی میں ایک مثل کیا خوب ہے کہ شیش محل کے رہنے والا پتھر پھینکنے کی ابتدا کرے یعنی رب جبار قہار کے محکم قلعوں کو تمہاری کنکریوں سے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے، مگر ادھر سے ایک پتھر بھی آیا تو حجارۃ من سجّیل (کنکر کا پتھر۔ت) کاسماں کعصف ماکول (کھائی ہوئی کھیتی۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸و۱۹

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

کامزہ چکھادے گا۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ" [1] واٰخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین سیّدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔اور درودوسلام ہوآخری نبی پر جو ہمارے آقاومولا محمد مصطفٰی ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔آمین! (ت)

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن

المصطفٰی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

الصمصام علی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مسئلہ ۲۵۹: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسلہ شمس الدین صاحب

قرآن پاک میں "لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی" [1] (نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے۔ت) اہل نار کی حالت لکھی ہے حالانکہ انسان کو حیات یا ممات کا ہونا ضروری ہے، پس بعد اثبات وجود کے ارتفاع نقیضین کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

الجواب:

قرآن عظیم محاورہ عرب پر اُترا ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ" [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بیشک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔(ت)

اور عرب بلکہ تمام عرب وعجم کا محاورہ ہے کہ ایسی کرب شدید ومصیبت مدید کی زندگی کو یوں ہی کہتے ہیں کہ نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں، لاحیی فیرجی ولا میت فیرثی (نہ زندہ ہے کہ امید رکھی جائے اور نہ مردہ ہے کہ مرثیہ کہا جائے۔ت) اس کا بیان دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ:

"یَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ" [3]	اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں۔

یاتیہ الموت من کل مکان یہ "لایحیی" اور ماھو بمیت یہ "لایموت فیھا" ہوا، اور موت وحیات نقیضین نہیں کہ انسان نہ موت ہے نہ حیات، بلکہ ان میں تقابل تضاد ہے اگر موت وجودی ہے اور عدم وملکہ اگر عدمی۔

والاول ھو الصحیح عندی الظاھر قولہ تعالٰی "خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوةَ" [4] والحدیث	اور اول ہی میرے نزدیک صحیح ہے اللہ تعالٰی کے ظاہر فرمان کی وجہ سے کہ اس نے موت اور

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۷۴ و ۸۷/ ۱۳
[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۳
[3] القرآن الکریم ۱۴/ ۱۷
[4] القرآن الکریم ۶۷/ ۲

ذبح الکبش یوم القیٰمة[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	حیات کو پیدا کیا، اور قیامت کے دن مینڈھے کو ذبح کرنے والی حدیث کی وجہ سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از میرٹھ چمار دروازہ لنگڑی مسجد مکان جناب قاری مولوی محمد اسحاق صاحب مسئولہ محمد یعقوب صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۱ھ

آیت "**فَلَمَّآ اَخَذَتْھُمُ الرَّجْفَةُ**"[2] (جب ان کو رجفہ نے پکڑا۔ت) میں ایک شخص رجفہ کے معنی "کڑکڑانے" کے کہتا ہے، اور ایک شخص کہتا ہے کڑکڑانے کے معنی نہیں ہیں بلکہ رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں جلالین شریف میں اور دیگر تفاسیر میں اور لغت کی کتابوں میں رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں کڑکڑانے کے نہیں ہوسکتے۔۔ وہ شخص پہلا یہ کہتا ہے کہ درایت اس کو چاہتی ہے کہ رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہوں اور یہی ہیں کیونکہ ان کا کڑکڑانا عذاب کا سبب ہوا تھا اس واسطے رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ پہلے کا قول صحیح ہے جو رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے کرتا ہے یا ثانی کا جواب کہ معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اور پہلا شخص **من فسر برائه**[3] (جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی۔ت) کا مصداق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور رجفہ کے معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اہلسنت وجماعت کے موافق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

رجفہ کے معنی یہ کڑکڑانا محض باطل وبے اصل ہے جس پر نہ لغت شاہد نہ تفسیر، تو یہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور اس کا حصر کرنا کہ یہی ہیں حضرت عزت پر افتراء اور اس کا استدلال کہ وہ سبب استدلال آیت میں دوسری تحویل اور لفظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف تبدیل ہے کہ اخذ عذاب حقیقت ہے اور سبب کی طرف اسناد مجاز یا بحذف مضاف تقدیر وبال کی جائے، بہر حال محض بلا وجہ بلکہ بلا مجال وحی عدول بہ مجاز ہے کہ باطل و نا مجاز ہے۔ اسی قصہ میں دوسری

[1] روح البیان تحت الآیۃ وفدیناہ بذبح عظیم ۲۳/ ۴۷۷ ومرقاۃ المفاتیح تحت الحدیث ۵۵۹۱، ۹/ ۵۵۵

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۵

[3] جامع الترمذی ابواب التفسیر باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹، احیاء العلوم کتاب آداب تلاوۃ القرآن الباب الرابع مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۲۸۹

جگہ "فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ" [1] (تو تم کو صاعقہ نے پکڑا۔ت) فرمایا صاعقہ کے معنی میں بھی اسی دلیل سے یہی کڑکڑانا ہوگا بلکہ جہاں جہاں قرآن عظیم نے اقوال کفار پر نار یا حمیم یا غساق وغیرہا کا ذکر فرمایا ہے ان سب کے معنی میں یہی کڑکڑانا آئے گا کہ یہی اس عذاب کا سبب ہوا ایسی بات علم تو علم عقل سے بعید ہے۔ **وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۱: از احمد آباد گجرات دکن محلّہ جما لپور مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۵/رجب ۱۳۳۶ھ

اخرج محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمٰن۔	محمد بن جریر طبری نے محمد بن ابراہیم سے تخریج کی کہ نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ اسی طرح ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی کرتے تھے۔ (ت)

یہ روایت تفسیر ابن جریر میں اور تفسیر در منثور میں اور تفسیر کبیر میں کس آیت کی تفسیر میں ہے؟

الجواب:

در منثور جلد ۴ صفحہ ۵۸:

اخرج ابن المنذر وابن مردویہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یأتی اُحد اکل عام فاذا تفوہ الشعب سلم علی قبور الشھداء فقال سلٰم علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار	ابن منذر اور ابن مردویہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال اُحد میں تشریف لاتے تھے۔ جب گھاٹی کی فراخی میں داخل ہوتے تو قبور شہداء پر سلام کہتے ہوئے یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۵۵

وابوبکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم۔[1]	سیدنا ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

ابن جریر جلد ۱۳ص ۸۴:

حدثنی المثنی ثنا سوید قال اخبرنا ابن المبارك عن ابراھیم بن محمد عن سھیل بن ابی صالح عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم۔[2]	مجھے مثنی نے بحوالہ سوید حدیث بیان کی۔ سوید نے کہا ہمیں ابن المبارک نے خبر دی، انہوں نے ابراہیم بن محمد سے، انہوں نے سہیل بن ابوصالح سے، انہوں نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

تفسیر کبیر جلد ۵ص ۲۹۵:

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یأتی قبور الشھداء رأس کل حول فیقول السلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعة ھکذا کانوا یفعلون رضی اللہ تعالٰی عنھم۔[3]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو آخرت کا گھر کیا ہی خوب ملا۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

تفسیر نیشاپوری جلد ۱۳ص ۹۲:

وروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے

[1] الدرالمنثور تحت آیت ۱۳/ ۲۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۶۸۔۵۶۷

[2] جامع البیان(تفسیر ابن جریر) تحت آیت ۱۳/ ۲۴ المطبعة المیمنة مصر ۱۳/ ۸۴

[3] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیت ۱۳/ ۲۴ المطبعة المیمنة مصر ۱۹/ ۴۵

انہ کان یأتی قبور الشھداء علٰی رأس کل حول فیقول سلٰم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار [1] ۔ فقط	اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور بازار سبزی منڈی مرسلہ محمد امین تاجر ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقسیم قرآن شریف برائے فیض پیرائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ تیس پارہ پر ہے، کوئی پارہ سورت سے شروع ہوا اور کوئی رکوع سے اور کوئی درمیان رکوع سے، اور کوئی پارہ بڑا ہے کوئی چھوٹا، اس کے واسطے کوئی قاعدہ ہے جس کی رعایت ہر پارہ میں ہے یا بلا رعایت قاعدہ کلیہ مقرر کر دی ہے؟ الحمد کو پارہ اول سے علیحدہ رکھا ہے اور ربما سے ایک آیت چھوڑ دی شروع سورت سے اس کا سر اور جو کچھ اور اس میں مرعی ہے حضور ہی بیان فرما سکتے ہیں اور ہم جہلا کی تسکین حضور پر نور ہی کے قلم سے ہو سکتی ہے۔

الجواب:

پاروں پر تقسیم امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نہ کی نہ کسی صحابی نہ کسی تابعی نے۔ معلوم نہیں اس کی ابتدا کس نے کی، یہ بہت حادث ہے، ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اس کی ابتداء کی اس نے اپنے پاس کے مصحف شریف کو تیس حصوں پر کہ باعتبار عدد اوراق مساوی تھے تقسیم کر لیا اور یہ تقسیم ان ان مواقع پر آکے واقع ہوئی، اور یہی ان بلاد میں رائج ہو گئی، سب جگہ اس پر اتفاق بھی نہیں بلکہ شام وغیرہ کی تقسیم اس سے کچھ مختلف ہے۔ بہر حال یہ کچھ ضروری بات نہیں نہ اس کے ماننے میں حرج۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۳: از بارکپور محلّہ مرغی محال متصل کنجڑام حال مرسلہ حافظ محمد جعفر پیش امام ۱۰/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید با اعراب خداوند کریم کی طرف سے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا یا اعراب بعد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درست کیا گیا؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم کی عبارت کریمہ نازل ہوئی عبارت میں

---

[1] غرائب القرآن تحت آیۃ ۱۳/ ۲۴ مصطفی البابی مصر ۱۳/ ۸۳

اعراب نہیں لگائے جاتے حضور کے حکم سے صحابہ کرام مثل امیر المومنین عثمٰن غنی وحضرت زید بن ثابت وامیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے لکھتے ان کی تحریر میں بھی اعراب نہ تھے یہ تابعین کے زمانے سے رائج ہوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴: از موضع پاکڑی ضلع گوڑگانوہ ڈاکخانہ ڈہنیہ مسئولہ محمد یسین خاں ۱۰/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تفسیر قادری معتبر ہے یا غیر معتبر؟

الجواب:

یہ اُردو کتاب ہے میں نے نہیں دیکھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

محافل ومجالس

(میلادو گیارہویں شریف وغیرہ)

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامۃ ۱۲۹۹ھ

(نبی تہامہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام تعظیمی پر اعتراض کرنے والے پر قیامت قائم کرنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۶۵: از ریاست مصطفٰی آباد عرف رامپور بضمن سوالات کثیرہ ۱۲۹۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد میں قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کیا ہے، بعض لوگ اس قیام سے انکار بحث رکھتے اور اسے بدیں وجہ کہ

قرون ثلٰثہ میں نہ تھا بدعت سیئہ وحرام سمجھتے اور کہتے ہیں ہمیں صحابہ وتابعین کی سند چاہئے ورنہ ہم نہیں مانتے۔ان کے اقوال کا حل کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

الحمدللّٰہ الذی باذنہ تقوم السماء والصّلٰوۃ والسلام علٰی من قامت بہ ارکان الشریعۃ الغرّاء سیّدنا و مولانا محمد الذی قامت فی مولدہ ملئکۃ العلیا وعلٰی اٰلہ وصحبہ القائمین باٰداب تعظیمہ فی الصبح و المساء واشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ، لاشریك لہ و ان محمدا عبدہ، ورسولہ، قیم الانبیاء صلوات اللّٰہ و سلامہ علیہ وعلیھم ماقامت تسبیح القیام اشجار الغبراء وسجدت للحی القیوم نجوم الخضراء اٰمین! قال القائم ببعض الضراعۃ الٰی صاحب المقام المحمود والشفاعۃ عبدالمصطفٰی احمدرضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفراللّٰہ لہ واقامہ مقام السلف الکرام البررۃ الکلمۃ اٰمین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس کے حکم سے آسمان قائم ہے۔درودوسلام ہو اس ذات پر جس کے ذریعے روشن شریعت کے ارکان قائم ہیں وہ ہمارے آقا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کے میلاد کے وقت عالی مرتبت ملائکہ نے قیام کیا، اور آپ کی آل واصحاب پر جو صبح وشام آپ کے لئے آداب تعظیم کی بجاآوری میں قائم رہے، میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلاہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ انبیاء کرام کے متولی و نگران ہیں، آپ پر اور تمام انبیاء پر درودوسلام ہو جب تک غبار آلود درخت تسبیح کے ساتھ قائم رہیں اور جب تک آسمان کے ستارے بارگاہ حی وقیوم میں سجدے کرتے رہیں، آمین! مقام محمود اور شفاعت کے مالک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عاجزانہ قیام کرتے ہوئے کہتاہے عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اوراسے سلف صالحین کا قائم مقام بنائے۔آمین۔(ت)

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت فرما۔ت)

یہاں دو مقام واجب الاعلام ہیں:

اوّلاً: اس مقام مبارک پر اپنے طور پر کتب و فتاوائے علماء قدست اسرارھم سے حکم بیان کرنا جس سے بعونہٖ موافقین کے لئے ایضاح حق واضاحت باطل ہو، اور منصب فتوٰی اپنے حق کو واصل ہو۔

ثانیاً: اس مغالطہ کا جواب دینا جو بالفاظ متقاربہ تمام اکابر واصاغر مانعین میں رائج کہ یہ فعل قرون ثلٰثہ میں نہ تھا تو بدعت وضلالت ہوا۔ اس میں کچھ خوبی ہوتی تو وہ وہی کرتے اس فعل اور اس کے مثال امور نزاعیہ میں حضرات منکرین کی غایت سعی اسی قدر ہے جس کی بناپر اہلسنت وسواد اعظم ملت وہزاران ائمہ شریعت وطریقت کو معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوف خداوترس روز جزادل میں نہیں لاتے۔ مقام افتاء اگرچہ استیعاب مناظرہ کی جانہیں مگر ایسی جگہ ترک کلی بھی چنداں زیبا نہیں، لہٰذا فقیر مقام دوم میں چند اجمالی جملے حاضر کرے گا جن کے مبانی دیکھئے حرفے چند اور معانی سمجھئے تو بس جامع و بلند۔ وباللہ التوفیق فی کل حین وعلیہ التوکل وبہ نستعین والحمدللہ رب العٰلمین۔

مقام اوّل: اللہ عزوجل نے شریعت غرا، بیضا، زہرا، عامہ، تامہ، کاملہ، شاملہ اتاردی اور بحمدہٖ تعالٰی ہمارے لئے ہمارا دین کامل فرما دیا اور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرما دی۔ قال اللہ تعالٰی:

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" [1] والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی من بہ انعم علینا فی الدنیا والدین وبہ ینعم ان شاء اللہ تعالٰی فی الاٰخرۃ الی ابد الاٰبدین۔	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ (ت) تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود نازل ہو اس ذات پر جس کے صدقے اللہ تعالٰی نے دین ودنیا کی نعمتیں ہمیں عطافرمائیں۔ اور ان کے طفیل ان شاء اللہ ابدالآباد تک آخرت کی نعمتیں بھی ہمیں عطا ہوں گی۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

الحمدللہ ہماری شریعت مطہرہ کاکوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: حسبنا کتاب اللہ[1]۔ (ہمیں قرآن عظیم بس ہے)

مگر قرآن عــــہ عظیم کاپورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح اس سے نکال لینا عام کو نامقدور ہے اس لئے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطافرمائے: **اوّل:**

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ"[2]	جوکچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) لوصیغہ امر کاہے اور امر وجوب کے لئے ہے توپہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے:

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"[3]	اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شیئ ہر چیز ہر موجود کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی ولہذا فرمایا:

"وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ"[4]	اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کے لئے بیان فرمادو جوکچھ ان کی طرف اُترا ہے۔

یعنی اے محبوب! تم پر توقرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو، لہذا آیۃ کریمہ اولٰی میں **نزلنا علیك** فرمایا جو خاص حضور کی نسبت ہے اور آیۃ کریمہ ثانیہ میں **مانزّل الیھم** فرمایا جو نسبت بہ امت ہے۔ **دوم:**

"فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ	علم والوں سے پوچھو جو تمہیں

عــــہ: قرآن امام حدیث ہے، حدیث امام مجتہدین، مجتہدین امام علما، علماء امام عوام الناس۔ اس سلسلہ کاتوڑنا گمراہ کاکام۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾" عــــہ[1]	نہ معلوم ہو۔

مصنف نے یہاں معالم التنزیل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

| **اقول:** هذا من محاسن نظم القراٰن العظيم امر الناس ان يسئلوا اهل العلم بالقراٰن العظيم وارشد العلماء ان لايعتمدوا على اذهانهم فى فهم القراٰن بل يرجعوا الى مابيّن لهم النبى صلى الله تعالٰى عليه و سلم فردالناس الى العلماء والعلماء الى الحديث و الحديث الى القراٰن وان الى ربك المنتهٰى فكما ان المجتهدين لوتركوا الحديث ورجعوا الى القراٰن فضلوا كذٰلك العامة لوتركواالمجتهدين ورجعوا الى الحديث فضلوا ولهذا قال الامام سفٰين بن عيينة احد ائمة الحديث قريب زمن الامام الاعظم و الامام المالك رضى الله تعالٰى عنهم الحديث مضلة الاالفقهاء نقله عنهم الامام ابن الحاج مكى فى مدخل۔[2] | **میں کہتاہوں** کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے لوگوں کو حکم دیا کہ علماء سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جو کچھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایااس کی طرف رجوع لائیں تولوگوں کو علماء کی طرف پھیرا اور علماء کو حدیث کی طرف اور حدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے رب ہی کی طرف انتہاء ہے توجس طرح مجتہدین اگر حدیث چھوڑدیتےاور قرآن کی طرف رجوع کرتے بہک جاتے یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع لائیں توضرور گمراہ ہوجائیں، اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہاکہ امام اعظم وامام مالک کے زمانہ کے قریب حدیث کے اماموں سے تھے فرمایاکہ حدیث بہت گمراہ کردینے والی ہے مگر فقہاء کو، اسے امام ابن حاج مکی نے مدخل میں نقل فرمایا۱۲ مصحح غفرلہ (ت) |

عــــہ: اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے: "بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ"[3] الاٰیۃ۔

روشن دلیلیں اورکتابیں لے کر اوراے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳
[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴
[3] تعلیقات المصنف علی معالم التنزیل تحت الآیۃ ۱۶/ ۴۴، ۴۳

حوادث غیر متناہی ہیں احادیث میں ہر جزئیہ کے لئے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی ان کا حفظ وضبط نامقدور ہوتا پھر مدارج عالیہ مجتہدان امت کے لئے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے نیز اختلافات ائمہ کی رحمت ووسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہٰذا حدیث نے بھی جزئیات معدودہ سے کلیات حاویہ مسائل نامحدودہ کی طرف استعارہ فرمایا اس کی تفصیل وتفریع وتاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی اور احاطہ ف تصریح نامتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل وتفصیل مجمل وتقیید مرسل باقی رکھی جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشائخ کرام وعلمائے اعلام کرتے چلے آئے ہر زمانہ کے حوادث تازہ احکام اس زمانے کے علماء کرام، حاملان فقہ وحامیان اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے **حتی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذٰلک** (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اپنا امر لے آئے اور وہ لوگ اسی حال پر ہوں۔ت) درمختار میں ہے:

ولایخلوا الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظناً وعلٰی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبرائۃ ذمتہ[1]۔	زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر نہ محض گمان سے اس کی تمیز رکھیں اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے کہ بری الذمہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

جزم بذٰلك اخذا مما رواہ البخاری من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ قولہ وعلٰی من لم یمیز عبر بعلی المفیدۃ للوجوب للامر بہ فی قولہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر	شارح علامہ نے اس پر جزم فرمایا اس حدیث سے لے کر جو صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے، اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لئے

[1] الدرالمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

ف: حوادث کا پیدا ہوتے رہنا اور ان کے احکام کا۔ اور ایک یہ کہ جو ہر بات پر کہے صحابہ تابعین کی سند لاؤ۔ یا امام ابوحنیفہ کا قول دکھاؤ، وہ مجنون ہے یا گمراہ۔

ان کنتم لاتعلمون۔[1]	واجب کہا کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا ہے کہ علماء سے پوچھو اگر تمہیں نہ معلوم ہو۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

| مافصّل عالم مااجمل فی کلام من قبلہ من الادوار الا للنور المتصل من الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالمنۃ فی ذٰلک حقیقۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذی ھو صاحب الشرع لانہ ھوالذی اعطی العلماء تلک المادۃ التی فصلوا بھا ما اجمل فی کلامہ کما ان المنۃ بعدہ لکل دور علٰی من تحتہ فلوقدر ان اھل دور تعدوا من فوقھم الی الدورالذی قبلہ لانقطعت وصلتھم بالشارع ولم یھتدوا لایضاح مشکل ولا تفصیل مجمل، وتامل یااخی لولاان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل بشریعتہ مااجمل فی القراٰن لبقی القراٰن علٰی اجمالہ کما ان الائمۃ المجتھدین لولم یفصلوا ما اجمل فی السنۃ لبقیت السنۃ علٰی اجمالھا وھکذا الٰی عصرناھذا، فلولاان حقیقۃ الاجمال | جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسے ملا تو حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفسیر پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر، اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک، تو اگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کیے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرح |

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳

سارية فی العالم کلّه ماشرحت الکتب ولاترجمت من لسان الٰی لسان ولاوضع العلماء علی الشروح حواشی کالشروح للشروح۔[1]	لکھی جاتی نہ ترجمے ہوتے نہ علماء شرحوں کی شرح (حواشی) لکھتے۔

اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ ونوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل وواقعات تصنیف فرمائی گئیں پھر متون وشروح وحواشی وفتاوٰی وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافہ کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ نصاب الاحتساب وفتاوٰی عالمگیری زمانہ سلطان عالمگیر انار اللہ تعالٰی برہانہ کی تصنیف ہیں ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتب نوازل وواقعات کاتو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یاخاص امام اعظم وصاحبین کانص لاؤتو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون، پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاوٰی اسعدیہ وفتاوٰی حامدیہ و طحطاوی علی مراقی الفلاح وعقود الدریہ وردالمحتار ورسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیامیں ان پر اعتماد ہورہاہے دو اول کے سوایہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں ان میں صدہاوہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل واربعین تک پر اعتماد ہورہاہے کیامائۃ مسائل واربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ وتابعین وائمہ تو بہت بالاہیں عالمگیری وردالمحتار تک کہیں دکھاسکتے ہیں اب ان کے بعد بھی ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹو گراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یاامام ابوحنیفہ یایہ نہ سہی ہدایہ یادر مختار یایہ بھی نہ سہی عالمگیری وطحطاوی وردالمحتار یایہ سب جانے دو شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ، تواسے مجنون سے بہتر اور کیالفظ کہاجاسکتاہے، ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جداہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتبر جانیں اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ وتابعین کی سند مانگیں۔ خطبہ عـــہ میں ذکر عمین شریفین حادث ہے مگر جب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی،

عـــہ: ان کابیان کہ حادث ہو کر مستحب ٹھہریں۔

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل ومما یدلك علی صحۃ ارتباط جمیع اقوام علماء الشریعۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷

درمختار میں ہے:

يندب ذكر الخلفاء الراشدين و العمّين۔[1]	خطبہ میں چاروں خلفاء کرام اور دونوں عم کریم سیدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوبات میں اس لئے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفاء کرام کا ذکر نہ کیا تھا سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔ اذان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے۔ درمختار میں فرمایا:

التسليم بعد الاذان حدث فی ربيع الاٰخر سنة سبع مائة واحدى وثمانين فی عشاء ليلة الاثنين ثم يوم الجمعة ثم بعد عشر سنين حدث فی الكل الا المغرب ثم فيها مرتين وهو بدعة حسنة۔[2]	اذان کے بعد صلوٰۃ بھیجنا ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشاء شب دوشنبہ میں حادث ہوا پھر اذان جمعہ کے بعد بھی صلوٰۃ کہی گئی پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد پھر مغرب میں بھی دوبار کہنی شروع ہوئی اور یہ ان نوپیدا باتوں سے ہے جو شرعًا مستحب ہیں۔

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے اسی وقت کے علماء معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے مجلس میلاد مبارک و قیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگئی ان پر انہیں علماء کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانہ میں ان کا وجود تھا جیسے مجلس مبارک کے لئے امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی وامام خاتم الحفّاظ جلال الدین سیوطی وامام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر رحمہم اللہ تعالٰی جن کے نام وکلام کی تصریح بار بار کردی گئی۔ یونہی مسئلہ قیام میں ان علماء کرام کی سند لی جائے جن کا ذکر شریف آیا ہے وباللہ التوفیق بحمداللہ تعالٰی موافقین اہل حق وانصاف ودین کے لئے یہ کافی ہوگا۔ رہا مخالفین کا نہ ماننا ان کی پروا کیا۔ وہ اور ہی کسے مانتے ہیں کہ ان علماء کرام کو مانیں ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم وجملہ ائمہ دین پر منہ آتے اور اپنے مہمل افہام واوہام کے آگے ان کے اجتہادات عالیہ کو باطل بتاتے اور ان کے ماننے والوں کو معاذاللہ مشرک گمراہ بتاتے ہیں، جو ان میں بظاہر نام تقلید

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۱
[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

لیتے ہیں وہ بھی غیر مقلدین کی طرح اپنے اہوائے باطلہ کے سامنے قرآن وحدیث کی تو سنتے نہیں پھر ائمہ کی کیا گنتی ان کے منہ سے تقلید امام اوران سب کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکین عوام ہے کہ کھلا منکر نہ جانیں ورنہ حالت وہ ہے جوان کے مذہبی قرآن تقویۃ الایمان سے ظاہر جو کہے "اللہ ورسول نے غنی کردیا" وہ مشرک[1]، حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

"اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ"[2]	اللہ ورسول نے انہیں دولتمند کردیا اپنے فضل سے۔

محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک حالانکہ خود قرآن حمید فرماتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے کیا کہا یہ کہ:

"اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾"[3]	میں تمہارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں۔

صرف محمد بخش نام شرک ہوا حالانکہ وہ معنی عطا میں متعین بھی نہیں، بخش بہر وحصہ کو کہتے ہیں توجبریل کہ صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں دین اسمٰعیلی میں کیسے مشرک نہ ہوں گے اور قرآن عظیم کہ اس شرک وہابیت کو ذکر فرما کر مقرر رکھتا ہے کیوں نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیاء نہ جبریل نہ خود رب العلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم وسلم۔ یہ بحث فقیر کے اور رسائل عـــہ میں مفصل ملے گی، یہاں تو اتنا کہنا کافی ہے کہ مخالفین کی نہ ماننے کی پرواکیا ہے انہوں نے اور کسے مانا ہے کہ علماء ہی کو مانیں گے لہٰذا اس مقام اول میں روئے سخن موافقین اہل حق ویقین کی طرف کریں واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین۔ مولٰی عزوجل توفیق دے تو یہاں منصف غیر متعصب کے لئے اسی قدر کافی کہ یہ فعل مبارک اعنی قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام صدہا سال سے بلاد دارالاسلام میں رائج و معمول، اور اکابر ائمہ وعلماء میں مقرر ومقبول، شرع میں اس سے منع مفقود اور بے منع شرع

عـــہ: خصوصًا کتاب مستطاب "اکمال الطامہ علٰی شرک سوی بالامور العامہ" مصحح ۱۲۔

[1] تقویۃ الایمان

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۹

ان الحکم الا للہ [1]، وانما الحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مما عفا عنہ [2]۔	حکم نہیں ہے مگر اللہ تعالٰی کے لئے۔اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا، اور جس پر سکوت فرمایا وہ معاف شدہ چیزوں میں سے ہے (ت)

علی الخصوص حرمین طیبین مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ صلی اللہ تعالٰی علٰی منورھما وبارک وسلم کہ مبدء ومرجع دین وایمان ہیں وہاں کے اکابر علماء ومفتیان مذاہب اربعہ مد تہامدت سے اس فعل کے فاعل وعامل وقائل وقابل ہیں ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا بلکہ بلاشبہہ مستحب ومستحسن ٹھہرایا۔ علامہ عـــہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے سیرت مبارکہ انسان العیون میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعت حسنہ ہے۔اور ارشاد فرماتے ہیں:

قد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عالم الامۃ ومقتدی دینًا وورعًا تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی وتابعہ علٰی ذٰلک مشائخ الاسلام فی عصرہ فقد حکی بعضھم ان الامام السبکی اجتمع عندہ جمع کثیر من علماء عصرہ فانشد فیہ قول الصرصری	بیشک وقت ذکر نام پاک سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمہ اللہ تعالٰی سے پایا گیا جوامت مرحومہ کے عالم اور دین وتقوی میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے معاصرین ائمہ کرام مشائخ الاسلام نے ان کی متابعت کی بعض علماء یعنی انہیں امام اجل کے صاحبزادے امام شیخ الاسلام ابونصر عبدالوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقات کبرٰی میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت

عـــہ: کتب علماء سے قیام کا ثبوت۔

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۴۹، المستدرک للحاکم کتاب الاطعمہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

مدحه صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔ قلیل لمدح المصطفی الخط بالذهب علی ورق من خط احسن من کتب وان تنهض الاشراف عند سماعه قیامًا صفوفا او جثیًا علی الرکب فعند ذٰلك قام الامام السبکی وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر بذٰلك المجلس ویکفی مثل ذٰلك فی الاقتداء۔[1]	کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی۔اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سیدالابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں پڑھے جن کاخلاصہ یہ ہے کہ مدح مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے یہ بھی تھوڑاہے کہ سب سے اچھا خوشنویس ہواس کے ہاتھ سے چاندی کے پتّر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے اورجولوگ شرف دینی رکھتے ہیں، وہ ان کی نعت سن کر صف باندھ کرسروقد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجائیں ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی وجملہ علمائے کرام حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایا اوراس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔علامہ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قدر پیروی کے لئے کفایت کرتاہے انتہی (ت)

اقول: یہ امام صرصری صاحب قصیدہ نعتیہ وہ ہیں جنہیں علامہ محمد بن علی شامی مستند مانعین نے سبیل الہدٰی والرشاد میں اپنے زمانے کاحسان اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کامحب صادق فرمایا اور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی قدس سرہ الشریف کی جلالت شان ورفعت مکان توآفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے یہاں تک کہ مانعین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری فتوے میں ان کا بالاجماع امام جلیل و مجتہد کبیر ہونا تسلیم کرتے ہیں، اوراس زمانے کے اعیان علماء ومشائخ اسلام کاان کے ساتھ اس پر موافقت فرمانا بحمداللہ تعالٰی متبعین سلف صالحین کے لئے ایک کافی سند ہے آخر نہ دیکھاکہ علامہ حلبی نے ارشاد فرمایا اسی قدراقتداء کے لئے بس ہے، عالم کامل عارف باللہ سید سند مولٰینا سید جعفر برزنجی قدس سرہ العزیز جن کارسالہ عقدالجوہر فی مولدالنبی الازہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرمین محترمین ودیگر بلاد دارالاسلام میں رائج ہے اور مستند مانعین مولانا رفیع الدین نے تاریخ الحرمین میں اس رسالے اوران مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثنا لکھی ہے اپنے اسی رسالے مبارکہ میں فرماتے ہیں:

[1] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیته صلی الله علیه وسلم محمدا واحمد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

قد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمة ذوروایة ودرایة فطوبٰی لمن کان تعظیمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم غایة مرامه ومرماہ۔[1]	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکرولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن سمجھا ہے جو صاحب روایۃ و درایۃ تھے توشادمانی اس کے لئے جس کی نہایت مراد ومقصود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

فاضل اجل سیدی جعفر بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح الکوکب الازہر علٰی عقد الجوہر میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔ فقیہ محدث مولانا بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ اثبات قیام میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر ولادۃ سید المرسلین صلی الله تعالٰی علیه وسلم امر لاشك فی استحبابه واستحسانه و ندبه یحصل لفاعله من الثواب الاوفرو الخیر الاکبر لانه تعظیم ای تعظیم للنبی الکریم ذی الخلق العظیم الذی اخرجنا الله به من ظلمات الکفر الی الایمان وخلصنا الله به من نار الجهل الی جنات المعارف والایقان فتعظیمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیه مسارعة الٰی رضاء رب العٰلمین واظهار اقوی شعائر الدین ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب ومن یعظم حرمات الله فهو خیرله عند ربه۔[2]	قرأت مولد شریف میں ذکرولادت شریف سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بیشک مستحب ومستحسن ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر وفضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی تعظیم ان نبی کریم صاحب خُلقِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالٰی ہمیں ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف لایا اوران کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچاکر بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا توحضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العالمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی ترین شعائر دین کاآشکار ہونا اور جو تعظیم کرے شعائر خدا کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔

[1] عقدالجوهر فی مولدالنبی الازهر (مترجم بالاردویة) جامعۃالاسلامیہ لاہور ص ۲۵و۲۶

[2] اثبات القیام

پھر بعد نقل دلائل فرمایا:

فاستفید من مجموع ماذکرنا استحباب القیام له صلی الله تعالٰی علیه وسلم عند ذکرولادته لما فی ذٰلك من التعظیم له صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایقال القیام عندذکرولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم بدعة لانا نقول لیس کل بدعة مذمومة کما اجاب بذٰلك الامام المحقق المولی ابوذرعة العراقی حین سئل عن فعل المولد أمستحب اومکروه وهل ورد فیه شیئ اوفعل به من یقتدی به فاجاب بقوله الولیمة واطعام الطعام مستحب کل وقت فکیف اذا انضم الٰی ذلك السرور بظهورنورالنبوة فی هذاالشهر الشریف ولانعلم ذٰلك عن السلف ولایلزم من کونه بدعة مکروهة فکم من بدعة مستحبة بل واجبة اذا لم تنضم بذٰلك مفسد والله الموفق[1]۔	یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریف کے وقت قیام مستحب ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے کوئی یہ نہ کہے کہ قیام توبدعت ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی، جیسا کہ یہی جواب دیا امام محقق مولی ابوذرعہ عراقی نے، جب ان سے میلاد کو پوچھا تھا کہ مستحب ہے یا مکروہ اور اس میں کچھ وارد ہوا ہے، یا کسی پیشوا نے کی ہے؟ توجواب میں فرمایا ولیمہ اور کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے پھر اس صورت میں کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارکہ میں ظہور نبوت کی خوشی مل جائے، اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں، نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

قداجتمعت الامة المحمدیة من اهل السنة و الجماعة علی استحسان	بیشک امت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ سے اہلسنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ قیام

[1] اثبات القیام

القیام المذکور وقدقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ۔[1]	مستحسن ہے اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

امام علامہ مدالقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جرت عادۃ القوم بقیام الناس اذا انتھٰی المداح الٰی ذکرمولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار السرور التعظیم الخ نقلہ المولی الدمیاطی۔[2]	یعنی عادت قوم کی جاری ہے کہ جب مدح خواں ذکر میلاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بدعت مستحبہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیدائش پر خوشی اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہے الخ (مولٰینا دمیاطی نے اس کو نقل فرمایا۔ت)

علامہ ابوزید رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں:

استحسن القیام عند ذکر الولادۃ۔[3]	ذکر ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے۔

خاتمۃ المحدثین زین الحرم عن الکرم مولانا سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی اپنی کتاب مستطاب الدررالسنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں:

من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفرح بلیلۃ ولادتہ وقرأۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واطعام الطعام وغیرذٰلك ممّا یعتاد الناس فعلہ من انواع البرفان ذٰلك	یعنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم سے حضور کی شب ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت اقدس کے وقت کھڑا ہونا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اوران کے سوا اور نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں کہ یہ سب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

[1] اثبات القیام
[2] اثبات القیام
[3] رسالۃ المیلاد للعلامہ ابی زید

کله من تعظیمه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وقد افردت مسئلة المولد ومایتعلق بهابالتالیف واعتنی بذٰلك کثیرمن العلماء فالفوا فی ذٰلك مصنفات مشحونة بالادلّة والبراهین فلاحاجة لنا الی الاطالة بذٰلک۔[1]	تعظیم سے ہیں اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اوراس کے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علماء دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل وبراہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

شیخ مشائخنا خاتمۃ المحققین امام العلماء سید المدرسین مفتی الحنفیۃ بمکۃ المحمیہ سیدنا بر کتنا علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

القیام عندذکر مولده الاعطر صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم استحسنه جمع من السلف فهو بدعة حسنة۔[2]	ذکر مولد اعطر حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا تو وہ بدعۃ حسنہ ہے۔

پھر علامہ انباری کی موارد الظمآن سے نقل فرماتے ہیں:

قام الامام السبکی وجمیع من بالمجلس وکفی بمثل ذٰلك فی الاقتداء[3] اهملخصًا۔	امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس نے قیام کیا اور اس قدر اقتداء کے لئے بس ہے۔

مولانا جمال عمر قدس سرہ کے اس فتوی پر موافقت فرمائی مولانا صدیق بن عبدالرحمٰن کمال مدرس مسجد حرام اور حضرت علامۃ الوری علم الہدٰی مولانا وشیخنا وبرکتنا السید السند احمد وزین دحلان شافعی اور مولٰینا محمد بن محمد کتبی مکی اور مولٰینا حسین بن ابراہیم مکی مالکی مفتی مالکیہ وغیرھم اکابر علمانے نفعنااللہ تعالٰی بعلومہم آمین۔یہی مولانا حسین دوسری جگہ فرماتے ہیں:

استحسنه کثیر من العلماء وهو حسن	اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا، اور وہ حسن ہے

[1] الدررالسنیه فی الرد علی الوہابیه دار الشفقة استانبول ترکیا ص ۱۸
[2] فتاوٰی جمال بن عمر المکی
[3] فتاوٰی جمال بن عمر المکی

لما یجب علینا تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے۔

مولٰینا محمد بن یحیٰی حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نعم یجب القیام عند ذکر ولادته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذ یحضر روحانیته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعند ذٰلك یجب التعظیم والقیام [2]۔ قوله رحمه اللہ تعالٰی یجب القیام الخ اقول: اراد التاکد فی محل الادب کقول القائل لحبیبه حقك واجب علیّ وھو من المحاورات الشائعة بینھم کمالا یخفی علی من تتبع کلماتھم واما حضور روحانیته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعلی مافصل ونقح ابی و مولائی مقدام العلماء الکرام فی کتابه اذاقة الاٰثام و اللہ تعالٰی اعلم۔	ہاں ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام ضرور ہے کہ روح اقدس حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس وقت تعظیم و قیام ضرور ہوا۔ مولانا علیہ الرحمہ کا قول کہ قیام واجب ہے الخ میں کہتا ہوں اس سے مولانا موصوف نے محل ادب میں تاکید کا ارادہ فرمایا ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے، یہ عربوں میں مشہور محاورات میں سے ہے، جیسا کہ ان کے کلام کے تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں، رہا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روحانیت کا جلوہ گر ہونا، تو اس کی تفصیل و تنقیح علماء کے پیشوا میرے آقا و والد گرامی نے اپنی کتاب اذاقۃ الآثام میں کردی ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مولٰینا عبداللہ بن محمد مفتی حنفیّہ فرماتے ہیں: استحسنه کثیرون [3] (اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا ہے)

1
2
3

شیخ مشائخنا مولانا الامام الاجل الفقیہ المحدث سراج العلماء عبداللہ سراج مکی مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

توارثه الائمة الاعلام واقره الائمة والحکام من غیر نکیر منکرو ردّراد ولهذا کان حسناً ومن یستحق التعظیم غیره صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویکفی اثر عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنهما ماراٰه المسلمون حسناً فهو عندالله حسن[1]۔	یہ قیام مشہور برابر اماموں میں متوارث چلاآتا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برابر رکھا اور کسی نے رَدّوانکار نہ کیا لہٰذا یہ مستحب ٹھہرا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جس چیز کو اہل اسلام نیک سمجھیں وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی نیک ہے۔

اسی طرح مفتی عمر بن ابی بکر شافعی نے اس کے استحباب واستحسان پر تصریح فرمائی۔

فتوائے علمائے حرمین محترمین جس پر مفتی مکہ معظّمہ مولٰینا محمد بن حسین کتبی حنفی اور رئیس العلماء شیخ المدرسین مولانا جمال حنفی اور مفتی مالکیہ مولانا حسین بن ابراہیم مکی اور سیدالمحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مولانا محمد بن محمد غرب شافعی اور مولانا عبدالکریم بن عبدالحکیم حنفی مدنی اور فقیہ جلیل مولانا عبدالجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ منورہ اور مولانا ابراہیم بن محمد خیار حسینی شافعی مدنی کی مہریں ہیں اور اصل فتوٰی مزیّن بخطوط ومواہیر علماء ممدوحین فقیر نے بچشم خود دیکھا اور مدتوں فقیر کے پاس رہا جس میں اکثر مسائل متنازع فیہاپر بحث فرمائی ہے اور دلائل باہرہ مذہب وہابیت کو سراسر باطل ومردود ٹھہرایا ہے، اس میں دربارہ قیام مذکور ہے:

واما قیام اهل الاسلام عند ذکر ولادته علیه الصّلٰوة والسلام فی ذٰلك المحفل اشاعة للتعظیم واظهار	یعنی ذکرولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت اس محفل میں اہل اسلام کا اشاعت تعظیم واظہاراحترام کے لئے قیام کرنا

1

الاحترام فقد صرح فی انسان العیون المشہور بالسیرۃ الحلبیۃ باستحسانہ کذٰلك وقال العلامۃ البرزنجی فی رسالۃ المولد قداستحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو درایۃ وروایۃ فطوبٰی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ[1] انتہی بلفظہ اما الحکم بحرمۃ ذٰلك التعظیم وممانعتہ بدلیل عدم ذکرہ بالخصوص فی السنۃ فھو فاسد عند جمہور المحققین قال فی عین العلم والاسرار بالمساعدۃ فیمالم ینہ عنہ وصار معتادا بعد عصرھم حسنۃ وان کان بدعۃ[2] الخ

اقول: والدلیل علٰی ھذا ماروی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا وموقوفًا ماراٰہ المسلمون حسنًا فھو عنداللہ حسن[3] وقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام خالقوا الناس باخلاقھم رواہ الحاکم وقال صحیح علٰی شرط الشیخین[4]، وقال الامام حجۃ الاسلام فی

بتصریح انسان العیون مشہور بہ سیرت حلبیہ مستحسن ہے۔ اور علامہ برزنجی رسالہ مولد میں فرماتے ہیں قیام وقت ذکر مولد شریف ائمہ ذودرایت وروایت کے نزدیک مستحب ہے توخوشی ہو اسے جس کی غایت مراد ومرام تعظیم حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے **انتہی** اور اس تعظیم کو بدیں وجہ کہ اس خصوصیت کے ساتھ حدیث میں مذکور نہیں حرام و ممنوع کہنا جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے۔ عین العلم میں فرماتے ہیں جس چیز سے شروع میں نہی نہ آئی اور بعد زمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی اس میں موافقت کرکے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ چیز بدعت ہی ہو الخ **میں کہتا ہوں** اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور خود ان کے قول سے مروی ہوئی کہ اہل اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے۔ اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے ان کی عادتوں کے مطابق برتاؤ کرو۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور

---

[1] عقدالجوھر فی مولدالنبی الازھر للبرزنجی (مترجم بالاردویۃ) جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵و۲۶

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت واٰفات اللسان امرت پریس لاہور ص ۴۱۲

[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۷۸

[4] اتحاف السادۃ المتقین، بحوالہ الحاکم، کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

الاحیاء الادب الخامس موافقۃ القوم فی القیام اذا قام واحد منھم فی وجد صادق غیر ریاء اوتکلف اوقام باختیار من غیر وجد فلابد من الموافقۃ فذٰلك من ادب الصحبۃ ولکل قوم رسم ولابد من مخالقۃ الناس باخلاقھم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقًا فیھا حسن العشرۃ و تطییب القلب و قول القائل ان ذٰلك بدعۃ لم یکن فی الصحابۃ فلیس کل مایحکم باباحتہ منقولًا عن الصحابۃ و انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ ماثورۃ ولم ینقل النھی عن شیئ من ھذا وکذٰلك سائر انواع المساعدات اذا قصد بھا تطییب القلب، و اصطلح علیھا جماعۃ، فالاحسن المساعدۃ الافیما ورد فیہ نھی لایقبل التاویل[1] انتھی کلام الامام حجۃ الاسلام باختصار المرام۔

امام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: "پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے قیام میں جب کوئی ان میں سے سچے وجد میں بے نمائش و تکلف یا بلاوجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین اس کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں کہ یہ آداب صحبت سے ہے، اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور خصوصًا جب ان عادتوں میں اچھا برتاؤ اور دلوں کی خوشنودی ہو اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے صحابہ سے ثابت نہیں، تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا حکم دیا جائے وہ صحابہ سے منقول ہو، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کاکاٹ کرے اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی اور ایسے ہی سب مساعدتیں جب ان کے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت نے اس پر اتفاق کرلیا ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے، مگر ان باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں"۔ یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد تھا کہ باختصار منقول ہوا، انتہی۔

[1] احیاء العلوم کتاب السمع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

آخر روضۃ النعیم میں جو فتوائے علماء کرام مطبوع ہوئے ان میں فتوائے ۸ حضرات علماء مدینہ منورہ میں بعد اثبات حسن وخوبی محفل میلاد شریف مذکور:

والحاصل ان مایصنع من الولائم فی المولد الشریف وقرائته بحضرۃ المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادۃ الرسول الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورش ماء الورد والقاء البخور وتزیین المکان وقرأۃ شیئ من القراٰن والصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واظھار الفرح والسرور فلاشبھۃ فی انہ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ شریفۃ مستحسنۃ اذلیس کل بدعۃ حراما، بل قدتکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی الفرق الضالۃ وتعلم النحو وسائر العلوم المعینیۃ علٰی فھم الکتاب والسنۃ کماینبغی، ومندوبۃ کبناء الربط والمدارس، ومباحۃ کالتوسع فی الماکل والمشارب اللذیذۃ والثیاب کما فی شرح المناوی علی جامع الصغیر عن تھذیب النووی فلاینکرھا الامبتدع لااستماع لقولہ بل علی حاکم الاسلام ان یعزرہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی خلاصہ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں ولیمے کرنااور حال ولادت مسلمانوں کو سنانا اور خیرات ومبرات بجالانا اور ذکر ولادت رسول امین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور گلاب چھڑکنا اور خوشبوئیں سلگانا اور مکان آراستہ کرنا اور کچھ قرآن پڑھنا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجنااور فرحت وسرور کا ظاہر کرنا بیشک بدعت حسنہ مستحبہ فضیلت اور شریفہ مستحسنہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رَد کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن وحدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے بنانا، کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیساکہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیاتوان امور کاانکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا، اس کی بات سننا نہ چاہئے بلکہ حاکم اسلام پرواجب ہے کہ اسے سزادے، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] روضۃ النعیم

اس فتوٰی پر مولٰینا عبدالجبار وابراہیم بن خیار وغیرہما تیس ۳۰ علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علمائے مکہ معظّمہ میں میلاد وقیام کا استحباب علمائے سلف سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

فالمنکر لھذا مبتدع بدعة سیئة مذمومة لانکارہ علی شیئ حسن عند اللہ والمسلمین کماجاء فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن والمراد من المسلمین ھٰھنا الذین کملواالاسلام کالعلماء العالمین وعلماء العرب والمصروالشام والروم والاندلس کلھم رواہ حسنا من زمان السلف الی الاٰن فصارالاجماع والامرالذی ثبت بہ اجماع الامة فھو حق لیس بضلال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تجتمع امتی علی الضلالة فعلی حاکم الشرع تعزیر المنکر۔واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	پس مجلس وقیام کا منکر بدعتی ہے اور اس منکر کی بدعت سیئہ و مذمومہ کہ اس نے ایسی چیز پر انکار کیا جو خدا اور اہل اسلام کے نزدیک نیک تھی جیساکہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے اور یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں جیسے علمائے باعمل، اور اس مجلس وقیام کو عرب و مصروشام وروم واندلس کے تمام علمائے سلف نے آج تک مستحسن جانا تو اجماع ہوگیا اور جو امر اجماع امت سے ثابت ہو وہ حق ہے گمراہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پر اجتماع نہیں کرتی۔ پس حاکم شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزا دے۔ واللہ تعالٰی اعلم انتہی۔

اس فتوٰی پر حضرت سید العلماء احمد دحلان مفتی شافعیہ وجناب مستطاب شیخنا وبرکتنا سراج الفضلا مولانا عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیّہ ومولانا حسن مفتی حنابلہ ومولانا محمد شرقی مفتی مالکیہ وغیرہم پینتالیس ۴۵ علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علماء جدہ عــــہ میں مجیب اول مولانا ناصر بن علی بن احمد مجلس میلاد اور اس میں قیام وتعیّن یوم وتزئین مکان واستعمال خوشبو وقرأت قرآن واظہار سرور و اطعام طعام کی نسبت فرماتے ہیں:

بھٰذہ الصورة المجموعة من	جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعًا

عــــہ: فتاوٰی ۱۰ از علمائے جدہ

[1] روضة النعیم

الاشیاء المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعًا لا ینکرھا الامن فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق و البغض لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکیف یسوغ لہ ذٰلك مع قولہ تعالٰی ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب[1]۔	بدعت حسنہ ہے جس کاانکارنہ کرے گا مگروہ جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عداوت ہے اور یہ انکار اسے کیونکر روا ہوگا حالانکہ حق تعالٰی فرماتاہے جو خدا کے شعائروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں عــہ۱۔

مولانا عباس بن جعفر بن صدیق فرماتے ہیں:

ماجاب بہ الشیخ العلامۃ فھو الصواب لایخالفہ الا اھل النفاق ومافی السوال فھو حسن کیف وقد قصد بذٰلك تعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاحرمنا اللہ تعالٰی من زیارۃ فی الدنیا ولامن شفاعۃ فی الاخرٰی ومن انکر من ذٰلك فھو محروم منھما۔[2]	شیخ علامہ ناصر بن احمد بن علی نے جو جواب دیا وہی حق ہے اس کے خلاف نہ کریں گے مگر منافقین، اور جو کچھ سوال میں مذکور ہے سب حسن ہے، اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہوتی ہے، اللہ تعالٰی ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیا میں اور نہ ان کی شفاعت سے آخرت میں، اور جو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے۔ عــہ۲

مولانا احمد فتاح لکھتے ہیں:

اعلم ان ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماوقع من المعجزات والحضور لسماعہ	جان تو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت و معجزات کاذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بیشک سنت ہے مگر یہ ہیئت مجموعی جس میں

عــہ۱: فتوٰی ۹ علماء مکہ معظّمہ ومفتیان مذاہب اربعہ۔

عــہ۲: منکر زیارت وشفاعت سے محروم ہے۔

1

2

سنة بلاشك وريب لكن من هٰذه الصورة المجموعة من الاشياء المذكورة كما هو المعمول فی الحرمين الشريفين وجميع ديار العرب بدعة حسنة مستحبة يثاب فاعلها ويعاقب منكر ومانعها[1]۔	قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیسا کہ حرمین شریفین اور تمام دیار عرب کا معمول ہے اور یہ بدعت حسنہ مستحبہ ہے جس کے کرنے والے کو ثواب اور منکر ومانع پر عذاب۔

مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں:

نعم اصل ذكر المولد الشريف وسماعه سنة وبهٰذه الكيفية المجموعة بدعة حسنة مستحبة وفضيلة عظيمة مقبولة عندالله تعالٰی كما جاء فی اثر عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ماراٰه المسلمون حسنًا فهو عندالله حسن، والمسلمون من زمان السلف الی الاٰن من اهل العلم والعرفان كلهم رواه حسنا بلا نقصان فلاينكر ولايمنع من ذٰلك الامانع الخيرو الاحسان وذٰلك عمل الشيطٰن۔[2]	ہاں اصل ذکر مولد شریف اور اس کا سننا سنت ہے اور اس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے بدعت حسنہ مستحبہ اور بڑی فضیلت پسندیدہ خدا ہے کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود میں وارد "جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے" اور مسلمان سلف سے آج تک علماء اولیاء سب اسے مستحسن بلا نقصان سمجھتے آئے تو اس سے منع و انکار نہ کرے گا مگر وہ کہ خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہوگا اور یہ کام شیطان کا ہے۔

مولانا احمد جلیس لکھتے ہیں:

الحمدلله وكفٰی والصلٰوة علی المصطفٰی نعم ذكر ولادة النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم ومعجزة وحلية والحضور	خدا کو حمد ہے اور وہ کافی ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود۔ ہاں ولادت و معجزات وحلیہ شریفہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور

1

2

لسماعه وتزیین المکان ورش ماء الورد والبخور بالعود تعین الیوم والقیام عند ذکر ولادته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واطعام الطعام وتقسیم التمرو قرائة شیئ من القراٰن کلها مستحبة بلاشك وریب واللہ تعالٰی اعلم بالغیب۔[1]	اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکنا اور اگر بتی سلگانا، اور دن مقرر کرنا اور ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھنا بلاشک وشبہہ مستحب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالغیب۔

مولانا محمد صالح لکھتے ہیں:

امّۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من العرب والمصر و الشام والروم والاندلس وجمیع بلاد الاسلام مجتمع علی استحبابه واستحسانه[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت عرب ومصر وشام وروس وروم واندلس وتمام بلاد اسلام اس کے استحباب واستحسان پر اجماع واتفاق کئے ہوئے ہے۔

اور اسی طرح احمد بن عثمان واحمد بن عجلان ومحمد صدقہ وعبدالرحیم بن محمد زبیدی نے لکھا اور تصدیق کیا تھا، فتاوائے علمائے جدّہ میں مولانا یحیٰی بن اکرم فرماتے ہیں:

الّف فی ذٰلك العلماء وحثوا علٰی فعله فقالوا لاینکرها الامبتدع فعلٰی حاکم الشریعة ان یعزره۔[3]	علماء نے اس بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دی اور فرمایا اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی، توحاکم شرع پر اس کی تعزیر لازم۔

مولانا علی شامی فرماتے ہیں:

لاینکر هذا الا من طبع اللہ علٰی قلبه وقد نص علماء السنة علٰی	اس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ جس کے دل پر خدا نے مہر کردی اور بیشک علمائے اہلسنت نے

1
2
3

ان ھذا من المستحسن المثاب علیہ وردّ وارد الحسن علٰی منکرہ[1] الخ۔	صریح فرمائی کہ یہ مستحسن و کارِ ثواب ہے منکر کا خوب رَد فرمایا۔

مولانا علی بن عبداللہ لکھتے ہیں:

لایشك فیہ الا مبتدع یلیق بہ التعزیر[2]۔	اس میں شک وہی کرے گا جو بدعتی قابل سزا ہوگا۔ عـــہ۱

مولانا علی طحان لکھتے ہیں:

قرائۃ المولد الشریف والقیام فیہ مستحب ومن انکر ذٰلك فھو جحود لایعرف مراتب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[3]	مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں۔ عـــہ۲

مولانا محمد بن داؤد بن عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

مستحب یثاب فاعلہ ولاینکرہ الا متبدع۔[4]	مستحب کرنے والا ثواب پائے گا اور منکر بدعتی ہوگا۔

مولانا محمد بن عبداللہ لکھتے ہیں:

قرائۃ المولد الشریف والقیام عند ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکل شیئ فی السوال حسن بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن یستحق التعظیم غیرہ۔[5]	مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں یہ سب تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حسن ہیں اور حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے۔

مولانا احمد بن خلیل لکھتے ہیں:

ھو الصواب اللائق بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعلٰی حاکم الشریعۃ	یہی حق ہے اور تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مناسب۔ پس حاکم شریعۃ مطہرہ پر لازم

عـــہ۱: منکر واجب التعزیر ہے۔ عـــہ۲ منکر کو رسالت کی قدر نہیں۔

1
2
3
4
5

کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے۔ عـــہ۱	المطهرة زجر من انکر وتعزیره[1]۔

مولانا عبدالرحمٰن بن علوی حضرمی لکھتے ہیں:

علماء نے فتوٰی وقت ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور کی تعظیم کے لئے قیام مستحسن سمجھا اور جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ٹھہری تو اس کا ادا کرنا اور بجالانا ہم پر واجب ہوگیا اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی مخالف طریقہ اہلسنت وجماعت جس کی بات نہ سننے کے قابل نہ توجہ کے لائق، اور حاکم اسلام پر اس عـــہ۲ کی تعزیر واجب ہے۔	استحسنو القیام تعظیماله اذاجاء ذکر مولده صلی الله تعالٰی علیه وسلم وماصار تعظیماله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فوجب علینا اداؤه والقیام به ولاینکر ما ذکرنا الامبتدع مخالف عن طریق اهل السنة و الجماعة لااستماع واصغاء لکلامه وعلٰی حاکم الاسلام تعزیره۔[2]

بالجملہ سردست اس قدر کتب فتاوٰی وافعال واقوال علماء ائمہ سے اس قیام مبارک کے استحسان واستحباب کی سند صریح حاضر ہے جس میں سو ۱۰۰ سے زائد ائمہ وعلماء کی تحقیق وتصدیق روشن وظاہر اور رسالہ غایۃ المرام میں علمائے ہند کے فتوے چھپے ہیں پچاس ۵۰ سے زیادہ مہرود ستخط ہیں اب منصف انصاف کرے آیا اس قدر علماء ۱مکہ معظمہ و ۲مدینہ منورہ و ۳جدہ ۴وحدیدہ و ۵روم و ۶شام و ۷مصر و ۸دمیاط و ۹یمن و ۱۰زبید و ۱۱بصرہ و ۱۲حضر موت و ۱۳حلب و ۱۴حبش و ۱۵برزنج و ۱۶برع و ۱۷کرد و ۱۸داغستان و ۱۹اندلس و ۲۰ہند کا اتفاق قابل قبول ارباب عقول نہ ہوگا، یامعاذاللہ یہ عمائد شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب مبتدع وبدمذہب، اور ایک بدعت ضلالت کے مستحب و مستحسن ماننے والے ٹھہریں گے، تعصب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات اِیں وآں سے رہائی دیجئے اور آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے کہ گویا یہ سیکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں اور ان کے حضور مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب عمائد نے ایک زبان ہوکر بلند آواز سے فرمایا ہے، بیشک مستحب ہے، وہ کون ہے جو اسے برا کہتا ہے، ذرا ہمارے سامنے آئے، اس وقت ان کی

عـــہ۱: منکر واجب التعزیر ہے۔ عـــہ۲: منکر واجب التعزیر ہے۔

1

2

شوکت وجبروت کو خیال کیجئے اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھئے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جاکر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے اور یوں تو: ؎

چوں شیراں برفتند از مرغزار زندروبہ لنگ لاف شکار[1]

(جب جنگلات اور سبزہ زار سے شیر چلے جائیں تو لنگڑی لومڑی بھی شکار کی ڈینگیں مارنے لگتی ہے۔ت)

جسے چاہئے کہہ دیجئے کہ وہ کیا تھا ہم ان کی کب مانتے ہیں، ان کا قول کیا حجت ہوسکتا ہے، یہ بھی نہ سہی، بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیان مسئلہ میں غلطی وخطا ہوجائے تو نقل وروایت میں تو معاذاللہ کذب وافتراء نہ کریں گے، اب اوپر کی عبارتیں دیکھئے کہ کتنے علمائے اہلسنت وجماعت وعلمائے بلاد دارالاسلام کا اس فعل کے استحباب واستحسان پر اجماع نقل کیا ہے، کیا اجماع اہلسنت بھی پایہ قبول سے ساقط، اور ہنوز دلیل وسند کی حاجت باقی ہے، اچھا یہ بھی جانے دو، اور چند ہندیوں کا خلاف کہ وہ بھی جب یہاں کسی طرح کا دینی بندوبست ونظام نہ رہا اور ہر ایک کو جو منہ پر آئے بک دینے کا اختیار ملا وقت وموقع پاکر بہک اٹھے ہیں، قادح اجماع جانو، تاہم ہماری طرف سواد اعظم میں تو شک نہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔[2]	بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا۔

اور فرماتے ہیں:

انما یاکل الذئب القاصیۃ۔[3]	بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے۔

انصاف کیجئے تو حضرت امام اجل محقق اعظم سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علماء واعیان قضاۃ ومشائخ اسلام کا قیام ہی مسلمانوں کے لئے حجت کافیہ تھا

1

2 المستدرک للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/۱۱۶-۱۱۵

3 السنن الکبرٰی کتاب الصلٰوۃ باب فرض الجماعۃ فی غیر الجمعہ علی الکفایۃ دار صادر بیروت ۳/ ۵۴

جس کے بعد اور سند کی احتیاج نہ تھی، جیسا کہ علامہ جلیل علی بن برہان حلبی وعلامہ انباری وغیرہما علماء نے تصریح فرمائی نہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ قیام تمام بلاد دارالاسلام کے خواص وعوام میں صدہا سال سے شائع وذائع ہے اور ہزار ہا علماء واولیاء اس پر اتفاق واجماع فرمائیں جب بھی آپ صاحبوں کے نزدیک لائق تسلیم نہ ہو، صدحیف ہزار افسوس کہ قرنہا قرن سے علمائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب معاذاللہ بدعتی وگمراہ وخطاکار ٹھہریں اور سچے پکے سنی بنیں تو یہ چند ہندی جنہیں اس ملک میں احکام اسلام جاری نہ ہونے نے ڈھیلی باگ کردی " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ "[1] (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت)

ف۱ یہ مجمل تحقیق استحباب قیام پر صرف ایک دلیل کی، اس کے سوا دلائل متکاثرہ وحجج باہرہ وبراہین قاہرہ قرآن وحدیث واصول وقواعد شرع سے اس پر قائم ہیں جن کی تفصیل وتوضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل وتفضیح پر طرز بدیع ونہج نجیح حضرت حجۃ الاسلام بقیۃ السلف تاج العلماء راس الکملا سیدی ومولائی خدمت والد ماجد حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی نے رسالہ مستطابہ **اذاقۃ الاٰثام لمانعی عمل المولد والقیام** میں بمالامزید علیہ بیان فرمائی، جسے تحقیق عدیل وتدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو اسے مژدہ دیجئے کہ اس پاک مبارک رسالہ کے مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو، رہا یہ کہ قیام ذکر ولادت شریف کے وقت کیوں ہے، اس کی وجہ نہایت روشن، اولاً صدہا سال سے علماء کرام وبلاد دارالاسلام میں یونہی معمول، ثانیاً ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم مثل ذات اقدس کے ہے اور صور تعظیم سے ایک صورت قیام بھی ہے اور یہ صورت وقت قدوم معظم بجالائی جاتی ہے اور ذکر ولادت شریف حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

لطیفہ نظیفہ: ہمارے ف۲ فرقہ اہلسنت وجماعت پر رحمت الٰہیہ کی تمامی سے ہے کہ اس مسئلہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

ف۱: تحقیق ذکر ولادت شریفہ

ف۲: ایک بڑے وہابی میاں نذر حسین دہلوی کا کلام اور اس سے ڈنکے کی چوٹ ثبوت قیام۔

میں بہت منکرین کو اپنے گھر بھی جائے دست و پا زدن باقی نہیں وہ بزورِ زبان قیام کو بدعت و ناجائز کہے جاتے ہیں مگر ان کے امام تو مولٰی و مرشد و آقا مجتہد الطائفہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کہ آج وہابیہ ہندوستان کے سروسردار اور ان کے یہاں لقب شیخ الکل فی الکل کے سزاوار ہیں جن کی نسبت وہابیہ ہند کی ناک طائفہ بھر کے بڑے متکلم بیباک کشور توہب کے افسر فوجی میاں بشیر الدین صاحب قنوجی نے اپنے رسالہ ممانعت مجلس و قیام مسمّٰی بہ غایۃ الکلام میں لکھا:

زبدۃ المحققین و عمدۃ المحدثین و مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی از اولیائے عصر و اکابر علمائے این زمان ست[1] الٰی آخرا لہذیان۔	محققین میں افضل اور محدثین کے معتمد مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی اس زمانے کے اولیاء واکابر علماء میں سے ہیں۔ خرافات کے آخر تک۔ (ت)

یہ حضرت من حیث لایشعر جواز و استحباب قیام تسلیم فرماچکے، امام اجل عالم الامہ کاشف الغمہ سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور ان کے حضار مجلس کا نعت و ذکر حضور اصطفا علیہ افضل التحیۃ والثناء سن کر قیام فرمانا تو ہم اوپر ثابت کر آئے اور اس سے ملا مجتہد دہلوی بھی انکار نہیں کرسکتے کہ خود اسی مسئلہ میں ان کے مستند علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی سبل الہدٰی والرشاد میں یہ حکایت نقل فرمائی اب سنئے کہ مجتہد بہادر اپنے ایک دستخطی مہری مصدقہ فتوٰی میں کہ فقیر کے پاس اصلی موجود ہے کیا کچھ تسلیم فرماتے ہیں ان امام ہمام کی نسبت لکھا ہے: تقی الدین سبکی کے اجتہاد پر علماء کا اجماع ہے۔ امام علامہ مجتہد ابن حجر مکی ان کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الامام المجمع علی جلالتہ واجتہادہ[2]۔	وہ امام جن کی جلالت واجتہاد پر اجماع ہے۔ (ت)

یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ امام تقی الدین کا مجتہد ہونا ان تیرہ صدی کے مجتہد کو مقبول ہے اور اسی فتوے میں ہے جب ایک امام صحیح الاجتہاد نے ایک کام تو کیا ضرور ہے کہ اس کا اجتہاد اس کی طرف مؤدی ہوا اور اجتہاد بیشک حجت شرعیہ ہے۔ اب کیا کلام رہا کہ اس قیام کے جواز پر حجت شرعیہ قائم، اور سنئے اسی فتوٰی میں ہے جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہوسکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت

[1] غایۃ الکلام بشیر الدین القنوجی

[2] فتاوٰی حدیثیہ مطلب فیما جری من ابن تیمیہ الخ مطبع جمالیہ مصر ص ۸۵

نہیں ٹھہر سکتا، جوایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے کہ مجتہد چاہے اگلا ہو یا پچھلا وہ تو مظہر حکم خدا ہے، نہ مثبت۔اب تو ماننا پڑے گا کہ جو شخص قیام کو بدعت وضلالت کہے وہ خود خبیث بدعتی احبار ورہبان پرست ہے۔اور سنئے تمام لطائف جوایسی جگہ اس خبط پر ناز کرتا تھا کہ یہ قیام حادث ہے اور حدیث میں محدثات کی مذمت وارد۔مجتہد صاحب نے یہ دروازہ بھی بند کردیا کہ اسی فتوے میں ہے خدا نے مجتہدوں کواس لئے بنایا ہے کہ جوواقعہ تازہ پیدا ہواس کا حکم بیان کریں تواس کا اماموں پر طعنہ بعینہٖ قرآن وحدیث پر طعن ہے اور ایسی جگہ حدیث من احدث الخ پڑھنااول تو جھوٹ دوسرے کتناب محل الخ اس مقام کا زیادہ احقاق وکمال اور دلائل مانعین کا ازہاق وابطال فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے رسالہ الصارم الالٰھی علٰی عمائد المشرب الواھی پر محمول کہ رَدفتوائے مولوی نذیر حسین دہلوی میں زیر قصد تالیف ہے وہاں ان شاء اللہ العزیز فیض الٰہی نئے طور سے بندہ اذل ارذل کے لئے کارفرمائے عنایت ہوگا جوکچھ لکھاجائے گا محض اقرار واعتراف عمائد فرقہ سے مثبت ہوگا، **واللہ الموفق والمعین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والااور مدد کرنے والا ہے۔بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ توگناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ت)

مقام دوم: اس مقام کی شرح وتفصیل مفضی نہایت اطناب وتطویل کہ اگراس کاایک حصہ بیان میں آئے توکتاب مستقل ہوجائے معہذا ہمارے علمائے عرب وعجم بحمداللہ اس سے فارغ ہوچکے کوئی دقیقہ احقاق حق وابطال کا اٹھانہ رکھا علی الخصوص حضرت حامی سنن وماحی الفتن حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سیدی خدمت والدم روّح اللہ روحہ ونوّر ضریحہ نے کتاب مستطاب **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** میں وہ تحقیقات بدیعہ وتدقیقات منیعہ ارشاد فرمائیں جن کے بعدان شاء اللہ تعالٰی حق کے لیے نہیں مگر غایت انجلاء بیان باطل کو نصیب نہیں مگر بے موت بے امان، **والحمدللہ رب العالمین**، لہٰذا فقیر یہاں چنداجمالی نکتوں پر بر سبیل اشارہ وایماء اکتفا کرتا ہے اگراسی قدر چشم انصاف میں پسندآیا فبہا ورنہ ان شاء اللہ تعالٰی فقیر تفصیل وتکمیل کے لئے حاضر **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اور نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی، اور نہ ہی نیکی کرنے کی مگر بلندی، عظمت اور قدرت والے معبود کی توفیق سے۔ت)

نکتہ اف: اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہرہ سے ثابت اور اس کی

ف: نکتہ ا: اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

برائی پر دلیل شرعی ناطق، صرف وہی ممنوع ومذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز ومباح رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص جس فعل کو ناجائز وحرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے اور جائز ومباح کہنے والوں کو ہر گز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال مااحل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرّم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مماعفاعنہ۔[1]	حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔

مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔[2]	اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔

شیخ شرح میں فرماتے ہیں:

وایں دلیل ست بر آنکہ اصل دراشیاء اباحت است۔[3]	یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (ت)

نصر کتاب الحجۃ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اللہ عزوجل خلقکم وھو اعلم بضعفکم فبعث الیکم رسولا من انفسکم وانزل علیکم کتابا وحدلکم	بیشک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیا اور وہ تمہاری ناتوانی جانتا تھا تو تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا، اور تم پر ایک کتاب اتاری اور اس

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۹، المستدرك للحاکم کتاب الاطعمہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الاطعمہ تحت حدیث ۴۲۲۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۷

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الاطعمہ الفصل الثانی تحت حدیث ۴۲۲۸ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۰۶

فیہ حدودا امرکم ان لاتعتدوھا وفرض فرائض امرکم ان تتبعوھا وحرم حرمات نھاکم ان تنتھوھا وترك اشیاء لم یدعھا نسیئًا فلاتکلفوھا و انما ترکھا رحمۃ لکم۔[1]	میں تمہارے لئے کچھ حدیں باندھیں اور تمہیں حکم دیا کہ ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ فرض کئے اور تمہیں حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اور تمہیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑ دیں کہ بھول کر نہ چھوڑیں ان میں تکلف نہ کرو اور اس نے تم پر رحمت ہی کے لئے انہیں چھوڑا ہے۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔[2]	یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کردو کہ حرمت و کراہت کے لئے دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں:

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھوالصحۃ واما القول بالفساد اوالکراھۃ فیحتاج الٰی حجۃ من الکتاب والسّنّۃ اواجماع الامۃ۔[3]	یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

اور اس کے لئے بہت آیات وحدیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف وخلف کے کلام میں اس کی تصریح موجود، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری دستخطی میں ہے "او مدہوش بے عقل، خدا اور رسول کا جائز نہ کہنا اور بات ہے اور ناجائز کہنا اور بات۔ یہ بتاؤ کہ تم جو ناجائز کہتے ہو خدا اور رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے۔[4]" الخ اھ ملخصًا۔

---

[1] کتاب الحجۃ

[2] ردالمحتار بحوالہ الصلح بین الاخوان کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

[3] رسالہ الاقتداء بالمخالف

[4] فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

پس مجلس میلاد و قیام وغیرہا بہت امور متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں، شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے دلیل ہے تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم مجتہد بہادر عقل وہوش سے جدائی ہے، ہاں تم جو ناجائز وممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا اور سول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز کہا ہے اور ثبوت نہ دو ان شاء اللہ تعالٰی ہر گز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرع مطہر پر افتراء کیا،

" اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ "[1]	بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

سبحان اللہ الٹا سند کا مطالبہ ہم سے۔

نکتہ ۲ ف: عموم واطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک علماء میں شائع وذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے:

شاع وذاع احتجاجهم سلفًا وخلفًا بالعمومات من غير نكير۔[2]	متقدمین ومتاخرین کا عمومات سے استدلال کرنا بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے (ت)

اسی میں ہے:

العمل بالمطلق يقتضى الاطلاق۔[3]	مطلق پر عمل کرنا اطلاق کا تقاضا کرتا ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] مسلم الثبوت الفصل الخامس مسئلۃ للعموم صیغ مطبع انصاری دہلی ص ۷۳

[3] مسلم الثبوت فصل المطلق مادل علی فرد منتشر مطبع انصاری دہلی ۱۱۹

ف: نکتہ ۲: مطلق حکم اس کی تمام خصوصیتوں میں جاری رہتا ہے۔

تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے:

العمل بہ ان یجری فی کل ماصدق علیہ المطلق۔[1]	اس پر عمل کرنا یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز میں جاری ہو جس پر مطلق صادق آتا ہے(ت)

یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے: "جب عام و مطلق چھوڑا تو یقینا اپنے عموم واطلاق پر رہے گا عموم واطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابہ کرام سے آج تک بلا نکیر رائج ہے۔"[2] اب سنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرع سے مطلقاً ثابت،

قال اللہ تعالٰی "اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ(۴۱)"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:)خدا کو یاد کرو بہت یاد کرنا۔

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء ف واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، معہذا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد مجالس ومحافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک وتعالٰی نے انہیں یہ مراتب بخشے یہ کمال عطا فرمائے، اب چاہے اسے نعت سمجھ لو یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے جنہیں حق سبحانہ وتعالٰی نے ایسے درجے دیئے اس وقت یہ کلام کریمہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍؕ"[4] (اور کوئی وہ ہے جس کو سب پر درجوں بلند کیا۔ت) کی قبیل سے ہوگا، چاہے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے اس وقت یہ کلام کریمہ "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ"[5] (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ت) وآیۃ کریمہ "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى"[6] (وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ت) کے طور پر ہو جائے گا۔ حق سبحانہ وتعالٰی اپنے

1

2 فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

3 القرآن الکریم ۳۳/ ۴۱

4 القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

5 القرآن الکریم ۱۷/ ۱

6 القرآن الکریم ۹/ ۳۳

ف: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بعینہٖ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴ "[1] (اور بلند کیا ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر۔) امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں:

جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك ذکرنی۔[2]	یعنی حق تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا تو جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرسکتا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے پس بحکم اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن ومحمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد وصلوٰۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لئے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی ہاں جو کوئی ان طرق کو ممنوع کہے وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے، اسی طرح نعمت الٰہی کے بیان واظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا،

قال اللہ تعالٰی "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ "[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔

اور ولادت اقدس حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اس کے خوب بیان واظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا اور بیان واظہار مجمع میں بخوبی ہوگا تو ضرور چاہیئے کہ جس قدر ہوسکے لوگ جمع کئے جائیں اور انہیں ذکر ولادت باسعادت سنایا جائے اسی کا نام مجلس میلاد ہے، علٰی ہذا القیاس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت، قال اللہ تعالٰی:

"اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝۸ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ "[4]	اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم کرو۔

[1] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الاول الفصل الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۱/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

وقال تعالٰی "وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾"[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بیشک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔
قال "وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ"۔[2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حسن ومحمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لئے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہوجائے گی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا، اسی لئے علامہ ابن حجر مکی جوہر منظّم میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم ۔[3]	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالٰی کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔

پس یہ قیام فـــ۱ کہ وقت ذکر ولادت شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم واکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجا لاتے ہیں بیشک حسن ومحمود ٹھہرے گا تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی برائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں وانّٰی لھم ذٰلک (اور یہ ان کے لئے کہاں سے ہوگا۔ت)

تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین وتبع تابعین تو درکنار خود قرآن عظیم سے مجلس وقیام کی خوبی ثابت ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔

نکتہ ۳ فـــ۲: ہم پوچھتے ہیں تمہارے نزدیک کسی فعل کے لئے رخصت یا ممانعت ماننا اس پر موقوف

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

[3] الجوہر المنظم مقدمہ فی آداب السفر الفصل الاول المکتبۃ القادریۃ فی الجامعۃ النظامیہ لاہور ص ۱۲

ف۱: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا نفیس طریقہ۔

ف۲: نکتہ ۳: منکروں کی عجیب ہٹ دھرمی۔

کہ قرآن وحدیث میں اس کا نام لے کر جائز کہا یا منع کیا ہو یا اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ کسی عام یا مطلق مامور بہ یا عام یا مطلق منہی عنہ کے تحت میں داخل ہونا کفایت کرتا ہے۔ بر تقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس وقیام مجلس کے نام کے ساتھ قرآن وحدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ، بر تقدیر ثانی کیا وجہ کہ ہم سے خصوصیت کا ثبوت مانگتے ہو اور باآنکہ یہ افعال اطلاقات ذکر و تحدیث وتعظیم وتوقیر کے تحت میں داخل ہیں جائز نہیں مانتے۔

نکتہ ۴ ف: حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار کہ قرون وزمان کو حاکم شرعی بنایا ہے جو نئی بات کہ قرآن و حدیث میں بایں ہیئت کذائی کہیں اس کا ذکر نہیں جب فلاں زمانے میں ہو تو کچھ بری نہیں اور فلاں زمانے میں ہو تو ضلالت و گمراہی، حالانکہ شرعًا وعقلًا کسی طرح زمانہ کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح پر قابو نہیں، نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانے میں ہو برا ہے، آخر بلوائے مصر وواقعہ کربلا وحادثہ حرہ وبدعات خوارج وشناعات روافض و خباثات نواصب وخرافات معتزلہ وغیرہا امور شنیعہ زمانہ صحابہ وتابعین میں حادث ہوئے مگر معاذاللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے اور بنائے مدارس وتصنیف کتب وتدوین علوم ورَد مبتدعین وتعلیم نحو وصرف وطریق اذکار وصور اشغال اولیائے سلاسل قدست اسرارہم وغیرہا امور حسنہ ان کے بعد شائع ہوئے مگر عیاذًا باللہ اس وجہ سے بدعت نہیں قرار پا سکتے، اس کا مدار نفس فعل کے حسن وقبح پر ہے، جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن وحدیث سے ثابت وہ بیشک حسن ہوگا چاہے کہیں واقع ہو اور جس کام کی برائی تصریحًا یا تلویحًا وارد وہ بیشک قبیح ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو جمہور محققین ائمہ وعلمانے اس قاعدے کی تصریح فرمائی اگرچہ منکرین براہ سینہ زوری نہ مانیں۔ امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ "کسی چیز کا نوپیدا ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جبکہ ان کے ساتھ کوئی مفسدہ شرعیہ نہ ہو[1]"۔ اسی طرح امام علامہ مرشد ملت حکیم امت سیدنا ومولانا حجۃ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بھی اوپر مذکور کہ "صحابہ سے منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کارَد کرے[2]" اور کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] اثبات القیام

[2] احیاء العلوم کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبع المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

ف: نکتہ ۴: منکرین کی حماقت کہ انہوں نے زمانہ کو حکم بنایا ہے۔

ایں ہمہ گرچہ بدعت ست واز صحابہ وتابعین نقل نہ کردہ اند لیکن نہ ہرچہ بدعت بودنہ شاید کہ بسیاری بدعت نیکو باشد پس بدعت مذموم آں بود کہ بر مخالفت سنّت بود[1]۔	یہ سب امور اگرچہ نوپید ہیں اور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول نہیں ہیں مگر ایسا بھی نہیں، ہر نئی بات نا جائز ہو کیونکہ بہت ساری نئی باتیں اچھی ہیں، چنانچہ مذموم بدعت وہ ہوگی جو سنت رسول کے مخالف ہو۔ (ت)

امام بیہقی وغیرہ علماء حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

المحدثات من الامور ضربان احدھما احدث مما یخالف کتابًا اوسنّةً اواثرًا اواجماعًا فھٰذہ البدعة ضالة والثانی ما احدث من الخیر ولاخلاف فیہ لواحد من ھٰذہ وھی غیر مذمومة۔[2]	نوپیدا باتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ ہیں کہ قرآن یا احادیث یا آثار اجماع کے خلاف نکالی جائیں یہ تو بدعت وگمراہی ہے، دوسرے وہ اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

والبدعة ان کانت مماتندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی حسنة وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحة الافھی من قسم المباح۔[3]	بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔ اب مجلس وقیام وغیرہما امور متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں نہ تھے لہٰذا ممنوع ہیں محض باطل ہوگیا، ہاں اس وقت ممنوع ہو سکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعًا کوئی برائی ہے ورنہ اگر

[1] کیمیائے سعادت رکن دوم اصل ہشتم باب دوم انتشارات گنجینہ ایران ص ۳۸۸-۸۹

[2] القول المفید للشوکانی باب ابطال التقلید ۱/ ۷۸

[3] فتح الباری کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۵۶-۵۷

کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود، اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے شرعاً محمود ہوتا ہے **کما فی البحر الرائق وغیرہ** (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ت) کیوں کیسے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ ان افعال کی سند زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے مانگنا کس قدر نادانی وجہالت تھا **والحمدﷲ** (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت)

نکتہ ۵ ف: بڑی مستندان حضرات کی حدیث:

خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم[1]۔	سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والوں کا پھر ان کے بعد والوں کا۔(ت) ہے۔

اس میں **بحمداللہ** ان کے مطلب کی بو بھی نہیں، حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر دوسرا پھر تیسرا، اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن پروری اور خواہی نخواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہو جائے گا، اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا اگرچہ کسی اصل شرعی یا عام مطلق مامور بہ کے تحت میں داخل ہو شنیع ومذموم ٹھہرے گا، جو اس کے ثبوت کا دعوی رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے۔اے عزیز! یہ تو بالبداہۃ باطل کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں شر مطلقًا نہ تھا نہ ان کے بعد خیر مطلقًا رہی، ہاں اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خدا ترس متقی پرہیزگار تھے بعد کو فتنے فساد پھیلتے گئے، پھر یہ کن میں، یہ انہیں لوگوں میں جو علم و محبت اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے، ورنہ علمائے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں منبع ومجمع خیر رہے ہیں مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا کم لوگ جاہل رہتے تھے اور جو جاہل تھے وہ علماء کے فرمانبردار، اس لئے شر وفساد کو کم دخل ملتا کہ دین متین دامن علم سے وابستہ ہے اس کے بعد علم کم ہوتا گیا، جہل نے فروغ پایا، جاہلوں نے سرکشی وخودسری اختیار کی، لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا، اب یہ یہیں نہ دیکھ لیجئے کہ صدہا سال سے علمائے دین مجلس وقیام کو مستحب ومستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے، انہیں سرتابیوں نے اس زمانے کو زمانہ شر بنادیا۔ تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں اس زمانہ مابعد کے جہّال کی طرف راجع

[1] جامع الترمذی ابواب الشھادات امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۴

ف: نکتہ ۵: حدیث خیرالقرون قرنی کا مطلب

ہیں ان سے کون استدلال کرتا ہے، نہ ہمارا عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقًا محمود ہوجائے گی۔ کلام علماء میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابرامت مستحب و مستحسن جانیں وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہر شر نہیں ہوتے، والحمدللہ ربّ العٰلمین (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

نکتہ ۶ ف: اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اسی کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے محدثات خیر ٹھہریں اور مابعد کے شر تو اکثر صحابہ و تابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھئے۔

اخرج الحاکم وصححه عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال بعثنی بنو المصطلق الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقالوا سل لنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی من ندفع صدقاتنا بعدک، فقال الٰی ابی بکر قال فان حدث بابی بکر حدث فالی من، فقال الٰی عمر قالوا فان حدث بعمر حدث، فقال الٰی عثمان قالوا فان حدث بعثمٰن حدث فقال ان حدث بعثمان حدث فتبالکم الدھر تبا[1] اھ ملخصًا۔	امام حاکم نے تخریج و تصحیح فرمائی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی مصطلق نے حضور سرور دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ حضور سے پوچھوں حضور کے بعد ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ کسے دیں، فرمایا ابوبکر کو، عرض کی اگر ابوبکر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عمر کو۔ عرض کی اگر عمر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عثمان کو۔ عرض کی اگر عثمان کو کوئی حادثہ منہ دکھائے فرمایا اگر عثمان کا بھی واقعہ ہو تو، فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے ہمیشہ پھر خرابی ہے اھ ملخصًا۔
و اخرج ابونعیم فی الحلیة والطبرانی عن سهل بن ابی حثمة رضی الله تعالٰی عنه فی حدیث طویل قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اتی علی ابی بکر اجله وعمر اجله وعثمٰن اجله فان	(ابونعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک طویل حدیث میں تخریج فرمائی۔ت) حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انتقال کریں ابوبکر و عمر و عثمان تو اگر تجھ سے ہوسکے کہ مرجائے

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة امر النبی صلی الله علیه وسلم لابی بکر باامامة الناس فی الصلوٰة دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

ف: نکتہ ۶: حدیث خیر القرون کی دوسری طرح سے بحث۔

استطعت ان تموت فمت [1]۔ اخرج الطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویحك اذامات عمر فان استطعت ان تموت فمت [2]۔ حسنہ الامام جلال الدین وفی الحدیث قصۃٌ۔	تو مر جانا۔ (طبرانی نے کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج فرمائی، فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس جب عمر مرجائیں تو اگر مر سکے تو مر جانا۔ (امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس کو حسن قرار دیا، اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔ت)

اب تمہارے طور پر چاہئے کہ زمانہ پاک حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بلکہ صرف زمانہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما تک خیر رہے، پھر جو کچھ حادث ہو اگرچہ عین خلافت حقہ راشدہ سیدنا و مولٰینا امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ میں وہ معاذاللہ سب شر و قبیح ومذموم وبدعت ضلالت قرار پائے، خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مزہ یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابل حدیث خیر القرون بھی نہیں لاسکتے کہ تمہارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی انہیں احادیث اور ان کے امثال پر نظر کرکے حدیث خیر القرون کے معنی ہی کچھ اور بتاگئے ہیں، دیکھئے ازالۃ الخفا میں کیا کچھ فرمایا ہے، حدیث خیر القرون ذکر کرکے لکھتے ہیں:

بنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیحی ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست کہ قرن اول از زمانہ ہجرت آنحضرت ست صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تازمانہ وفات وی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تاوفات حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما وقرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی	اس استدلال کی بنیاد ایک صحیح توجیہ پر ہے جس پر اکثر احادیث شاہد ہیں وہ یہ ہے کہ قرن اول حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانے سے آپ کی وفات کے زمانے تک ہے، اور قرن ثانی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ابتدائے خلافت سے وفات فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ہے، اور قرن ثالث سیّدنا

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ سھل بن ابی حثمہ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۱۸۱

عنہ وہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است قرن در لغت قوم متقارنین فی السن بعد ازاں قومے راکہ در ریاست وخلافت مقترن باشد قرن گفتہ شد چوں خلیفہ دیگر باشند ووزرائے حضور دیگر وامرائے امصار دیگر ورؤسائے جیوش دیگر وسپاہان دیگر وحربیان دیگر وذمیان دیگر تفاوت قرون بہم می رسد[1]۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ خلافت ہے اور ہر قرن تقریبًا بارہ سال کا ہے۔قرن لغت میں اس قوم کو کہتے ہیں جو عمر میں قریب قریب ہوں، پھر اس کااطلاق اس قوم پر ہونے لگاجو ریاست وخلافت میں مقترن ہو۔جب خلیفہ دوسرا ہو،اس کے وزراء وامراء، سپہ سالار، فوج، حربی اور ذمی دوسرے ہوں توقرن بدل جاتاہے۔(ت)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قرن اول زمان آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بوداز ہجرت تاوفات وقرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین بعدازاں اختلافہا پدید آمد وفتنہا ظاہر گردیدند[2]۔	قرن اول سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت سے وصال تک کا زمانہ ہے اور قرن ثانی شیخین یعنی صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کازمانہ ہے اور قرن ثالث سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ ہے اس کے بعد اختلافات نمودار ہوئے اور فتنے ظاہر ہوئے۔(ت)

بالجملہ اس قدر میں توشک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے تمہارا استدلال یقینا ساقط۔والحمد للہ رب العالمین۔

نکتہ ۷ف:اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کا موجب ہو کہ اس کے محدثات خیر قرار پائیں توبسم اللہ وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ امام ترمذی نے بسند حسن حضرت انس اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر وسلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بنظر کثرت طرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل امتی مثل المطر لایدری	میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ

---

[1] ازالۃ الخفاء فصل چھارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۷۵

[2] ازالۃ الخفاء فصل چھارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۱

ف: نکتہ ۷: حدیث قرن کا تیسرا جواب۔

اولہ خیر ام اٰخرہ۔[1]	نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔

شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں:

کنایہ است از بودن ہمہ اُمت خیر چنانکہ مطرہمہ خیر ونافع ست۔[2]	یہ تمام امت کے خیر ہونے کی طرف اشارہ جیسا کہ بارش تمام کی تمام خیر اور فائدہ مند ہوتی ہے۔(ت)

امام مسلم اپنی صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی:

لاتزال طائفۃ من امتی قائمۃ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم اوخالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم ظاھرون علی الناس۔[3]	میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا انہیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انہیں چھوڑے گا یا ان کا خلاف کرے گا یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئے گا اس حال میں کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

گماں مبر کہ درزمان شرور ہمہ کس شریر بودہ اند وعنایت ہائے الٰہی در تہذیب نفوس بیکار افتاد بلکہ اینجا اسرار عجیب ست ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند در ہر زمانہ طائفہ را مہبط انوار وبرکات ساختہ اند۔[4]	یہ گمان مت کر کہ برے زمانے کے سب لوگ برے ہوتے ہیں اور عنایات الٰہی ان کی تہذیب نفوس میں بیکار ثابت ہوتی ہے بلکہ اس جگہ عجیب راز ہیں۔ شراب کے تمام عیوب تو تم نے بیان کردیئے کچھ اس کی خوبی بھی بیان کرو۔ عامی کا دل رکھنے کے لئے حکمت کا بالکل انکار نہ کرو۔ قدرت ہر زمانے میں بندگان خدا کے ایک گروہ کو انوار و برکات کا مرکز بناتی ہے۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الامثال ۲/ ۱۱۰ و مسند احمد بن حنبل عن انس بیروت ۳/ ۱۴۳
[2] اشعۃ اللمعات کتاب المناقب والفضائل باب ثواب ہذہ الامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۷۵۳
[3] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳
[4] ازالۃ الخفاء فصل پنجم تنبیہات تتمہ مقصد بالا سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۴۵

کہئے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص، اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علماء وعرفائے مابعد میں بلحاظ اصول عموم واطلاق شائع ہوئے، **والحمدللہ**۔

نکتہ ۸ ف: صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے محاورات ومکالمات دیکھئے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرمارہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانے میں ہونے پر مدار خیریت نہیں، دیکھئے بہت نئی باتیں کہ زمانہ پاک حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھیں ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انہیں بُرا کہتے اور نہایت تشدد وانکار فرماتے اور بہت تازہ باتیں حادث ہوئیں کہ ان کو بدعت ومحدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر وحسن بتاتے۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

نعمت البدعۃ ھٰذہٖ۔[1]	کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نماز چاشت کی نسبت فرماتے ہیں:

انھا بدعۃ ونعمت البدعۃ وانھا لمن احسن ما احدث الناس[2]۔	بے شک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

احدثتم قیام رمضان فدوموا علیہ ولاتترکوہ۔[3]	تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کئے جاؤ اور اسے کبھی نہ چھوڑنا۔

دیکھو یہاں تو صحابہ نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا، اور انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا:

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع۔[4]	نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم فصل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۹

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۴۲۴

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۴۴۶ ۸/ ۲۱۸ والدر المنثور تحت الآیۃ ۵۷/ ۲۷ ۸/ ۶۴

[4] المصنف لعبدالرزاق باب التثویب فی الاذان والاقامۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۷۵

ف: نکتہ ۸: حدیث قرن کا چوتھا جواب۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ بآواز پڑھتے سنا، فرمایا:

اے میرے بیٹے! یہ نوپیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔	ای بنی محدث ایاك والحدث۔[1]

یہ فعل بھی اس زمانہ میں واقع ہوئے تھے انہیں بدعت سیئہ مذمومہ ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا بلکہ نفس فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہٖ زمانہ تابعین وتبع تابعین میں رائج رہاہے۔ اپنے زمانہ کی بعض نوپیدا چیزوں کو منع کرتے بعض کو جائز رکھتے اور اس منع واجازت کے لئے آخر کوئی معیار تھا اور وہ نہ تھا مگر نفس فعل کی بھلائی برائی، تو باتفاق صحابہ وتابعین وتبع تابعین قاعدہ شرعیہ وہ قرار پایا کہ حسن حسن ہے اگرچہ نیا ہو اور قبیح قبیح ہے اگرچہ پرانا ہو، پھر ان کے بعد یہ اصل کیوں کر بدل سکتی ہے، ہماری شرع بحمد اللہ ابدی ہے، جو قاعدے اس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے، معاذ اللہ زید وعمرو کا قانون تو ہے ہی نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔

نکتہ ۹ ف: یہ اعتراض کہ پیشوائے دین نے تو یہ فعل کیا ہی نہیں ہم کیونکر کریں زمانہ صحابہ میں پیش ہو کر رَد ہوچکا اور بفرمان جلیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ وسیدنا فاروق اعظم وغیرہما صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قرار پاچکا کہ بات فی نفسہٖ اچھی ہونا چاہئے اگرچہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا	عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر ابن الخطاب عندہ،

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی ترك الجھر امین کمپنی دہلی ۱/ ۳۳

ف: نکتہ ۹: حدیث قرون کا پانچواں جواب اور اس کا رَد کہ پیشواؤں نے نہ کیا تم کیسے کرتے ہو اور زمانہ صدیق میں وہابیت پر صحابہ کبار کا اتفاق۔

قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرٰان وانی اخشی ان استحر القتل بالقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القراٰن وانی اریٰ ان تأمر بجمع القراٰن قلت لعمر کیف تفعل شیئًا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذٰلک ورأیت فی ذٰلک الذی رأی عمر قال زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لانتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القراٰن واجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علیّ مما امرنی بہ من جمع القراٰن قال قلت لابی بکر کیف	تو فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر حاملان قرآن تیزی سے شہید ہوتے گئے تو قرآن کا ایک بڑا حصہ ختم ہو جائے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں، صدیق اکبر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر کروگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اگرچہ حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں پھر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھ سے اس معاملہ میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ خدا تعالٰی نے میرا سینہ اس امر کے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رائے سے موافق ہو گئی۔ زید بن ثابت نے کہا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا نوجوان مرد عاقل ہو ہم تمہیں متہم بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ تم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن تلاش کرو اور اس کو جمع کرو، اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کو اٹھانے کی تکلیف دیتے تو قرآن جمع کرنے سے جس کا انہوں نے مجھے حکم دیا تھا زیادہ بھاری نہ ہوتا، میں نے کہا وہ کام تم کیسے کروگے جو

تفعلون شیئًا لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال هو واللہ خیر فلم یزل ابوبکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القراٰن واجمعه [1] الحدیث۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ اچھاکام ہے،ابوبکر صدیق میرے ساتھ بحث کرتے رہے حتی کہ اللہ نے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کا سینہ کھولا تھا پھر میں نے قرآن تلاش کرنا اور جمع کرنا شروع کیا۔الحدیث۔

دیکھو زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ یہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا ہم صحابہ ہیں ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے،بلکہ یہی جواب دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کام نہ کیا پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے۔اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔اب غضب کی بات ہے ان حضرات کو سودا اچھلے اور جو بات کہ صحابہ کرام میں طے ہوچکی پھرا کھیڑیں۔

نکتہ ۱۰ ف: جو اعتراض ہم پر کرتے ہیں کہ تم کیا صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت وتعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کچھ انہوں نے نہ کیا تم کرتے ہوئے،لطف یہ ہے کہ بعینہٖ وہی اعتراض اگر قابل تقسیم ہو تو تبع تابعین پر باعتبار تابعین اور تابعین پر باعتبار صحابہ اور صحابہ پر باعتبار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وارد مثلاً جس فعل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین کسی نے نہ کیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہوا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے،ہم کہتے ہیں اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین ہی کرتے تبع تابعین کیا اس سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں جو انہوں نے نہ کیا یہ کریں گے اسی طرح تابعین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہوا اس پر وارد ہوگا کہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کیوں نہ کرتے تابعین کچھ ان سے بڑھ کر ٹھہرے علٰی ہذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ نے کیں انہیں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۵

ف: نکتہ ۱۰:اس کارد کہ تم کیا اگلوں سے محبت وغیرہ میں زیادہ ہو۔

بزہد وورع کوش وصدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰی

(زہد، تقوٰی، سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مت بڑھا۔ت)

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذاللہ ان کی خوبی نہ معلوم ہوئی یا صحابہ کو افعال خیر کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ غرض یہ بات ان مدہوشوں نے ایسی کہی جس کی بناء پر عیاذًا اللہ عیاذًا باللہ تمام صحابہ وتابعین بھی بدعتی ٹھہرے جاتے ہیں مگر اصل وہی ہے کہ نہ کرنا اور بات ہے اور منع کرنا اور چیز۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا تو صحابہ کو کون مانع ہے کہ اسے نہ کریں اور صحابہ نہ کریں تو تابعین کو کون عائق، وہ نہ کریں تو تبع پر الزام نہیں، وہ نہ کریں توہم پر مضائقہ نہیں۔ بس اتنا ہونا چاہئے کہ شرع کے نزدیک وہ کام برا نہ ہو۔ عجب لطف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کا قطعًا نہ کرنا تو حجت نہ ہوا اور تبع کو باوجود ان سب کے نہ کرنے کے اجازت ملی مگر تبع میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ بھی نہ کریں تو اب پچھلوں کے لئے راستہ بند ہوگیا اس بے عقلی کی کچھ بھی حد ہے اس سے تو اپنے یہاں کے ایک بڑے امام نواب صدیق حسن خاں شوہر ریاست بھوپال ہی کا مذہب اختیار کرلو تو بہت اعتراضوں سے بچو کہ انہوں نے بے دھڑک فرمایا "جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا سب بدعت وگمراہی ہے"۔ اب چاہے صحابہ کریں خواہ تابعین کوئی ہو بدعتی ہے یہاں تک کہ بوجہ ترویج تراویح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معاذاللہ گمراہ ٹھہرایا اور اعدائے دین کے پیرومرشد عبداللہ بن سبا کی روح مقبوح کو بہت خوش کیا، انّا للہ وانّا الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت)

مجلس وقیام کا انکار کرتے کرتے کہاں تک نوبت پہنچی اللہ تعالٰی اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

نکتہ ۱۱ف: امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[1]۔	کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

[1] المواھب اللدنیہ

ف: نکتہ ۱۱: نہ کرنا اور ہے اور منع کرنا اور۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگرست و منع فرمودن چیزے دیگر [1] اھ ملخصًا۔	نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

تمہاری جہالت کہ تم نے کسی فعل کے نہ کرنے کو اس فعل سے ممانعت سمجھ رکھا ہے۔

نکتہ ۱۲ ف: سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست،

حقیقت الامر یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کو اعلاء کلمۃ اللہ وحفظ بیضاء اسلام ونشر دین متین وقتل قہر کافرین واصلاح بلاد وعباد واطفائے آتش فساد واشاعت فرائض وحدود الٰہیہ واصلاح ذات البین ومحافظت اصول ایمان وحفظ روایت حدیث وغیرہا امور کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی لہٰذا یہ امر جزئیہ مستحبہ تو کیا معنی بلکہ تاسیس قواعد واصول وتفریع جزئیات وفروع وتصنیف وتدوین علوم ونظم دلائل حق ورد شبہات اہل بدعت وغیرہا امور عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرماسکے۔ جب بفضل اللہ تعالٰی ان کے زور بازو نے دین الٰہی کی بنیاد مستحکم کردی اور مشارق ومغارب میں ملت حنفیّہ کی جڑ جم گئی۔ اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تخت وبخت سازگار پاکر بیخ وبن جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم اور باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کرکے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے اب تو بے خلش صرصر واندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھو دیں۔ ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں۔ علماء واولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لئے تھالے بنیں ہواخواہان دین وملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر باریاں فرمائیں یہاں تک کہ یہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھلا پھولا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں سہانے پتّوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا، الحمدللہ رب العالمین، اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے یہ کنچھیاں جواَب پھوٹیں جب کہاں تھیں، یہ پتیاں جواب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواَب جھومتی ہیں نوپیدا ہیں یہ ننھی ننھی کلیاں جواَب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ، او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم در مطاعن خلفائے ثلثہ طعن ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

ف: نکتہ ۱۲ اصل بات اور اگلے لوگوں میں نہ ہونے کی وجہ۔

محروم رہے گا۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگی اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھِر گئے اور لاکھوں روپوں کا مال واسباب بھی تھا اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا، یہ واقعہ چند بے خرد بھی دیکھ رہے تھے اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی یہاں نرا مال ہی مال تھا۔ کھڑے ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہو گیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے مگر بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا براجان کر چھوڑا تھا۔ اللہ تعالٰی کسی کو اوندھی سمجھ نہ دے۔ آمین!

نکتہ ۱۳ ف۱: ہم نے مانا کہ جو کچھ قرون ثلٰثہ میں نہ تھا سب منع ہے۔ اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں۔ یہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے چندہ لینا اور طلباء کے لئے مطبع نولکشور سے فیصدی دس روپیہ کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور بہ تخصیص روز جمعہ بعد نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا، جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا، دعوتیں اڑانا، مناظروں کے لئے جلسے اور پنچ مقرر کرنا، مخالفین کی رَد میں کتابیں لکھوانا چھپوانا، واعظوں کا شہر بشہر گشت لگانا، صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ اکابر واصاغر طائفہ میں بلانکیر رائج ہیں قرون ثلٰثہ میں کب تھی اور ان پیشوایان فرقہ جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا ہے جو دو دو روپے نذرانہ لے کر مسئلوں پر مہر ثبت کریں، مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتوی، حج کو جائیں تو کمشنر دہلی و بمبئی کی چٹھیاں ضرور ہوں، شاید یہ تین باتیں قرون ثلٰثہ میں تھیں یا تمہارے لئے پروانہ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پر کچھ مواخذہ نہیں یا یہ نکتہ چینیاں انہی باتوں میں ہیں جنہیں تعظیم ومحبت حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علاقہ ہو باقی سب حلال وشیر مادر، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی الاکبر۔

نکتہ ۱۴ (ف۲): واجب الحفظ۔ افسوس! کیا الٹا زمانہ ہے اور امور تعظیم وادب میں سلف صالحین سے آج تک برابر ائمہ دین کا یہی داب رہا کہ ورود وعدم ورود خصوصیات پر نظر نہ کی بلکہ صریحًا

ف۱: نکتہ ۱۳ مسئلہ قرون کا چھٹا جواب وہابیہ کی ہٹ دھرمی۔

ف۲: نکتہ ۱۴ تعظیم محبوبان خدا میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر چاہو نئے طریقے نکالو سب حسن ہیں جب تک کسی خاص طریقے کی شرع میں ممانعت نہ ہو۔

قاعدہ کلیہ بنایا:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔ کما صرح بہ الامام المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس سیدی کمال الملّۃ والدین محمد فی فتح القدیر [1] وتلمیذہ الشیخ رحمہ اللہ السندی فی المنسك المتوسط واقرہ الفاضل القاری فی المسلك المتقسط واثرہ فی العالمگیریۃ وغیرھا۔	جس بات کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے (جیسا کہ امام، محقق علی الاطلاق، فقیہ النفس، میرے آقا، کمال الملۃ والدین محمد نے فتح القدیر میں تصریح فرمائی اور ان کے شاگرد شیخ سندی علیہ الرحمۃ نے منسک المتوسط میں وضاحت فرمائی اور فاضل قاری علیہ الرحمۃ نے اس کو برقرار رکھا اور عالمگیریہ وغیرہ میں اس کو ترجیح دی ہے۔ت)

اور امام ابن حجر کا قول گزرا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہر طرح بہتر ہے جب تک کہ الوہیت اللہ میں شریک نہ ہو، اسی لئے سلفاء وخلفاء جس مسلمان نے کسی نئے طریقے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب کیا اس ایجاد کو علماء نے اس کے مدائح میں شمار کیا نہ یہ کہ معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہرایا یہ بلا انہی مدعیان دین وادب میں پھیلی کہ ہر بات پر پوچھتے ہیں فلاں نے کب کیں فلاں نے کب کیں حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جو فلاں نے کیں نہ فلاں نے کیں مگر یہ بھی طرفہ کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گھٹانے مٹانے کے لئے ایک حیلہ نکال کر زبان سے کہتے جائیں ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر یہ کہ اللہ تعالٰی کے بعد سے زیادہ بزرگی والے آپ ہیں۔ت)

اور بلطائف الحیل جہاں تک بن پڑے اور محبت و تعظیم میں کلام کرتے جائیں آخر ان کا امام اکبر تقویۃ الایمان [2] میں تصریح کرچکا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف ایسے کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں سے کمی کرو یہ ایمان ہے یہ دین ہے اور دعوی ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم،

خیر بات بڑھتی ہے مطلب پر آیئے۔ ہاں تو اگر میں ان امور کا استیعاب کروں جو درباره آداب و تعظیم حادث ہوتے گئے اور اس احداث کو علماء نے موجد کے مدائح سے گنا تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے، لہٰذا چونکہ مثالوں پر اقتصار کر رہا ہوں:

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۲

مثال۱: سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ باآنکہ مثل سیدنا عبداللہ بن عمرو وعبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ اتباع سلف وصحابہ کرام کااحداث میں نہایت ہی اہتمام رکھتے تھے۔اس پر ان کے ایمان ومحبت کاتقاضا ہواکہ ادب وحدیث خوانی میں وہ باتیں علماء کے نزدیک امام مالک کے فضائل جلیلہ سے ٹھہرا اوران کی غایت ادب ومحبت پردلیل قرار پایا۔امام علامہ قاضی عیاض رحمۃاللہ تعالٰی علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

قال مطرف کان اذا اتی الناس مالکا خرجت الیھم الجاریۃ فتقول لھم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث اوالمسائل فان قالوا المسائل خرج الیھم، وان قالوا الحدیث دخل مغتسلہ واغتسل وتطیب ولبس ثیابا جُددا ولبس ساجہ وتعمم وضع علی رأسہ ردائہ وتلقی لہ منصّۃ فیخرج ویجلس علیھا وعلیہ الخشوع لایزال یبخر بالعود حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال غیرہ ولم یکن یجلس علٰی تلك المنصّۃ الا اذا حدث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابن اویس فقیل لہ فی ذٰلك فقال احب وان اعظم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولااحدث بہ الا علٰی طھارۃ متمکنا[1]۔	مطرف نے کہاجب لوگ مالک بن انس کے پاس علم حاصل کرنے آتے ایک کنیزآکرپوچھتی شیخ تم سے فرماتے ہیں تم حدیث سیکھنے آئے ہویافقہ ومسائل؟ اگرانہوں نے جواب دیا فقہ ومسائل،جب توآپ تشریف لاتے اوراگرکہاکہ حدیث، توپہلے غسل فرماتے خوشبولگاتے نئے کپڑے پہنتے طیلسان اوڑھتے اورعمامہ باندھتے چادرسرمبارک پررکھتے ان کے لئے ایک تخت مثل تخت عروس بچھایاجاتا اس وقت باہرتشریف لاتے اوربنہایت خشوع اس پرجلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے تھے اگربتی سلگاتے اوراس تخت پراسی وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا ہوتی۔حضرت سے اس کاسبب پوچھا،فرمایا میں دوست رکھتاہوں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کروں اورمیں حدیث بیان نہیں کرتاجب تک وضو کرکے خوب سکون ووقار کے ساتھ نہ بیٹھوں۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الثانی الباب الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۹،۳۸

مثال ۲: اسی میں ہے:

كان مالك رضى الله تعالٰى عنه لايركب بالمدينة دابة وكان يقول استحى من الله تعالٰى ان اطأتربة فيها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم بحافر دابة[1]۔	امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے تھے مجھے شرم آتی ہے خدائے تعالٰی سے کہ جس زمین میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرما ہوں اسے جانور کے سُم سے روندوں۔

مثال ۳: اسی میں ہے:

قد حكى ابوعبدالرحمٰن السلمى عن احمد بن فضلوية الزاهد وكان من الغزاة الرماة ان عقال ما مسست القوس بيدى الاعلٰى طهارة منذ بلغنى ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اخذ القوس بيده[2]۔	امام ابوعبدالرحمٰن سلمی احمد بن فضلویہ زاہد غازی تیر انداز سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کمان بے وضو ہاتھ سے نہ چھوئی جب سے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کمان دست اقدس میں لی ہے۔

مثال ۴: امام ابن حاج مالکی کہ مستندین مانعین سے ہیں اور احداث کی ممانعت میں نہایت تصلب رکھتے ہیں مدخل میں فرماتے ہیں:

وتقدمت حكاية بعضهم انه جاوربمكة اربعين سنة ولم يبل فى الحرم ولم يضطجع فمثل هذا تستحب له المجاورة اويؤمر بها[3]۔	بعض صالحین چالیس برس مکہ معظّمہ کے مجاور رہے اور کبھی حرم میں پیشاب نہ کیا اور نہ لیٹے۔ ابن الحاج کہتے ہیں ایسے شخص کو مجاورت مستحب یا یوں کہئے کہ اسے مجاورت کا حکم دیا جائے گا۔

مثال ۵: اسی میں ہے:

[1] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۴۸
[2] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۴۸
[3] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ الخ دار الکتب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

وقد جاء بعضھم الی زیارتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم یدخل المدینۃ بل زار من خارجھا ادبا منہ رحمہ اللہ تعالٰی مع نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیل لہ الاتدخل؟ فقال امثلی یدخل بلاد سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لااجد نفسی تقدر علٰی ذٰلك اوکماقال[1]۔	یعنی بعض صالحین زیارت نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوئے تو شہر میں نہ گئے بلکہ باہر سے زیارت کرلی، اور یہ ادب تھا اس مرحوم کا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ، اس پر کسی نے کہا اندر نہیں چلتے، کہا کیا مجھ سا داخل ہو سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر میں، میں اپنے میں اتنی قدرت نہیں پاتا ہوں۔

مثال ۶: اسی میں ہے:

قال لی سید ابومحمد رحمہ اللہ تعالٰی لما ان دخل مسجد المدینۃ ماجلست فی المسجد الالجلوس فی الصلٰوۃ وکلامًا ھذا معناہ ومازلت واقفا ھناك حتی دخل الرکب[2]۔	یعنی مجھ سے میرے سردار ابومحمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا میں جب مسجد مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جب تک رہا مسجد شریف میں قعدہ نماز کے سوا نہ بیٹھا اور برابر حضور میں کھڑا رہا جب تک قافلہ نے کوچ کیا۔

مثال ۷: اس کے متصل انہیں امام سے نقل کرتے ہیں:

ولم اخرج الی بقیع ولاغیرہ ولم ازر غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکان قدخطر لی ان اخرج الی بقیع الغرقد فقلت الی این اذھب، ھذا باب اللہ تعالٰی المفتوح للسائلین والطالبین والمنکسرین والمضطرین والفقراء والمساکین و	میں حضوری چھوڑ کر نہ بقیع کو گیا نہ کہیں اور گیا نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کی زیارت کی، اور ایک دفعہ میرے دل میں آیا تھا کہ زیارت بقیع کو جاؤں پھر میں نے کہا کہاں جاؤں گا یہ ہے اللہ کا دروازہ کھلا ہوا سائلوں اور مانگنے والوں اور دل شکستہ اور بے چاروں اور مسکینوں کے لئے اور وہاں

---

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۹

لیس ثم من یقصد مثله فمن عمل علٰی هذا ظفر ونجح بالمامول والمطلوب او کما قال[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علی وسلم کے سوا کون ہے جس کا قصد کیا جائے، فرماتے ہیں پس جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا۔

اب فقیر سرکار قادریہ غفراللہ تعالٰی لہ بھی اس فتوے کو انہیں مبارک لفظوں پر ختم کرتا ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اور اپنے رب کریم تبارک وتعالٰی کے فضل سے امید رکھتا ہے کہ یہ فتوٰی نہ صرف قیام ہی میں بیان کافی و برہان شافی ہو بلکہ بحول اللہ تعالٰی اکثر مسائل نزاعیہ میں قول فیصل پر مشعل ہدایت ہو جائے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه وسراج افقه سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین، اٰمین، اٰمین، اٰمین!

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

محمدی حنفی سنی قادری عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

نقل عبارات و مواہیر فضلائے بدایوں وعلمائے رامپور وغیرہم

ذٰلك الجواب العجاب هو الصواب لاریب فیه ولا ارتیاب فللّٰه در المجیب المثاب حیث اتی بالتحقیق الحق فیما اجاب۔

العبد محمد گوہر علی عفی عنہ

مولوی گوہر علی ۱۲۹۹

الحمدللّٰه ما اجاب به مولٰینا المحقق واستاذنا المدقق دام فضله ومدظله فهو الحق فلا فریه وخلاف باطل بلامریه۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

عبداللہ عفی عنہ

عبداللہ عفی عنہ ۱۲۹۹

---

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۹

فللّٰہ در المجیب المثاب حیث افاد واطاب واجاد واباد اھل الجحود المستحقین للعقاب۔

محمد ارشاد حسین احمدی ۱۲۹۹

المجیب مصیب ویثاب والجواب صحیح وصواب۔

حررہ الفقیر الحقیر المظفر مطیع رسول اللہ القادر المدعو بمحمد عبدالمقتدر العثمانی القادری الحنفی غفراللہ تعالٰی بجاہ نبیہ الکریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم۔

عبدالمقتدر

اصاب من اجاب حررہ الفقیر عبدالقادر انصاری

الجواب صواب

قد اصاب من اجاب

صح الجواب بلا ارتیاب

نعم الجواب وجد التحقیق للتصدیق والصواب ولعمری النھار لعروۃ وثقی لطالب الرشد وتستغنی بھا عما سوی کیف لا ومن لہ ادنی بصیرۃ وروی فانہ یریھا احدی من تفاریق العصار یھتدی بھا الی صراط مستقیم و طریق السوی ومن جعل اللہ لہ نور عین بصیرۃ یکحل الانصاف والتقی فانہ لاحمد رضا الفاضل المجیب الذی بذل جھدہ للحق وسعی وجمع الادلۃ واوفی واتی بتحقیق مرضٰی واستقصٰی حتی صار بمقابلۃ اھل الضلال ومصداقا للقول الدائر المثل السائر لکل فرعون موسٰی وکذٰلک یحق اللہ الحق ویقذفہ علی الباطل فیہ معہ فاذاھو زاھق واھوٰی ومن کان فی ھذہ الوریقۃ اعمٰی فھو

فی الاُخرۃ اعلٰی واضل سبیلا وربکم اعلم۔ العبد محمد سلامت اللہ

العبد محمد سلامت اللہ

محمد سلامت اللہ ابوالذکا سراج الدین ۱۲۹۶

صح الجواب واصاب من اجاب
کتبہ عبدہ الاواہ محمد شاہ عفی عنہ

محمد شاہ ۱۳۰۴

الجواب صحیح والمجیب نجیح
کتبہ محمد سلطان احمد عفی عنہ

سلطان احمد

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبیّ تہامۃ

ختم ہوا۔

مسئلہ ۲۶۶: از باکپور مرغی محال مسجد حافظ محمد جعفر صاحب مرسلہ پیش امام صاحب ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیام مولود شریف فرض ہے یاواجب ہے یاسنت؟ عمرو کہتاہے کہ قیام مولود شریف ہاتھ باندھ کر ہوناچاہئے اور زید کہتاہے کہ ہاتھ چھوڑ کر ہوناچاہئے تو بتلایئے کہ کس کی بات سچ ہے؟

الجواب:

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بہتر ہے جیسا حاضری روضہ انور کے وقت حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یقف کمایقف فی الصّلٰوۃ۔[1]	ایسے کھڑاہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے(ت)

اسی طرح لباب وشرح لباب واختیار شرح مختار وغیرہا کتب معتبرہ میں ہے۔ قیام مجلس مبارک مستحب ہے اور مجلس کھڑی ہو توسنت، اور ترک میں فتنہ، یاالزام وہابیت ہو تو واجب کمافی ردالمحتار فی قیام الناس بعضھم لبعض[2] (جیساکہ رد المحتار میں بعض لوگوں کے بعض کی خاطر کھڑے ہونے کے بارے میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: از حسیب والہ ضلع بجنور تحصیل دہانپور مرسلہ منظور ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو میلاد مروّج ہے مع زیب وزینت واہتمام، اس کے متعلق شرع شریف میں کیاحکم ہے؟

الجواب:

مسلمانوں کو جمع کرکے ولادت اقدس وفضائل علیہ حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یاشیرینی تقسیم کرنی بلاشبہہ جائز ومستحب ہے، اور جائز زینت فی نفسہٖ جائز، اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ وتعظیم ذکرانور قطعًا مستحب۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾"[3]	(اور اپنے رب کی نعمت کاخوب چرچا کرو۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المناسك مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ قبیل فی البیع وآخر فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶،۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

اور فرماتا ہے: "وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ" [1] (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ت) اور فرماتا ہے:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا" [2]۔	تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت، اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ"۔ [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۵
[2] القرآن الکریم ۱۰/۵۸
[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

تصوّف وطریقت وآداب بیعت وپیری ومریدی

مسئلہ ۲۶۸: (سوال مفقود ہے)

الجواب:

"نہ وہ باتیں" خیال میں ہیں نہ یہی یاد کہ میں نے کیا بتائے تھے مگر اس وقت جو نظر کی اب بھی بہ نگاہ اوّلیں تین ہی مطلب ذہن میں آئے۔ عجب نہیں کہ یہ وہی مطالب ہوں جو اس وقت فکر میں آئے تھے یا غیر ہوں۔

شاعر "ارباب تمکین" سے نہیں جو ایک حال پر مستقیم ومستقر رہے بلکہ "اصحاب تلوین" میں سے ہے جن پر واردات مختلفہ مقتضٰی قضایائے مختلفہ وارد ہوتے ہیں وہ اپنے ان احوال گونا گوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"میخواہم" (میں خواہش کرتا ہوں۔ت) توظاہر ہے کہ عشق میں "اہل بدایت" کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی خواہش یہی کہ حبیب کو دیکھیں اور رقیب کو نہ دیکھیں۔

اور "نمی خواہم" (میں خواہش نہیں کرتا۔ت) تین مقامات مختلفہ سے ناشیئ ہے جن میں ایک دوسرے سے اعلٰی ہیں۔

مقامِ اوّل: ادنٰی مقام "جوشش عشق ورشک ہے" یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلش رقیب جلوہ گرہو مگر "حبیب ورقیب" شدت مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کادیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کانہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ نظر براں جب رشک جوش کرتا ہے، حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویت رقیب نہ ہوگی۔اور رویت رقیب ہر گز منظور نہیں، اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے، رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کانہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا۔اور دیدار حبیب سے محرومی گوارا نہیں۔

مقامِ دوم: اوسط "مقام فنائے ارادہ درارادہ محبوب" یعنی خواہش دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو، مگر حبیب کاارادہ اس کاعکس ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں۔جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کامقام وارد ہوتا ہے میں اپنی اس خواہش دلی سے در گزر کرتا ہوں۔

میل من سوئے وصال وقصد او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تابرآید کام دوست

(میری رغبت وصال کی طرف اور اس کاارادہ فراق کا ہے، میں نے اپنا مقصد ترک کردیا تاکہ دوست کامقصد پورا ہوجائے۔ت)

؎ فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

فراق ووصل کیاچاہتا ہے دوست کی رضامندی طلب کر کیونکہ اس سے اس کے غیر کی تمنا کرناافسوسناک ہوگا۔ت)

مقام سوم: "اعلٰی مقام فناء فی المحبوب" کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے غیر واضافات ونسبت وتعلقات کہاں سے آئیں۔رقیب کاغیر ہوناظاہر، اور رویت حبیب کاتصور بھی تصور غیر ہے کہ رؤیت تین چیزوں کو چاہتی ہے: رائی، مرئی، اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے، بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصور نفس ممکن نہیں کہ حبیب وہ جس سے محبت ہو۔اور محبت کو ہر دو حاشیہ محب ومحبوب واضافت بینہما سے چارہ نہیں۔جب میں ہمہ تن فناء فی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب ورویت وعدم رویت کو کون سمجھے، اور ارادہ وخواست کدھر سے آئے۔لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔

اللھم ارزقنا ھذا المقام فی رضاك وصل وسلم و بارك علٰی مصطفاک	اے اللہ! ہمیں اپنی رضا میں یہ مقام عطافرما۔اور اپنے منتخب محبوب، اس کی آل، اصحاب

وآلہ واولیائہ وکل من والاک۔ اٰمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	اور اپنے ہر محب پر درود وسلام وبرکت نازل فرما، آمین۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۹: از تریا ضلع بریلی مسئولہ امداد حسین صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدار صاحب کا سلسلہ بیعت کرنے کا ہے یا نہیں؟ تھا یا توڑ دیا، کیا ان کے خاندان میں بیعت ہونا روا ہے یا نہیں؟ کل وجہ تسمیہ اس سلسلہ کی تحریر فرمایئے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب: حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ الشریف اکابر اولیائے عظام سے ہیں، مگر ولی ہونے کو یہ ضرور نہیں کہ اس سے سلسلہ بیعت بھی جاری ہو۔ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں صرف چند صاحبوں سے سلسلہ بیعت ہے، باقی کسی صحابی سے نہیں۔ پھر ان کی ولایت کو کس کی ولایت پہنچ سکتی ہے۔ اس خاندان کا جو سلسلہ اکابر میں چلا آیا ہے وہ محض تبرک کے لئے ہے۔ جیسے حدیث شریف کا سلسلہ، باقی افاضہ کا اجراء اس سے نہ ہوا، جیسا کہ حضرت سید نا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی نے سبع سنابل شریف میں فرمایا: تو جسے بیعت صحیحہ سلاسل نافذہ منفقہ میں ہو وہ اپنے مشائخ سے تبرگًا اس سلسلہ کی بھی سند لے لے تو حرج نہیں، اور اسی پر اکتفاء، اور خصوصًا اہل فسق جو اکثر اس سلسلہ کا غلط نام بدنام کرنے والے ہیں ان سے رجوع، یہ باطل اور ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۰، ۲۷۱: محمد جعفر خاں الملقب بہ عارف ابوالحسینی قادری محلّہ چودھری بدایوں ۱۹ صفر ۱۳۲۸ھ

اس مسئلہ میں علمائے دین وطریقت کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ مثلًا زید نے خاندان قادریہ میں بیعت کی اور چند روز کے بعد پیر نے خلافت بھی مرحمت فرمائی، پھر بعد چند روز کے جامہ طریقت بھی پہنایا یعنی فقیر بنایا، مگر اس کے بزرگ خاندان مداریہ سے بیعت کرتے چلے آئے ہیں اور نیز زید کا باپ سر گروہ بھی تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زید کو خاندان مداریہ کا طالب ہونا ضروری ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کو اپنے بزرگوں کے خاندان کے طالب ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

دوم طالب اور مرید میں کیا فرق ہے:

الجواب:

اول، ان سے طالب ہونا ہرگز کچھ ضرور نہیں، بلکہ جب افضل السلاسل سلسلہ علیہ، عالیہ،

صحیحہ، متصلہ، قادریہ، طیبہ میں شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر فخر بیعت نصیب ہوچکا ہے تو اسے دوسری طرف اصلاً توجہ وپریشان نظر ہی نہ چاہئے۔

دوم: مرید غلام ہے، اور طالب وہ کہ غیبت شیخ میں بضرورت یا باوجود شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا مرید شیخ غیر شیخ سے استفادہ کرے۔ اسے جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیض شیخ ہی جانے، ورنہ دودِرَ کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین۔[1]	جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍؕ هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًاؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۲۹ "[2]۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی ایک مثال بیان فرماتا ہے، ایک غلام میں کئی بدخو آقا شریک ہوں اور ایک نرے ایک مولٰی کا۔ کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔ سب خوبیاں اللہ کو ہیں بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از کیمپ صدر بازار بریلی مسئولہ امام علی شاہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم بندہ مولوی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب و تسلیمات کے عرض رسا ہوں، گزارش یہ ہے کہ ایک جگہ ایسا جھگڑا آپڑا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خاندان غوثیہ والے ایک صاحب یعنی خاندان محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صاحب نے مداریہ خاندان والوں سے کہا کہ ہمارا خاندان بڑا ہے، تم لوگ ہمارے یہاں بیعت ہو۔ انہوں نے کہا یعنی مداریہ والوں نے جواب دیا کہ ہمارا خاندان تمہارے خاندان سے اچھا نہیں ہے، اور اچھا بھی ہے تو خدا کے یہاں خاندان نہ پوچھا جائے گا بلکہ عمل پوچھا جائے گا۔ خاندان غوثیہ والوں نے ثبوت پیش کیا کہ حضرت غوث پاک کے بارے میں جناب رسول مقبول صلی اللہ

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔مداریوں نے دریافت کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گردن پر بھی اور حضرات حسنین علیہما السلام خواجہ حسن کی گردن پر بھی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت خواجہ حبیب عجمی اور مدار صاحب کی گردن پر تھا یا نہیں؟ خاندان غوثیہ والوں نے جواب دیا کہ مدار صاحب کی گردن پر قدم تھا۔ اور جو صاحبان پہلے گزر چکے ہیں ان پر نہیں خاندان مداریہ والوں نے جواب دیا: ہمارا خانوادہ طیفوریہ دوئم اور تمہارا خانوادہ طوسیہ ہفتم ہے، ہمارے خاندان سے تمہارا خاندان بعد میں ہوا۔اور مداریہ کہتے ہیں کہ مدار کا رتبہ غوث سے اعلیٰ ہے۔جناب کو تکلیف دے کر عرض ہے کہ مدار کے کیا معنی ہیں؟ اور جو درجہ مداریہ ہے اس کی کیا تشریح ہے؟ اور ان دونوں خاندان والے صاحبان میں کون حق پر ہیں اور کون سے نہیں؟ سو آپ کے اور کوئی عالم صاحب اس مرحلہ کو طے نہیں کرسکتے بلکہ یہاں تک نوبت ہوگئی ہر دو جانب سے آمادہ فساد پر ہوجائیں تو عجب نہیں۔ماشاء اللہ آپ عالم باعمل ہیں اور جملہ خاندان عالیہ سے سند یافتہ ہیں۔اہل علم میں فساد ہونا موجب سبکی کا ہے۔اور دونوں خاندان والے جناب کے قول کو صادق ہونے پر مضبوط ہیں اور کہتے ہیں کہ جو مولوی صاحب فرمائیں گے وہ ہم دونوں صاحبان کو منظور ہے۔اللہ پاک جناب کو ہم سیہ کاروں پر ہمیشہ ہمیشہ سلامت اور قائم رکھے۔حضور کے ہونے سے جملہ صاحبان اہل آلام کو ہر طرح کی تقویت حاصل ہے۔زیادہ حد ادب!

الجواب:

عوام کو ایسے امور میں بحث کرنا سخت مضرت کا باعث ہوتا ہے۔مبادا کسی طرف گستاخی ہوجائے تو عیاذًا باللہ سخت تباہی و بربادی، بلکہ اس کی شامت سے زوال ایمان کا اندیشہ ہے، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس اللہ سرہ العزیز ضرور اکابر اولیاء سے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مرتبہ بہت اعلٰی و افضل ہے۔غوث اپنے دَور میں تمام اولیائے عالم کا سردار ہوتا ہے۔اور ہمارے حضور امام حسن عسکری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد سے سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تشریف آوری تک تمام عالم کے غوث اور سب غوثوں کے غوث اور سب اولیاء اللہ کے سردار ہیں اور ان سب کی گردن پر ان کا قدم پاک ہے۔امام ابوالحسن علی بن یوسف بن حمریر لخمی بن شطنوفی قدس سرہ العزیز نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں بسند مسلسل دو اکابر اولیاء اللہ معاصرین حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت سیدی احمد ابن ابی بکر حریمی وحضرت ابو عمرو عثمان ابن صریفینی قدس اللہ اسرارہما سے دو حدیثیں روایت فرمائیں۔

پہلی کی سند یہ ہے: اخبرنا ابو المعالی صالح ابن احمد بن علی البغدادی المالکی سنۃ احدی وسبعین وستمائۃ قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن البغدادی المعروف بالخفاف قال اخبرنا شیخنا الشیخ ابو السعود احمد بن ابی بکرن الحریمی بہ سنۃ ثمانین وخمسمائۃ۔[1] اور دوسری سند یہ ہے: اخبرنا ابو المعالی قال اخبرنا شیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف الصریفینی[2]۔ اور ان دونوں حدیثوں کا متن یہ ہے کہ دونوں حضرات کرام نے فرمایا:

واللہ ماظہر اللہ تعالٰی ولایظہر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[3]	یعنی خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مانند نہ کوئی ولی عالم میں ظاہر کیا نہ ظاہر کرے۔

نیز امام ممدوح کتاب موصوف میں حضرت سیدی ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کو فرماتے سنا:

مااوصل اللہ تعالٰی ولیا الٰی مقام الاوکان الشیخ عبد القادر اعلاہ ولاسقی اللہ حبیبا کاسًا من حبہ الاوکان الشیخ عبدالقادر اہناہ، ولاوہب اللہ لمقرب حالا الا وکان الشیخ عبدالقادر اجلہ، وقد اودعہ اللہ تعالٰی سرّا من اسرارہ سبق بہ جمہور الاولیاء وما اتخذ اللہ ولیاکان اویکون الا وھو متادب	یعنی اللہ تعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبد القادر کا مقام اس سے اعلٰی ہے، اور جس پیارے کو اپنی محبت کا جام پلایا شیخ عبدالقادر کے لئے اس سے بڑھ کر خوشگوار جام ہے اور جس مقرب کو کوئی حال عطافرمایا شیخ عبدالقادر کا حال اس سے اعظم ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے اسرار سے وہ راز ان میں رکھا ہے جس کے سبب ان کو جمہور اولیاء پر سبقت ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے جتنے ولی ہوگئے یا ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵
[2] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵
[3] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

معہ الٰی یوم القیٰمۃ۔[1]	ادب کریں گے۔

یہ شہادتیں ہیں حضرت خضر اور حضرات اولیاء کرام کی، علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[2]

واللہ تعالٰی اعلم علمہ احکم۔

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور محلّہ پرانی سبزی منڈی کی مسجد متصل چوک مرسلہ عبدالرشید ۸ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی درویش کہتا ہے کہ پیر کی شکل پر متشکل ہو کر خداوند تعالٰی مرید سے ملاقات کرتا ہے اور دلیل کتاب "انتباہ" شاہ ولی اللہ صاحب کی لاتا ہے۔ مضمون کتاب ہذا یہ ہے کہ:

حضرت سلطان الموحدین وبرہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضیخاں صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنین می فرمودن کہ صورت مرشد کہ ظاہرًا دیدہ می شود مشاہدہ حق سبحانہ وتعالٰی است بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ خلق اٰدم علٰی صورۃ الرحمٰن ومن راٰنی فقد رأی الحق۔ گر تجلی ذات خواہی صورت انساں ببیں ذات حق را آشکارا اندر وخنداں ببیں[3] اکثر علماء دریں عبارت مذبورا مخالف ہستند، بادلیل معتبرہ عندالشرع شریفہ ہرچہ حق باشد۔ بیّنوا توجروا۔	حضرات گرامی مرتبت، موحدوں کے بادشاہ، عاشقوں کی برہان، متکلمین کی حجت، شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضی خاں، صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز یوں فرماتے ہیں کہ مرشد کی صورت جو ظاہری طور پر دیکھی جاتی ہے وہ حق سبحانہ وتعالٰی کا مشاہدہ ہے۔ آب وگل کے پردہ کے بغیر، کیونکہ اللہ تعالٰی نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا فرمایا ہے جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے حق کو دیکھا۔ "اگر تو تجلی ذات کا خواستگار ہے تو انسان کی صورت دیکھ۔ ذات حق کو اس میں واضح طور پر ہنستا ہوا دیکھ"۔ اکثر علمائے کرام عبارت مذکورہ کے مخالف ہیں، جو کچھ حق ہے معتبر دلیل شرعی کے ساتھ بیان فرمائیں، اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

[1] بہجۃ الاسرار ذکر ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مطبوعہ آرام باغ کراچی حصہ اول ص ۶

[3] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۹۲ و ۹۳

الجواب:

قول مذکور گستاخی اور دریدہ دہنی ہے، اور عبارت انتباہ سے اس پر استدلال غلط فہمی، عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لم یقضہ عـــہ و قضیضہ، مظاہر و مجالی حضرت خالق عزوجل جلالہ ہے۔

فی الاٰفاق وانفسکم افلاتبصرون o مارأیت شیئا الاورأیت اللہ فیہ۔[1]	آفاق میں اور خود تم میں نشانیاں ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں، میں کسی شیئ کو نہیں دیکھتا مگر اس کے ساتھ میں اللہ کو دیکھتا ہوں۔(ت)

مظہر اول واعظم واجل واتم واکمل کہ مظہر ذات ہے ذات اقدس حضور انور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات ہے، باقی تمام عالم حسب استعداد اس پر تو اصلی کا پرتو درپرتو بواسطہ ووسائط ہے۔ شیخ جس میں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور بصفت ہدایت وارشاد وتربیت متجلی ہے اور عالم ملکوت عالم ملک سے ازکٰی واصطفٰی واجلی وابہٰی واحلٰی ہے، تو اس سے مشاہدہ ایک زیادہ صاف ومجلی آئینہ سے مشاہدہ ہے ورنہ متجلی شکل وتشکل سے منزہ ومتعالٰی ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: از مقام موضع سرنیاں ضلع بریلی بتاریخ ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے پیرو مرشد کا کیا حق ہے مرید کے روپیہ واسباب میں کتنا مرشد کو دے اور کتنا مرید اپنے خرچ میں لائے۔ وہ بات تحریر فرمائی جائے جس سبب سے پیر کے حق سے چھوٹے، تاکہ قیامت میں مواخذہ نہ ہو، اور اگر پیرو مرشد کی عدولی کرے، اور جیسا کہ مرید کو حکم ہوا اس پر عمل نہ کرے، ایسے مرید کے لئے کیا حکم ہے اور قیامت میں مواخذہ ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

پیر واجبی پیر ہو، چاروں شرائط کا جامع ہو، وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب ہے۔ اس کے حقوق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حقوق کے پرتو ہیں جس سے پورے طور پر

عـــہ: کل کا کل (المنجد) عبدالمنان اعظمی۔

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۳

عہدہ برا ہونا محال ہے، مگر اتنا فرض ولازم ہے کہ اپنی حد قدرت تک ان کے ادا کرنے میں عمر بھر ساعی رہے۔ پیر کی جو تقصیر رہے گی اللہ ورسول معاف فرماتے ہیں پیر صادق کہ ان کا نائب ہے یہ بھی معاف کرے گا کہ یہ تو ان کی رحمت کے ساتھ ہے۔ ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ مرشد کے حق باپ کے حق سے زائد ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ باپ مٹی کے جسم کا باپ ہے اور پیر روح کا باپ ہے، اور فرمایا ہے کہ کوئی کام اس کے خلاف مرضی کرنا مرید کو جائز نہیں۔ اس کے سامنے ہنسنا منع ہے، اس کی غیبت میں اس کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھنا منع ہے، اس کی اولاد کی تعظیم فرض ہے اگرچہ بے جا حال پر ہوں، اس کے کپڑوں کی تعظیم فرض ہے، اس کے بچھونے کی تعظیم فرض ہے، اس کی چوکھٹ کی تعظیم فرض ہے، اس سے اپنا کوئی حال چھپانے کی اجازت نہیں، زا اپنے جان ومال کو اسی کا سمجھے۔

پیر کو نہ چاہئے کہ بلاضرورت شرعی مریدوں کو مالی تکلیف دے، انہیں جائز نہیں کہ اگر اسے حاجت میں دیکھیں تو اس سے اپنا مال دریغ رکھیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی ملک اور بندہ بے دام سمجھے، اس کے احکام کو جہاں تک بلاتاویل صریح خلاف حکم خدانہ ہوں حکم خدا اور رسول جانے۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۷۵: از موضع نیشٹھ ضلع امرتسر ڈاک خانہ خاص متصل اسٹیشن اٹاری
مسئولہ سید رشید الدین صاحب عرف سید محمد عبدالرشید بریلوی ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صاحب ارشاد مرفوع الاجازت شیخ کا اپنی زوجہ کو بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کہے کہ اپنی منکوحہ کو بیعت کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام بتاتا ہے، کیونکہ زوجہ بیٹی بن جاتی ہے اور نکاح نہیں رہتا بلکہ فسخ ہوجاتا ہے اور نیز یہ دلیل بھی بیان کرتا ہے کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور نہ کسی نے خلفائے راشدین میں سے ایسا کیا اور نہ کسی سلف صالحین میں سے اپنی زوجہ کو بیعت کیا ہے۔ پس یہ قول اس شخص کا صحیح ہے یا غلط ومردود؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب اللہ سے بیان کرو۔ حساب والے دن اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب:

زوجہ کو مرید کرنا جائز ہے، تمام امت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مرید ہی ہوتی ہے پھر وہ انہیں میں سے تزوّج فرماتے ہیں۔ مرید حقیقۃً اولاد نہیں ہوتا، وہ ایک دینی علاقہ ہے جو صرف پیر بلکہ استاذ علم دین کو بھی شاگرد پر حاصل ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے والد کی طرح ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت)

اور زوجہ کو مسائل دینی تعلیم کرنے کا زوج کو حکم ہے۔

قال تعالٰی "قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ خود اپنی ذاتوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۶: مسئولہ محمد تقی صاحب از راندیر ضلع خاندیس شرقی بر مکان قاضی صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

کرامت اور فیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:

کرامت خرق عادت ہے کہ ولی سے صادر ہو، اور فیض وبرکات اور نورانیت کا دوسرے پر القا فرمانا ہے۔ یہ القاء اگر برخلاف عادت ہو تو فیض بھی ہے اور کرامت بھی۔ جیسے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نصرانی کے گھر تشریف لے جاکر اسے سوتے سے جگا کر کلمہ پڑھنے کا حکم دیا اس نے فورًا پڑھ لیا۔ فرمایا: فلاں جگہ کا قطب مرگیا ہے ہم نے تجھے قطب کیا۔ نیز ایک بار ایک نصرانی کو کلمہ پڑھا کر اسی وقت ابدال میں سے کردیا۔ اور اگر موافق عادت تربیت وریاضات ومجاہدات سے ہو تو فیض ہے، کرامت نہیں۔ اور اگر خلاف عادت غیر القائے مذکور ہو جیسے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہا مردے کو زندہ، زندہ کو مردہ فرمادیا۔ تو کرامت ہے فیض نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

مسئلہ ۲۷۷: از کوہ شملہ لکڑ بازار کوٹھی دورلی مرسلہ عبدالرحیم خاں ۱۸/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

مخدوم ومکرم اعلیٰ حضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب زاد مجدہ، سلام مسنون نیاز مندانہ کے بعد عرض خدمت ہے زید کہتاہے بیعت غائبانہ کوئی شیئ نہیں، اور زید جناب والا کامعتقد ہے۔ لہٰذا بیعت غائبانہ جس حدیث شریف سے ثابت ہو جناب والا تحریر فرماکر اور مہر سے مزیّن فرماکر مشکور فرمائیں تاکہ زید کی تسلی کردی جائے۔ اور وہ اگر حاضری سے معذور ہے تو آنحضرت سے غائبانہ بیعت کاشرف حاصل کرے۔ اس کاجواب اس پتہ پر روانہ فرمایئے۔ کوہ شملہ بمعرفت امام جامع مسجد عبدالرحیم کو ملے۔

الجواب:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ ؕ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِمْ ۚ "[1]۔	وہ جو تم سے بیعت کرتے ہیں تووہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کاہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اور فرماتا ہے:

" لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ "[2]	بے شک اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب وہ تم سے بیعت کرتے ہیں درخت کے نیچے۔

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے جب یہ بیعت ہوئی ہے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ غائب تھے، بیعت حدیبیہ میں ہوئی اور وہ مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کوفرمایا یہ عثمان کاہاتھ ہے، پھر اسے اپنے دوسرے دست مبارک پر مار کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے، لفظ حدیث یہ ہیں: **واما تغیبہ عن بیعت الرضوان فانہ لوکان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان بن عفّان لبعثہ مکانہ فبعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمان وکانت بیعت الرضوان بعد ماذھب عثمان الٰی مکۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ الیمنی ھذہ ید عثمان فضرب بھا علٰی یدہ وقال ھٰذہ**

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸

لعثمان۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸، ۲۷۹: از موضع کچھی پور ڈاکخانہ سگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مسئولہ احمد حسین محرر روز دوشنبہ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ

جناب فیض مآب، فیض بخش، فیاض زماں، مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام افضالہ، بعد سلام علیک دست بستہ کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ:

(۱) جیسا اور خاندانوں میں سلسلہ پیری مریدی جاری ہے اسی طرح سے جناب حضرت "شاہ مدار" صاحب کا ہے یا نہیں؟

(۲) خدام زیارت مکنپوری اپنے تین خاندان خلفاء وجدی "شاہ مدار" صاحب سے بتلاتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فی زمانہ چارہی خاندان کی بیعت سنی اور خاندان کی نہیں سنی، اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید حضرت شاہ مدار صاحب مرید حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الاعظم سے زیادہ ہیں، یہ امر تصدیق طلب ہے، لہٰذا تصدیعہ وہ کہ براہ غرباء پروری اور بندہ نوازی حکم سے اطلاع بخشی جائے۔

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ الرضوان سید الاولیاء ہیں، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ السریر کو ان سے افضل کہنا جہل وطغیان وافتراء وبہتان ہے۔ بیعت کے لئے لازم ہے کہ پیر چار شرطوں کا جامع ہو:

(۱) سنی صحیح العقیدہ

(۲) صاحب سلسلہ

(۳) غیر فاسق معلن

(۴) اتنا علم دین رکھنے والا کہ اپنی ضروریات کا حکم کتاب سے نکال سکے۔

جہاں ان شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہے بیعت جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۰: از بنارس چھاؤنی محلّہ ڈیٹوری تھانہ سکرور مسئولہ عبدالوہاب سہ شنبہ ۲۰/صفر ۱۳۳۲ھ

کسی کو جبراً مرید کرنا اور نابالغوں کو بغیر ان کے والدین کی اجازت کے دست بیع کرنا جائز

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالٰی ان الذین تولوا منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۲

ہے کہ نہیں؟ فقط

الجواب:

مرید اور جبر دونوں متبائن ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔ مریدی اپنے دل کی ارادت سے ہے نہ کہ دوسرے کے جبر سے۔ ایسا جبر وہ کرتے ہیں جنہیں مریدوں سے کچھ تحصیل کرنا ہوتا ہے یا کثرت مریدین سے اپنی شہرت۔ نابالغ اگر ناسمجھ ہے تو بے اجازت ولی اسے مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں تعلیق ارادت ممکن ہے جس کا قبول اس کے عقل وبلوغ پر موقوف رہے گا۔ اگر کسی میں رشد کے آثار پائے اور گمان کرے کہ اس کے زمانہ عقل تک شاید اپنی عمر وفانہ کرے اور اسے شیخ کی حاجت ہو۔ اور زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نہ باید داد دست

(بہت سے شیطان انسانی شکلوں میں ہیں للذا ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت)

وللذا اسے اپنا کرلے، اور وہ زمانہ عقل تک پہنچ کر اسے قبول کرلے تو بیعت کی تکمیل ہو جائے گی اور اگر عاقل ہے اور اس کی رغبت دیکھے تو مرید کر سکتا ہے، اجازت والدین کی حاجت نہیں[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۱و۲۸۲: از کلکتہ بڑا بازار سوناپٹی کنیش بھگت کا کٹرہ　۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۴۰ھ

(۱) ایک شخص ایک آدمی سے مرید ہے، پہلے وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور علم بھی کچھ نہیں جانتا تھا اب اللہ تعالٰی نے اس کو کچھ علم بخشا تو وہ دیکھتا ہے کہ جو پیر ہمارا ہے وہ ہم سے بھی بدتر ہے افعال میں اور صرف اردو قرآن شریف کے سوا کچھ نہیں جانتا ہے۔ اور قرآن شریف بھی دیکھ کر پڑھتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ اور کھانا کپڑا بھی مانگ کے چلاتا ہے اور رات دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اب وہ شخص جو مرید ہوا ہے اس کا سوال ہے کہ میں دوسرے سے پھر مرید ہو جاؤں تو اچھا۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ اور جس شخص سے پہلے مرید ہے وہ خاندانی سید ہے۔ اور اس خط کے شامل شجرہ بھی ان کا جاتا ہے۔

(۲) ایک شخص گویا کلکتہ میں ہے اور اس کے دل میں ہے کہ میں مرید ہو جاؤں تو اچھا۔ مگر وہ جس سے مرید ہونا چاہتا ہے وہ دوسرے ملک میں ہے، پھر وہ کس طرح سے مرید ہو سکتا ہے؟

الجواب:

(۱) حسب تصریح ائمہ کرام پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

---

[1] مثنوی معنوی دفتر اول ص ۱۲ و گلدستہ مثنوی معارف نعمانیہ لاہور ص ۶۰

اوّل: سنی صحیح العقیدہ۔

دوم: علم دین بقدر کافی رکھتا ہو۔

سوم: کوئی فسق علانیہ نہ کرتا ہو۔

چہارم: اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک صحیح اتصال سے ملا ہو۔

اگر کسی شخص میں ان چاروں میں سے کوئی شرط کم ہے اور ناواقفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بعد کو ظاہر ہوا کہ وہ بدمذہب یا جاہل یا فاسق یا منقطع السلسلہ ہے تو وہ بیعت صحیح نہیں، اسے دوسری جگہ مرید ہونا چاہئے جہاں یہ چاروں شرطیں جمع ہوں۔

(۲) بیعت بذریعہ خط وکتابت بھی ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا، کہ اصل ارادت فعل قلب ہے۔ **والقلم احد اللسانین، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم** (قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۳: مسئولہ مولانا سید دیدار علی صاحب الوری اواخر شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ ایسے شخص کے جو فتوٰی دے ایسا کہ جو کوئی خاندان عالیہ قادریہ کو اور خاندانوں سے افضل واعلٰی نہ جانے اور باوجود افضیلت کے پھر دوسرے خاندانوں میں بیعت حاصل کرے وہ ضال اور مضل اور ذریت شیطان لعین میں سے ہے۔ ایسا کہنے والا یہ فتوٰی دینے والا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ خاندان اقدس قادری تمام خاندانوں سے افضل ہے کہ حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاولیاء وامام العرفاء وسید الافراد وقطب ارشاد ہیں۔ مگر حاشاللہ کہ دیگر سلاسل حقہ راشدہ باطل ہوں یا ان میں بیعت ناجائز وحرام ہو۔ اس کی نظیر بعینہٖ مذاہب اربعہ اہل حق ہیں۔ ہمارے نزدیک مذہب مہذب حنفی افضل المذاہب واصح المذاہب واولیٰہا بالحق ہے مگر حاشا کہ متبعان مذہب ثلٰثہ باقیہ عیاذاً باللہ ضال ومضل ہیں۔ ایسا کہنا خود صریح باطل وغلو ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۴: از کانپور مرسلہ مولوی آصف علی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جوپتہ یادرخت بوجہ غفلت تسبیح گرجاتاہے یاجانور ذبح کردیاجاتاہے توپھر بعداز سزائے غفلت اس کاتسبیح میں مشغول ہوناثابت ہے یانہیں؟

الجواب:

رب عزوجل فرماتاہے:

"تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ "[1]۔	اس کی تسبیح کرتے ہیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جواس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہومگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

یہ کلیہ عامہ جمیع اشیائے عالم کوشامل ہے، ذی روح ہویابے روح۔ اجسام محضہ جن کے ساتھ کوئی روح نباتی بھی متعلق نہیں، کہ دائم التسبیح ہیں کہ "ان من شیئ" کے دائرے سے خارج نہیں۔ مگران کی تسبیح بے منصب ولایت نامسموع نہ مفہوم۔ اور وہ اجسام جن سے روح انسی یاملکی یاجنی یاحیوانی یانباتی متعلق ہے ان کی دوتسبیحیں ہیں: ایک تسبیح جسم، کہ اس روح متعلق کے اختیار میں نہیں وہ اسی "ان من شیئ" کے عموم میں اس کی اپنی ذاتی تسبیح ہے۔ دوسری تسبیح روح، یہ ارادی اختیاری ہے اور برزخ میں ہرمسلمان کومسموع ومفہوم۔ اس تسبیح ارادی میں غفلت کی سزاحیوان ونبات کوقتل وقطع سے دی جاتی ہے۔ اوراس کے بعد جب جانور مرجائے یانبات خشک ہوجائے منقطع ہوجاتی ہے ولہذا ائمہ دین نے فرمایاکہ ترگھاس مقابر سے نہ اکھیڑیں **فانہ مادام رطبا یسبح الله فیؤنس المیت**[2] کہ جب تک وہ ترہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے تومیت کادل بہلتاہے۔ مگرقتل وقطع وموت ویبس کے بعد بھی وہ تسبیح کہ نفس جسم کی تھی جب تک اس کاایک جزولایتجزی باقی رہے گا منقطع نہ ہوگی کہ "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ"[3] (اور کوئی چیز نہیں جواسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ت) اسے روح سے تعلق نہ تھاکہ تعلق روح نہ رہنے سے منقطع ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطلب فی وضع الجدید ونحوالآس علی القبور داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

مسئلہ ۲۸۵: مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ یکشنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۵ھ

مرید ہونا واجب ہے یاسنت؟ نیز مرید کیوں ہوا کرتے ہیں؟ مرشد کی کیوں ضرورت ہے اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب الملفوظ

مرید ہونا سنت ہے اور اس سے فائدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتصال مسلسل۔ تفسیر عزیزی دیکھو آیہ کریمہ:

"صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۬ۙ"[1]	راستہ ان کا جن پر تو نے انعام کیا۔(ت)

میں اس کی طرف ہدایت ہے، یہاں تک فرمایا گیا:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطٰن۔[2]	جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔(ت)

صحت عقیدت کے ساتھ سلسلہ صحیح متصلہ میں اگر انتساب باقی رہا تو نظر والے تو اس کے برکات ابھی دیکھتے ہیں جنہیں نظر نہیں وہ نزع میں قبر میں حشر میں اس کے فوائد دیکھیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۶: مسئولہ عبدالعزیز انصاری از اٹاوہ شنبہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و عرفائے اہل یقین اس مسئلہ میں کہ زید شیخ وقت نے اپنے بیٹے عمرو کو امور فقر میں اپنا خلیفہ نہیں کیا اور نہ اجازت مرید کرنے کی دی، عمرو نے بعد وفات اپنے والد زید کے بوجہ نہ پانے خرقہ فقر و اجازت کے ان کے ایک خلیفہ نصیر سے اجازت خلافت حاصل کی تھی مگر جب کسی کو مرید کیا تو اپنے باپ زید کے نام سے کیا، اپنے پیر اجازت کا نام شجرہ لکھنا نہیں معمول رکھا۔ یہ طریقہ عمرو کا مطابق کتب اہل طریقت و طریقہ مشائخ عظام جائز ہوا یا نہیں؟ پھر عمرو نے اپنے بیٹے خالد کو اپنے حین حیات خرقہ دیا جس کو خالد نے کچھ عرصہ کے بعد یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں نہیں لوں گا، اور نہ کبھی خالد نے عمرو کی زندگی بھر تجدید اجازت وخلافت کی بابت کچھ تذکرہ کیا البتہ عمرو نے اپنے مرض وصال میں قریب انتقال اپنی تسبیح و کتب وظائف وغیرہ ایک دوسرے شخص بکر کو جو اس کا اہل تھا مع اجازت و خلافت دے دی اور اپنے مریدین کو بھی اسی کے سپرد کیا مگر اپنے بیٹے خالد کو بوجہ اس کے نااہل ہونے و خرقہ واپس کرنے کے کچھ نہیں دیا، لیکن بعد وفات عمرو کے خالد نے خود بخود اس کے خرقہ کو

---

[1] القرآن الکریم ۱/ ۷

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ الحسینی ص ۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

پہن کر اپنے والد کے نام سے مرید کرنا شروع کردیا، اور اسی پر عامل رہے۔ یہ عمل خالد کا بلحاظ کتب معتبرہ اہل تصوف درست تھا یانہیں جیسا کہ اس کا معمول تھا، موافق کتب مع اہل طریقت جواب ہونا چاہئے۔ خالد نے اپنے بیٹے نذیر کو اپنی زندگی میں اپنا خرقہ دیا (جو بمطابق تحریر بالا ناجائز ہونا چاہئے تھا) اب نذیر اپنے مریدین کو اپنے باپ خالد اور دادا عمرو کے نام سے مرید کرنے کا معمول رکھتا ہے اور شجرہ میں بھی انہیں دونوں کا نام لکھا جاتا ہے حالانکہ دونوں غیر مجاز تھے، آیا یہ طریقہ نذیر کا جائز ہے یا ناجائز جبکہ عمرو کو خلافت واجازت اپنے باپ زید سے نہ تھی تو عمرو وخالد ونذیر ان سب کا یہ فعل وعمل بروئے طریقت ناروا ہونا چاہئے یانہیں؟ امید کہ کتب معتبرہ سے تحقیق فرماکر ان تینوں امور کا جواب مفصل عنایت ہو۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب الملکتوب

صورت مستفسرہ میں خالد ونذیر دونوں محض باطل پر ہیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت ناجائز، اور نادانستہ کی ہو تو اس سے رجوع واجب۔ حضرت قدسی منزلت سیدنا میر عبدالواحد صاحب بلگرامی قدس سرہ السامی کتاب مستطاب سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے بیش نماندہ است وآں رسم واسم نیز مبنی بچند شرائط می داں کہ بے آں شرائط اصلا پیری ومریدی درست نیست۔ اما نخست از شرائط پیری یکے[۱] آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد، دوم[۲] از شرائط پیری آنست کہ پیر درادائے حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم[۳] از شرائط پیری آنست کہ پیر راعقائد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت پس ایں رسمے کہ از پیری ومریدی ماندہ است بے ایں سہ شرائط اصلاً درست نیست وایں ہر سہ شرائط رابیان مختصر واضح کنم اما شرط اول کہ مسلک صحیح است مرید صادق را تفحص	اے بھائی! پیری ومریدی کی محض رسم اور نام باقی رہا گیا ہے، اس سے زائد کچھ نہیں، اس نام اور رسم کو بھی چند شرائط پر مبنی سمجھ کر ان شرائط کے بغیر پیری ومریدی بالکل درست نہیں۔ پیری کی اولیں شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوق شرع کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی کرنے والا نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کا عقیدہ صحیح اور مذہب اہل سنت وجماعت کے مطابق ہو۔ چنانچہ یہ رسمی پیری ومریدی ان تین شرائط کے بغیر ہرگز درست نہیں۔ ان تینوں شرطوں کی مختصر بیان کے ساتھ وضاحت کرتا ہوں۔ پہلی شرط کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ سچے مرید کو صحیح سلسلہ کی چھان بین کرنی چاہئے

سلسلہ درست باید کرد دراکثر جاہا خلط وخبط گشتہ است نوعے ازاں آنست درویشے کہ درحالت حیات بسبب غفلت ویابہ سبب دیگر فرزند خودراخلافت نمی دہد ومردماں راوصیت ہم نمی کند کہ بعدازمن باید کہ خرقہ من فرزند مراپوشانید واو رابجائے من بنشانند فامامردماں آں مقام روزسوم خرقہ پدر پسررامی پوشانند واورابجائے پدرے نشانند از صحت وغیر صحت ایں کارنمی دانند خلقے بہ بیعت اواسیری گرددواد بے رخصت واجازت پدرپیرمی شودہمہ ضلالت درضلالت است چہ اگرچہ خرقہ متروکہ پدربسبب ارث ملک پسرشدولیکن شرط صحت بیعت رخصت واجازت پدراست نہ مجرد خرقہ پدر مؤلف راست قطعہ۔

اے پسر شرط صحت بیعت
در طریقت اجازت سلف است
بدغل سکہ بہرہ مزن
کاں رہ کاسداں ناخلف است

نوع دیگرانست اولیاء اسلاف کہ قطب وغوث بودند فرزندان ایشاں بے صحت اسناد وبے رخصت واجازت بمجرد نسبت فرزندی خلقے رامریدمی کنندوخلق می دانند کہ مابخانوادہ فلاں قطب وغوث پیوند درست کردیم وانابت

اکثر جگہ اس میں خلط ملط ہوجاتا ہے۔اس کی ایک قسم یہ ہے کہ کوئی درویش اپنی زندگی میں غفلت یا کسی اوروجہ سے اپنے بیٹے کوخلافت نہیں دیتااورلوگوں کووصیت بھی نہیں کرتا کہ میرے بعد میراخرقہ میرے بیٹے کوپہنانا اوراس کو میری گدّی پر بٹھانا۔لیکن اس علاقے کے لوگ وصال کے تیسرے روز اس کے بیٹے کوخرقہ پہنا کر باپ کی گدی پر بٹھادیتے ہیں اوراس کام کے صحیح یاغلط ہونے کاانہیں کوئی علم نہیں۔لوگ اس کی بیعت کے پابند ہوجاتے ہیں اوروہ باپ کی اجازت ورخصت کے بغیر پیربن جاتا ہے۔یہ سب گمراہی درگمراہی ہے،اس لئے کہ اگرچہ باپ کاخرقہ متروکہ بطور میراث بیٹے کی ملکیت ہوتا ہے مگر صحت بیعت کی شرط باپ کی رخصت واجازت ہے نہ کہ محض باپ کے خرقہ کاحاصل ہوجانا،قطعہ:
"اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مہرمت لگاکہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کاہے"۔
دوسری قسم یہ ہے اولیائے اسلاف جوکہ غوث وقطب تھے ان کے بیٹے صحیح سند اوران کی رخصت واجازت کے بغیر محض بزرگوں سے نسبت فرزندی رکھنے کی وجہ سے لوگوں کومرید بناتے ہیں

آوردیم سربسر گمراہی است۔[1]	لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں غوث اور قطب کے خانوادہ کے ساتھ تعلق قائم کرلیا ہے اوران کی طرف رجوع کرلیا ہے۔یہ مکمل طور پر گمراہی ہے۔(ت)

حضرت سیدنا سید شاہ حمزہ قدس سرہ الکریم نے فص الکلمات شریف میں خلافت کی سات قسمیں بعض مقبول بعض مردود بیان فرمائیں ازانجملہ اقسام مردودہ میں فرمایا:

شیخ ازیں عالم نقل کردوکسے راخلیفہ نگرفت قوم وقبیلہ وارثے یامریدے رابخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روانیست وایں نوع خلافت راافترائی گویند۔[2]	شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔قوم اور قبیلہ نے کسی وارث یا مرید کو اس کی خلافت کے لئے تجویز کردیا،مشائخ کے نزدیک یہ خلافت درست نہیں۔خلافت کی اس قسم کو خلافت افترائی کہا جاتا ہے(ت)

رہا عمرو اگرچہ نصیر کی جانب سے ماذون ہو کر اس کی خلافت ضرور صحیح اوراسے مرید کرنے کی اجازت ہوگی،مگر محل نظر یہ ہے کہ اس نے اپنے والد زید کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی یا مرید بھی نصیر ہی کا ہے،صورت ثانیہ بہت سخت ہے،اوراصل الزامات کاورود اولٰی میں بھی نقدوقت ہے،شجرہ کہ مریدین کو دیا جاتا ہے اس میں اتصال سلسلہ اجازت ہی متعارف،اوریہی اس سے مفہوم ہے تواس میں تدلیس ہوئی تلبیس ہوئی پیراجازت کی نعمت کاکفران ہوا مریدین کو فریب دینا ہوا بلاواسطے جانب پدر سے اپنے مجاز وماذون ہونے کااظہار ہوا،اوررسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور۔رواہ الشیخان[3] عن اسماء ومسلم عن الصدیقۃ بنتی	نعمت نایافتہ کااظہار کرنے والا اسی طرح ہے جو سر سے پاؤں تک جھوٹ کا جامہ پہنے ہوئے ہے(اسے امام بخاری وامام مسلم نے اسماء

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم دربیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۳۹،۴۰

[2] فص الکلمات

[3] صحیح البخاری کتاب النکاح باب المتشبع بمالم ینل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۵،صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب النھی عن التزویر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۶

الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اور امام مسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ"۔[1]	وہ جو ایسی بات سے اپنی تعریف چاہتے ہیں جو انہوں نے نہ کی ہر گز انہیں عذاب سے چھٹکارے کی جگہ خیال نہ کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من غشنا فلیس منّا۔[2] نسأل اللہ العفو والعافیة، و اللہ تعالٰی اعلم۔	دھوکا دینے والا ہمارے گروہ سے نہیں۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں،اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۸۷: ازفرخ آباد شمس الدین احمد شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

جس حالت میں کہ پیر کامل میسر نہ ہو تو طالب خدا کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط

الجواب:

درود شریف کی کثرت کرے یہاں تک کہ درود کے رنگ میں رنگ جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۸: مرسلہ عبدالکریم شہر کانپور محلّہ بنگام گنج ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان طریقہ معرفت میں کسی کا مرید نہ ہو تو کیا حشر میں اس کا پیر شیطان ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

ایک حدیث روایت کی جاتی ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی من غشا فلیس منّا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطٰن۔[1]	جس کا کوئی پیر نہیں شیطان اس کا پیر ہے۔

اس کے پورے مصداق وہ لوگ ہیں کہ مشائخ کرام کے قائل ہی نہیں، جیسے روافض ووہابیہ وغیر مقلدین۔اور شرف وبرکت اتصال بمحبوب ذوالجلال علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت سنت متوارثہ مسلمین ہے،اور اس میں بے شمار منافع وبرکت دین ودنیاوآخرت ہیں بلکہ وہ "وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"[2] (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ت)کے طرق جلیلہ سے ہے۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹و۲۹۰: مقام گڈھوا ضلع پلاموں مرسلہ حکیم محمد عبدالحق صاحب

(۱) جو شخص کسی پیر سے مرید ہوا ہو اور قبل اس کے کہ وہ طریقت کی تعلیم پورے طور سے پائے اس کے پیر نے انتقال کیا تو بعد مرجانے اول پیر کے وہ شخص کسی دوسرے عالم سے جو علم قرآن وحدیث وفقہ میں کامل وسند یافتہ ہو اور پیر کامل سے اس کو اجازت مرید کرنے کی اور خلافت حاصل ہو مرید ہوسکتا ہے یا نہیں؟اور مرید ہونا اس کا شرعًا ازروئے شریعت جائز ودرست ہوگا یا نہیں؟

(۲) پیر ہونے کے لئے سید اور آل رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونا ضرور ہے دوسری قوم کا عالم وطریقت سے واقف و پیر سے اجازت وخلافت پایا ہوا پیر ہونے اور مرید کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا ہے یا کیا تحقیق اس مسئلہ کی ہے مع سند جواب درکار ہے۔بیّنوا ایّھا العلماء الکرام جزاکم اللہ یوم القیام (اے علماء کرام! بیان فرمایئے اللہ تعالٰی روز قیامت آپ کو جزا دے۔ت)

الجواب:

(۱) جائز ہے،اس پر شرع سے کوئی ممانعت نہیں جبکہ وہ عالم چاروں شرائط پیری کا جامع ہو اگر ایک شرط بھی کم ہے تو اس سے بیعت جائز نہیں۔سب سے اہم واعظم شرط مذہب کا سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علماء حرمین شریفین ہونا۔

دوسری شرط فقہ کا اتنا علم کہ اپنی حاجت کے سب مسائل جانتا ہو اور حاجت جدید

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشھد الحسینی ص ۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

پیش آئے تو اس کا حکم کتاب سے نکال سکے۔ بغیر اس کے اور فنون کا کتنا ہی بڑا عالم ہو عالم نہیں۔
تیسری شرط اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک صحیح و متصل ہو۔
چوتھی شرط علانیہ کسی کبیرہ کا مرتکب یا کسی صغیرہ پر مصر نہ ہو۔
ان شرائط کے ساتھ اس سے ارادت کر سکتا ہے، مگر یہ ارادت ارادت استفاضہ ہوگی نہ کہ ارادت استعاضہ، یعنی پیر کو چھوڑ کر اس کے عوض پیر بنانا کہ جو ایسا کرے گا دونوں طرف سے محروم رہے گا بشرطیکہ اس کا پہلا پیران چاروں شرائط کا جامع تھا، اور اگر اس میں وہ شرطیں نہ تھیں تو وہ پیر بنانے کے قابل ہی نہ تھا آپ ہی کسی دوسرے جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت چاہئے۔

(۲) یہ محض باطل ہے، پیر ہونے کے لئے وہی چار شرطیں درکار ہیں، سادات کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں، ہاں ان شرطوں کے ساتھ سید بھی ہو تو نور علٰی نور۔ باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا تمام سلاسل طریقت کا باطل کرنا ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں کوئی سادات کرام سے نہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے بعد ہی سے امام حسن بصری ہیں کہ نہ سید نہ قریشی نہ عربی، اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا خاص آغاز ہی حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، اسی طرح دیگر سلاسل رضوان اللہ تعالٰی علٰی مشائخنا اجمعین۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۱: از ایلٹا کاٹھیاواڑ مرسلہ سید قاسم علی قادری مورخہ ۴/ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

مخدومی و مطاعی بندہ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں قادریہ خاندان میں مرید تھا مگر چونکہ اب حضرات نقشبند کے بزرگ سرہند شریف سے یہاں آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبند میں اب بیعت ہوتے جاتے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا چلا ہے۔ مجھے بھی لوگوں نے مجبور کیا ہے کہ میں بھی بیعت اس خاندان میں کروں۔ مجھے مکتوبات امام ربّانی الف ثانی کی اردو تینوں جلدیں دی گئی ہیں ان کو پڑھ کر میں ان کا خلاصہ آپ سے طلب کرتا ہوں کہ اس خاندان میں بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور مکتوبات اور دیگر کتب خاندان نقشبندیہ پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہمارے نزدیک خاندان عالیشان قادری سب خاندانوں سے اعلٰی و افضل ہے اور

تبدیل شیخ بلاضرورت شرعیہ جائز نہیں۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ[1]۔	جسے کسی شَے میں رزق دیا جائے تو وہ اس کو لازم پکڑے۔(ت)

مکتوبات مثل اور کتب مشائخ کے ہے اور تفصیل عقائد اہلسنت وبیان مسائل نفیسہ فقہ وکلام کے سبب بہت کتب پر مزیت ہے البتہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین کا ارشاد **کل ماخوذ من قولہ**[2] الخ (ہر ایک اپنے قول سے پکڑا جاتا ہے الخ۔ ت) سوائے قرآن عظیم سب کتب کو شامل ہے نہ اس سے ہدایہ، درمختار مستثنٰی، نہ فتوحات ومکتوبات وملفوظات۔ اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے۔

مسئلہ ۲۹۲: از شہر رجمنٹ اکا کور ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین سہارنپوری ۲۰/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بکر آقا کے کہنے سے ایک شخص کا مرید ہوگیا، اور نہ بکر واقف تمام مرید ہونے کی شرطوں سے، صرف آقا کے حکم سے مرید ہوگیا۔ اب بکر ملازم بھی نہیں رہا ہے، اب بکر کا خیال ہے کہ میں مرید صادق ہوں یا مریدین سے خارج ہوں، کیونکہ پیر کی طرف دل رجوع نہیں کرتا میں چاہتا ہوں کوئی پیر اور کروں۔

الجواب:

اگر پیر سنی صحیح العقیدہ عالم ہے اور اس کا سلسلہ متصل ہے اور فاسق نہیں تو اس سے دل رجوع نہ ہونا شیطانی وسوسہ ہے توبہ کرے اور اس کے ساتھ اپنا اعتقاد درست کرے، اور اگر پیر میں ان چاروں باتوں سے کوئی بات کم ہے تو وہ پیر نہیں، کوئی اور پیر کہ ان چاروں باتوں کا جامع ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳ و ۲۹۴: موضع رجب پور ڈاک خانہ تحصیل امروہہ ضلع مراد آباد حاجی شبیر علی ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) کچھ پیروں نے آج کل پیرا مریدی جاری کی ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہو اس کو گولیاں دی جاتی ہیں وہ گولیاں چھٹی کے دن گھول کر بچہ کے ہونٹوں سے لگادینے سے بیعت ہوگیا۔ یہ پیرا مریدی

---

[1] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۹

[2] الیواقیت والجواھر بحوالہ الامام مالک المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حضور حکم صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

(۲) مکنپور کے جو حضرت شاہ بدیع الدین شاہ صاحب جن کا کہ نام دیہات میں مدار صاحب کہتے ہیں سنا جاتا ہے. بزرگوں سے کہ ان کے گھرانے میں پیرامریدی نادرست ہے، علاوہ اس کے سنا گیا ہے کہ کوئی خلیفہ آپ نے نہیں کیا ہے، اور یہ بھی سنا ہے کہ دو خادم آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے کہ جن کا نام یہ ہے، ایک کا نام احسن، دوسرے کا نام جمّن جتی۔ للہذا احسن ندی ہو کر بہہ گیا اور جمن جتی اور کسی سے بیعت ہوگئے، للہذا جو مکن پور کے پیر جی لوگ ہیں اور یہ پیرامریدی آپ کے نام سے کرتے ہیں یہ پیرامریدی جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حکم حضور صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

الجواب:

(۱) ایک دن کا بچہ بھی اپنے والی کی اجازت سے مرید ہو سکتا ہے، اور گولیاں بے اصل ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) بہہ جانا وغیرہ بے اصل ہے مگر اس فرقہ کے لوگ بے شرع اکثر ہیں، اور بے شرع کسی فرقے کا ہو اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۵ و ۲۹۶: از گلمائز ڈاک خانہ ماہی ضلع فرید پور مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) زید طریقہ نقشبندیہ متبرکہ میں بیعت ہوا اور اپنے شیخ سے مقامات پورا کیا مگر بعض مقام میں قدرے شبہہ رہتی ہے اور خلافت واجازت نہ ملتی ہے، شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا، اب زید کے لئے اس شبہہ کو دور کرنے اور اجازت وخلافت حاصل کرنے کے واسطے دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے یا اپنے شیخ سے جو حاصل ہوئی اسی پر اکتفا کرنا چاہیئے؟ اگر اسی پر اکتفاء کرنے کی کوشش کی تو ترقی وفیض یاب ہو سکتا ہے اور شبہہ باقی ماندہ دور کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے تو اسے نقشبندیہ طریقہ کا ہونا ضروری ہے یا دیگر چہار طریقہ میں سے جو ہو کافی ووافی ہوں گے؟ پھر اسی نقشبندیہ طریقہ کی جو مشائخ زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں اگر وہ زید کے شیخ سے کمالیت واشغال میں کم درجہ کے ہیں ان کو مرشد بنائے یا جو مشائخ زید کو مسافت بعیدہ وغیرہ وغیر ملکی ہونے کے میسر نہیں ہوتے ہیں حالانکہ

وہ سب زید کے شیخ سے بڑھ کر ہے یا برابر ہے تو اب زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں ان سے پورا کرے یا جو غیر میسر ہیں ان کی توقع وامید پر رہے؟

(۲) قادری کوئی شخص دوسرے قادری سے یا نقشبند دوسرے نقشبندی سے یا قادری نقشبندی سے یا نقشبندی قادری علٰی ہذا البواقی خواہ علی الوفاق ہوئے یا علی الخلاف بیعت ہونے کو چاہے تو از سر نو بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ بیعت جدیدہ کہلائے گی یا کیا؟ اور شیخ اول ہی بدستور رہیں گے یا دونوں؟ اور مرید کن کا کہلائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہو تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہئے۔ اکابر طریقت فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین۔[1]	جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا (ت)

خصوصًا جبکہ اس سے کشود کار بھی ہو چکا ہو، حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ۔[2]	جسے اللہ تعالٰی کسی شیئ میں رزق دے وہ اس کو لازم پکڑے۔ (ت)

دوسرے جامع شرائط سے طلب فیض میں حرج نہیں اگرچہ وہ کسی سلسلہ صریحہ کا ہو اور اس سے جو فیض حاصل ہو اسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض جانے،

کما فی سبع[3] سنابل مبارکۃ عن سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جیسا کہ سبع سنابل شریف میں سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

شیخ جب نہ رہا اور اس کا سلوک ناقص ہوا اس کی تکمیل بطور خود نہ کرے کہ یہ راہ تنہا

1

2 شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۹

3

چلنے کی نہیں،

کما افادہ الامام القشیری فی رسالۃ المبارکۃ والامام السھروردی فی العوارف الشریفۃ وبیناہ فی فتاوٰی افریقۃ۔	جیسا کہ امام قشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ مبارکہ اور امام سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف شریفہ میں اس کاافادہ فرمایا ہے۔اور ہم نے اس کو فتاوٰی افریقہ میں بیان کیا ہے۔(ت)

بلکہ کسی لائق تکمیل سے استمداد کرے اس میں حتی الامکان لحاظ قرب رکھے اپنے شیخ کے خلفاء میں سے کوئی اس قابل ہو تو وہ اولٰی ہے ورنہ اپنے سلسلے سے اقرب فالاقرب اور نہ ملے تو جو ملے یہ اس لئے کہ اختلاف راہ اطالت عمل کرنے اور اپنے زمانے میں اپنے حق میں اپنے شیخ صحیح المشیخہ سے کسی کو افضل جاننا سوء ادب ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۷: از بانس بریلی محلّہ قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نوراللہ شاہ صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین فتحپور ۱۴رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ایھا العلماء الراسخون رحمکم اللہ تعالٰی فی ھٰذہ المسئلۃ (اے علماء راسخین ! اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) کہ جس مرید کو اپنے شیخ سے تعلیم طرق صوفیہ مراتب اذکار واشغال وغیرہ نہ معلوم ہوئے اور وہ شیخ انتقال فرما گئے یا بوجوہات معقولہ ان سے تعلیم محال۔پس اس مرید کو شیخ ثانی سے تجدید بیعت توبہ کرکے طالب ہونا اولٰی ہے یا کہ اسی حال پر بے تعلیم رہنا مناسب، اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی بیعت ہر خلافت کے وقت کس لئے صادر ہوئی۔

الجواب:

دوسرے شیخ سے طالب ہو مگر اپنی ارادت شیخ اول ہی سے رکھے اور اس سے جو فیض حاصل ہو وہ اپنے ہی کی عطا جانے۔اولیائے کرام فرماتے ہیں ایک شخص کے دو باپ نہیں ہوسکتے،ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوسکتے،ایک مرید کے دو شیخ نہیں ہوسکتے۔خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دست اقدس پر بیعتیں ان کو امام ماننے اور ان کی اطاعت کرنے کی تھیں جیسے ہر جدید بادشاہ کے ہاتھ پر کی جاتی ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۸: از ریاست رامپور محلّہ گھیر زبیر خاں مرسلہ مرزا محمد فاروق بیگ صاحب ۱۰/ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

حقوق پیر بغرض تصحیح وترمیم:

(۱) یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیوض وبرکات سے محروم رہے گا۔

(۲) ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان ومال سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

(۳) مرشد جو کچھ کہے اس کو فورًا بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتدا نہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال ومقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کو اس کا کرنا زہر قاتل ہے۔

(۴) جو وِرد وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو۔

(۵) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے یہاں تک کہ سوائے فرض وسنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

(۶) حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

(۷) اس کے مصلے پر پَیر نہ رکھے۔

(۸) اس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

(۹) مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

(۱۰) اس کے سامنے نہ کھانا کھائے نہ پانی پیئے اور نہ وضو کرے، ہاں اجازت کے بعد مضائقہ نہیں۔

(۱۱) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے، بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

(۱۲) جس جگہ مرشد بیٹھتا ہو اس طرف پَیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو۔

(۱۳) اور اس طرف تھوکے بھی نہیں۔

(۱۴) جو کچھ مرشد کہے اور کرے اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اور کہتا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسٰی وخضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔

(۱۵) اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

(۱۶) اگر کوئی شبہہ دل میں گزرے تو فورًا عرض کرے اور اگر وہ شبہہ حل نہ ہوتا تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے اور اگر اس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

(۱۷) خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے اور اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو اسے بھی عرض کردے۔

(۱۸) بے ضرورت اور بے اذن مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

(۱۹) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور بآواز اس سے بات نہ کرے اور بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

(۲۰) اور مرشد کے کلام کو دوسرے سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات کو یہ سمجھے کہ لوگ نہ سمجھیں گے تو اسے بیان نہ کرے۔

(۲۱) اور مرشد کے کلام کو رَد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ اعتقاد کرے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

(۲۲) اور کسی دوسرے کا سلام وپیام شیخ سے نہ کہے۔

(۲۳) جو کچھ اس کا حال ہو برا یا بھلا اسے مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے۔

(۲۴) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ہو تو اس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔

(۲۵) جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب میں یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے (کذا فی ارشاد رحمانی) **قال العارف الرومی** (عارف رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ت): ؎

چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو	ہمچو موسٰی زیر حکم خضر رو
صبر کن برکار خضرا ے بے نفاق	تانگوید خضر روہذا فراق [1]

جب تو نے پیر بنالیا تو خبردار اب سر تسلیم خم کرلے، موسٰی علیہ السلام کی طرح

[1] مثنوی معنوی وصیت کردن بر رسول خدا مر علی مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۱/ ۳۱۱

خضر علیہ السلام کے حکم کے ماتحت چل اے نفاق سے پاک شخص حضرت خضر علیہ السلام کے کام پر صبر کرتا کہ خضر علیہ السلام یہ نہ فرما دیں کہ جایہ جدائی ہے۔ت)

قال العطار (شیخ عطار علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ت):

(۱) گر ہوائے ایں سفر داری دلا	دامن رہبر بگیر و پس بیا
(۲) درارادت باش صادق اے مرید	تا بیابی گنج عرفاں راکلید
(۳) دامن رہبر بگیر اے راہ جو	ہر چہ داری کن نثار راہ او
(۴) گر روی صد سال در راہ طلب	راہبر نبود چہ حاصل زان تعب
(۵) بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق	عمر بگذشت و نشد آگاہی عشق
(۶) پیر خود را حکم مطلق شناس	تا براہ فقر گردی حق شناس
(۷) ہر چہ فرماید مطیع امر باش	طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش
(۸) آنچہ میگوید سخن تو گوش باش	تا نگوید او بگو خاموش باش [1]

(۱) اے دل! اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راہنما کا دامن پکڑ، پھر آ۔

(۲) اے مرید! ارادت میں صادق ہو، تاکہ تو معرفت کے خزانے کی چابی پائے۔

(۳) اے راہ طریقت کے متلاشی! کسی راہنما کا دامن پکڑ، جو کچھ تو رکھتا ہے اس کی راہ میں قربان کر دے۔

(۴) اگر تو طلب کی راہ میں سو سال چلتا رہے، راہنما اگر نہیں ہے تو اس مشقت کا کیا فائدہ ہے!

(۵) کسی رفیق کے بغیر جو کوئی عشق کے راستے پر چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

(۶) اپنے پیر کو حاکم مطلق سمجھ، تاکہ فقیری کی راہ میں تو حق کو پہچاننے والا ہو جائے۔

(۷) جو کچھ پیر فرمائے اس کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو جا، اس کی خاک پا کو آنکھوں کا سرمہ بنا۔

(۸) پیر جو بات کرے تو ہمہ تن گوش ہو جا، جب تک وہ نہ کہے کہ بولو تو چپ رہ۔ت)

1

الجواب:

یہ تمام حقوق صحیح ہیں، ان میں بعض قرآن عظیم اور بعض احادیث شریفہ اور بعض کلمات علماء اور بعض ارشادات اولیاء سے ثابت ہیں اور اس پر خود واضح ہیں جو معنی بیعت سمجھا ہوا ہے، اکابر نے اس سے بھی زیادہ آداب لکھے ہیں، اتنوں پر عمل نہ کریں گے مگر بڑی توفیق والے، اور نمبر ۱۷ سے شیطانی خواب پریشان مہمل مستثنٰی ہے کہ اسے بیان کرنے کو حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اور نمبر ۲۲ عوام مریدین کے لئے ہے جن کو بارگاہ شیخ میں بھی منصب عرض معروض دیگران حاصل نہ ہو ایسوں سے اگر کوئی عرض سلام کے لئے کہے عذر کردے کہ میں حضور شیخ میں دوسرے کی بات عرض کرنے کے ابھی قابل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۹ و ۳۰۰: از شہر کہنہ بریلی قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نوراللہ شاہ اشرفی الجیلانی کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بیعت ہونے میں والدین یا شوہر وغیرہ کی اجازت شرط ہے یا نہیں؟

(۲) اپنا مرشد انتقال کرگیا ہو یا موجود ہو مگر بوجوہات معقولہ واقعہ اس سے تعلیم محال ہو تو بغرض تعلیم طریقہ کرام دوسرے شیخ سے طالب ہونا اولٰی ہے یا بے علم رہنا بہتر؟

الجواب:

(۱) جو پیر سنی صحیح العقیدہ عالم غیر فاسق ہو اور اس کا سلسلہ آخر تک متصل ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے والدین خواہ شوہر کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔

(۲) جہل سے طلب اولٰی ہے مگر پیر صحیح سے انحراف جائز نہیں، جو فیض ملے اسے شیخ ہی کی عطا جانے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰۱ تا ۳۰۴: از شہر غازی پور مرسلہ علی بخش محرر رجسٹری ۱۴ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کسی بزرگ سے بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی شخص کو کسی بزرگ سے عقیدت ہو اور بوجہ دوری وہ شخص اس بزرگ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے تو وہ شخص اس بزرگ سے کیسے مرید ہوسکتا ہے یا ہو ہی نہیں سکتا کسی طرح پر؟

(۳) ایک وظیفہ ایسا ارشاد فرمائیے اور اجازت دیجئے جس میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنا ہوچاہے بطرق شغل قادریہ یا چشتیہ وغیرہا یا کسی اور طریقہ پر ہو۔

(۴) ایک مختصر درود شریف ایسا تحریر فرمایئے اور اس کی اجازت دیجئے کہ جو غیر منقوط ہو یعنی جس میں کسی حرف پر نقطہ نہ ہو۔

الجواب:

(۱) بذریعہ خط بیعت ہو سکتی ہے۔

(۲) بذریعہ قاصد یا خط مرید ہو سکتا ہے۔

(۳) وظیفہ کے لئے پورا کلمہ طیبہ مناسب تر ہے مگر اس کے ساتھ درود شریف لانا ضرور ہے یعنی یوں ورد کرے **لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** اور صرف جز ثانی مع درود کا بھی ورد کر سکتا ہے مگر مبتدی یا طالب کہ محتاج تصفیہ ہے اسے صرف جزء اول کا ذکر و شغل بتاتے ہیں کہ اس میں حرارت ہے اور دوسرا جز کریم ٹھنڈا لطیف اور تنزکیہ گرمی پہنچانے کا محتاج، ہاں جب جز اول سے حرارت حد سے متجاوز ہو تو تعدیل کے لئے بتاتے ہیں کہ مثلاً ہر سو بار لاالٰہ الا اللہ کے بعد ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہہ لے کہ تسکین پائے۔

(۴) اس کی حاجت کیا ہے، وہ صیغہ مثلاً یہ ہو سکتا ہے **اللّٰھم صلّ وسلّم لرسولك محمد وآلہٖ**، اس میں لام بمعنی علٰی ہے آپ اس کا ورد کریں اجازت ہے۔

مسئلہ ۳۰۵تا۳۰۷: از علی گڑھ محلّہ دو یکا پڑاؤ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب مورخہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ بیعت کرنا یعنی جو آج کل عرف میں پیری مریدی سے مشہور ہے سنت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ سنت ہے۔

(۲) زید مذکور باوجود مسجد میں بروقت جماعت حاضر ہونے کے بلاوجہ شرعی جماعت سے علیحدہ نماز پڑھتا ہے محض اسی بنیاد پر کہ مسئلہ اول میں عمرو کے ساتھ اتفاق نہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں۔

(۳) زید مذکور اپنے پیش امام سے جو کہ استاد بھی ہیں سلام و کلام سے پرہیز کرتا ہے اور بجائے احسان ماننے کے غیروں سے کہتا ہے وہ کیا جانے ہم سے مقابلہ کرالو، اس کی وجہ بھی مذکور ہے ان سب صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے؟ **بیّنوا بحوالة الکتاب و توجروا عنداللہ بحر الثواب** (بحوالہ کتاب بیان فرمایئے اللہ تعالٰی کے بحر ثواب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بیعت بیشک سنت محبوبہ ہے، امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عوارف شریف سے شاہ ولی اللہ دہلوی کی قول الجمیل تک اس کی تصریح اور ائمہ واکابر کا اس پر عمل ہے، اور رب العزت عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ ؕ"[1]	بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تواللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"یَدُ اللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡہِمۡ ۚ"[2]	ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ"[3]	بے شک اللہ تعالٰی راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔(ت)

اور بیعت کو خاص بجہاد سمجھنا جہالت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ وَ لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡہُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲﴾"[4]	اے نبی! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نا فرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

زید بوجہ ترک جماعت فاسق فاجر مردود الشہادۃ مستوجب عذاب نار ہے۔ زید بلاوجہ شرعی اپنے باطل خیال کے باعث مسلمان سے ترک سلام وکلام کرکے دوسرے جرم کا مرتکب ہوا اور جبکہ امام اس کا استاد بھی ہے تو عاق بھی ہوا، اور اس پر ان حرکات شنیعہ سے توبہ فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۸: از ضلع چاندہ ممالک متوسط نزول سرور آفس مسئولہ رحیم بخش خاں محمد شہزاد خاں ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمترین ایک مولوی وحید صاحب نامی کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا دس بارہ برس تک برابر خدمت کرتا رہا جہاں تک ہوسکتا اپنی برادری کے لوگوں کو بھی آپ کی بیعت میں داخل کرایا، جب مولوی صاحب کا رسوخ ہماری برادری میں اچھی طرح اثر پذیر ہوگیا تو مولوی صاحب لگے ہماری برائی کرنے، جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ خاکسار خادم قدیم سے کچھ قصور ہوا ہے تو حضور مجھ کو سزا دیتے عام لوگوں میں بلاسبب رسوا کرنا کیا مصلحت ہے، اس پر جھوٹی قسم کھا گئے کہ ہم نے کچھ کسی سے نہ کہا، اتفاق سے وہ لوگ بھی موجود تھے اس وقت مولوی صاحب بہت نادم ہوئے، میں خاموش ہوگیا، وقت گذشت کیا، کیونکہ ہر طرح سے اپنی برائی ہوتی تھی اگرچہ مولوی صاحب کی ہی غلطی کیوں نہ ہو۔

دوسرے آپ نے ایک شادی بھی اس بستی کی ایک ایسی عورت سے کرلی جو مرید بھی نہیں اور جس کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہے، اس سے تمام بستی کے لوگ بدگمان وبدعقیدہ ہوگئے یہاں تک کہ نماز بھی ان کے پیچھے نہ پڑھتے تھے، تابعدار نے اپنا پیر بنالیا تھا، اس لئے بہت ہی کوشش وبستی کے لوگوں کی خوشامد کرکے فساد کو رفع دفع کرایا مگر چندروز کے بعد آپ نے اپنی منکوحہ صاحب کو علانیہ مسجد میں بلاپردہ آنے پر کچھ روک ٹوک نہ کیا یہاں تک کہ مسجد کے پابند نمازی لوگوں نے بھی کہا مگر جواب یہ ملا کہ لونڈی ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا ہماری پٹھان برادری کی لڑکی ہے لونڈی کیسے ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ بہت شر پیدا ہوگیا۔ نہ بی بی صاحبہ پردہ میں رہتی ہیں نہ مولوی صاحب تنبیہ کرسکتے ہیں۔ ایسی حالت میں تین بچے بھی ہوگئے مگر حالت ہنوز روزاول ہے اب یہ ہوگیا ہے کہ نئے نئے لُچّے لفنگے روز مرید ہوتے ہیں۔ غریب پابند صوم وصلاۃ کے قدیم خدمت گزار مردود علانیہ بنائے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہمارا مردود کیا ہوا خدا اور رسول اور پیروں کا مردود ہے ہماری بی بی امہات المومنین ہیں مریدوں کے لئے۔ ہر روز نئے نئے جھگڑے فساد برپا ہوتے رہتے ہیں۔

آج ایک مرید کو مقبول بنایا کل دوسرے کو مردود کیا، یہ سب باتیں توظاہر ہیں، علاوہ اس کے ایسے حالات ہیں جن کا اظہار کرنا زبان گوارا نہیں کرتی۔ یہ خاکسار عجیب پریشانی میں ہے۔ خدا کے واسطے رسول کے واسطے اور اپنے طریقت کے بزرگوں کے واسطے مجھے کوئی راہ نجات کی بتائیں، یہ کہ ایسی حالت میں کسی دوسرے صاحب شریعت وطریقت کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ اور ایسے شخص کی بیعت فسخ ہے یا نہیں؟

الجواب:

پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

اول: سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علماء حرمین شریفین ہو۔

دوسرے: اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

تیسرے: فاسق معلن نہ ہو۔

چوتھے: اس کا سلسلہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو۔

جس میں یہ چاروں شرطیں جمع ہیں اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے اور ایسے پیر کے افعال واقوال پر اعتراض سخت حرام اور موجب محرومی برکات دارین ہے، اس کی جو بات اپنے ذہن میں خلاف معلوم ہو واجب ہے کہ اچھی تاویل کرے اور تاویل میں سمجھ نہ آئے تو یہ سمجھے کہ اس کا کوئی عمدہ منشا ہوگا جو میری سمجھ میں نہ آیا، اب آپ اپنے پیر کو دیکھئے ان چار شرطوں میں سے اگر کسی شرط کی کمی ہے تو بیعت ناجائز ہوئی، آپ کو چاہئے کہ کسی پیر جامع شرائط پر بیعت کریں، کمی شرط کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اس کی منکوحہ باریک کپڑے پہنے جن سے بدن یا بال چمکتے ہوں، یا بالوں یا گلے یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر ہو یا کپڑے اتنے چست ہوں کہ بدن کی ہیأت بتاتے ہوں اور وہ یوں علانیہ مجمع مرداں میں آتی ہے اور شوہر جائز رکھے تو دیّوث فاسق معلن ہے قابل پیری نہیں، اور اگر ایسا نہیں اور چاروں شرطیں جمع ہیں تو اس پر اعتراض جائز نہیں اور اس کی بیعت سے روگردانی منع ہے، وہ قسم جو اس نے کھائی اس میں تاویل یہ سمجھے کہ ہم نے خود کسی سے کچھ نہ کہا بلکہ ہم سے کہلوایا گیا اس طرح حضرت سیدتنا کلثوم بنت حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے شوہر سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے پر جو فضائل ان کے بیان کئے ان کے والد امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا: **واللہ ماقالت ولکن قولت**[1] خدا کی قسم یہ

---

[1] تاریخ الامم والملوك للطبری من ندب عمر ورثاہ رضی اللہ عنہ دار القلم بیروت ۵/ ۲۸

انہوں نے نہ کہے بلکہ ان سے کہلوائے گئے، اور اس کا کہنا کہ مریدوں کے لئے میری بیوی امہات المومنین ہیں اگرچہ سخت معیوب وناشائستہ ہے مگر نہ اس قابل کہ چاروں شرطیں ہوتے ہوئے اس کی بیعت فسخ کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰۹: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بغیر اجازت شوہر کے مرید ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر بغیر اجازت ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

ہوسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۰: از کھنڈیا ضلع ریاست رامپور مسئولہ عزیز احمد ۲جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند لوگ سنبھل مکن پور کے اس طرح بیعت کرتے ہیں کہ پیالہ پلاتے ہیں اور بندگان خدا کو کسی قسم کی تعلیم نہیں کرتے یہی لوگ موضع کھنڈیا علاقہ ریاست رامپور میں جمع ہوئے اور بیان کیا کہ طریقہ بیعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہی ہے۔ ایک صاحب خاندان قادریہ کے وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ چار طریق سے بیعت شرعًا جائز ہے ایک بذریعہ خواب کے دوسرے قبر سے تیسرے پیالہ پلا کر چوتھے اس شخص سے جو صاحب اجازت نہ ہو۔ ان دونوں بیانوں میں کون سا صحیح ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیا کہ حضور کا طریقہ بیعت پیالہ پلانا تھا حاش للہ بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا، اور یہی طریقہ آج تک مشائخ میں ہے پیالہ پلانا بھنگڑوں بیقیدوں کے یہاں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْۚ"[1]۔	اے نبی! یہ جو تم سے بیعت کر رہے ہیں یہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں یہ تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر نہیں اللہ کا دست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔

معلوم ہوا کہ طریقہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تھا نہ کہ پیالہ پلانا تھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

مسئلہ ۳۱۱: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ محمد ثناء اللہ طالب علم ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید علم دین حاصل کر رہاہے اس کاارادہ یہ ہے کہ جب میں فارغ التحصیل ہو جاؤں گا تومیں جہاں جہاں بزرگ لوگ ہیں وہاں جاکر ان سے ملاقات کروں گااور جس سے دل گواہی دے گااس ہی سے مرید ہو جاؤں گا۔ علم کے حاصل کرنے کے زمانہ میں چندلوگ اہل وطن اور غیر وطن ایک بزرگ کے مرید ہوئے اور زید سے بھی اصرار کیا کہ تم بھی مرید ہو جاؤ، بعد اصرار کے زید بھی مرید ہو گیا، آیا شرعًا مرید ہوا یا نہیں؟

الجواب:

اگر ان کے اصرار کے بعد اس کے دل میں عقیدت آگئی اور بالقصد مرید ہوا مرید ہو گیا، اور صرف ان کے اصرار کے سبب بے دلی سے بیعت کی مرید نہ ہوا کہ ارادت قلب سے ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۲: از لاہور مسجد بیگم شاہی ٹولی مولوی احمد دین صاحب ۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے شجرہ خوانی دام تزویر ہے اوراس پر بہارستان مولانا جامی سے یہ عبارت نقل کرتا ہے:

از حضرت سید بہاؤالدین صاحب نقشبند رحمۃ اللہ علیہ پرسید ندکہ حضرت شجرہ شماچیست، فرمودند کہ کسے از شجرہ خوانی بجائے نرسد، پس خدائے عزوجل رابیگانگی می شناسیم وبہمہ انبیاء واولیاء ایمان آریم ومقید سلسلہ نیستیم۔	حضرت سید بہاؤالدین نقشبند علیہ الرحمہ سے لوگوں نے پوچھاکہ اے حضرت! آپ کا شجرہ کیاہے؟ فرمایا شجرہ پڑھنے سے کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچا، پس ہم اللہ عزوجل کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور تمام انبیاء اولیاء پر ایمان لاتے ہیں کسی سلسلہ کے مقیّد نہیں ہیں۔ (ت)

یہ قول صحیح ہے یاغلط؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

یہ قول محض باطل ہے اوراس میں ہزارہا اولیائے کرام پر حملہ ہے اور بہارستان سے جو عبارت نقل کی، ساختہ ہے، اس میں شجرہ خوانی یا شجرہ کالفظ کہیں نہیں اور "پس خدائے عزوجل" سے اخیر تک ساری عبارت اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی ہے بہارستان میں نہیں۔ شجرہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک بندے کے اتصال کی سند ہے جس طرح حدیث کی اسنادیں، امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ اولیاء وعلماء ومحدثین وفقہاء سب کے امام ہیں

فرماتے ہیں:

لولا الاسناد لقال فی الدین من شاء ماشاء۔[1]	اگر اسناد نہ ہوتا تو جس کا جو دل چاہتا دین میں کہہ دیتا۔(ت)

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں: **اوّل** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ۔

دوم صالحین کا ذکر کہ موجب نزول رحمت ہے۔

سوم نام بنام اپنے آقایان نعمت کو ایصال ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔

چہارم جب یہ اوقات سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا وہ اوقات مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعرّف الی اللہ فی الرخاء یعرفك فی الشدۃ۔ رواہ ابو القاسم[2] بن بشران فی امالیہ عن ابی ھریرۃ وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	توخوشحالی میں اللہ تعالٰی کو پہچان وہ مصیبت میں تجھ پر نظر کرم فرمائے گا۔ اس کو ابوالقاسم بن بشران نے امالی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اسی کے غیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۳: ازآنولہ محلّہ کٹرہ پختہ کوچہ بنگلہ ضلع بریلی مسئولہ عبدالصمد ۲۰رمضان ۱۳۳۹ھ

علمائے شریعت وہادیان طریقت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی مختلف حالتیں ہوئیں، کبھی فسق وفجور کی طرف مائل رہتا تھا اور کبھی عبادت الٰہی میں مستغرق ہوجاتا تھا، آخر میں وہ کئی پیروں سے بیعت ہو کر مختلف قسم کی ریاضتیں اور بہت سی عبادتیں کیں اور چلّے کئے، اب وہ ولایت کا مدعی ہے اور کہتا ہے میں قطب ارشاد ہوں، اب وہ فسق وفجور کی طرف مائل ہونے کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ پہلے میں اس لئے کرتا تھا کہ لوگ مجھ پر بدگمان رہیں اور میری ولایت ظاہر نہ ہو اور اب چونکہ خدائے تعالٰی نے حکم دیا ہے اس لئے اپنی ولایت ظاہر کرتا ہوں۔ اور لوگوں سے بیعت بھی

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[2] کنزالعمال حدیث ۳۲۲۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۷۹

لیتاہے حالانکہ اس کو کسی ظاہری پیر سے اجازت نہیں ملی ہے لیکن وہ کہتاہے کہ خداکی طرف سے بذریعہ الہام مجھے اجازت ملی ہے اوراب کسی بندہ کی طرف رجوع کرنا میرے لئے ناجائز ہے، اس کے آثاریہ ہیں کہ اس کی توجہ میں بڑازبردست اثر ہے اس سے بیعت کرنے کے تھوڑے دنوں بعد لطیفہ قلب روشن ہوکر ذکر جاری ہوجاتاہے اس کا مجلس پر بھی اثر ہوجاتاہے اوراس سے بیعت کرنے پر بہت سے گمراہ آدمی پابند صوم وصلوٰۃ ہوجاتے ہیں اوران کے دل میں عشق الٰہی بھر جاتاہے اور دیوانہ وار پھرتے ہیں اس کی سرّی نماز میں بہت شوروغل ہوتاہے اور کبھی جذبہ آتاہے رقص بھی کرتے ہیں، کیامذکورہ بالا صفات کے ساتھ موصوف شخص سے جو کسی ظاہری پیر سے اجازت یافتہ نہ ہو بیعت کرنااوراسے بیعت لیناجائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے شخص کو بیعت لیناجائز نہیں اوراس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز۔

اے پسر شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف ست
بدغل سکہ نہ بہرہ مزن کان رہ کاسدان ناخلف ست [1]

(اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط، طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مہر مت لگاکہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کاہے۔ت)

حضرت سیدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ ودیگر اکابر کرام قدست اسرارہم فرماتے ہیں:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطان۔ [2]	بے پیرے کاپیر شیطان ہوتاہے۔

یہ جوظاہری ذوق وشوق لوگوں میں دیکھاجاتاہے قابل اعتبار نہیں شیطان کی طرف سے بھی ہوتاہے اوراس پرواضح دلیل نماز میں شوروغل مچانا،اوررقص کرنایہ نہیں مگر شیطان کی طرف سے کہ نماز فاسد کرے، صحابہ کرام واکابراولیاء عظام سے ایسا کبھی منقول نہ ہوااان سے زیادہ تاثیروبرکت کس کی ہوسکتی ہے مگر صادقین سے برکت ہوتی ہے اورکاذبین سے حرکت۔**قال اللہ تعالٰی "وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾"** [3] اپنے عمل باطل نہ کرو۔**وقال تعالٰی "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾"** [4] اللہ کے حضور

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم دربیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۰

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المتشھد الحسینی ص ۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

[3] القرآن الکریم ۴۷/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۸

ادب سے کھڑے رہو۔اس کااقرار کرنا کہ فسق وفجور کرتا تھااور اس کاعذر بیان کرنا کہ اخفاء ولایت کے لئے تھا، عذر بدتراز گناہ ہے۔حضرات ملامتیہ قدست اسرارہم کی ریس کرتا ہے، وہ کبھی مستحب بھی ترک نہیں کرتے معاذاللہ فسق وفجور کیا معنی۔

او گمان بردہ کہ من کردم چو　　　　او فرق راکہ بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیاکہ میں نے بھی اس کی مثل کیا، وہ جنگجوفرق کو کب دیکھتا ہے۔ت)

شیطان کے دھوکے اس سے بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں، حضرت سیدی ابوالحسن جوسقی خلیفہ حضرت سیدی علی بن ہیتی فیض یافتہ بارگاہ سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک مرید کواعتکاف میں بٹھایاایک شب حجرہ سے زارزار رونے کی آواز آئی، دروازہ پر تشریف لے گئے، حال پوچھا، عرض کی شب قدرمیرے پیش نظر ہے آفاق نور سے روشن ہیں درودیوار حجرو شجر سجدے میں گرے ہیں میں سجدہ کرناچاہتاہوں سینے میں ایک لوہے کی سلاخ ہے کہ جھکنے نہیں دیتی اس پر روتاہوں۔ فرمایا: اے فرزند! یہ لوہے کی سلاخ وہ سِر ہے جو میں نے تیرے سینے میں القاکیاہے وہ تجھے جھکنے نہیں دیتا یہ شب قدر نہیں شیطان کا شعبدہ ہے۔یہ فرماکر دونوں دست مبارک پھیلائے اور آہستہ آہستہ انہیں قریب لاتے گئے جتناہاتھ سمٹتے وہ نور تاریکی سے مبدل ہوتا تھا جب دونوں ہاتھ مل گئے واویلااور فریاد کی آواز آئی۔فرمایا: اب تومیرے مریدوں کواغوانہ کرے گا۔یہ فرماکر چھوڑدیا۔وہ جھوٹا کرشمہ سب باطل ہوگیا۔اس کے دھوکے اس سے بھی سخت ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی۔اور اس کاوہ کلمہ کہ "اب کسی بندہ کی طرف رجوع میرے لئے ناجائز ہے" اگراپنے ظاہر عموم پررکھاجائے توصریح کلمہ کفر ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی بندے ہیں اور ان سے کسی وقت بے نیازی کسی نبی مرسل کو بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ این وآن۔

والعیاذباللہ تعالٰی من وساوس الشیطان ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم ○ واللہ تعالٰی اعلم۔	شیطان کے وسوسوں سے اللہ تعالٰی کی پناہ، بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر کوئی طاقت وقوت نہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۱۴: از مدرسہ منظر اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خاندان قادریہ میں ایک بزرگ سے بیعت ہوا

لیکن ان بزرگ صاحب نے کچھ نصیحت احکام شرعیہ کی نہ کی اور چند ہی روز کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اب زید خاندان قادریہ میں کسی دوسرے بزرگ سے بیعت حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

اگر وہ پیر جامع شرائط بیعت تھے یعنی عالم، سنی، صحیح العقیدہ، متصل السلسلہ، غیر فاسق، تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے فیض لے سکتا ہے۔ اور ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط کم تھی تو اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہی نہ تھی، دوسرے سے بیعت کرے جو ان شرائط کا جامع ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ

کشف حقائق واسرار ودقائق ۱۳۰۸ھ

(ظاہر کرنا حقیقتوں، رازوں اور باریک باتوں کو)

مسئلہ ۳۱۵: از بڑودہ باڑہ نواب صاحب مرسلہ حضرت نواب سید نورالحسن خاں بہادر ۲۵ شعبان ۱۳۰۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمّد واٰلہ وصحبہ واولیاء امّتہ وعلماء ملّتہ وعلینا معھم اجمعین۔

امّا بعد

ایں پانچ اشعار وقت اشعار تصوف اشعار حسب الارشاد لازم الانقیاد حضرت عظیم الدرجہ جناب صاحب والامناقب نواب سید نورالدین حسین خاں بہادر رئیس اعظم بڑودہ ادام اللہ تعالٰی اقبالہم وضاعف اجلالہم۔بزبان عام اردو ومطالب سہل الحصول مطابق عقائد	یہ جواب ہے تصوف سے متعلق کچھ بلند پایہ اشعار کا۔ان کے ارشاد کے مطابق جس کی فرمانبرداری لازم ہے یعنی بلند وعظیم درجات ومناقب کے مالک محترم جناب سید نور الدین حسین خان بہادر رئیس اعظم بڑودہ،اللہ تعالٰی ان کی خوش بختی کو ہمیشہ رکھے اور ان کی بزرگی کو دگنا کردے،عام اردو زبان میں کہ مطالب آسانی سے حاصل ہوں،جو مطابق ہے

اہل حق ومدارک افہام وعقول بتاریخ بست وپنجم شعبان المعظم روز جاں افروز دوشنبہ ۱۳۰۸ھ ہجریہ قدسیہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ در بانس بریلی ملک ہند بخامہ خام نگار فقیر ذلیل ذرہ بے مقدار عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی برکاتی آل رسولی غفراللہ لہ وحقق املہ باوصف قلّت بضاعت وجہل صناعت بامداد نور باطن حضورلامع النور سلالۃ الواصلین نقاوۃ الکاملین بحر طریقت بدر حقیقت حضرت سیدنا ومولانا وشیخنا حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب بمیاں صاحب قبلہ مارہری ادام اللہ فیضہم المعنوی والصوری در ساعت واحدہ ریختہ ع گر قبول افتدز ہے عزّو شرف	اہل حق کے عقائد اور موافق ہے عقول وافہام کے۔یہ جواب بانس بریلی ہندوستان میں بروز پیر ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۰۸ھ کو اس فقیر حقیر، ذرہ بے مقدار عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی برکاتی، آل رسولی (اللہ اس کی مغفرت فرمائے اور اس کی امید بر آری فرمائے) کے قلم سے پونجی کی قلّت اور فن میں عدم مہارت کے باوجود صرف ایک گھنٹے میں معرض تحریر میں آیا۔یہ ان کے نور باطن کی مدد سے ہوا جو روشن نور والے، واصلین کے خلاصہ، کاملین میں عمدہ، طریقت کے سمندر اور حقیقت کے چاند ہیں یعنی ہمارے سردار، ہمارے آقا، ہمارے شیخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قبلہ مارہروی، اللہ تعالٰی ان کے معنوی اور صوری فیض کو ہمیشہ رکھے۔ اگر قبول ہو جائے تو کیا ہی عزت اور شرف ہے (ت)

شعر اول: سب پیر اور مشائخ میرا سوال بولو ＊ صورت جلال کیا ہے اور کیا جمال بولو

الجواب: اللہ جل وعلار حیم بھی ہے اور قہار بھی ہے رحمت شان جمال ہے اور قہر شان جلال۔ دوستوں کو انواع نعمت سے نوازنا ان کے لئے بہشت اور اس کی خوبیاں آراستہ فرمانا انہیں اپنی رضا و دیدار سے بہرہ مندی بخشنا تجلی شان جمال ہے۔ دشمنوں کو اقسام عذاب کی سزادینا ان کے لئے دوزخ اور اس کی سختیاں مہیا فرمانا انہیں اپنے غضب وحجاب میں مبتلا کرنا تجلی شان جلال ہے۔ پھر دنیا میں جو کچھ نعمت ونقمت وراحت وآفت ہے انہیں دونوں شانوں کی تجلی سے ہے۔ کبھی یہ شانیں ایک دوسرے کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ مثلاً دنیا میں اپنے محبوبوں کے لئے بلا بھیجنا کہ:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔[1]	تمام لوگوں سے بڑھ کر تکلیفیں نبیوں پر آئیں پھر ان سے کم درجہ والوں پر پھر ان سے کم درجہ والوں پر۔(ت)

[1] کنز العمال حدیث ۶۷۸۰ و ۶۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۲۸و۳۲۹

بظاہر شان جلال ہے اور حقیقۃً شان جمال کہ اس کے باعث وہ اللہ تعالٰی کی بڑی بڑی نعمتیں پاتے ہیں، قال اللہ تعالٰی:

"لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ "۔[1]	اسے اپنے لئے برا نہ جانو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

کفار کو کثرت مال وغیرہ دنیا کی راحتیں دینا بظاہر شان جمال ہے اور در حقیقت شان جلال ہے کہ اس کے سبب وہ اپنی غفلت وگمراہی کے نشے میں پڑے رہتے ہیں اور ہدایت کی توفیق نہیں پاتے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ "۔[2]	کافر کا خیال کہ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دے رہے ہیں کچھ ان کے لئے بھلی ہے یہ ڈھیل تو ہم اس لئے دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ میں پڑیں اور ان کے لئے ذلت کی مار ہے۔

تجلی وجمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازی کلیاں یا بہار کے مینہ سے درختوں کی کنپھیاں، اور تجلی جلال کے آثار سے قہر وگرمی وخوف وتعب جب اس کا ورود ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھاجاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے بلکہ اگر طاقت سے زیادہ واقع ہوتی ہے فنا کر دیتی ہے۔ انہیں دونوں تجلّیوں کا اثر تھا کہ ایک روز وعظ میں برسر منبر حضور پرنور سیدنا غوث اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا گیا کہ حضور کا جسم اقدس سمٹ کر ایک چڑیا کے برابر ہوگیا اور اسی وقت یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ تن مبارک پھیل کر ایک بُرج کی مثل ہوگیا اور دیکھا گیا کہ حضور (رضی اللہ تعالٰی عنہ) منبر سے گرنے لگے یہاں تک کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست اقدس کے سہارے روک لیا، یہ وہ عظیم تجلی تھی جس کا تحمل بے قوت نبوت ناممکن تھا، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قوت مصطفویہ سے مدد فرما کر اس کا تحمل کرادیا، اسی شان جلال کا اثر ہے جو حضور پرنور سیدنا غوث اعظم صلی اللہ تعالٰی علٰی جدہ الکریم وعلیہ وسلم کے ایک مرید پر حضور کے پیچھے نماز میں واقع ہوئی کہ سجدہ میں

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۸

جاتے ہی جسم گھلنے لگا گوشت پوست، استخواں سب فنا ہوگیا صرف ایک قطرہ آب باقی رہا۔ حضرت غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعد نماز روئی کے پارہ میں اٹھاکر دفن کردیا اور فرمایا سبحان اللہ ایک تجلی میں ساعت قیامت ہے یہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو فنا کردے گی اسی لئے باری عزوجل اس دن یوں ارشاد فرمائے گا: "لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ"[1] کل تک سب کہتے تھے یہ ملک میری ہے یہ ملک میرا ہے آج بتاؤ کس کی بادشاہی ہے۔ پھر خود ہی فرمائے گا "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝" [2] ایک اللہ قہر والے کی۔ اس وقت باسم قہار اپنا وصف بیان فرمائے گا کہ وہ تجلی شان قہر کی ہوگی، وحسبنا اللہ۔

شعر دوم: خاکی بدن مقید کیونکر جمال حق کا — مطلق کی شان کیا ہے اس کی مثال بولو

الجواب: اس کی ایک ظاہری مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جیسے آفتاب کا نور اپنی ذات میں ایک ہے، نہ اس میں صورتوں کا اختلاف ہے نہ قوت وضعف کا فرق ہے، نہ جدا جدا رنگ ہیں، نہ متعدد نام ہیں، وہی نور واحد پہلی شب کے چاند پر پڑا اور یہاں یہ صورت پیدا کی کہ اس کا نام ہلال ہوا، پھر ہر روز نئی صورت اور زیادہ ترقی وقوت ہوتی رہی، شب چہار دہم اسی نور سے بدر کی صورت پیدا ہوئی، پھر اس میں ضعف آتا گیا یہاں تک کہ فنا ہوگیا۔ وہی نور واحد آئینہ مصفّا پر پڑے تو کیسی جھلک دیتا ہے کہ نگاہ خیرہ وحیران اور دیواروں پر عکس نمایاں ہوا، اور صفائی آئینہ میں کمی ہے تو نور میں کمی اور زمین پر پڑنے میں وہ بات کوسوں نہیں کولوں وغیرہ سیاہ بے تابش چیزوں میں ایک ظہور کے سوا اور کچھ اثر نہیں ہوتا وہی ایک نور ہے کہ جب قریب اُفق جانب شرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اس کا صبح اول نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے وہی صبح صادق ہوتی ہے پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے جب دن نکل آتا ہے وہی دھوپ ہے یونہی بعد غروب اس کے ظہور کے تفاوت ہیں تو دیکھو ایک آفتاب کی تجلی اور اتنے اختلاف، اور ہر حالت کے اعتبار سے اس کے جدا نام ہیں اور جدا اوصاف، بااین ہمہ وہ نور اپنی ذات میں ایک ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں، نہ وہ صبح اول کے وقت طویل ہوگیا تھا نہ صبح ثانی کے وقت چوڑا، نہ شفق کے وقت اس نے لباس سرخ پہنا نہ دن نکلتے زرد یا سفید، نہ ہلال پر چمکتے وقت کمان ہوگیا تھا نہ بدر پر پڑتے بشکل دائرہ، نہ آئینہ پر چمکتے وقت قوت پائی تھی نہ زمین پر آتے ہوئے ضعف،

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

مگر یہ سب اختلاف تغیر مظاہر میں ہیں جن کے باعث اس شے واحد کی اتنی تعبیریں اور اس قدر حالتیں ہوگئیں۔پس یہ مثال نور مطلق ذات باری عزوجل کی سمجھنا چاہئے کہ واحد حقیقی ہے تغیر واختلاف کو اصلاً اس کے سراپردہ عزت کے گرد بار نہیں، پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں بے شمار نام بے حساب آثار پیدا ہیں جنہیں ہم عالم نام رکھتے ہیں یہ ظاہری تفہیم کے لئے ایک بہت ناقص وناکارہ وناتمام مثال ہے "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ"[1] (اوران کی شان سب سے بلند ہے۔ت)اس سے زائد بیان سے باہر اور مرتبہ عقل سے وراء ہے۔تاکرابخشند وبکہ روزی دارند(یہاں تک کہ کس کو بخشیں گے اور کس کو روزی دیں گے۔ت)

شعر سوم: مخفی میں کیونکہ تھا وہ سری میں کس طرح تھا
پھر روح کیوں ہوا ہے دل کا خصال بولو

الجواب: وہ نور پاک اپنی ذات میں نہایت ظہور پر ظاہر ہے اور اپنے بے نہایت ظہور کے سبب باطن کہ نور جس قدر تابندہ تر ہوگا نظر اس پر کام کم کرے گی،جب نور احدیت کی تابش غیر محدود ہے چشم جسم وچشم عقل دونوں وہاں نابینا ہیں تو وہ اپنے کمال ظہور کے سبب کمال خفاوبطون میں ہے پھر اپنے مظاہر وتجلیات میں تو اس کا ظہور ذی عقل پر ظاہر ہے اور اسی نور کے متعدد پرتوں نے روح وقلب وغیرہ وغیرہ بے حساب نام پائے ہیں جس طرح ہم ابھی مثال میں واضح کر آئے قلب وروح کی معرفت بے معرفت الٰہی نہیں ہوتی۔

من عرف نفسه فقد عرف ربّه،[2] من عرف نفسه كلّ لسانه۔[3]	جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کی زبان بند ہوگئی۔(ت)

ناواقفوں سے فقط اتنا ارشاد ہوا:

"قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾"۔[4]	تو فرمارو ح میرے رب کے امر سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

---

[1] القرآن ۱۶/ ۶۰

[2] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴

[3] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

عالم دو ہیں: عالم امر وعالم خلق،

"اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝" [1]	سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے رب سارے جہان کا۔(ت)

عالم خلق وہ چیزیں جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے انسان، حیوان، نباتات، جمادات، زمین وآسمان وغیرہا کہ نطفہ و تخم وعناصر سے بنے عالم امر وہ جو صرف امر کن سے بنا، اس کے لئے کوئی مادہ نہیں جیسے ملائکہ وارواح وعرش ولوح وقلم وجنت ونار وغیرہ۔ تو فرمایا روح عالم امر سے ایک چیز ہے، عقل کا حصہ اسی قدر ہے، آگے اس کی ماہیت اکابر اہل باطن جانتے ہیں، سبحان اللہ! آدمی خود اسی روح کا نام ہے اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ؎

تنت زندہ بجاں جان نہانی   تو از جاں زندہ وجاں را نہ دانی

(تیرا بدن مخفی جان کی وجہ سے زندہ ہے، تو جان کے سبب زندہ ہے، اور جان کو نہیں جانتا ہے۔ت)

اور سِرّ وخفی وروح وقلب لطائف حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم سے ہیں جن میں تجلیات حق کے رنگا رنگ ذوق کا ادراک کار عیاں ہے نہ کار بیان ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اللہ کی قسم تو اس شراب کا مزہ نہیں پہچان سکتا جب تک اسے چکھ نہ لے۔ت)

شعر چہارم:

اربع عناصر اب یوں نکلے کہو کہاں سے

مرتا سو کون اس میں کس کو وصال بولو

الجواب: نور احدیت کے پرتو سے نور محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنا اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا، اول پانی پیدا ہوا، پھر اس میں دھواں اٹھا اس سے آسمان بنا، پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہو کر زمین ہوگیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کر دیا پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کئے، یونہی پانی سے آگ بنی، ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پا کر ہَوا ہُوا ہو اور ہَوا گرم ہو کر آگ، یا جس طرح مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے چاہا، غرض پانی مادہ تمام مخلوق کا ہے۔ امام احمد وابن حبان وحاکم کی

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۵۴

حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کل شیئ خلق من الماء**[1] ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ موت بدن کے لئے ہے جس کے معنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ روح پہلے نہ تھی جب بنی تو پھر اس کے لئے فنا نہیں، یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ وللہذا بعد مرگ سمع وبصر، علم وفہم وغیرہ تمام افعال کہ حقیقۃً روح کے تھے برقرار رہتے ہیں بلکہ اور زیادہ ترقی پاتے ہیں، جن کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک پرند قفس میں محبوس ہے اس کی پَر افشانی اسی پنجرے کے لائق ہوگی جب اسے نکال دیجئے تو اس کی پروازیں دیکھئے۔ فقیر نے اپنی کتاب "**حیات الاموات فی بیان سماع الاموات**" میں اس مسئلہ کو بحمد اللہ تعالٰی نہایت شرح وبسط سے ثابت کیا ہے یہ روح اپنے معدن اصلی سے غریب الوطن ہو کر قفس بدن میں بحکم الٰہی ایک مدت معین تک محبوس ہے جب وقت آئے گا اپنی اصل کی طرف رجوع کرے گی "**یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾**"[2] (اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ت) اس کا نام وصال ہے۔ت)

شعر پنجم:

اول ہے روح علوی دوسری کا نام سفلی
ایک روح دو صفت کیوں پکڑا کمال بولو

الجواب: اس شعر کے دو معنے ہیں: ایک یہ روح مجرد ہے یعنی جسم اور جسم کی سب آلائشوں سے پاک ومنزہ، یہ صفت اس کی علوی ہے، پھر وہی روح اس جسم پر عاشق اور اس سے متعلق اور حیات دنیوی میں اس کی عادی کام اس جسم کے آلات پر موقوف، یہ صفت اس کی سفلی ہے مگر اس بلندی سے اس تنزّل میں آنے کے بعد ہی وہ اپنے کمالات کو پہنچتی ہے "**قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا**"[3] (ہم نے فرمایا تم جنت سے اُتر جاؤ۔ت) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے باعث ہزاراں برکات وخیرات ہوا۔

دوسرے یہ کہ انسان میں صفت ملکوتی وصفت بہیمی وصفت شیطانی سب جمع ہیں، اگر صفت ملکوتی پر عمل کرے ملک سے بہتر ہو اور اگر دوسری صفت کی طرف گرے بہائم سے بدتر ہو۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۲۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۵۲
[2] القرآن الکریم ۸۹/ ۲۷و۲۸
[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۸

حدیث میں آیا ہے:

قال اللہ تعالٰی عبدی المومن احب الیّ من بعض ملئکتی [1]	اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ مومن مجھے اپنے بعض ملائکہ سے زیادہ پیارا ہے۔

اور کفّار کے حق میں فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ" [2]	وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے۔

اور اس کا کمال انہیں دو صفت کے اجتماع سے کہ جب وہ باوجود موانع کہ صفت بہیمی اسے شہوات کی طرف بلاتی ہے اور صفت شیطانی خیرات سے روکتی ہے پھر ان کا کہنا نہ مانے اور اپنے رب کی عبادت وطاعت میں مصروف ہو تو اس کی بندگی نے وہ کمال پایا جو عبادت ملائکہ کو حاصل نہیں کہ ملائکہ بے مانع وبے مزاحم مصروف عبادت ہیں اور یہ ہزار جالوں میں پھنسا ہوا ان سب سے بچ کر بندگی بجالاتا ہے۔

فرشتہ گر بہ بیند جوھر تو
دگر رہ سجدہ آرد بردر تو

(فرشتہ اگر تیرے جوہر کو دیکھ لے تو پھر تیرے در پر سجدہ کرے۔ت)

شعر ششم:

دِکھتا ہے جو کہ خاکی آنکھوں سے سب فنا ہے
دِکھتا ہے کس نظر سے وہ جگ اُجال بولو

الجواب: ظاہر ہے یہ آنکھیں فانی ہیں اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا دنیا میں دیدار الٰہی سوا حضرت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کسی نبی مقرب کو بھی نصیب نہ ہوا ہاں چشم روح باقی ہے ہم ابھی ذکر کر آئے کہ روح کے لئے تو اولیاء نظر دل سے اُس جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور روز حشر وہ آنکھیں ملیں گی جنہیں پھر کبھی موت وفنا نہیں تو اس دن چشم جسم سے بھی مسلمان دیدار الٰہی تبارک وتعالٰی سے مشرف ہوں گے۔ **اللّٰھم ارزقنا اٰمین!**

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الصوم دار الفکر بیروت ۴/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

شعر ہفتم:

ہر چیز ذات حق سے معمور ہے ولیکن
ملتا ہے کس محل میں ابروہلال بولو

الجواب: اس کاجواب وہ ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہوا انہوں نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی: الٰہی! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: **عند المنکسرۃ قلوبھم لاجلی**[1] اُن کے پاس جن کے دل میرے لئے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک شخص حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا پنجوں کے بل گھٹنے ٹیکے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون رواں ہے، عرض کی حضرت! یہ کیاحال ہے؟ فرمایا: میں ایک قدم میں یہاں سے عرش تک گیا عرش کو دیکھا کہ رب عزوجل کی طلب میں پیاسے بھیڑیے کی طرح منہ کھولے ہوئے ہے بانگے بر عرش زدم کہ ایں چہ ماجراست ہمیں نشان دیتے ہیں **الرحمٰن علی العرش استوٰی** (رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استوافرمایا۔ت) میں رحمٰن کی تلاش میں تجھ تک آیا تیرا یہ حال پایا، عرش نے جواب دیا: مجھے ارشاد کرتے ہیں کہ اے عرش! اگر ہمیں ڈھونڈنا چاہے تو بایزید کے دل میں تلاش کر۔[2]

شعر ہشتم:

سب جسم ہے محمد موجود ذات حق ہے
اسلام اور کفر کا پردہ سنبھال بولو

الجواب: حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام عالم نور حضرت سیدالعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پیدا کیا تواصل ہر چیز کی نور سراپا حضور پرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے پس مرتبہ ایجاد میں بس وہی وہ ہیں۔ فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنے قصیدہ نونیہ نعتیہ میں بحمداللہ تعالٰی اس نفیس مضمون میں بہت ابیات رائقہ لکھے ہیں، **ھٰھُنا قولی** ؎

خالق کل الورٰی ربك لاغیرہ　　　نورك كل الورٰی غیرك لم ،لیس ،لن[3]

(کل کائنات کاخالق تیرارب ہے نہ کہ اس کاغیر، تیرانورہی کل کائنات ہے اور تیرے سوالم، لیس، لن ہے۔ت)

ای **لم یوجد ولیس موجوداً ولن یوجد ابداً** (یعنی کہیں نہیں پایاگیا، نہ موجود ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ت) اور مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے وحدت وجود کے جس قدر معنے عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۲۹۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی رحمہ اللہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۰۰

[3] بساتین الغفران منظومہ نونیۃ فی مدح سیدالانبیاء رضا دارالاشاعت لاہور ص ۲۲۳

موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حدذات میں اصلاً وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے "كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ"[1] (ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔ت) اور حاشا یہ معنی ہر گز نہیں کہ من وتو زید وعمرو ہر شَے خدا ہے، یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔ یہی کفر واسلام کا پردہ سنبھالنا ہے۔

شعر نہم:

نکتہ نہیں علم کا قرآن میں سمایا

معنی علم کے نکتہ کے اب محال بولو

الجواب: علم کا نکتہ وہ باریک بات سمجھ میں نہ آئی یہاں اس سے مراد ذات پاک باری عزوجل ہے کہ ہر گز اس کی کُنہ نہ فہم تصور میں آسکے نہ بیان وکلام میں سماسکے ادراک اس کا محال اور خوض اس میں ضلال، **والعیاذ باللہ ذی الجلال**، قرآن اللہ عزوجل کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ صفت ذات میں ہوتی ہے ذات صفت میں نہیں آسکتی۔

کس نہ دانست کہ منزل گہ آں یار کجاست   ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

(کسی کو معلوم نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اتنا جانتا ہے کہ کسی گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ت)

ھذا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ وسلم۔اٰمین!

رسالہ

کشف حقائق واسرار دقائق

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/۸۸

اوراد ووظائف وعملیات

مسئلہ ۳۱۶: از صاحب گنج گیا مسئولہ چراغ علی صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف

سوال یہ ہے: "السلام علیکم یاخواجہ عبدالکریم جانب مشرق، السلام علیک یاخواجہ عبدالرحیم جانب شمال، السلام علیک یاخواجہ عبدالرشید، جانب جنوب، السلام علیک یاخواجہ عبدالجلیل"۔ جانب مغرب بعدہ یہ پڑھنا:

اللّٰھم انت قدیم ازلی تنزیل العلل ولم تزل ولاتزال ارحمنی برحمتك یاارحم الراحمین، اللّٰھم اغفر لامة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللّٰھم ارحم امة سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعدہ پڑھنا درود شریف کا بعدِ طاق جائز ہے یانہیں؟ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بھی لکھا ہے اور نیز کیمیائے سعادت میں ہے۔

الجواب:

دعائے مذکور جائز ہے اور اس میں بہت برکات ہیں۔ یہ چاروں حضرات جہات اربعہ میں اوتادِ اربعہ ہیں۔ یہ اسمائے طیبہ ان کے اشخاص کے نہیں بلکہ عہدہ کے ہیں۔ جس طرح ہر غوث کا نام عبداللہ اور اس کے دونوں وزیروں کے نام عبدالملک اور عبد الرب ہیں۔ جو اس عہدہ پر مقرر ہوگا ظاہر میں کچھ نام رکھتا ہو یا باطن میں اس کا یہ نام رکھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۷: از سہسوان محلّہ مستولی ٹولہ مرسلہ پرورش علی صاحب

نسیان کا مجرب علاج کیا ہے؟

الجواب:

دفع نسیان کو ۱۷ بار سورہ الم نشرح ہر شب سوتے وقت پڑھ کر سینہ پر دم کرنا، اور صبح ۱۷ بار پانی پر دم کرکے قدرے پینا، اور چینی کی رکابی پر یہ حروف اھ ظ م ف ش ذ لکھ کر پلانا نافع ہے۔ اور چالیس روز سفید چینی پر مشک وزعفران وگلاب سے لکھ کر آب تازہ سے محو کرکے پئیں۔ تسمیہ اس کے بعد **فسھّل یاالٰھی کل صعب * بحرمۃ سیدالابرار سھّل* یامحی الدین اجب، یا جبرائیل بحق یابدوح۔ والسلام۔**

مسئلہ ۳۱۸: از مقام سوروں ضلع ایٹہ۔ اللہ دیا وچندومنہار روز دوشنبہ ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

رہنمائے دین متین، مرشد راہ یقین بندہ دام فیضہ۔ بعد اظہار لوازم کے یہ عاصی پر معاصی بندہ خاکسار حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہے، آج کل مجھ کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضور مجھ کو ذکر قلبی بتلادیجئے، آپ حضور لکھ دیں فوراً خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا اسم شریف کیا ہے، وہ مجھ کو تحریر کریئے گا۔ اور ایک حافظ آئے تھے "سرائے ترین" سوداگر کنگھی والے، وہ مجھ کو ایک حاضرات بتلاگئے ہیں، حضور اجازت دیں تو عمل میں لاؤں۔ سورہ رحمٰن کے دوسرے رکوع میں ہے: **یامعشر الجن**، حضور اس کا جواب بہت جلد دیجئے گا اور خان حمید الدین شاہ صاحب مجھ کو ایک عمل ہمزاد تجربہ کا دے گئے ہیں وہ اب تک بغیر اجازت حضور کے نہیں کیا۔

الجواب:

حاضرات جن سے جنوں کو بلانا اور ان سے صحبت وملاقات مقصود ہو محمود نہیں۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں: "کم سے کم وہ ضرر کہ جن کی ملاقات سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے"۔ یہ کتنا بڑا ضرر ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا: "کیا متکبروں کا ٹھکانہ جہنّم نہیں"۔[1]

ذکر کے طریقے کثیر ہیں، تلاوت قرآن وکلمہ طیبہ اور درود شریف کی کثرت رکھئے۔ اور جو اذکار بطریقہ اشغال ہیں وہ بالمشافہ سیکھنے سے خوب آتے ہیں۔ سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف **یُوْحَانِذْ** ہے۔ **وھوتعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

مسئلہ ۳۱۹: (سوال مذکور نہیں)

اجازت نامہ اوراد و وظائف واعمال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے جملہ نقوش و تعویذات خاندانی جو فقیر کو اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا حضرت جناب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ مارہری قدس سرہ العزیز یا ارشادات ائمہ کرام واولیائے عظام وعلمائے اعلام سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے پہنچے یا فقیر نے بفضلہٖ تعالٰی مجاز وماذون ہو کر خود ایجاد کئے یا آئندہ ایجاد کروں ان سب کی اجازت عامہ تامہ صحیحہ نجیحہ اپنے خواہر زادہ برخوردار حکیم علی احمد خاں سلمہ کو دی۔ مولٰی تعالٰی اپنے کرم سے برکت فرمائے شرط یہ ہے کہ کسی کام خلاف شرع کے لئے نہ خود استعمال کریں نہ کسی ایسے کو دیں یا بتائیں جو کوئی کام خلاف شرع چاہتا ہو۔

[۱] جس طرح عورتیں اکثر تسخیر شوہر چاہتی ہیں کہ شوہر ہمارے کہنے میں ہو جائے جو ہم کہیں وہی کرے، یہ حرام ہے۔ حدیث میں اسے شرک فرمایا اللہ عزوجل نے شوہر کو حاکم بنایا نہ کہ محکوم۔ [۲] یا یہ چاہتی ہیں کہ اپنی ماں بہن سے جدا ہو جائے یا [۳] ان کو کچھ نہ دے ہمیں کو دے، یہ سب مردود خواہشیں ہیں۔ [۴] مقدمات فوجداری میں مسلمانوں کو نقوش حفاظت دیئے جائیں۔ [۵] دیوانی و مال کے مقدمات میں جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ حق پر ہے نہ دیں کہ ظالم کی اعانت حرام ہے۔ [۶] حب و تسخیر عورت کے لئے نقش و عمل کسی کو نہ دیا جائے اس میں اکثر مقاصد فاسد بھی ہوتے ہیں اگر فی الواقع نکاح ہی کا طالب ہو جب بھی صریح اندیشہ معصیت ہے کہ اجنبی کی محبت دلِ عورت میں پیدا ہو ناسمِ قاتل ہے ممکن کہ نکاح میں تعویق ہو یا اولیائے زن نہ مانیں اور محبت طرفین سے پیدا ہو چکی تو اس کا نتیجہ برا ہو۔ [۷] یونہی اگر تسخیر زن نہ چاہے بلکہ اولیائے زن کی تسخیر کہ وہ اس سے نکاح کر دیں اور یہ ان کا کفو نہ ہو یعنی ایسا کم ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعث مطعونی یا معصیت شرعی ہو جب بھی ہرگز نہ دیں کہ یہ مسلمانوں کی مضرت رسانی ہے بلکہ [۸] بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مطلقاً دیا ہی نہ جائے نکاح خصوصًا ہندوستان میں عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے اور انجام کا علم اللہ عزوجل کو۔ ممکن کہ یہ رشتہ طرفین میں کسی کے لئے شر ہو تو شر کا سبب بنانہ چاہئے، یہاں ایسوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی ہے کہ استخارہ شرعی کریں اور دعا کہ

اللہ عزوجل وہ کرے جو بہتر ہو۔[۹] نہ خود کسی مسلمان کی ضرر رسانی کا کوئی عمل کیا جائے نہ کسی کو بتایا جائے اگرچہ وہ اپنی کتنی ہی مظلومی اور اس کا ظالم و موذی ہونا ظاہر کرے، ہاں اگر ثبوت شرعی سے ثابت ہو جائے کہ وہ عام طور پر موذی وظالم ہے تو اس کے لئے اسی قدر ضرر کی خواہش روا ہے جس قدر کا شرعًا اسے استحقاق ہے اس سے زیادہ حرام ہے اور اس کا صحیح معیار پر اندازہ خصوصًا اپنے معاملہ میں بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا ہمیشہ یہاں سپر ہی ہاتھ میں رکھی تلوار کام میں نہ لائی گئی، اسی پر عمل رہے۔[۱۰] مسلمانوں کو لوجہ اللہ تعویذات واعمال دیئے جائیں دنیوی نفع کی طمع نہ ہو جیسا آج تک بحمد اللہ تعالٰی یہاں کا دستور ہے۔[۱۱] کفار کو اگر نقوش دیئے جائیں تو مضمر، انہیں مظہر کی اجازت نہیں اور وہ بھی اس امر میں ہو جس سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہو اور ان سے معاوضہ لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔ جو کافر خصوصًا مرتد جیسے قادیانی، نیچری، وہابی، رافضی، چکڑالوی، غیر مقلد مسلمان کو ایذا دیا کرتا ہو اگرچہ رسائل کی تحریر یا مذہبی تقریر سے اس پر سے دفع بلا خواہ رفع مرض کا بھی نقش نہ دیا جائے، اور ایسا نہ ہو اور اس کام میں کسی مسلمان کا ذاتی نقصان بھی نہ ہو جب بھی مرتدوں کا مبتلائے بلا ہی رہنا بھلا۔ اور اگر دیں تو ضرور بمعاوضہ کہ اس میں دینی نفع تو تھا ہی نہیں دنیوی بھی نہ ہو تو آخر کس لئے۔ یہ بارہ[۱۲] بارتیں بطور نمونہ ہیں، غرض ہر طرح مصلحت شرعیہ ملحوظ رہے اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین!

مسئلہ ۳۲۰: از کیلا سپور ضلع سہارنپور مرسلہ عبداللہ صاحب امام مسجد منہاران ۸ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

میں سورہ واقعہ کی زکوۃ ادا کرنا چاہتا ہوں جس کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ شروع چاند میں جو پہلی جمعرات کے دن بعد نماز مغرب، اول آخر درود شریف کے بعد چھ مرتبہ سورہ مذکورہ کی تلاوت کرے اور پھر دوسرے روز پانچ بار پڑھے اسی طرح دوسری جمعرات آنے تک پانچ بار پڑھتا رہے دوسری جمعرات کو سورہ شریف پانچ بار پڑھ کر مع درود شریف کے اس ہفتہ کی تلاوت خدا کی نذر کر۔ اس کے بعد فورًا پھر مع درود شریف چھ بار سورہ شریف کی تلاوت کرے اور بعدہ روزمرہ بدستور تیسری جمعرات آنے تک پانچ بار پڑھے اس ہفتہ کا ثواب حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بخشے۔ اور پھر فورًا از سر نو شروع کرے اور ترکیب بالا جمعرات تک کرے اس ہفتہ کا ثواب جمیع ارواح مومنین کو ہدیہ، عمل تمام ہو۔ لہٰذا حضور باجازت اس عمل کی مجھے دیں اس میں جو کچھ غلطی ہو تو اصلاح فرمادیں، اور ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ سورۂ یسین میں اللہ تعالٰی

کے اسماء میں سے ایک اسم رکھا گیاہے اور وہ اسم سورہ یسین کے وسط میں ہے اس کے پانچ کلمے اور سولہ حرف ہیں چار حرف منقوطہ ہیں اور دو حرفوں پر اوپر نقطے ہیں اور دو حرفوں کے نیچے ہیں لہٰذا میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے پتہ نہ چلا، امید کہ آپ اس مشکل کو حل کریں۔

الجواب:

کسی عمل کا ثواب مولٰی تعالٰی کی نذر کرنا محض جہالت ہے وہ غنی مطلق ہے اور حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام خواہ اور نبی یا ولی کو ثواب بخشنا کہنا بے ادبی ہے بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے بلکہ نذر کرنا یا ہدیہ کرنا کہے، پہلے ہفتہ کی تلاوت کا ثواب نذر حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کرے، دوسرے کی تلاوت کا ثواب نذر باقی انبیاء واولیاء، تیسرے کا ثواب ہدیہ ارواح جملہ مومنین و مومنات کرے، اس طرح کیجئے میں نے آپ کو اجازت دی، وہ سورہ مبارکہ کی ایک پوری آیت ہے کارڈ میں آیت نہیں لکھی جاسکتی اس کا اول س ل م اور آخر ر ح ی م۔ اس سائل نے ۱۶ حرف یوں بتائے کہ سلام میں چار حرف سمجھے یہ غلط ہے مصحف کریم میں یہ لفظ بے الف ہے تو پندرہ ہی حرف ہیں اس میں چار حرف منقوط ہیں ق ن ب ی، مگر نون کے اوپر نقطہ کہنا نہ چاہئے کہ وہ جوف میں ہے فقط۔

مسئلہ ۳۲۱: از چوہر کوٹ بار کھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

یکے ملا میگوید کہ در دعا گنج العرش و در دعا عکاشہ وغیرہ ادعیات عربی وفارسی و در نور نامہ ہندی کہ درآن ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتفصیل است ثواب چنداں نوشتہ است کہ چہل شہید و حج وغیرہ امورات ثواب حاصل آید کہ بخواند، آں ملا میگوید ہرچہ ثواب نوشتہ است آں حاصل نباشد و غلط نوشتند برائے فروختگی کتاب نوشتہ و ہیچ اصل نیست آیا گفتہ ملا بموجب شرع شریف است یا مخالف اگر ثواب ہمچناں ست کہ نوشتہ است براہ مہربانی	ایک ملا کہتا ہے کہ دعاء گنج العرش اور دعاء عکاشہ وغیرہ عربی وفارسی دعاؤں پر اور اسی طرح نور نامہ ہندی جو میلاد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تفصیلی ذکر پر مشتمل ہے، کو پڑھنے پر ثواب اس قدر لکھا ہے کہ چالیس شہیدوں اور حج وغیرہ نیک امور کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ملا مذکور کہتا ہے یہ ثواب جو لکھا ہوا ہے حاصل نہیں ہوتا یہ غلط لکھا ہوا ہے صرف کتابیں فروخت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیا ملا کا قول شرع شریف کے مطابق ہے یا مخالف؟ اگر ثواب

سند وحوالہ کتاب کہ در ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چنداں ثواب ست تحریر فرمایند بلاحیثیت۔	ایسا ہی جیسا کہ لکھا ہوا ہے تو براہ مہربانی سند اور حوالہ کتاب کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ میلاد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرنے پر اس قدر ثواب ہے؟ (ت)

الجواب:

رسالہ منظومہ ہندیہ کہ بنام نور نامہ مشہور است روایتش بے اصل است خواندنش روانیست چہ جائے ثواب وبرادعیہ درمطابع انچہ روایتہائے اسنادی نویسند اکثر بے اصل است وثواب بدست رب الارباب، یکبار سبحان اللہ میزان راپُر میکند و لاالٰہ الااللہ پستر از عرش نمی ایستد، یک کلمہ ازینہا اگر مقبول شود جزائے اوجزجنت نیست وثواب اللہ اطیب واکثر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندی زبان میں لکھا ہوا رسالہ جو نورنامہ کے نام سے مشہور ہے، اس کی روایت بے اصل ہے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ثواب کی جگہ پر اور دعاؤں پر مطبعوں میں جو اسنادی روایتیں لکھتے ہیں وہ اکثر بے اصل ہیں۔ اور ثواب تو اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے، ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا نیکیوں کے ترازو کو بھر دیتا ہے اور لاالٰہ الا اللہ کہنا عرش سے نیچے نہیں رکتا، ان میں سے اگر ایک کلمہ بھی قبول ہوجائے تو اس کا ثواب جنت کے ماسوا نہیں ہوتا اور اللہ تعالٰی کا عطا کردہ ثواب بہت پاکیزہ اور بہت زیادہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب لکھنوی رضوی متعلّم مدرسہ ۱۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماقولکم یاحماۃ السنۃ السنیۃ البیضاء ویامحاۃ البدعۃ القبیحۃ الظلماء نصرکم اللہ تعالٰی بتائیدات الرحمانیۃ وایدکم بالنصر السبحانیۃ فی ھذہ المسئلۃ ان اشرفعلی التھانوی الذی تفوّہ بالکفر الجلی فی کتابہ حفظ الایمان	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، آپ کا کیا ارشاد ہے اے روشن چمکدار سنتوں کے حامیو، اور اے تاریک قبیح بدعت کو مٹانے والو! اس مسئلہ میں کہ اشرفعلی تھانوی جس نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں کفر صریح کا قول کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم وہ کتاب (دراصل) حبط الایمان (ایمان کی بربادی) ہے۔ اس میں تھانوی نے

وماھو واللہ الاحبط الایمان قد کتب عملا للامساك فی ص۱۰۹ فی کتابہ المسمی باٰثار تبیانی الجزء الثالث من اعمال قرآنی المطبوع فی برقی پریس الواقع فی دھلی ۱۳۳۵ھ فقال ماترجمتہ عمل اٰخر. للامساک، یکتب علی ورقۃ الکرم ویعلق علی الفخذ الایسر بابجد ھو زحطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ وقیل یا ارض ابلعی مائك ؤیسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر، کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأھا اللہ امسك ایھا الماء النازل من صلب فلان بن فلانۃ بلا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]، ھل فیہ تعریض القراٰن العظیم للاھانۃ وللانجاس والتوھین والتلویث بالارجاس وقولہ ھذا ھل فیہ کفر ام ضلال ام لیس فیہ شیئ من ھذہ الاحوال۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند الملك الجلیل۔	اپنی کتاب آثار تبیانی جزء ثالث از اعمال قرآنی کے حوالے سے امساک کے لئے ایک عمل لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے ایک اور عمل واسطے امساک کے۔ انگور کے پتے پر لکھ کر بائیں ران پر باندھے ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ۔ اور حکم فرمایا گیاکہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا، اور پانی خشک کردیا گیا اور کام تمام ہوا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھادیتا ہے۔ اے فلان بن فلانہ کی پشت سے نازل ہونے والے پانی رک جا بسبب "لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم" کے۔ کیا اس میں قرآن عظیم کی توہین اور اسے گندگی میں ملوث کرنے کی پیشکش ہے؟ اور حفظ الایمان میں اس کا قول مذکور کفر ہے یا گمراہی یا ان میں سے کچھ نہیں۔ تفصیل کے ساتھ بیان کرو جلالت والے بادشاہ کے پاس اجر دیئے جاؤگے۔ (ت)

الجواب:

الامام الاجل سیدی محمد البوصیری قدس سرہ قال فی قصیدتہ الکریمۃ الھمزیۃ ام القری فی حق ابی جھل	میرے آقا امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ نے اپنے قصیدہ کریمہ ہمزیہ "ام القری فی مدح خیر الوری" میں ابوجہل لعین کے بارے میں فرمایا:

[1] اعمال قرآنی حصہ سوم دارالاشاعت کراچی ص۱۱۶و۱۱۷

اللعین ع ماعلی مثلہ یُعَدّ الخطاء [1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	"اس جیسے کی خطائیں شمار نہیں کی جاسکتیں"۔اوراللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۲۳و۳۲۴: از شہر کہنہ ۱۶رجب ۱۳۳۵ھ بارہ دری مسئولہ مصطفٰی علی خاں

(۱) کسی شخص کا غصہ بڑھ جائے تو اس کے لئے آپ کوئی تعویذ دیں اور کچھ پڑھنے کو بتائیں۔

(۲) ماں باپ میں یا بہن بھائی ہو یا میاں بیوی ہو محبت اور اتفاق پیدا ہو پڑھنے کو بتائیں یا کوئی تعویذ دیجئے۔

الجواب:

(۱) دفع غضب کے لئے لاحول شریف کی کثرت کرے اور جس وقت غصہ آئے دل کی طرف متوجہ ہو کر تین بار لاحول پڑھے تین گھونٹ ٹھنڈا پانی پی لے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، لیٹا ہو تو اُٹھے نہیں۔

(۲) سب گھر والوں میں اتفاق کے لئے بعد نماز جمعہ لاہوری نمک پر ایک ہزار ایک "۱۰۰۱" بار یا ودود پڑھیں، اول آخر دس "۱۰" دس "۱۰" بار درود شریف، اور اس وقت سے اس نمک کا برتن زمین پر نہ رکھیں، وہ نمک سات "۷" دن گھر کی ہانڈی میں ڈالیں، سب کھائیں، مولٰی تعالٰی سب میں اتفاق پیدا کرے گا۔ ہر جمعہ کو سات دن کے لئے پڑھ لیا کریں۔

مسئلہ ۳۲۵: ازمدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو دینی یا دنیوی بات یاد نہ رہتی ہو وہ کیا پڑھے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سپید چینی کی تشتری پر لکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ا ھ ط م ر ف ش ذ اور اسے ذرا سے پانی سے دھو کر اس پر ۹۹۸ بار، اور نہ ہوسکے تو ۴۰۰ یا ۱۰۰ ہی بار یا حفیظ پڑھ کر دم کرے اور وہ پانی پی لے۔ روز ایسا ہی کرے، اور

---

[1] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل السادس حزب القادریۃ لاہور ص ۱۶

سوتے وقت ۱۷بار سورہ الم نشرح شریف پڑھ کر سینے پر دم کرلیا کرے اور کلنگ ذبح کرکے ذبح کی گرمی میں اس کا مغز نکال کر ۴۰بار اس پر یا حفیظ دم کرکے کھالے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

نوٹ

۲۶ویں جلد کتاب الفرائض سے شروع ہو کر کتاب الشتّی

کے حصہ اول پر اختتام پذیر ہوئی، ان شاء اللہ العزیز

۲۷ویں جلد کتاب الشتّی حصہ دوم سے شروع ہوگی۔